Qaiser Khan Khattak,
University of Malakand

UC SOUTHERN REGIONAL LIBRARY FACILITY
AA 000 349 931 6

THE LIBRARY
OF
THE UNIVERSITY
OF CALIFORNIA
LOS ANGELES

University of California
SOUTHERN REGIONAL LIBRARY FACILITY
305 De Neve Drive - Parking Lot 17 • Box 951388
LOS ANGELES, CALIFORNIA 90095-1388
Return this material to the library from which it was borrowed.

تواریخ حافظ رحمت خانی

افغان قبائل اوران کی تاریخ

تالیف

پیر معظم شاہ

ترتیب وحواشی

خان روشن خان

پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔ پشاور

پشتو اکیڈیمی سلسلہ مطبوعات نمبر ۵۱

اشاعت اول (پشتو) ۱۹۷۱ء
اشاعت دوم (اردو) ۱۹۷۶ء

قیمت : بیس روپے
Rs. 30/= - مجلد

ناشر :۔ ڈائرکٹر ، پشتو اکیڈیمی ۔ پشاور یونیورسٹی ۔ پشاور
طابع : محمد علی یوسفی ۔ شریف آرٹ پریس ۔ تین ہٹی ۔ کراچی — ۵

فہرست مضامین

۱	سخن ہائے گفتنی سید خیال بخاری	۱
۲	پیغام ۔ عبدالہاشم	۵
۳	پیش لفظ سید رسول رسا	۶
۴	دیباچہ ۔ محمد نواز طائر	۱۲
۵	نوٹ : میجر راورٹی	۴۷
۶	آغاز کتاب اول ۔ بیت	۵۳
۷	مقام اول	۵۴
۸	یوسف زیوں اور گگیانیوں کی مخالفت	۶۰
۹	گگیانی قوم پر مرزا الغ بیگ کی چڑھائی	۶۱
۱۰	یوسف زیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ	۶۴
۱۱	مرزا الغ بیگ کا یوسف زیوں کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا	۶۸
۱۲	کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگہ یوسف زیوں کو باندھنا	۷۰
۱۳	شیخ عثمان کا مکاشفہ	۷۱
۱۴	مقام دوم	۸۲
۱۵	واقع کی طرف رجوع	۸۶
۱۶	دلازاک اور یوسف زئی کی جنگ	۱۰۷
۱۷	یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کے لئے دلازاک کا لشکر جمع کرنا	۱۰۹
۱۸	دلازاک کے ساتھ صلح کرنے کی غرض سے ملک احمد خان کا ملک محمد خان کے ہاں جانا	۱۱۰
۱۹	مقام سوم	۱۱۷
۲۰	محمد بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا	۱۳۶
۲۱	مقام چہارم	۱۶۳
۲۲	دلازاک کی ایک خاتون شاہ بوڑی کا واقعہ اور اس کی بہادری	۱۷۲

3116380

۲۳ مقام پنجم ۱۸۱

۲۴ گگیانیوں اور دلازاکوں کی درمیان جنگ ۱۸۱

۲۵ مقام ششم ۲۰۳

۲۶ شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا لوم خشی (خشی) میں تقسیم کرنا ۲۰۳

۲۷ شیخ ملی اور ملک احمد کا انتقال ۲۰۵

۲۸ خان کجوکی سرداری کا آغاز اور غوریا خیل کی ان کے ساتھ کشمکش ۲۰۷

۲۹ شیخ تپور کی جنگ ۲۰۹

۳۰ مقام ہفتم ۲۲۹

۳۱ یوسف زئی کا دریائے لنڈے کو عبور کرنا اور غوریا خیل وغیرہ سے ان کی جنگ ۲۲۹

۳۲ یوسف زیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا ۲۳۸

۳۳ خان کجو کے ممالک متصرفہ کا ذکر ۲۴۵

۳۴ خان کجو کی خواجہ خضرؑ سے ملاقات ۲۴۵

۳۵ نظم پیر معظم شاہ ۲۴۸

حواشی

نقشہ خلافت عباسیہ ۲۵۱

۳۶ ابتدائیہ ۲۵۳

۳۷ باب اول ۲۵۴

۳۸ زوال بنی اسرائیل ۲۶۸

۳۹ نینوا کے اشوری ۲۷۱

۴۰ اشوریوں کا زوال ۲۷۲

۴۱ بابل کا عروج و زوال ۲۷۳

۴۲ ایرانی سلطنت کا قیام ۲۷۳

۴۳ خراسان ۲۸۴

۴۴ باب دوم ۲۹۷

۴۵ افغانوں کی نسل ۲۹۷

۴۶ پہاڑی پٹھان ۳۲۲

۴۷ زبان ۳۳۶

۴۸ پٹھانوں کی عام زندگی ۳۳۹

۴۹ خط و خال ۳۴۴

۵۰ خاندان غوری ۳۴۵
۵۱ خاندان خلجی ۳۵۰
۵۲ قبیلہ ایبک ۳۵۲
۵۳ خاندان تغلق ۳۵۳
۵۴ دکن کا بہمن خاندان ۳۵۳
۵۵ امام ابو حنیفہ رح ۳۵۴
۵۶ شجرہ نسب ابو حنیفہ ۳۵۹
۵۷ چند خصائص قومی ۳۶۱
۵۸ نواب نجیب الدولہ ۳۸۰
۵۹ سلطنت روہیلکھنڈ ۳۸۸
۶۰ پشتو اور سامی زبانیں ۳۹۱
۶۱ ساغری ۴۱۵
۶۲ تری اور ترکی ۴۱۶
۶۳ آرامی سریانی نام ۴۲۶
۶۳ افغان قوم کا حضرت عیسیٰ ؑ پر ایمان ۴۲۸
۶۴ ہندوؤں کی قدیم تاریخ ۴۵۱
۶۵ آریہ نسل کا حقیقت ۴۵۶
۶۶ ہنیئی پر ایک نظر ۴۶۰
۶۷ ہندوؤں کے عقائد ۴۶۲
۶۸ احمد شاہ ابدالی ۴۷۸
۶۹ باب سوم ۴۷۹
۷۰ تاریخ کی ضرورت ۴۷۹
۷۱ خان کجو کے بعد ۴۸۲
۷۲ ملک مصری خان
غازی خان ، کالو خان
بہاکو خان ۴۸۳
۷۳ شاہ جہان کا فرمان ۴۹۵
۷۴ ابدالی حکومت کا زوال ۵۰۲
۷۵ سکھوں کا دور ۵۰۷
۷۶ تحریک مجاہدین ۵۱۸
۷۷ انگریز کا دور ۵۳۳
۷۸ عمرا خان جندولی ۵۴۴
۷۹ ریاست دیر ۵۵۹
۸۰ ریاست سوات ۵۶۴
۸۱ یوسفزئی ہندوستان میں ۵۶۹
۸۲ ریاست فرخ آباد ۵۷۴
۸۳ علاقہ چھچھ کے افغان ۵۷۵
۸۴ ضلع ہزارہ میں افغان ۵۸۰
۸۵ گدون (جدون) ۵۸۰
۸۶ بنی اور کاکڑ ۵۸۲
۸۷ ترین ۵۸۴
۸۸ سواتی پٹھان ۵۸۵
۸۹ مشوانی ۵۸۸
۹۰ تراوڑہ اکو زئی ۵۸۹
۹۱ بڑیس یا بڑیچ ۵۹۰
۹۲ سرکانی ، تاران ، ساپار
اطرافی ۵۹۰
۹۳ روانڑی، بوقیان ، کنبار ۵۹۱

٩٤ وردگ ٥٩٢
٩٥ بے سود ، رہو ، لمغانی ٥٩٣
٩٦ اتمان خیل ٥٩٣
٩٧ خویشگی پٹھان ٥٩٤
٩٨ غلزئی اور لودی ٥٩٤
٩٩ سید اور میاں ٥٩٥
١٠٠ خشی قبائل ٥٩٦
١٠١ ککیانی ٥٩٦
١٠٢ ترکانڑی ٥٩٩
١٠٣ قبیلہ ککے زئی ٦٠٠
١٠٤ محمد زئی ٦٠٢
١٠٥ تہہ اشنغر ٦٠٤
١٠٦ خٹک ٦٠٦
١٠٧ مندوری اور کشار ٦١٠
١٠٨ مندہ اور کشار ٦١٠
١٠٩ تیراہی اور گمرانی ٦١١
١١٠ یوسفزئی علم وادب ٦١١
١١١ افغان مشائخ ٦١٢
١١٢ حافظ الپوری ٦١٢
١١٣ اخون پنجو بابا ٦١٢
١١٤ اخون سالاک ٦١٤
١١٥ قاضی خیل پشاور ٦١٥
١١٦ شیخ محمد شعیب ٦١٦
١١٧ میاں کلو بابا تورڈھیری ٦١٨
١١٨ کولھہ ملا صاحب ٦١٨
١١٩ جھنڈہ بابا جی ٦١٩
١٢٠ اڈہ ملا صاحب ٦٢٠
١٢١ اخون بالول خضر زئی ٦٢١
١٢٢ میاں نور ملی زئی ٦٢٢
١٢٣ اسوٹا بابا جی ٦٢٣
١٢٤ یوسفزیوں کے حرکات ٦٢٥
١٢٥ مساکن یوسفزئی ٦٢٧
١٢٦ قبیلہ یوسفزئی ٦٢٨
١٢٧ اکو بن یوسف ٦٢٩
١٢٨ ایک گذارش ٦٣٨
١٢٩ موسیٰ بن یوسف ٦٤٧
١٣٠ عیسوی بن یوسف ٦٤٩
١٣١ ملی بن یوسف ٦٥٢
١٣٢ اوریا بن یوسف ٦٥٥
١٣٣ متو بن منڈڑ ٦٥٥
١٣٤ رزڑ بن منڈڑ ٦٦٢
١٣٥ خضر بن منڈڑ ٦٦٤
١٣٦ محمود بن منڈڑ ٦٦٥
١٣٧ شیخ ملی ٦٦٨
١٣٨ حرف آخر ٦٧١

شجرہ جات

نوٹ : شجرے کے سلسلے ملانے کے لئے صفحہ کے نیچے دائرے میں نمبر دئیے گئے ہیں ۔

١٣٩ شجرہ ہائے نسب ٦٧٥

۱۴۰ قیس عبدالرشید ۶۷۳
۱۴۱ مختصر شجرہ نسب ۶۷۷
۱۴۲ اولاد یوسف، اباخیل
متوڑیزئی، موسیٰ خیل ۶۷۸
۱۴۳ عزی خیل ۶۷۹
۱۴۴ کبیر یوسفزئی (بنوں) ۶۷۹
۱۴۵ ملی زئی اور سہ بجنی ۶۸۰
۱۴۶ سلطان خیل ملی زئی ۶۸۱
۱۴۷ شامی زئی خواجہ زئی ۶۸۲
۱۴۸ نکپی خیل خواجہ زئی ۶۸۳
۱۴۹ شموزئی خواجہ زئی ۶۸۴
۱۵۰ ادین زئی خواجہ زئی ۶۸۴
۱۵۱ ابا زئی اکو زئی ۶۸۵
۱۵۲ خادک زئی اکو زئی ۶۸۵
۱۵۳ سردار خان بازی خیل ۶۸۶
۱۵۴ رانی زئی اکوزئی ۶۸۷
۱۵۵ موسیٰ (الیاس زئی) ۶۸۸
۱۵۶ عیسیٰ (عیسیٰ زئی) ۶۸۹
۱۵۷ صاحبزادہ گان کنار ۶۸۹
۱۵۸ کاکا خیل حسن زئی ۶۹۰
۱۵۹ اباز بن شاہ باز خان ۶۹۱
۱۶۰ ملایان ربل بوڑیان ۶۹۱
۱۶۱ قبیلہ تراوڑہ اکو زئی ۶۹۲
۱۶۲ دولت زئی ملی زئی ۶۹۳
۱۶۳ نوری زئی ملی زئی ۶۹۴
۱۶۴ مغل خیل ہوری والہ ۶۹۵
۱۶۵ بابو زئی بائی زئی ۶۹۶
۱۶۶ چغر زئی بن ملی ۶۹۷
۱۶۷ نجیب الدولہ ۶۹۸
۱۶۸ مندڑ کا شجرہ نسب ۶۹۹
۱۶۹ کمال زئی مندڑ ۷۰۰
۱۷۰ لشکر خان کشران زئی ۷۰۱
۱۷۱ صدیق خیل کمال زئی ۷۰۲
۱۷۲ فتح محمد خان کمال زئی ۷۰۳
۱۷۳ امان زئی مندڑ ۷۰۴
۱۷۴ میاں اللہ داد یوسفزئی ۷۰۴
۱۷۵ بیر خیل بن ملا بیرو ۷۰۵
۱۷۶ بیرو خیل امان زئی ۷۰۶
۱۷۷ عجب خان امان زئی ۷۰۶
۱۷۸ لقرہ دین خیل ۷۰۶
۱۷۹ جانو خیل امان زئی ۷۰۷
۱۸۰ عیسیٰ خیل امان زئی ۷۰۷
۱۸۱ اکازئی اور کنا زئی ۷۰۸
۱۸۲ علی زئی اتمانزئی ۷۰۹
۱۸۳ اسمعیل خیل علی زئی ۷۱۰
۱۸۴ جمو، مایان، پنجپاؤ ۷۱۰
۱۸۵ بوبا خیل علی زئی ۷۱۱
۱۸۶ مدگر بوبا خیل ۷۱۲
۱۸۷ سید خانی بوبا خیل ۷۱۲
۱۸۸ قاضی خیل پشاور ۷۱۳
۱۸۹ ابا خیل عمر خیل مندڑ ۷۱۴
۱۹۰ تاجو خیل سدو زئی ۷۱۵

۱۹۱ الٔژخیل سدو زئی ۷۱۶
۱۹۲ اسو خیل عمر خیل ۷۱۷
۱۹۳ سیدان میاں ڈھیری ۷۱۷
۱۹۴ بہزاد خیل ، خدو
خیل ، میر احمد خیل ۷۱۸
۱۹۵ عثمان خیل خدو خیل ۷۱۹
۱۹۶ مبارس خان خدو خیل ۷۲۰
۱۹۷ ابراہیم خان خدو خیل ۷۲۰
۱۹۸ فتح خان بن الف خان ۷۲۰
۱۹۹ روزڑ بن مندڑ ۷۲۱
۲۰۰ خضر زئی بن مندڑ ۷۲۲
۲۰۱ ماسو زئی بن مندڑ ۷۲۳
۲۰۲ کرلھہ ملا صاحب ۷۲۴
۲۰۳ قبیلہ گگیانی بن خشی ۷۲۵
۲۰۴ قبیلہ ترکانڑی بن خشی ۷۲۶
۲۰۵ قبیلہ محمد زئی ، زمند ۷۲۷
۲۰۶ قبیلہ گدون (جدون) ۷۲۸
۲۰۷ قبیلہ مشوانی ۷۲۸
۲۰۸ باچا صاحب بام خیل ۷۲۹
۲۰۹ سکندر افغان زروابی ۷۲۹
۲۱۰ قیاس خیل سوڈھیر ۷۲۹
۲۱۱ قبیلہ خویشگی بن زمند ۷۲۹
۲۱۲ حافظ رحمت خان ۷۳۰
۲۱۳ قاضیان قرملی و اسوٹا ۷۳۱
۲۱۴ بارک زئی سرداران ۷۳۲
۲۱۵ امیر دوست محمد خان ۷۳۳

سخن ہائے گفتنی

زیر نظر کتاب "تواریخ حافظ رحمت خانی" کا اردو ترجمہ ہے۔ اصل کتاب پشتو میں تھی جو چند سال پہلے پشتو اکیڈیمی کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔ اس کے پیش لفظ کو چھوڑ کر جو میاں سید رسول رسا صاحب نے لکھا باقی کتاب میرے زمانے میں چھپی۔ یہ اتنی اہم کتاب تھی کہ میرا جی چاہتا تھا کہ اس کی ترتیب و تدوین کا اعزاز خود حاصل کروں۔ مگر میرے رفیق کار محمد نواز طائر صاحب جو خود یوسف زئی قوم اور علاقہ (قصبہ تھانہ) سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی قوم اور علاقہ کے متعلق مجھ سے زیادہ معلومات رکھتے تھے، ان کا حق مجھ سے زیادہ تھا اور اسی لئے یہ اہم کام ان کے سپرد کیا گیا انہوں نے اس بارے میں جو کوشش اور سعی کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

اصل کتاب خالص پشتو میں نہیں بلکہ مؤلف نے ایک انوکھی روش اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ بیچ بیچ میں فارسی کے جملے بھی استعمال کرتا چلا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے فارسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل تھا۔ بلکہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فارسی زبان اپنی قدر و منزلت کے بلند ترین مدارج پر تھی۔ یورپ کی لاطینی زبان کی طرح بغیر فارسی یا عربی زبان جانے کوئی "عالم" کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے فارسی زبان اور علوم سے کما حقہٗ واقفیت ناگزیر تھی۔ پشتو کے بہت سے اہل قلم اور شعراء کے بیشمار شاہکار فارسی زبان میں موجود ہیں۔ مگر پشتو تحریر میں اس طریقے

یہ فارسی کی آموزش بہت کم دیکھنے میں آتی ہے - پھر کمال یہ ہے کہ پشتو عبارت میں فارسی کے پیوند خلاف توقع برے نہیں ، بلکہ بڑے پُر لطف لگتے ہیں - پشتو ایڈیشن میں تو ان کو بحال رکھنا ہی تھا مگر اردو ترجمے میں پشتو اور فارسی دونوں کو ایک ہی زبان (اردو) کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے -

ترجمے کا ذکر آیا ہے تو دو ایک لفظ مترجم کے متعلق بھی عرض کر دئے جائیں - کتاب کا ترجمہ مولوی محمد اسرائیل صاحب نے کیا ہے جو کہ پشتو اکیڈیمی میں ایک طویل عرصہ تک مترجم کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں - علامہ شبلی نعمانی رح کی شہرہ آفاق تصنیف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمے کا حق انہوں نے ایسا ادا کیا ہے کہ باید و شاید - اب انہوں نے اس کتاب کا پشتو سے اردو ترجمہ جس خوبی و خوش اسلوبی سے کیا ہے اس کا اندازہ اہل زبان مجھ سے بہتر لگا سکتے ہیں -

پختونوں نے علم و ادب میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ان کی تفصیل کا تو کیا ، ان کے اجمالی ذکر کی بھی یہاں گنجائش نہیں البتہ اس قوم کی تاریخ کے متعلق بسا اوقات سننے میں آتا تھا کہ پختون علماء نے اس طرف خاص توجہ نہیں کی - اور جو اکا دکا کتاب ان کی تاریخ کی ملتی ہے وہ زیادہ تر ان لوگوں نے لکھی ہیں جو پختونوں کے شدید ترین مخالف یعنی مغلوں کے دربار سے تعلق رکھتے تھے :- اور انہوں نے چاہے ارادۃً ، ہو یا چاہے اپنی کم علمی کی وجہ سے جو اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں اس سے صرف افسوس ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات دل کو ایک ٹھیس بھی لگتی ہے کہ کیسی کیسی بے بنیاد باتیں لکھ کر تاریخ نویسی کا مذاق اڑایا گیا ہے !

اپنی قوم کے اہل قلم علماء کے ہاتھوں جو چند ایک کتابیں

لکھی گئی ہیں وہ بہت ہی نایاب ہیں - ان میں یہ کتاب (تواریخ حافظ رحمت خانی) بھی تھی - جو روہیلکھنڈ کے مرد مجاھد نواب حافظ رحمت خان کی سر پرستی میں لکھی گئی تھی - یہ بھی سالہا سال تک برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں پڑی رہی - اس کا (غلط یا صحیح) ذکر تو بعض مستشرقین نے ضرور کیا مگر اصل کتاب نا قدر شناسی اور غفلت کی تاریکیوں میں طاق نسیاں پر پڑی رہی - پشتو اکیڈیمی نے جب اس کی فوٹو اسٹیٹ نقل برٹش میوزیم سے حاصل کی تو معلوم ہوا کہ ایک جواہر پارہ تھا جو پردیس میں برٹش میوزیم کے گمنام گوشے میں دوسری ایسی ہی نادر کتابوں تلے دبا اور اہل علم کی نظروں سے اوجھل رہا - اس موقع پر جب اس کے ساتھ بایزید انصاری کی تصنیف (خیرالبیان) کے واحد نسخہ کا خیال آ جاتا ہے تو ہم اہل یورپ کی لوٹ کھسوٹ کی دردناک یادوں کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت ان کی علم پروری کے معترف بھی ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے ایسے بے بہا موتیوں کو جو اپنے وطن میں حفاظت اور عزت و احترام سے محروم رہے ، کم از کم محفوظ تو رکھا!

اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو دیکھ کر ایک یوسف زئی پختون (جو یوسف زئی قبیلہ کی ذیلی شاخ منڈڑ سے متعلق ہیں) کی پختو جوش میں آ گئی - اور انھوں نے اس کتاب کے شائع کرنے کے لئے مالی امداد کی حامی بھر لی - پختون تاریخ کے یہ شیدائی قصبہ لواں کلی (ضلع مردان) کے غیور فرزند خان روشن خان ہیں ، اس طرح پشتو اکیڈیمی اس سخیر انسان کی فیاضی اور تاریخ پروری کی وجہ سے اس کتاب کو جلد شائع کرنے کے قابل ہو سکی - ورنہ بصورت دیگر نجانے اہل شوق کو اور کتنا انتظار کرنا پڑتا! اس کتاب کی بہت سی جلدیں پشتو تاریخ کے اس محسن نے تاریخ سے دلچسپی

رکھنے والوں میں مفت تقسیم کر دیں ۔ اور باقی جلدیں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں ۔ اب ہم اس کو دوبارہ شائع کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ان کے دل میں ایک اور خیال آیا ۔ وہ یہ کہ کیوں نہ اس اہم اور مستند تاریخی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کر دیا جائے تا کہ ہمارے دوسرے اہل وطن جو پشتو زبان نہیں جانتے اس قوم کی صحیح تاریخ اور ان کی عظمت دیرینہ اور قدیم کارناموں سے واقف ہو سکیں !

تواریخ حافظ رحمت خانی کے زیر نظر اردو ترجمہ کی طباعت و اشاعت کا انتظام اب پشتو اکیڈیمی کے نام سے انہوں نے خود ہی کیا ہے ۔ اردو ایڈیشن میں انہوں نے ایک قابل قدر اضافہ بھی کیا ہے ۔ وہ یہ کہ پشتو ایڈیشن چھپنے کے بعد خان روشن خان صاحب خود ہر اس مقام اور ہر اس جگہ پہنچے جس کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے ۔ ان بزرگوں کی بھولی بسری قبروں اور مزاروں اور ان مقامات کا پتہ چلایا ، جہاں اہم تاریخی واقعات اور حادثات پیش آئے تھے یا جہاں ہمارے یہ بزرگ اب گمنامی میں ابدی نیند سو رہے ہیں ۔ اور اپنی تحقیق سے بعض بزرگوں کے نایافت شجرے بھی مرتب کئے ۔

اس طرح حواشی اور یادداشتوں کے اس گرانقدر اضافے سے کتاب کی اہمیت اور افادیت کو چار چاند لگا دئے ۔ پشتو ایڈیشن ان تحقیقی یادداشتوں سے محروم ہے ۔ مگر جب بھی ہم اس قابل ہوئے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کریں ۔ تو یہ حواشی وغیرہ وہاں بھی درج کر دئے جائیں گے (انشا اللہ تعالیٰ) پشتو اکیڈیمی روشن خان کی اس تمام فیاضی اور تحقیق کے لیے بے حد شکر گزار ہے ۔

سید خیال بخاری

ڈائرکٹر پشتو اکیڈمی ۔ پشاور یونیورسٹی

پیغام

تواریخ حافظ رحمت خانی ، جو ایک بہت بڑی اہم تاریخی دستاویز ہے ۔ اور پشتو اکیڈیمی کو برٹش میوزیم لندن سے ہاتھ آئی ہے ۔ یہ کتاب سولھویں صدی (عیسوی) کے شروع میں (کابل سے) یوسف زئی اور دوسرے ملحقہ قبائل کی ہجرت اور دوبارہ آباد ہونے اور شیخ ملی کی مشہور تقسیم کے ذکر اذکار کی حامل ہے ۔ یہ در اصل اس مشہور تاریخ افاغنہ کی تلخیص ہے ۔ جو خان گجو کی تاریخ کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ اہم تاریخی دستاویز ، اس علاقے کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بالخصوص اور عام پختون کے لیے بالعموم بہت مفید ثابت ہوگی ۔

میں پشتو اکیڈیمی، پشاور یونیورسٹی کو، تواریخ حافظ رحمت خانی کی طباعت کے سلسلے میں لوان کلی (تحصیل صوابی) کے خان روشن خان کی بھاری مالی پیش کش کی قابل تقلید مثال کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اور توقع رکھتا ہوں کہ دوسرے بزرگ مخیر پختون حضرات بھی اس میدان میں پشتو اکیڈیمی کے ساتھ اسی طرح مالی تعاون کے لیے کمر ہمت باندھ لیں گے ۔

عبدالهاشم

وائس چانسلر ، پشاور یونیورسٹی

پیش لفظ

پختونوں کی تاریخ ، پشتو زبان اور پشتو ادبیات کی تاریخ کی طرح ، ابھی تک اندھیرے میں پڑی ہوئی ہے ۔ اور بہت تحقیق طلب اور غور طلب ہے ۔ پختونوں کے متعلق بہت سی تاریخیں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں کچھ تو خود پختونوں نے اور کچھ غیر پختونوں نے لکھی ہیں ۔ جو پختونوں نے لکھی ہیں ۔ ان میں بہت سی فارسی زبان میں ہیں اس لئے ان سے پختون مستفید نہیں ہو سکتے ، لیکن ان تاریخوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے ان کے بعض واقعات افسانوی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ اور بعض اوقات حقیقی واقعات قصداً کچھ اس طرح توڑ مروڑ کے پیش کئے جاتے ہیں جیسے ایک خاص غرض کے تابع کئے جاتے ہیں ۔ اور اصلی واقعات لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دئے جاتے ہیں ۔

اگر تاریخ دان اس خیال سے تاریخ لکھنے بیٹھ جائیں کہ پہلے سے ہی اپنے ذہن میں ایک خود غرضانہ یا متعصبانہ تاریخی نظریہ قایم کریں ۔ اور پھر اپنے نظریئے کے ثبوت میں ، صرف ان تمام تاریخی واقعات اور شواہد کو یک جا کریں ، جو ان کے نظریئے کو مدد اور تقویت دیں ۔ اور سارے واقعات ، جو ان کے تاریخی نظریئے

کے خلاف ہوں ، انہیں یا تو بالکل نظرانداز کر دیں ۔ اور یا ایسے طریقے سے پیش کر دیں ۔ جس سے اصلیت اور حقیقت مسخ ہو جائے تو اس سے تاریخ نہیں ، بلکہ پروپیگنڈے کا ایسا پمفلٹ یا کتاب بن جاتی ہے ۔ جسے حقائق کی روشنی میں کوئی فرد بھی تاریخ کی مستند کتاب نہیں کہہ سکتا ۔

چاہیئے تو یہ کہ تاریخ دان اگر ایک قوم یا ایک واقعے کی تاریخ لکھتا ہے ، تو اپنا ذہن ہر قسم کے تعصب سے خالی کر دے ۔ اور پھر غیر جانبدارانہ اور انصاف کی نظر سے ، مختلف شواہد اور اسناد کا مطالعہ شروع کرے ۔ اور شواہد و اسناد کے مطالعے کے ساتھ ساتھ جس قسم کا نظریہ اس کے دماغ میں قایم ہو کر جا گزین ہو جائے اس کی روشنی میں واقعات ، اشخاص ، سیاسی اور معاشرتی ماحول کا جائزہ لیا جائے ۔ اور صحیح استنباط کیا جائے ۔ ایسا نہیں ، کہ اپنی تعریف اور دوسرے کی برائی ، اپنی توقیر اور دوسرے کی تحقیر اور اپنے آپ کو تاریخی معلومات کا محور اور مرکز بنائے ۔

میری غرض یہ تھی ، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی آپ کے سامنے ہے ۔ اس مشہور تاریخ کے پڑھنے کے بعد ، آپ خود اندازہ لگائیں گے کہ اس تاریخ میں کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں ۔ مگر اتنی بات ضرور ہے ، کہ یہ تاریخ پختونوں کے ایک عظیم اور بڑے قبیلے یعنی یوسف زئی اور ساتھ ساتھ بعض دوسرے قبیلوں کی تاریخ پر بھی محققانہ اور مستند روشنی ڈالتی ہے ۔ اور اکثر تاریخی واقعات کی غیر جانبدارانہ تحقیق کرتی ہے ۔ یہ ایک مختصر عرصے کی تاریخ ہے ۔ مگر یہی عرصہ ، نہ صرف یہ کہ ایک نازک مرحلہ ہے ، بلکہ یوسف زئیوں کی تاریخ کے بعض متنازع فیہ واقعات کو بھی لئے ہوئے ہے ۔ جنہیں تاریخ دانوں نے اپنے اپنے مقاصد کی غرض سے اپنے اپنے رنگ

میں بیان کیا ہے۔

ہر کسی کو معلوم ہے کہ پختون قوم نے پاک و ہند کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے برصغیر میں جا بجا لا کھوں پختون آباد ہو گئے ہیں۔ اور ابھی تک آباد ہیں۔ ہندوستان میں ان پختونوں کا قدیم الایام سے ایک قدیم مرکز روہیلکھنڈ ہے۔ اور روہیلکھنڈ کے پختونوں کی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہے کہ یہ بہت مضبوط اور پشتو اور پختون پسند پختون تھے، بڑی مدت تک تو انہوں نے اپنی مادری زبان (پشتو) کو قایم رکھتا تھا۔ اور آپس میں بھی پشتو بولتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ماحول کے اثر، اور زمانے کی گردش، اور وقت کے خونیں حوادث نے ان سے اپنی زبان بھلا دی ان سے پشتو زبان تو بھول گئی۔ لیکن پشتو کو مضبوطی سے قایم رکھا۔ یعنی پختو اور (پختونوں) کے مراسم، دستور، رسوم، مروت، مردانگی، غیرت شجاعت، سخاوت، ناموس اور افتخار کو قایم رکھا۔

روہیلکھنڈ کے پختونوں کا ایک عظیم، سرداری، نوابی اور خانی کا گھرانہ، نواب حافظ رحمت خان کا گھرانہ تھا۔ نواب حافظ رحمت خان وہ غیرتی مرد ہے۔ جو پانی پت کی تیسری جنگ میں، احمد شاہ ابدالی کی مدد و حمایت اور پشتو کے نام پر لڑا تھا۔ اور اپنی اسلام پروری اور پختون ولی کا حق کماحقہ' ادا کیا ہے۔ پانی پت کی تیسری جنگ پاک و ہند کی تاریخ میں وہ مشہور تاریخی جنگ ہے کہ اگر اس (لڑائی) میں اسلام دوست بادشاہ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کھا جاتا تو آج برصغیر میں دوائی کے لئے بھی کوئی مسلمان نظر نہ آتا۔ اور تاریخ بھی ایسا رخ دھار لیتی کہ برصغیر کی تقسیم کا سوال ہی سرے سے پیدا نہ ہوتا۔

ہندوستان کا دو قوموں ، یعنی ہندو اور مسلمان میں تقسیم ہونا اور بھارت اور پاکستان کا بننا ، احمد شاہ ابدالی کی مردانگی اور بہادری کی برکت ہے ، اور اس وجہ سے تاریخی لحاظ سے پاکستان کا پہلا ، اصلی موسس احمد شاہ ابدالی ہے۔ اور احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ، اس عظیم جہاد میں بڑی اسلامی سلطنت کی بڑی کمک روھیلکھنڈ کے غیرتی پختونوں اور ان کے رئیس نواب حافظ رحمت خان روھیلے نے کی ہے

پشتو اکیڈیمی کو یہ فخر حاصل ہوا۔ کہ نواب حافظ رحمت خان کی پختونوں کی تاریخ پہلی مرتبہ ، مطبوعہ شکل میں تاریخ دوست اور شائقین علم کو پیش کرتی ہے ۔ چونکہ اکیڈیمی کے اپنے مالی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اس لیے اس کتاب کے طبع کرنے کا انحصار ، اگر اکیڈیمی کے مالی وسائل پر ہوتا تو شاید یہ قابل قدر تاریخی کتاب طبع نہ ہوتی۔ مگر پختونوں میں بھی بعض اوقات ایسے علم دوست سخی پیدا ہوجاتے ہیں۔ کہ اپنے بزرگوں کے علمی و ادبی سرمایہ کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں۔ اور اس نیک کام میں بھی پیسے خرچ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ایسے نیک جوانوں میں، ایک صاحب عزم نواں کلی تحصیل صوابی کے خان روشن خان ہیں ۔ خان موصوف کو جب معلوم ہوا کہ نواب حافظ رحمت خان کی تاریخ پیسوں کی کمی کی وجہ سے ، پشتو اکیڈیمی طبع نہیں کرسکتی ۔ تو ایک معزز پختون کی طرح خود ایک دن اکیڈیمی میں تشریف لے آئے ۔ اور خاموشی سے ایک کثیر رقم اکیڈیمی کے ڈائرکٹر کو مذکورہ مقصد کے لیے عطا کی۔

ہم روشن خان کے بہت بہت منت باروں اور شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ اگر وہ اس کار خیر کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے ہوتے تو ہم سے یہ اہم کام رہ گیا ہوا تھا۔ شکر ہے کہ پختونوں میں اب بھی ایک آدھ ایسا شخص پیدا ہوجاتا ہے ،جو خرافات اور لغویات کی خدمت کی بجائے

علم کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے ۔ اللہ کرے کہ روشن خان کی طرح چند اور جوان بھی پیدا ہوجائیں ۔ تاکہ اکیڈیمی کے پاس کم و بیش باون کتابیں جو طباعت کے لیے تیار پڑی ہوئی ہیں اور مالی مشکلات کی وجہ سے طباعت سے محروم ہیں ، ہم انہیں بہتر طریقے سے طبع کرائیں ۔ اور اسی طرح پختونوں کی مادری زبان پشتو سے ایک علمی اور ادبی زبان بن جائے ۔ دیکھتے ہیں کہ کلہم پختون خواہ میں، جو کم و بیش ڈیڑھ کروڑ ہیں ، روشن خان کی تقلید کرنے کے لیے کون آگے بڑھتا ہے ۔ اے کوئی ہے ؟ یا ہماری یہ درخواست صدابصحرا ثابت ہوجائے گی ؟

میں محمد نواز صاحب طائر ، جو ہمارے پشتو اکیڈیمی کے رکن اور اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر ہیں ، کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی کوشش کے ساتھ اس تاریخ کا مطالعہ کیا ۔ اور اس کے متعلق ، ناظرین کے استفادہ کے لیے ، ایک عالمانہ مقالہ لکھا ۔ یہ مقالہ بھی اس کتاب کے ساتھ طبع ہو رہا ہے ۔ اور امید ہے کہ ناظرین اسے پسند کریں گے ۔

حافظ رحمت خان کی تاریخ کا اصل نسخہ قدیم طریقے پر لکھا گیا تھا ۔ اور اس میں مضمون کی مناسبت سے ، آج کل کے رواج کے مطابق پیرا گراف نہیں تھے ، بس ایک روان تحریر تھی ، اور مضمون جو بھی رخ اختیار کرتا ، پڑھنے والے کے لیے اس میں تمیز کرنا دشوار تھا ۔ اکیڈیمی نے مناسب سمجھا کہ موجودہ زمانے کی تحریر کے مطابق اسے درست کرے ۔ تاکہ اس میں روانی اور رابطہ قائم ہوجائے ۔

ہم نے اپنے خیال کے مطابق ، اس میں ایک دوسری بدعت بھی کی ہے ۔ اور وہ یہ کہ جہاں کہیں بائے مجہول کی ضرورت محسوس ہوئی ہے ، وہ ہم نے قوسین میں لکھ دی ہے ، جو اصل نسخہ میں

نہیں ہے ۔

بعض پشتو الفاظ ، جو اب تقریباً متروک ہیں ، ہم نے ان کا ترجمہ حاشیے میں دیا ہے ۔ باقی کتاب اصلی شکل میں طبع ہو رہی ہے اس کے علاوہ اس میں ہماری طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے ۔

میں پشتو اکیڈیمی کے ارکان مولانـــا محمد اسرائیل ، میاں ضیاءالدین ، محمد انور خان اور سیف الرحمان سید کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ کہ اس کتاب کی تصحیح ، مقابلہ ، فوٹو اسٹیٹ سے نقل کرنے اور پروف پڑھنے میں محنت کی ہے ۔ اور کتاب کو اس قابل بنایا ہے کہ ناظرین کو ایک بہترین شکل میں پیش کی جاسکے ۔

میاں سید رسول رسا
ڈائرکٹر پشتو اکیڈیمی
پشاور یونیورسٹی

۲۶ فروری ۱۹۷۰ ع

دیباچہ

تواریخ حافظ رحمت خانی پر ایک نظر

تواریخ حافظ رحمت خانی کا یہ نادر نسخہ ، جب تک برٹش میوزیم سے پشتو اکیڈیمی میں نہیں پہنچا تھا ۔ اس وقت تک یہ عام خیال تھا کہ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہے ۔ اس بات کی اسناد عموماً مستشرقین کی تحریروں سے دی جاتی تھیں ۔ اس غلط بیانی کی ابتداء جیسا میجر راورٹی سے ہوئی تھی ۔ دوسرے لوگوں نے بھی تحقیق کرنے کی بجائے اس کے بیان پر اکتفا کیا ۔ ان میں سب سے آخری مستشرق "دی پٹھانز" نام کی مشہور کتاب کے مولف سر اولف کیرو[1] ہیں ۔ اس نے بھی اس کتاب کی زبان پر فارسی کا گمان کیا ہے ۔ کیونکہ اگر اس نے اس کتاب کے پڑھنے کی خود زحمت گوارا کی ہوتی ۔ تو محض میجر راورٹی[2] کے حوالے پر یہ نہ لکھتا ، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی ، شیخ ملی اور خان کجو کی لکھی ہوئی

---

(۱) دی پٹھانز ص ۱۶۹

(۲) میجر راورٹی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ جو قلمی نسخہ کی ابتدا میں موجود ہے ۔ وہ اس کتاب کے ابتداء میں کتاب کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے ۔

قدیم نایاب نثر کی کتابوں پر مبنی ہے ۔ اور یہ دونوں سولھویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں ، یوسف زئیوں کے سردار تھے ، بلکہ اس کے بارے میں کچھ اپنا ذاتی نظریہ بھی قایم کرلیتا ۔ اور بابر بادشاہ اور بی بی مبارکہ کی شادی کے واقعے کو بھی افسانہ نہ گرداننا ۔

کیرو کی کتاب میں ، بعض واقعات تو ایسے بیان ہوئے ہیں جو تواریخ حافظ رحمت خانی کے بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں ۔ مگر بعض کی توثیق اس سے نہیں ہوتی ۔ اور اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب اس کے مطالعہ میں نہیں آئی ہے*۔

ایک دوسرا مستشرق تواریخ حافظ رحمت خانی کے بارے میں لکھتا ہے :-

"یہ کتاب حافظ محمد صدیق نام کے ایک مورخ نے ۱۱۸۴ھ میں، فارسی زبان میں لکھی ہے ۔ یہ یوسف زئی کی تاریخ ہے ۔ جس میں ان کے کابل ، باجوڑ ، سوات ، پشاور، لنگر کوٹ اور گردو نواح کے اضلاع پر قبضہ کرنے کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس کا ماخذ پختونوں کی وہ تاریخ ہے ۔ جسے پختون مورخ اور ماہر انساب ، خان کجو نے پشتو میں لکھا ہے ۔ اس موجودہ کتاب کا مولف حافظ محمد صدیق جیسا کہ وہ خود ذکر کرتا ہے ۔ اٹک میں نلتو نام گاؤں کا باشندہ تھا۔ اس کی یہ کتاب ان ابواب پر مشتمل ہے ۔

(۱) "کابل کو یوسف زئیوں کی ہجرت اور مرزا

* موصوف نے میرے نام ایک خط میں اس کتاب کے نہ پڑھنے کا خود اعتراف کیا ہے ۔ (طائر)

السغ بیگ کے ہساتھوں یوسف زئی سسرداروں کا
قتل عام ۔

(۲) یوسف زئیوں کا پشاور میں وارد ہونا ، اور دوآبہ اور
باجوڑ پر قابض ہونا ۔"

تواریخ حافظ رحمت خانی کے متعلق ایسے غیر محتاط بیان سے یہ اندازہ لگ سکتا ہے ۔ کہ مستشرقین بھی صحیح معلومات فراہم کرنے میں قطعاً کوئی زحمت نہیں اٹھاتے تھے ، جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ نہ صرف یہ کہ اس کتاب کے ماخذ اور مولف کے متعلق صحیح معلومات دنیا کو پیش نہیں کئے گئے ۔ بلکہ وہ واقعات ، جن کا اس کتاب (تواریخ حافظ رحمت خانی) میں تفصیلی ذکر موجود ہے ۔ وہ بھی غلط یا افسانوی رنگ میں ، تاریخوں میں منضبط کئے گئے ہیں ۔ مزید برآں لطف کی بات یہ ہے کہ اسناد میں حوالے بھی اسی تواریخ حافظ رحمت خانی کے دئے گئے ہیں ۔

اس میں شک نہیں کہ اس تاریخ کے واقعات ایک مختصر دور کے ساتھ محدود ہیں ۔ مگر یہی گنتی کے چند برس سڑبنی قبائل خصوصاً غوریا خیل ، اور خخی زئی اور بالخصوص یوسف زئیوں کی قبائلی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم باب ہے ۔

اس کتاب میں وہ واقعات موجود ہیں ۔ جو ان چند برسوں میں بین‌المللی کشمکش اور مغل بادشاہ الغ بیگ اور یوسف زئی کے درمیان پیش آئے ہیں۔ اور ان واقعات کا ذکر بھی من و عن اس میں موجود ہے جو بابر بادشاہ اور یوسف زئیوں کے مابین تعلقات (استوار ہونے) کے محرک بنے ہیں ۔

کتاب کے مولف نلتو نامی گاؤں کے حافظ محمد صدیق نہیں بلکہ پیر سباک نامی گاؤں کے پیر معظم ہیں ۔ پیر معظم کتاب کے دیباچے

میں کہتے ہیں ۔ کہ جس وقت یہ کتاب حافظ رحمت خان کو پیش کی گئی جس کا مسودہ اخون درویزہ[۲۱] کے تذکرۃ الابرار والاشرار کی طرز پر لکھا ہوا تھا ۔ اور شاہ جہان پور کے نواب خان بہادر خان غوریا خیل داؤد زئی کے کتب خانہ سے بھیجی گئی تھی ، اور انہوں نے پڑھی تو تاریخی دستاویز کی حیثیت سے کتاب ان کو بہت پسند آئی مگر بے جا تکرار اور لفظی تصنع کی وجہ سے مسودہ پر نظر ثانی کرنے کو ضروری سمجھا ۔ اور جو بے مقصد باتیں یا تکرار اِس میں پائی جاتی تھی ان کے خارج کرنے اور عبارت کی تصحیح کی غرض سے پیر معظم کے حوالے کردیا ۔ جس سے ان کی منشا یہ تھی کہ یہ کتاب عوام پڑھنے والوں کے فائدے کی خاطر آسان کردی جائے اور مقصد بھی فوت نہ ہوجائے ، تو بہت ہی بہتر ہوگا ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اسی مسودے سے یہ کتاب جو تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے یاد کی جاتی ہے ، مرتب کردی گئی ۔

اصل مسودے ، یعنی تواریخ افاغنہ کے مصنف کا نام خواجو ملی زئی تھا ۔ یہی مسودہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تواریخ خان کجو کے نام سے بھی مشہور تھا ۔ خواجو مورخ خان کجو کے مصاحبین میں سے تھا ۔ اور خود یوسف زئی تھا ۔ جو خان کجو کی وفات کے بعد تک بھی زندہ تھا ۔ اور یہ کتاب جس میں خان کجو کی وفات کا ذکر بھی موجود ہے ، ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ اس کی وفات کے بعد اس کی یادگار کے طور پر لکھی گئی ہو ، اور اس کے نام سے منسوب کی گئی ہو ۔ کیونکہ یہی تواریخ افاغنہ ، تواریخ خان کجو کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے ۔ پیر معظم خود بھی خواجو کو اس کتاب کا مصنف اول کہتے ہیں ۔ اور بہ طور تبرک اس کے گیارہ اشعار بھی کتاب کے مبدأ (شروع) میں لائے ہیں ۔ اشعار کے انداز بیان سے اصل مسودے

کی زبان کا صحیح اندازہ لگ سکتا ہے۔ جیسے کہ کہتا ہے:۔

ځار تر خدایہ شم پہ دا ہسے قدر تو نہ
چہ آدم حوا لا نہ وو، تا ہالہ کښل قلمونہ
قدر تو نہ دے ښکارہ کړہ
تا پیدا کړہ اوو زمکے اسمانونہ
دغے زمکے قرار نہ کړو
تا پرے کیښول درانہ درانہ لوئے غرونہ
تر دے غرونو ډیر درانہ دی
معتبر د دین سړونہ
د سړونو ځائے دے جوړ کړہ
د گور غار تنگہ کورونہ
ھغہ ځائے لرہ بہ ورشو
چہ نہ لار لری نہ ورونہ

ترجمہ

اللہ کے قربان جاؤں ، اس کی ایسی قدرتوں پر
کہ آدم حوا ابھی نہیں تھے،اور تو تقدیریں لکھ رہا تھا۔
آپ نے قدرتیں ظاہر کر دیں۔
آپ نے سات زمین اور آسمان پیدا کر دئے
یہ زمین قرار نہیں پکڑتی تھی۔
آپ نے اس پر بڑے بڑے بھاری پہاڑ رکھ دئے۔
ان پہاڑوں سے بھی بہت بھاری ہیں
دین کے معتبر پیشوا
لوگوں کی جائے اقامت بنائی آپ نے
گور کی تنگ و تاریک کوٹھڑی

اس جگہ میں ہم سب چلے جائیں گے
جس کا نہ کوئی راستہ ہے۔ نہ دروازے

تواریخ حافظ رحمت خانی سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جنہیں مؤلف مقامات سبعہ (سات مقامات) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہر مقام مختصراً حسب ذیل ہے۔

آغاز کتاب

مقام اول

یوسف زئی اور گگیانیوں کی مخالفت
گگیانی قوم پر مرزا الغ بیگ کی چڑھائی
یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ
مرزا الغ بیگ کا یوسف زئی کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا
کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگہ یوسف زئی کو باندھنا
شیخ عثمان کا مکاشفہ

مقام دوم

یوسف زئیوں کا پشاور پہنچنا ، کلپانی میں رہنے والے دلزاک سے جنگ 'پشاور' دوآبہ، باجوڑ، اشنغر کا دلزاک سے لینا اور ان کے ملک پر قبضہ کرنا

واقعہ کی طرف رجوع
دلزاک اور یوسف زئی کی جنگ
یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کے لیے دلزاک کا لشکر جمع کرنا

دلزاک کے ساتھ صلح کرنے کی غرض سے ملک احمد خان کا
ملک محمد خان کے یہاں جانا

مقام سوم

یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور بابر بادشاہ کا
یوسف زئیوں کو فتح کرنے کی غرض سے آنا
محمد بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا

مقام چہارم

ملک دوآب میں گگیانیوں کی آمد اور بابر بادشاہ کا کابل سے
پشاور آنا اور کلپانی کے دلزاکوں پر اس کی چڑھائی
دلزاک کی ایک خاتون مسماۃ شاہ بوڑی کا واقعہ اور اس کی بہادری

مقام پنجم

گگیانیوں اور دلزاکوں کے درمیان جنگ

مقام ششم

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور مقبوضہ علاقوں کا قوم خشی میں
تقسیم کرنا ،
شیخ ملی اور ملک احمد کی وفات ، خان کجو کی سرداری اور

غوریا خیل سے ان کے ہنگامے
شیخ تیمور کی جنگ

مقام هفتم

یوسف زئیوں کا دریائے لنڈی کو عبور کرنا اور غوریا خیل وغیرہ سے ان کی جنگ
یوسف زئیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا
خان کجو کے ممالک متصرفہ کا ذکر
خان کجو کی خواجہ خضر علیہ‌السلام سے ملاقات

نوٹ: ہر مقام چھوٹی چھوٹی فصلوں میں منقسم ہے، اور اس طرح تقریباً وہ سارے اہم واقعات جو ۸۸۰ ہجری مطابق ۱۴۷۵ع اور ۹۹۳ ہجری مطابق ۱۵۸۵ع کے درمیان جو خخی (خشی) اور غوری قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں مسطور ہیں

مختصر تحقیق و تجزیہ

کتاب میں جا بجا ہجری سنین کا ذکر موجود ہے، جن سے کتاب تواریخ افاغنہ کے تصنیف کے زمانہ کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ جیسے کہ مؤلف اول ایک مقام میں لکھتے ہیں۔ کہ ابھی گزشتہ سال جب کہ سن الف و احدیٰ و ثلثین ہجری یعنی (۱۰۳۱)ھ تھا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ یہی کتاب ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۶۲۲ع میں یا اس سے پہلے زیر تصنیف تھی۔ اور ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ع میں اتمام کو پہنچ گئی مؤرخ خواجو لکھتے ہیں کہ:-

اور شاہ منصور ، ملک احمد کے چچا زاد بھائی کی اولاد
میں سے چند نفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت
میں ، ہندوستان میں موجود ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :-

(چنانچہ ان میں سے ایک سودا نامی) جو ملک زئی کے
ملک ہیں۔ اور بہت مؤثر اور معمّر آدمی ہیں۔ آج کے
دن تک جبکہ ۱۰۳۲ ہجری ہے ، زندہ ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اس وقت جب کہ سال ۱۰۳۳ھ ہے۔ (مطابق ۱۶۲۴ع)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے ، کہ تواریخ حافظ رحمت خانی دو سال یا کچھ زیادہ عرصہ میں لکھی گئی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے - تواریخ افاغنہ اکبر بادشاہ کی وفات سے قریباً اٹھارہ سال بعد لکھی گئی مگر پھر بھی کتاب میں ان تاریخی جنگوں اور واقعات کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ جو دہلی کی مغلیہ حکومت اور یوسف زئی کے مابین ہوئی تھیں۔ ان واقعات میں ایک اہم اور عظیم تاریخی واقعہ باجوڑ ، سوات اور بونیر میں اکبر بادشاہ کی فوجوں کی یلغار اور ان کا عبرتناک انجام تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے مصنف نے کتاب کے موضوعات کو خان کجو کی وفات تک محدود رکھا ہے۔ اس لیے بعد میں پیش آنے والے واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔* پھر بھی وضاحت کی خاطر اپنے زمانے کے ..وں کا ذکر جیسے ۱۰۳۲-۱۰۳۳ ہجری بار بار کیا ہے۔

* ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خان کجو اکبر بادشاہ کے دور حکومت کے اوائل میں ، یا اس سے کچھ قبل وفات پا گئے ہیں۔

تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ خخی (خشی)، غوری اور دلزاک کے اکابر اور ان کے خاندانوں کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔ جس سے ان قبائل کے نسب ناموں کی کیفیت کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں بعض سیاسی مصلحتوں کی وضاحت بھی اس سے ہوتی ہے۔ اور ان اہم شاہراہوں، گذرگاہوں، مقامات، قصبات اور دیہات کی بھی پوری پوری تفصیل موجود ہے۔ جو آج کل یا تو کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ اور یا کلیتہ غیرآباد ہو گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت کبھی کبھی پڑھنے والوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس دور کے بعد مغلیہ اور فرنگی دور میں بھی اس کے ماخذوں سے سیاسی اور جنگی بصیرت حاصل کی گئی ہو۔

ایک بہترین تاریخی روداد کے علاوہ کتاب میں پختون قوم کے کردار، پختونولی (مروت) ملی حمیت اور ننگ و ناموس کے بہت دل آویز واقعات اور مثالیں لکھی گئی ہیں۔ اگر بعض تاریخ نویسوں جیسے سراولف کیرو اور بہادر شاہ ظفر کاکا خیل کی نظر سے یہ کتاب گذر گئی ہوتی، تو شاید کیرو اپنے اس خیال پر کہ "میں یوسف زئی مؤرخین کو زیادہ ثقہ ماننے کے لیے (کسی دلیل کے بغیر) تیار نہیں ہوں۔"* اور یا ظفر کاکا خیل (نے جو کچھ کہا ہے) اپنے کہے پر دوبارہ غور کر لیتے کہ:-

> "میرزا آلغ بیگ بابر کا چچا تھا۔ اور یوسف زئی کے بابر کے ساتھ تعلقات تھے، جیسے کہ ملک شاہ منصور (جو ملک سلیمان شاہ کا فرزند تھا) کی دختر بی بی مبارکہ، بابر کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ بابر ایک بڑا صاف گو

---

* دی پٹھانز ص ۱۸۹

اور صاف دل آدمی تھا۔ اس نے اپنے تمام واقعات
بڑی صفائی سے لکھے ہیں تو اگر الغ بیگ کے
ہاتھوں یوسف زئی کے نو سو سر برآوردہ لوگوں کے قتل
کرنے کا افسانہ، اور ان قبائل کی ہجرت کا واقعہ حقیقت
میں واقع ہوا ہوتا، تو یقیناً بابر اس کا ذکر کرتا۔
لیکن بابر ان واقعات کے باب میں قطعی خاموش ہے۔
اس سے یہ قیاس کرنا ممکن ہے کہ یہ واقعات مبالغے
سے خالی نہیں ہیں"۔*

اس کتاب کے مطالعے کے بعد جب قاری ان بیانات پر غور کرے گا تو ایک بات لازماً ذہن میں پیدا ہوگی۔ اور وہ یہ کہ یک طرفہ بیانات سے نتیجہ اخذ کرنا، اور یا خالی جذبات پر، تاریخ کے میدان میں بعض واقعات پر رائے ظاہر کرنا، اصول تاریخ کی نفی کرنی ہے۔ اور حقائق میں ایسی کجی پیدا کرنی ہے جس سے طرف‌داری کی بو آتی ہے۔ یہ چیز ایک اچھے مؤرخ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی کا ماخذ، یعنی تواریخ افاغنہ، اپنے وقت کے ایک آزاد اور بےنفس مؤرخ کی تحریر ہے، یہ نہ

---

* پٹھان تاریخ کی روشنی میں ص ۱۳۱۔ اس دلیل سے تو تاریخ کی تمام دیوار منہدم ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ ماثرالامراء اور دیگر مورخین دورِ مغلیہ بڑے صاف گو تھے، انھوں نے کہیں بھی خوشحال خٹک اور اورنگ‌زیب عالمگیر کے مابین کے واقعات کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لیے تاریخ مرصع کے واقعات افسانہ ہیں۔ اسی طرح تاریخ کے ہر واقعے کے متعلق ایسا ہی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

تو بابر کی خود نوشت سوانح عمری کی طرح ہو سکتی ہے۔ جس میں لکھنے والے کی اپنی ذات تمام واقعات کا محور ہو۔ اور نہ درباری مورخوں کی کتاب، جس کے ساتھ درباداری کی پابندیاں اور مجبوریاں وابستہ تھیں۔ بلکہ یہ پورے قبیلے کی تاریخ تھی، جس میں افراد کردار کے طور پر دکھائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ مورخ خواجو نے نہ تو تعلی سے کام لیا ہے اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے۔ اور نہ وہ واقعات کے بیان میں کسی کی خوشامد یا طرف‌داری پر مجبور تھا۔ اس سارے ڈرامے میں کتاب کے مصنف اول خواجو ملی‌زئی یا اس کے باپ دادا مساوی کرداروں کی حیثیت سے موجود تھے، اس لیے اکثر بیانات یا تو اس کے چشم دید ہیں۔ اور جو کسی قدر قدیم تھے، تو ان کے چشم دیدراوی اس وقت تک زندہ تھے۔

پیر معظم شاہ، جو اپنے آپ کو مصنف ثانی سمجھتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ان واقعات کے واقعی مورخ اور محقق خواجو کہتے ہیں۔
> کہ میں نے بارہا وہ دونوں دیواریں،جن میں بابر کے تیر
> پیوست تھے، دیکھی ہیں۔ اور جب وہ بنیاد سے اکھڑ
> کر گر گئیں۔ تو اس وقت میں باریش نوجوان تھا۔ اس
> کے بعد اسی روش کی بناء پر، باقی دیواریں جو اس مقام
> پر کھڑی تھیں، لوگ انہیں تیروں کا نشانہ بناتے رہے۔"

کتاب تواریخ حافظ رحمت خانی کا سارا دور، پہلی کتاب کی طرح دو پشتوں (کے واقعات) پر مشتمل ہے۔ پہلی پشت میں سرداری ملک احمد بن ملک سلطان شاہ بن ملک تاج‌الدین بن ملک وزڑ مندنڑ یوسف زئی کی تھی، اور دوسری پشت میں بھی سرداری خان کجو بن قرہ بن بہزاد صدو زئی مندنڑ یوسف زئی کے حوالے کی

گئی تھی۔

ساری کتاب میں ایک سو اکیس (۱۲۱) چھوٹے بڑے افراد کا ذکر اذکار موجود ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعات کی اس روانی اور تسلسل میں دوسرے لوگ شریک نہیں تھے۔ حقیقت میں تمام غوریا خیل کے خروج اور ازسرنو آبادکاری کا بیان ہے۔ اور تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی کے لیے محفوظ ہیں، کہ:۔

> جو کوئی زندہ رہنے کی استعداد رکھتا ہے، وہ ایک بڑے تنومند اور قوی دشمن کے مقابلے میں مدافعت کی راہیں اور گذرگاہیں متعین کر سکتا ہے۔

ان کی بہترین مثال شیخ زنگی ابن ملا خیل رانی زئی خواجہ خیل ہے جو یوسف زئی کے آستانہ داروں میں سے تھا۔ اس کا قول ہے کہ:۔

> ''اے یوسف زئیو! جاؤ، ہمارا ملک سوات ہے۔ اللہ پاک ہمیں عطا فرمائے گا۔''

یہ (فیصلہ) اس زمانے میں ایک بہترین اور دفاعی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ایک اہم فیصلہ تھا۔ کیوں کہ ایک تو یہ لوگ (یوسف زئی) مغلوں کے سیاسی تصرف سے باہر ہو سکتے تھے۔* اور

---

* خان کجو نے شیخ تیمور کی جنگ سے پہلے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ:

> ''اے یوسف زئیو! اگر اس دفعہ تم نے غوری کا کچھ (بندوبست) نہ کیا۔ تو خود بخود دیکھ لو گے۔ کہ غوری تمہارے ساتھ کیا عمل کرتا ہے۔ اور کس قدر مغرور ہو جائے گا۔ پھر وہ تمہیں پہاڑوں میں بھی نہ چھوڑے گا۔

دوسرے یہ کہ اس علاقے میں ان کا مقابلہ ایک ایسے طاقتور مخالف کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا جس کی یہ مدافعت نہ کر سکتے ہوں ۔ تیسرے یہ کہ سوات بہت سر سبز اور آباد ملک تھا ۔ پہاڑی اور میدانی ساری زمین ، زرعی پیداوار اور مویشی پالنے کے لیے موزوں تھی ، یوسف زئی کے اس وقت کے حالات کی تفصیل صدر خوشحال نے مثنوی آدم درخانی' میں اس طرح موزوں کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ :-

یوسف زئی پہ ھغہ دور
د کوچی عالم پہ طور
پہ ہر ځائے کښې ئے میشتہ وہ
گاہ پہ سیند گاہ پہ سیرہ وہ
گاہ بہ لاړہ' د غرہ' خواتہ
گاہ بہ بیا راغلہ' دریا تہ
چرتہ ئے ښہ د مال لیدلہ
دوی میشتہ پورتہ کولہ

اس دور میں یوسف زئی
کوچی مخلوق کی طرح
ہر جگہ ان کا ڈیرہ ہوتا تھا ۔
گاہے دریا کے کنارے اور کبھی صحرا میں
کبھی پہاڑ کے دامن میں چلے جاتے
اور کبھی پھر دریا کے کنارے آ جاتے
جہاں کہیں مویشیوں کا بھلا دیکھتے
بس وہیں ڈیرہ ڈال دیتے تھے ۔

سوات اس مقصد کے لیے سب سے زیادہ بہتر اور موزوں وطن تھا سوات کے پہاڑوں میں بہت اچھی اچھی قدیم پناہ گاہیں بھی تھیں ۔

اس لیے شیخ زنگی کے مشورے پر عمل پیرا ہونے کے لیے سارے قبیلے نے لبیک کہی - اور کمر بستہ ہو گئے - کیوں کہ ملک سلیمان شاہ کی درخواست پر مرزا الغ بیگ نے انہیں ان کے اکابرین کے قتل عام کے بعد ، مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دیا تھا اور جیسا کہ مورخ ہذا کا قول ہے - کہ الغ بیگ نے حکم دیا تھا کہ یہ لوگ اس کے بعد آزاد ہیں -

''یہ لوگ جس طرح اپنے لیے بہتر سمجھیں ، عمل کریں - اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں ، جائیں - کوئی ان کے مانع اور آڑے نہیں آئے گا''-

یہ واقعہ دراصل اس افسوس ناک تاریخی واقعے کے بعد پیش آیا تھا ، جس کے متعلق محترم ظفر کاکا خیل نے محض افسانے کا خیال ظاہر ہے - اس کی پوری تفصیل خواجو مورخ کے حوالے سے اس کتاب میں موجود ہے - جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوا ہے -

''غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا تو مرزا الغ بیگ نے حکم دیا کہ ان مقتولوں کو شہر کابل سے باہر لے جا کر دفن کیا جائے- بنابریں سب کو لے جا کر ، مابین مشرق و شمال ، دو تین تیر پر تاب کے فاصلے پر موضع کابل سے دور سیاہ سنگ میں دفن کر دیا گیا - اور اس مقبرے کو اس وقت تک لوگ ''گنج شہیداں یوسف زئی'' کہتے ہیں - اور آج تک معلوم و عیاں ہے - اور قبر شیخ عثمان بن موتی ملی زئی قدس سرہ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے ، بھی اس جگہ معروف و مشہور ہے''-

اس زمانے کے اس تاریخی واقعے پر صرف اس بناء پر افسانے

کا گمان کرنا ، کہ بابر جیسے صاف گو سلطان نے توزک بابری میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کچھ خاص وزن نہیں رکھتا۔ مورخین اس موقع پر اس بات کو خیال میں رکھیں کہ بابر کے باپ مرزا غیاث اور مرزا الغ بیگ کے تعلقات کیسے تھے۔ بابر خود کن حالات میں کابل کے تخت پر قابض ہوا تھا اور اس زمانے میں مغلوں کے لیے عموماً اور بابر کے لیے خصوصاً سیاسی مصلحتوں کی خاطر ، اس واقعہ کو اہمیت دینا مناسب تھا یا نہیں؟ خود بابر کی غرض اور فائدہ یوسف زئیوں کے استیصال اور بیخ کنی میں تھا یا اس مضبوط اور عظیم قبیلے کی رضا مندی حاصل کرنے میں؟ پھر یہ بھی کہ خود مرزا الغ بیگ نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی حیلے سے ، اس الزام سے مبرا بھی کیا تھا یا نہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے ، اور مغل سیاست کا سب سے بڑا حربہ بھی یہی تھا کہ پختون کو پختون کے ہاتھوں مارا جائے ، اور غالباً ایسے واقعات میں یوسف زئی کے ان سرداروں کا قتل عام سب سے پہلا تاریخی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے واقعات پختونوں اور مغلوں کی کش مکش کی تاریخ میں جا بجا موجود ہیں۔ جیسا کہ خوشحال کہتے ہیں:

بیا لہ پسہ د دیلی بادشاہ بابر شو
چہ نے کار د پختنو پہ برکت وو
پھر اس کے بعد دہلی کا بادشاہ بابر بن گیا
جس کا کام پختونوں کی برکت سے بن گیا تھا۔

یہ پختون کس کے خلاف لڑ رہے تھے؟ پختون بادشاہ ابراہیم لودی کے خلاف مغل بادشاہ بابر کے لیے! تو مجبوراً وقت کی مصلحت نے بابر کو یوسف زئیوں کو رضامند کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ اور

یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی سوانح میں اس واقعے کا ذکر نہیں کیا ۔ اس واقعے کی وضاحت میں اس طرح گویا ہے کہ :-

جس دن کہ میرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کیا ۔
گگیانیوں کے سردار بھی حاضر تھے ، فوراً انہیں بلایا ۔
(اور یوں کہا)
"یہ رہے سات سو (۷۰۰) یوسف زئیوں کے چیدہ اور
سرکردہ لوگ ، دست بستہ تمہارے حوالے کر دئے ۔
اور لاف زنی بھی تم ہی نے کی تھی ۔ کہ پہلے ہم ان کی
پلڈی توڑ دیں گے ۔"

موسی زئی گگیانیوں کے سرداروں کو بادشاہ کی یہ ترغیب اور بعد ازاں مقتل میں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری موسی زئی گگیانی کی ، ملک سلیمان شاہ ابن ملک تاج الدین رزڑ منڈنڑ یوسف زئی کے ساتھ (جو مشہور یوسف زئی سردار ملک احمد کا چچا تھا) وہ باتیں جو فردوں اور بیتوں کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں ان واقعات کے ثقہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۔ یہ فرد اور بیت رجزیہ انداز میں تھے ، جیسا کہ حسن ابن چنگا موسی زئی کی طرف منسوب یہ فرد کہ :-

لکہ وایو ہسے دینہ*
لاس تړلی خدائے راکړی
اوس سو وژنو لکہ میږونہ

جیسے کہتے ہیں ویسے ہی واقعہ ہے ۔
کہ دست بستہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ہمارے حوالے کر دیا
اب ہم تمہیں بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کریں گے ۔

* یہ منظوم مکالمہ تواریخ حافظ رحمت خانی میں موجود ہے ۔

اور اس کے جواب میں ملک سلیمان شاہ رزڑ (جو ملک شاہ منصور کا والد اور ملک احمد کا چچا تھا) کہتا ہے :-

کہ جنگ وے پہ یسرغونہ
تہ بہ رانغلے پہ مرونہ
لکہ نے لاس تڑلی نے در کڑو
اوس سو وژنہ لکہ میرونہ

اگر جنگ میدان میں ہوتی -
تو تم ہر گز ہمارے مقابلے پر نہ آتے
مگر اب جب کہ ہم دست بستہ تمارے حوالے کر
دیے گئے ہیں -
تو اب تم (جس طرح چاہو) بھیڑ بکریوں کی طرح مارو -

اور اس کے ساتھ شیخ عثمان موتی ملی زئی یوسف زئی کا یہ ارشاد :-

چہ دا دود سیرو لیدہ　　یلغار کہ اوریدہ
دہ خدائے پہ کرہ نے وس نہ رسیدہ

کہ یہ واقعہ ہم دیکھ رہے تھے -
شور و غوغا سن رہے تھے -
مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا -

مطلب یہ کہ اونٹ پہلے ہی سے رو رہے تھے کہ ان کے لیے بوریاں باندہی جا رہی ہیں - اور پھر خوشحال خان خٹک کے بیٹے صدر خان کے یہ اشعار آخر کیا معنی رکھتے ہیں؟

یوسف زئی چہ لا بالا نہ
نے وطن شول لہ "بلا" نہ

حادثات پہ حادثات شول
لاړل میشت پہ سمہ سوات‌شول[1]

یوسف زئی جب بالا (کابل) سے
"بلا" نازل ہونے کے سبب بے وطن ہو گئے۔
حادثات پر حادثات سے دوچار ہو گئے۔
اور جا کر سمہ اور سوات میں آباد ہو گئے۔

یہ کون سی "بلا" تھی کہ جس نے ان کو بالائی کابل سے انتہائی بے سرو سامانی میں بے وطن کیا تھا؟ یہ محض شاعری نہیں اور نہ آج کا کوئی مورخ کئی سو سال پرانی اس سند کو محض شاعری سمجھنے کی غلطی کر سکتا ہے۔ مزید برآں شیخ عثمان سوتی ملی زئی کا وہ کشف جس کی طرف پچھلے صفحات میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس زمانہ میں وسطی ایشیا میں، جس میں موجودہ افغانستان کا علاقہ بھی شامل تھا قیافہ شناسی ایک مستند علم تھا اور شیخ عثمان ایک زبردست قیافہ شناس عالم بھی تھا[2] اور یہی وجہ تھی کہ اس نے الغ بیگ کی آنکھوں میں یوسف زئیوں کی بربادی کے منصوبے دیکھ لیے تھے اس لیے اس تاریخی واقعے کو فتح خان اور رابعہ کلے یا موسیٰ خان گل مکئی کی طرح محض ایک افسانہ سمجھنا واقعات اور حقائق کو جھٹلانا ہے۔

اگر اس واقعے کو افسانہ ہی سمجھا جائے تو پھر مغلوں کی یوسف زئیوں سے اتنی طویل مخاصمت اور محاربوں اور مجادلوں کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے جو الغ بیگ کے زمانے سے لے کر اورنگ‌زیب عالمگیر کے عہد تک مسلسل قائم تھی۔ یقیناً یہ خون کی عداوت

---

(۱) مثنوی آدم درخانئے ص ۵۳ (مطبوعہ پشتو اکیڈیمی)
(۲) دیکھیے لارڈ برنز کی کتاب : Mission to Kabul

تھی ، جس نے اتنا طول پکڑا تھا ۔

تاریخ کی کسی کتاب سے بھی یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ اس واقعے کے بعد کبھی اور کسی موقع پر بھی ساری یوسف زئی قوم کی مغلوں کے ساتھ مصالحت ہوئی ہو ۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مسلسل حادثات جن کی طرف خوشحال خان نے اشارہ کیا ہے اور وہ یلغاریں اور مقابلے اور رزم آرائیاں آخر کس لیے تھیں جن میں خود پختون لوگ بھی یوسف زئیوں کے خلاف اور مغلوں کی حمایت میں کمر بستہ تھے ، آئین اکبری ، ماثرالامراء ، ماثر عالمگیری تاریخ مرصع ، تاریخ خورشید جہاں ، تاریخ فرشتہ ، اور ان کے علاوہ دوسری کتابیں جو مغل اور پختون مورخین نے لکھی ہیں۔ ان میں اس امر کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور خود پختون رہنما خوشحال‌خان‌خٹک بھی یہ گواہی دے رہا ہے کہ :

زه د یوسف زئیو پہ ځان زہر وم قاتل
بل مقصود یے نہ وو پہ خدمت کښے د مغل
دیر شاہان ځوانان یے یو د بلہ ووژلل
تیر ساعت ارمان دے پښیمانی نشتہ حاصل

میں بذات خود یوسف زئیوں کے حق میں زہر قاتل تھا ۔
مغلوں کی خدمت سے میرا اور کوئی مقصد نہ تھا ۔
میری وجہ سے بہت سے لائق وفائق یوسف زئی جوانوں کو قتل کر دیا گیا لیکن اب گذرے ہوئے وقت پر پشیمانی لا حاصل ہے۔
لیکن وقت گذرنے پر جب گگیانی مغلوں کے زیر عتاب آئے اور کابل کے مضافات سے انہیں کوچ کر جانے پر مجبور کر دیا گیا تو یوسف زئیوں نے اپنے ہم قوم گگیانیوں کی تقصیر معاف کر دی ۔ اس وقت بھی یوسف زئی تھے جنہوں نے ان کی طرف دست تعاون بڑھایا اور

اپنے مفتوحہ علاقوں میں سے سب سے بہترین حصہ ملک یعنی دو آبہ ان کو دے دیا۔ پھر جب ان کے پیچھے موسی زئی بھی بالا سے نیچے اتر آئے تو یوسف زئیوں نے خون کے رشتے اور جذبہ اخوت سے مجبور ہو کر ان کا قصور بھی معاف کر دیا اور نصف باجوڑ انہیں دے دیا یہ لوگ آج کے دن تک دوآبہ میں آباد ہیں۔ یہ بالکل اس طرح تھا جس طرح کہ اونگ زیب کے عتاب سے خوشحال خان اور اس کے قبیلے کو بچانے کے لیے انہیں اپنے علاقے میں جگہ دی تھی اور ان کے لیے تحفظ مہیا کیا تھا۔ خوشحال نے یوسف زئیوں کو (اس احسان عظیم کے شکریے کے طور پر) اپنے سات ترجیع بند کے وصیت نامے میں "بابا زئی" کہا ہے۔ یہ وصیت نامہ اس نے ۲ رمضان ۱۰۷۹ ہجری میں قید خانے میں لکھا تھا اور عمر اسماعیل خیل کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اس وصیت نامے میں وہ کہتا ہے۔

"بابا زئی (میرے بابا کی اولاد) بانزی لوگ ہیں۔ بلکہ میرے ماں باپ اور خاندان کی طرح ہیں۔ جب میرے بیٹے ان کے پاس گئے تو (انہوں نے) میرے لیے اورنگ‌زیب کی دشمنی مول لی اور دوستی و اخوت کا ایسا حق ادا کیا جیسا حق دوستی اور آشنائی کا ہوتا ہے"*

رانڑیـزئی رحمت والے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ننگ و شرم میں شریک ہو گئے۔ ان دونوں قبیلوں کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق نیکی کرنی چاہیے اور مغلوں کے دربار میں پختنولی (پختون قومیت) کے کام میں اور ان کی بہبود کے لیے حتی‌الوسع کوشش کرنی چاہیے جان و مال اور قوت بازو سے اگر ان کا رخنہ پر ہو سکتا ہو تو اس سے دریغ نہیں کرنی چاہیئے دوستی اور خوبشی انہیں کے ساتھ ہو

* کلیات خوشحال خان خٹک ش ۹۳۲

بلکہ دونوں اکو زئیوں کے ساتھ یہی حال محکم و مستحکم رہے'' یوسف زئی مغلوں کی مخالفت پر ایسے استوار اور مستحکم تھے کہ صدیوں تک ان کی ناکہ بندی کیے رہے اور ان کے حصاروں اور قلعوں کو منہدم کرتے رہے - ہنڈ سے اوپر دریائے سندھ کے مغربی جانب یوسف زئی اور مشرقی جانب مغلوں کا تصرف تھا - دریائے سندھ کے دونوں جانب ایک مستقل میدان جنگ تھا - اورنگ‌زیب کے عہد میں جب مغلوں نے لنگر کوٹ کا قلعہ تعمیر کرنے کا تہیہ کیا تو اورنگ‌زیب کے صوبیدار مہابت خان کو خوشحال خان نے لکھا تھا کہ :

چند کھگل می نمائی بے بقا دیوار را
گر تو لنگر کوٹ خواہی قلعہ کن دمغار را

بے بقا دیوار کی کب تک لپائی کرتے رہو گے (یعنی تم یہ کب تک کمزور دیواریں کھڑی کرتے رہو گے؟ اگر تم قلعہ بنانا ہی چاہتے ہو تو لنگر کوٹ کو بچانے کے لیے پہلے دمغار میں بناؤ[۲]- اس نے یوسف زئی کے خلاف مہموں کے بارے میں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ :

مهم د یوسف زیو درته وایمه نکاره
د خره خسي کول دی لاس گنده گریوان پاره

یوسف زئیوں کے خلاف مہم جوئی کے متعلق صاف صاف کہتا ہوں کہ -
گدہے کو خصی کرنا ہے - جس کا انجام ہاتھ گندے کرنا اور گریبان چاک کرنا ہے[۳]

باوجود اس کے کہ اس زمانے میں یوسف زئیوں کو قابو میں کرنے

(۱) تاریخ مرصع (قلمی نسخہ) ص ۲۰۷ نقل (پشتو اکیڈیمی)
۳/۱) تاریخ مرصع و حیات خوشحا خان خٹک (کامل)

اور ان پر فتح پانے کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے گئے تھے جیسا کہ یہی افغان شناس شاعر کہتا ہے ۔

خزانے د ہندوستان دی راخورے شوے[1]
سرہ مہران دی ننوزی پہ کوھسار

ہندوستان کے خزانے ہیں کہ چلے آ رہے ہیں اور پھیلتے جا رہے ہیں
سرخ ڈلیاں ہیں جو کوہساروں میں داخل ہو رہی ہیں۔

مگر مغلوں کا یہ خزانوں کا لٹانا بھی یوسف زئی کے مقبوضہ کوہساروں میں راستہ نہ پیدا کر سکا۔ اس کے ثبوت میں افضل خان خٹک کا یہ بیان کافی ہے کہ[2]:-

''عالمگیر (اورنگ زیب) نے لاہور کے صوبیدار محمد امین کو بے پناہ لشکر کے ساتھ یوسف زئی کی مہم پر متعین کیا جب وہ آیا تو یوسف زئی میدانی علاقہ (سمہ) میں آباد تھے ۔ 'سمہ' سے اٹھ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ محمد امین نے کچھ آدمیوں کو درمیان میں ڈالا اور کہلایا کہ 'شجاع' کی ہڈیاں (دفن شدہ لاش) ایک لاکھ روپے کے عوض میں ہمیں واپس کر دو۔ مگر یوسف زئیوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ نام بد نام ہو جائے گا ۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا''۔

اس کا سبب صرف یہ تھا کہ یوسف زئی اور مغلوں کی دشمنی کالنقش فی الحجر تھی ۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ پتھر کی لکیر مٹائے نہیں مٹتی۔ یہی وجہ تھی کہ ڈھائی سو سال ، یعنی ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال تک یہ دشمنی قائم رہی ۔

(۱) کلیات خوشحال خان خٹک (کامل) ص ۲۵۷
(۲) تاریخ مرصع ص ۱۸، (پشتو اکیڈیمی)

تقسیم

دوآبے میں گگیانیوں کے بسانے میں ایک خاص سیاسی مصلحت پوشیدہ تھی۔ یوسف زئی کے حفظ و دفاع کا تقاضا تھا کہ وہ مغلوں کی دسترس سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ اور اس لیے ضروری تھا کہ وہ دوآبے جیسا سرسبز اور زرخیز علاقہ ایک ایسے قبیلے کے لیے چھوڑ دیں، جو ان کے لیے دیوار ثابت ہو۔ اور مغلوں کے مقابلے میں ان کے لیے سپر کا کام دے*۔ اس مقصد کے لیے انہیں اپنے عزیزوں (ہم نسبوں) میں گگیانیوں سے زیادہ موزوں دوسرا کوئی اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔

علاقے کا محل وقوع ہمیں یہ بتاتا ہے کہ گو بظاہر محمد زئی اور گگیانی دونوں قبیلوں کو غوری کی سر زمین پر لا کر ڈال دیا۔ اور کالنگ کے جرگے کے موقع پر جب موسی زئی کی تقصیر بھی معاف کر دی اور دوآبے کے ساتھ آدھا باجوڑ، دانشکول سے عنبر لاشوڑے اور ناوگئی اور چار منگ تک، جو پہلے خلیل کا حصہ تھا موسی زئی گگیانیوں کو دے دیا۔ مگر اس طرح ملک احمد بابا نے اپنے حسن تدبر اور سیاسی و جنگی بصیرت سے اپنی قوم کے گرد اپنے ہی عزیزوں کا ایک مضبوط حصار کھینچ دیا۔

اس بات کی تصدیق خود ملک احمد کی اس بات سے بھی ہوتی ہے جو اس موقع پر اس نے محمد زئیوں سے کہی تھی کہ:

> ''جاؤ'' اشنغر کا علاقہ میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہیں مبارک ہو۔ لیکن تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو خخی (خشی) کا چوتھا فرزند سمجھو اور

* ایسے علاقے کو بفر زون (Buffer Zone) کہا جاتا ہے۔

خخی (خشی) کے ہر اچھے برے میں شریک رہو"۔

مگر اس کے برعکس گگیانی ، جو خخی (خشی) کے تیسرے بیٹے کی اولاد تھے ، ان سے ایسی کوئی بات نہیں کہی ۔ ان کے ساتھ بس یہ کیا کہ اُن پر بے اعتمادی کی وجہ سے انہیں غوریا خیل اور مغلوں کی طرف آباد کیا ۔

محمد زئی اور گگیانی دونوں اس تقسیم پر اتنے خوش ہوئے کہ ملک احمد سے کہنے لگے :-

"خان عالی ! یہ ممالک سب آپ نے فتح کیے تھے ، ان پر ہمارا کوئی حق نہ تھا ۔ مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور یہ ممالک ہمیں عنایت کر دیئے تو ہم سب آپ کے غلام ہو گئے۔"

شیخ ملی کا دفتر

زمین کی تقسیم کا یہ زمانہ تقریباً ۹۳۰ ہجری مطابق ۱۵۲۳ ع معلوم ہوتا ہے ۔ انہیں برسوں میں شیخ ملی نے اپنا مشہور دفتر مرتب کیا ۔ یہ تقسیم کاٹلنگ کی تاریخی جنگ کے فوراً بعد جب کہ لشکر ابھی منتشر بھی نہیں ہوا تھا ، کر دی گئی تھی ۔ اس کے بعد یوسف زئی کے گھرانے گھرانے کی تقسیم ہو گئی ۔ در اصل اسی انتظام کو شیخ ملی کے دفتر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ تقسیم ان مابقیہ ممالک اور علاقوں کی تھی جنہیں ملک احمد نے یوسف مندنڑ کے نام رکھ چھوڑا تھا اور اس لئے اسے یوسف زئی کی آپس کی تقسیم کہنا مناسب ہوگا ۔

یہ علاقہ وار تقسیم دیر باجوڑ ، سوات ، بونیر ، تنول ، سمہ کا سارا علاقہ نوشہرہ تک اور دریا کے کنارے کی زمینوں پر مشتمل

تھی اس میں انہوں نے اتمان خیل ، گدون ، کشار ، روانڑی ، کانسی ، مشوانی اور دوسری مخلوط اقوام کو اپنے ساتھ بطور امدادی رکھ لیا ۔ بعض ان کے ہمسائے اور فقیر بن گئے ۔ مگر تقسیم کے معاملہ میں سب کو خوش کر دیا ۔

کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت متدین ، متقی ، قائم‌اللیل اور صائم‌الدہر بزرگ تھے جہاں کہیں جاتے خدام وضو کا لوٹا ساتھ ساتھ لیے پھرتے ۔ وہ ملک احمد کے ماتحت سارے یوسف مندنڑ کے مقتدا تھے اور ان کی ہر مصیبت اور مہم کے شریک و غمخوار تھے ۔ سارے علاقے کا ہر ہر قبیلہ اور ایک ایک گھر ان کے دفتر میں لکھا تھا ۔ اس وقت انہوں نے جو تقسیم کی تھی آج (۱۹۷۴ع) تک ان کی یہ تقسیم یوسف مندنڑ بالخصوص سوات (اور ہزارہ کوہستان) میں جاری ہے ۔

پیر معظم شاہ کہتے ہیں کہ یوسف زئیوں میں جب کبھی زمین کا کوئی جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں! " کیا یہ تم شیخ ملی سے لائے ہو ۔ جس پر دعویٰ کرتے ہو ؟ " گویا کہ ان کا دیا ہوا اب تک منظور ہے ۔ پیر معظم شاہ کا یہ بیان ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۱ع یعنی خواجو مؤرخ کا ہر تو ہے ۔ شیخ ملی نے اپنے حسن تدبر سے زمین کی جو تقسیم کی تھی وہ آج کے دن تک جب کہ ۱۳۹۴ ہجری مطابق ۱۹۷۴ع ہے ، جاری ہے اور یوسف زئیوں کے جو قبائل اور خاندان مستقل تقسیم کے بعد جن زمینوں پر آباد ہوئے تھے انہیں پر آباد و قابض ہیں ۔ کیوں کہ یہ تقسیم مدت مدید تک قبیلہ وار تبدیلی کے اصول پر تھی یعنی ایک گاؤں والے چند برسوں کے بعد ایک علاقے

سے دوسرے میں منتقل ہو جاتے تھے* جسے 'وار' (باری) کہتے تھے -

یہ باری والی تقسیم کافی مدت تک جاری رہی مگر بالآخر یوسف سندنڑ نے اپنا ملک دو حصے کر دیا - آدھا سمہ مع سوات اور بونیر یوسف کا ہو گیا اور باقی علاقہ دریائے سندھ کے کنارے پیہور اور تربیلا سندنڑ کے قبضے میں آ گیا - بالائی یوسف زئی میں رانڑی زئی اکو زئی اور خواجو زئی کے مابین باری والی تقسیم بھی مدت دراز تک جاری رہی - مگر آخر میں یہ تقسیم گاؤں گاؤں تک محدود ہو کر رہ گئی۔

زمینوں کی تبدیلی بعض علاقوں میں چار سال ، بعض میں آٹھ اور کہیں دس سال کے بعد ہوتی تھی -

زمین کی تقسیم اور حصے بخرے کا حساب خانہ وار ہوتا تھا اور ہر کسی کو اس کے پدری حق کے مطابق حصہ دیا جاتا تھا - زمین کی تقسیم کہیں روپے ، کہیں قلبہ اور کہیں قرعہ پر ہوتی تھی - اسی حساب سے پہاڑی ، میدانی او: بارانی زمینوں میں ہر دفتری کا حصہ تھا - یہ تقسیم اتنی صحیح ، بے نقص ، منصفانہ اور مساویانہ تھی کہ بیسویں صدی عیسوی تک اس میں کوئی غلطی پیدا نہیں ہوئی اور ہر کسی کو اپنے جدی دفتر کا حصہ دیا گیا ہے - دفتر کی تقسیم کے اس طریقے کو ''ویش'' (حصہ بخرہ) کہا جاتا تھا۔

پیر معظم شاہ اخون درویزہ صاحب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

> ''شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں حاجت مندوں کی حاجت روائی کبھی دنیاوی طمع سے نہیں کی بلکہ خالصتاًللہ کی ہے -

---

* Casts and tribes of the Punjab and Frontior.

پس اگر میں اپنی اس بات میں صادق ہوں تو جن ممالک کی تقسیم اور حدود کے تعینات میں نے یوسف زئی کے مابین کیے ہیں - قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر میں اپنے اس قول میں جھوٹا ہوں تو ان کے درمیان سے یہ تقسیم ختم ہو جائے - چونکہ وہ اپنے قول میں سچا اور عمل میں مخلص تھا اس لیے یہ تقسیم آج کے دن تک موجود اور برقرار ہے - شیخ ملی کی اولاد میں سے اس وقت کچھ لوگ علاقہ یوسف زئی میں اور بعض ہندوستان میں ہیں'' -

سزائیں

تقسیم کے قواعد کے علاوہ شیخ ملی نے اپنی قوم کے لیے ایک ضابطۂ اخلاق بھی وضع کر کے رائج کیا تھا - یہ ضابطۂ اخلاق اکثر و بیشتر شرعی قوانین کے مطابق تھا - اور ہر قبیلہ ، اور گاؤں میں بعض علماء ، مشائخ اور آستانہ دار اس کے اجراء کے لیے مقرر تھے - سزائیں شرعی ہوتی تھیں - مگر بعض سزاؤں کا طریقہ علاقے کے باشندوں کے مزاج کے مطابق ہوتا تھا - یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں اس علاقے کے باشندوں کا اخلاقی معیار اور انفرادی کردار بہت بلند تھا - میاں معظم کہتے ہیں -

''یوسف زئی اس وقت بہت خوش اخلاق اور نیک معاش تھے اور قوانین کے مطابق بےنمازوں ، جوا بازوں نشہ بازوں ، بدکاروں اور دوسرے فواحش کے مرتکبین کو سزائیں دیتے تھے - سارے قبیلے میں اس قسم کی عادات پر سخت پابندی تھی ، اس ضابطے کو ''شیخ ملی''

کہا جاتا تھا ۔ اسی کے ذریعے سال بہ سال رجب کے مہینے میں ساری قوم کی اخلاقی تطہیر کی جاتی تھی ۔ محاسبے کے وقت جو لوگ جرائم میں ماخوذ ثابت ہوتے تھے ۔ انہیں ان جرائم کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں ۔ ان میں سے بعض سزائیں خاص نوعیت کی ہوتی تھیں مثلاً :

۱۔ لٹھ پر سوار کرنا :

مجرم کو ایک لمبے لٹھ پر بٹھا دیا جاتا تھا اور دو آدمی اسے دونوں سروں سے پکڑے ہوتے تھے اسی ہیت سے اسے گاؤں کے گلی کوچوں اور بازاروں میں پھراتے تھے ۔ شیوخ اور طلباء اس کے پیچھے ہوتے تھے اور کلمے پڑہتے جاتے تھے ۔ جگہ جگہ اسے ٹھیرایا جاتا تھا اور عوام کو اس کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے تھے ۔

۲۔ گدھے پر سوار کرنا :

مجرم کو گدھے پر (زین ڈالے بغیر) سوار کرتے تھے ۔ ایک آدمی گدھے کے گلے میں رسی ڈال کر جلوس کے آگے آگے گدھے کو پکڑے ہوئے چلتا تھا ۔ پیچھے سے سرنا اور نقارے بجائے جاتے تھے ۔ شیخ لوگ کلمے پڑہتے جاتے تھے ۔ علماء اسے چوک پر ٹھیراتے اور عوام کو برے کاموں سے بچنے کی تلقین کرتے تھے ۔

۳۔ منہ کالا کرنا :

بعض اوقات جب مجرم کی سزا سنگین ہوتی تھی تو اس کا منہ مسجد کے چراغ کی سیاہی سے کالا کرتے تھے اور کبھی کبھی

اس کی شلوار کو اتار کر اس کی پگڑی باندھتے تھے ۔ اور اس میں مردار مرغ ، کوے یا چیل کے پر لگا دیتے تھے ہڈیوں یا پرانی چھلوں کا ہار پہنا کر گدھے پر سوار کرتے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے سرنا اور نقارے بجائے جاتے تھے ۔ اسے راستوں اور بازاروں میں گھماتے تھے ۔ لوگ اس پر گوبر اور گندگی پھینکتے تھے ۔ یہ بہت سی سزاؤں کا مجموعہ ہوتا تھا جس میں کمی یا زیادتی ہو سکتی تھی ۔

۴ ۔ سر منڈوانا :

بدکار عورت کی سزا عموماً یہ ہوتی تھی کہ اس کے سر کے بال منڈوا دیئے جاتے تھے ۔

۵ ۔ دروں سے مارنا :

بعض سزائیں خالص شرعی ہوتی تھیں جن میں اسلامی فقہ کی پابندی کی جاتی تھی ۔ سزا کی حد بھی اسی اندازے سے ہوتی تھی ۔ یہ سزا عموماً بدکار مرد اور عورت کو دی جاتی تھی ۔

۶ ۔ سنگسار کرنا :

بعض ملزم سنگسار کیے جاتے تھے ۔ اگرچہ ایسے مواقع بہت کم پیش آتے تھے جب کوئی سنگسار کیا جاتا تھا تو عوام الناس میں سے ہر شخص اس کے پاس سے گزرتے ہوئے تین پتھر اسے مارتا تھا ۔ سوات ، بونیر اور سمہ کے دیہات میں اب تک بعض ایسے ڈھیر موجود ہیں جہاں کبھی بدکردار سنگسار کیے گئے تھے ۔ اب بھی کوئی شخص ان ڈھیروں کے پاس سے گزرتا ہے تو اس رسم کے مطابق

تین پتھر ان کی طرف پھینکتا ہے ان ڈھیروں میں اندین زئی کا خدرے کا ڈھیر خصوصیت کے ساتھ مشہور ہے[۱]۔

شیخ ملی کی یہ سزائیں پختونوں کی ان عام روایتی سزاؤں، جرمانوں اور تاوانوں سے بالکل مختلف تھیں جنھیں پختون سردار، خوانین یا ان کے جرگے، حجرے، گاؤں اور قوم کے رواج کے مطابق دیتے تھے۔

شیخ ملی کے ٹیکس:

شیخ ملی کے مقرر کردہ ٹیکسوں میں، مسجد کے ڈول، مسجد کے لیے سوختنی اور عمارتی لکڑی، اور خادم کے لیے محلے کے ہر گھر سے کچھ رقم یا غلہ مقرر تھا۔ اس کے علاوہ قربانی کی کھال بھی مسجد کے لیے وقف تھی، ائمہ مساجد کے لیے "ٹل" یا خاندان کے اوپر سیری ہوتی تھی۔ یہ سیریاں آستانہ داروں اور مشائخ کی سیریوں کے علاوہ ہوتی تھیں[۲]۔ مسجد کی تعمیر، مرمت اور لپائی میں سارے ٹل والے شریک ہوتے تھے۔ ہر گھر کا کم از کم ایک فرد ضرور حاضر ہوتا تھا۔ جو کوئی ایسے موقع پر حاضر نہ ہوتا تھا۔ تو وہ تاوان ادا کرتا تھا۔ مسجد کے شہتیر، بلی، چٹائی اور دیگر ضروریات یا تو قومی جنگل سے پوری کی جاتی تھیں۔ یا چندہ جمع کر کے خریدی جاتی تھیں۔ ان مقررہ اصول کی پابندی آج تک جاری ہے۔ یہ چندہ

---

(۱) جس جگہ یہ سزائیں دی جاتی تھیں اس جگہ نشانی کے طور پر پتھروں کا ایک ڈھیر بنا دیا جاتا تھا۔ جسے پشتو میں "سلے" کہا جاتا ہے۔

(۲) مشائخ اور آستانہ داروں کی یہ سیریاں عموماً دیہات اور قبیلوں کی حد (برید) پر دی جاتی تھیں۔ یہ ان کی دائمی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ بعض سیریاں سرداری یا بزرگی کی بھی ہوتی تھیں۔ جن کی آمدنی سے حجروں کے مصارف پورے ہوتے تھے

دفتر (جائیداد) کے مطابق ہوتا تھا۔ بے جائداد افراد اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے تھے البتہ ان کے ذمے جسمانی اور بدنی خدمت ہوتی تھی۔ مسجدیں مکاتب کا کام بھی دیتی تھیں۔ مسجد کے طالب علموں کے لیے (گھروں سے) ''وظیفے'' مقرر تھے۔ یہ وظیفے دونوں وقت (صبح و شام) ایک آدمی ٹکڑوں کی شکل میں، ہر گھر کے دروازے پر آواز دے کر جمع کرتا تھا۔ پکے طعام کے علاوہ فصل تیار ہونے پر خرمنوں کے وقت ہر خرمن سے خیر زکواۃ کے طور پر کچھ غلہ بھی جمع کیا جاتا تھا۔ یہ غلہ طالب علم فروخت کرتے تھے۔ اور حاصل شدہ رقم سے کپڑوں، جوتوں اور کتابوں کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ اس طرح علاقہ یوسف زئی میں، شیخ ملی کے نظام کی بدولت تعلیم مفت اور عام تھی۔ اس میں وقت اور عمر کی کوئی قید نہیں تھی۔ مکتب میں لڑکے لڑکیاں مل کر بیٹھتے تھے، مگر لڑکی جب کچھ بڑی ہو جاتی تھی تو پھر اسے وہاں سے اٹھا کر زنانہ استانیوں کے حوالے کیا جاتا تھا۔ ایسی استانیوں کو کپڑے اور پاپوش کے علاوہ فصل کے موقع پر مقررہ مقدار میں غلہ دیا جاتا تھا۔ اور ہر شادی اور غمی کے موقع پر اُن کا اعزازی حصہ ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ تواریخ حافظ رحمت خانی میں قومیت، حمیت پختونی کردار، پختونوں کی ناعاقبت اندیشی، آزاد اور غلام میں فرق، مغلوں کی سیاسی حکمت عملی پختونوں اور مغلوں کے قدیم مراسم اور تعلقات، قومی اور انفرادی بدعتیں، قومی تعصب اور خیر خواہی کے جذبات، دینی پیشواؤں اور آستانہ داروں کی قدر و منزلت، مغلوں کی سنگدلی، پختونوں کی غیرت اور حمیت کے مظاہرے، سرداری اور بزرگی دینے کے رسوم، جرگے کا احترام اور صلح و مصالحت کی غرض سے بڑے بوڑھوں اور بزرگوں کو لے جانے کی اہمیت، پختون خواتین

کے کردار ، جنگ کے طریقے اور آداب ، بعض قلعوں اور حصاروں کی اہمیت ، مطربوں اور قوالوں کی حیثیت ، پختونوں اور بالخصوص یوسف زئی میں نسب ناموں کے رواج وغیرہ کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے -

پیر معظم نے کتاب کے اختتامیہ میں یہ اشعار لکھے ہیں -

شکر شکر چہ مکتوب شہ
دا کتاب پہ ښہ اسلوب شہ
دا کتاب اول طویل وو
ډیر پہ دہ کښے قال و قیل وو
نور پہ حکم ما د خان
چہ حافظ دے د قرآن
چہ پہ پند کښے لکہ نمر دے
تمام ہند پرے منور دے
شہامت پور د دہ وطن دے
پلی بھیت نے اوس مسکن دے
ھجری سن زر سل اتیا دے
بو کال بل ہم پرے بالا دے
غرہ ہم د محرم دہ
دا رنگ یادہ د معظم دہ
پاک مولیٰ د خان معین شہ
د ہر چا پہ دا امین شہ

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے
کہ یہ کتاب خوش اسلوبی سے مرقوم ہوئی
یہ کتاب پہلے طویل تھی

اور اس میں بہت قال و قیل تھا
پس میں نے اسے خان (رحمت خان) کے حکم سے
جو قرآن کریم کا حافظ ہے ۔
جو ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن ہے
اور سارا ہندوستان جس سے منور ہے
شہادست پور (طورو) جس کا وطن ہے
اور اب پلی بھیت اُس کا مسکن ہے
ھجری سن گیارہ سو اسی ہے
بلکہ ایک سال اوپر (۱۱۸۱ھ) ہے
مہینہ بھی محرم الحرام کا ہے
اسی طرح معظم کو یاد ہے
اللہ پاک اس کا معین و مددگار رہے
اور ہر کسی کی اس پر آمین ہو۔

کتاب کی نقل ۲۶ جولائی ۱۸۶۴ع میں مرزا محمد اسماعیل قندہاری نے میجر راورٹی کے لیے تیار کی تھی ۔ یہی نسخہ اب برٹش میوزیم لائبریری لندن میں محفوظ ہے کتاب کے سرورق پر میجر راورٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تاریخی اہمیت کا ایک مختصر سا نوٹ بھی ہے ۔

پختونوں کے چار علمی گھرانے

پختونوں کے چار بڑے علمی گھرانوں میں تین تو پختونخواہ (اٹک سے اس پار علاقے) میں خاص طور پر ممیز اور مشہور ہیں ۔ جن میں پہلا گھرانا اخون درویزہ کا ہے ۔ دوسرا خوشحال خان خٹک کا خیل خانہ ہے۔ (جس میں مردوں کے دوش بدوش خوتین بھی شامل

ہیں) ، تیسرا میاں صاحب عمرؒ چمکنی کا گھرانا ہے اور چوتھا خاندان ہندوستان میں روہیلہ کے نامور سردار شہید حافظ رحمت خان کا ہے۔[1] جن کی طرف اس کتاب کے علاوہ پشتو لغات ، تواریخ اور پختونوں کے نسب نامے بھی منسوب ہیں ۔

ان خاندانوں نے علوم و فنون کو بالخصوص پشتو زبان و ادب کو فروغ و ترقی دی ہے۔ اور پختون علماء، مشائخ اور شعراء کی قدردانی بھی کی۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان چاروں خاندانوں کی علمی خدمات کے متعلق تحقیق کے بعد پشتو زبان اور ادب کی تاریخ میں انہیں ان کا حق اور صحیح مقام دیا جائے[2]

اختتامیہ :

تواریخ حافظ رحمت خانی کے طبع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات سے عبرت اور سبق حاصل کیا جائے اور قبائلی چپقلشوں اور جنبہ داری کی کشمکش اور چھیڑ چھاڑ کی بجائے سارے پختون ایک اسلامی وحدت میں پرو دئے جائیں اور مشترک برادری اور مساوات کا وہ اسلامی جوہر پھر سے زندہ کر دیا جائے جس نے پختون قوم کو بہت زمانے تک دنیا کی قوموں میں افضل اور سرفراز کیا تھا ۔

محمد نواز طائر
ایم اے (جغرافیہ) ایم اے (فارسی) ایم اے۔ آنرز (پشتو)
پشتو اکیڈیمی ، پشاور یونیورسٹی

(۱) اس خاندان کے بہت سے افراد تقسیم ملک کے بعد پاکستان آ گئے ہیں

(۲) پشتو زبان و ادب کے علاوہ دیگر زبانوں اور مختلف علوم و فنون میں بھی ان خانوادہ ہائے علمی کی خدمات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

No 20

''The Tarikh -i-Hafiz Rahmat Khani''

This is a copy of a very unique and rare work, containing an account of the movements of the Yusafsaies and other tribes of Pashtonah. I know but of one copy.

(Sd/-) H.W. Roverty, Captain.
3' Regt. Bombay N.I.

Peshawar. 1862.

P.S. During my forty years researches I have never been able to discover but one copy of this work, viz that from which this is taken. I have translated it and it will be included in my History of the afghans, on which I have been at work for many years past.

(Sd/-) H.W. Roverty, Major.
Bombay Army (Retired)

Milverton, Somerset,
January, 1881.

تواریخ حافظ رحمت خانی

حمد و ثنا ہے اس مالک الملک کی جس کے جلال کے قصر کبریائی کا مینار اس سے بہت بلند و ارفع ہے کہ خواص و عوام کے اوہام کی کمند وہاں تک پہنچ سکے اور جس کے کمال لامحدود کی فضا اس سے بہت وسیع ہے کہ پروں والے مرغانِ نفوس فلکی اور فرشتے وہاں تک پہنچنے کے لیے پر تول سکیں -

کس زبان سے بیان کیا جائے کہ لوثِ امکان سے آلودہ کو مقدس مطلق سے کیا آگاہی ہے ، اور زوایہ عدم کے قیدی کو ذات بحت کے ساتھ کیا ہمراہی ہے - جس جگہ ملکِ نبوت کے والی اور ولایتِ فصاحت کے تاج دار نے جس کا مقولہ شریفہ ہے کہ میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح ہوں ، اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے اور اپنی زبان مبارک سے لااحصی (میں اللہ کی تعریف کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں) فرمایا ہو تو دوسرے کسی کو کہنے کا کیا حق ہو سکتا ہے اور دوسرے کسی کو تگ و پو کی کیا مجال -

دل زکجا ایں پر وبال از کجا
من کہ و تعظیم جلال از کجا

اللہ پاک وہی ہے جس نے خود فرمایا ہے اور اس کی ثنا کے گوہر اسی طرح ہیں جس طرح اس نے خود پروئے ہیں۔ 'سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شی والیہ ترجعون' اس قول کے مطابق ' پاکی ہے اس ذات کے لیے جس کے دست قدرت میں ہر شے کا اختیار ہے ، اور سب اسی کی طرف لوٹیں گے۔ اور درود ہو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر[ص] پر ، کہ جس کے متعلق فرمودہ الٰہی ہے کہ 'وما ارسلناک الا رحمتہ للعلمین' ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور کونین کے ممالک اس کے محبوب بندوں کی سرحدیں ہیں۔ کس استعداد سے لکھا جائے ، جس جگہ کہ واجب الوجود نے خود لولاک سے آپ کی توصیف فرمائی ہے اور آپ کے دین کو سارے قدیم دینوں اور ملتوں کا ناسخ بنایا اور اہل بیت اطہار اور اصحاب کرام سے آپ کی تائید فرمائی ہے۔ دوسرے کسی شکستہ زبان کو زبان کھولنے کی کیا مجال ، اور دوسرے پریشان رائے کی کیا قدرت کہ آپ کی توصیف وثنا میں سخن آرائی کرے۔

ورا عز لولاک تمکین بس است
ثنائے او طٰہٰ و یٰسین بس است

اس کے لیے لولاک کا اعزاز کافی ہے اور اس کی ثنا کے لیے طٰہٰ و یٰسین بس ہے۔ درگاہ صمدیت کے اس محبوب[ص] اور بارگاہ احدیت کے اس مقبول کے قربان جاؤں جس کی قامت زیبا پر 'لی مع اللہ وقت' (اللہ کے ہاں میرے لیے ایک خاص وقت ہے) کی قبا راست آئے اور جس کا مقام یہ ہو کہ وہ تمام انسانوں کا سردار ہو 'انا سید ولد آدم' (میں اولاد آدم کا سردار ہوں)

اللھم صل علےٰ محمد وعلیٰ الہ الاطہار و صحبہ الاخیار الی یوم القرار

اے میرے اللہ محمد علیہ السلام پر رحمت بھیجیں اور ان کے پاک اہل بیت اور ان کے بہترین اصحاب پر قیامت کے دن تک۔ (آمین)

حمد و ثناء اور درود کے بعد اس کتاب کا لکھنے والا اور اسے مرتب کرنے والا بندہ ناچیز پیر معظم شاہ ولد پیر محمد فاضل مغفور و مرحوم جو موضع پیر سھباک تعلقہ شہر پشاور (تحصیل نوشہرہ) کا باشندہ ہے اس طرح عرض کرتا ہے کہ عمدۃ الامراء العظام اسوۃالکبراء الفخام خان عالی شان حافظ الملک و الفرقان خان رحمت خان، اللہ تعالیٰ اسے زمانے کے انقلابات سے سلامت رکھے۔

نظم

آنکہ از رائش عروس ملک را
رونق و حسن و جمال و زیور است
ظاہرش بر جادہ شرع رسول
باطنش ہر دم بہ یاد داور است
ہر چہ در مدحش نویسد کلک فہم
ذات عالی را سزاوار خور است

وہ ہستی جس کا جھنڈا ملک کی دلہن کے لیے رونق، حسن، جمال اور زیور ہے، اس کا ظاہر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہے اور باطن ہر دم یاد الہٰی میں مشغول۔ فہم کا قلم جو کچھ بھی اس کی مدح میں لکھے گا وہ اس کی ذات عالی کے لائق و سزا وار ہوگا۔

حافظ رحمت خان مختلف فنون کی کتابوں اور ہر قسم کے نسخوں کے مطالعہ کی پوری الفت اور بدرجہ اتم رغبت رکھتے ہیں - اتفاقاً ایک دن ایک کتاب تواریخ افاغنہ کا مسودہ جو خخی (ختی) اور غوری (غوریا خیل) اقوام کے حالات پر مشتمل اور فارسی آمیز پشتو میں بیشتر یوسف زئی کے حالات کا حامل تھا اور عارف بے بدل شاہراہ علم و عمل کے سالک آخوند درویزہ صاحب کی تذکرہ نامی کتاب کے حالات کے مطابق تھا - سرکار فیض آثار نواب معلّٰی القاب خان بہادر قوم افغان کے خان غوریا خیل خصوصاً داؤد زئی کے خان (اللہ ان کی قبر کو ان پر کشادہ کرے اور جنت ان کا ٹھکانا بنائے) کے کتب خانہ خاص شہر شاہجہانپور سے پہنچ گیا اور ان کی (حافظ الملک کی) نظر کیمیا اثر سے گزرا - (اللہ تعالیٰ ان کے اقبال کو بلند کرے - اور ان کے اجلال کو دوگنا اور ان کے ہر کام کا انجام بخیر کرے)

چونکہ جناب فیض ماب حافظ الملک اپنے وقت کے محقق اور مدقق منفرد ہیں - اس لیے انہوں نے جب اس مسودے میں بعض واقعات نادرہ اور حکایات عجیبہ کو دیکھا اور تذکرہ سے تطبیق و تصدیق کرائی تو انہیں یہ مسودہ بہت پسند آیا - مگر چونکہ مسودے کے مصنف سے عبارت کی خامیاں رہ گئی تھیں اور فضول اور بے فائدہ تکرار بھی تھی ، اس لیے ان کی خاطر میں قبولیت کا شرف حاصل نہ کرسکا - چنانچہ اس فقیر ذرہ نظیر ، بے مایہ ، قلیل الاستطاعت سے جو ان کے دعا گوؤں میں ایک کمترین اور حضور پرنور کے ملازموں میں سب سے گیا گزرا ہے ، فرمایا کہ اگر یہ کتاب اس طریقے سے مرتب ہوجائے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں جلدی آجائے اور مقصد بھی فوت نہ ہو - نیز اس کے مطالعہ سے کسی کے خلاف دل میں ملامت اور طبیعت میں کدورت

پیدا نہ ہو تو بہت ہی اچھا ہو۔ چنانچہ اس امر کے مطابق اس کتاب کا اس طرح اختصار کیا گیا کہ عبارت کم کردی گئی لیکن عبارت کے معنی اور اس کی جامعیت پر اس کا اثر نہیں پڑنے دیا گیا۔ اس طرح کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی سمٹ آئے ہیں۔ اور فضول عبارتوں سے پاک کر کے جدید تبویب میں اسے مقامات سبعہ میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اب اسے تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وبہ نستعین واللہ المستعان علی ماتصفون۔

آغاز کتاب (تواریخ افاغنه) مصنف اول (خواجو)

بیت

څار تر خدایه شم په دا هسې قدر تو نه ٥
چه آدم حوا لا نه وو تا هاله کښل قلمونه
قدر تو نه د ښکاره کړه
تا پیدا کړه اووه ځمکې آسمانونه
دغې ځمکې قرار نه کړ
تا پرې کېښول درانه درانه لوی غرونه
تر دې غرونو ډېر درانه دی
معتبر د دین سرونه
د سرونو ځانې دې جوړ کړ
د کور غار، تنګه خونه
هغه ځائې لره به ورشو
چه نه لار لری نه ورونه
پوه ورځ به پکښې ښه شو
تر قیامت به پکښې یو نه
لر غونی سړی پوښتی
چه د یوسف زو وو کوم ملکونه
ملک ئې نشکې، میښه ئې کاړ کې
غوریه خیل کا تر اوسه پېغورونه
غوریه خیله! پېغور مه کړه!
ته، ښځې ښې سره وروڼه
ښځې ستا له لاسه راغې
ماله ته زورور وې په سرونه

اللہ کے قربان جاؤں ، اس کی ایسی قدرتوں پر
کہ آدم وحوا ابھی نہیں تھے اور تو تقدیریں لکھ رہا تھا۔
آپ نے اپنی قدرتیں ظاہر کردیں ۔
آپ نے سات آسمان اور زمین پیدا کر دئیے ۔
یہ زمین قرار نہیں پکڑتی تھی ۔
آپ نے اس پر بڑے بڑے بھاری پہاڑ رکھ دئے ۔
ان پہاڑوں سے بھی بہت بھاری ہیں
دین کے معتبر پیشوا ۔
لوگوں کی جائے اقامت بنائی آپ نے
گور کی تنگ و تاریک کوٹھری
اس جگہ میں ہم سب چلے جائیں گے ،
جس کا نہ کوئی راستہ ہے نہ دروازہ۔
ایک دن اس میں بند ہو جائیں گے
اور قیامت تک اس میں رہیں گے۔
اگلے لوگ پوچھتے ہیں :
یوسف زئی کا ملک و وطن کون سا تھا ؟
(انھیں بتا دو) یوسف کا ملک ''نشکے'' تھا اور
''گاڑکے'' بسیرا ۔
جس پر غوریا خیل (خلیل وغیرہ) ابھی تک طعنے دیتے ہیں۔
اے غوریا خیل ! طعنے مت دو ،
تم اور خخی (خشی) تو آپس میں بھائی بھائی ہو۔
لیکن خخی (خشی) تمہارے ہاتھوں تنگ آکر
وہاں سے چلا آیا۔
اس وقت تم اپنے جوانوں کی کثرت کی بدولت طاقت ور تھے۔

مقام اول

در ذکر اوطان اصلی اقوام خخی و غوری خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرهم من توابع ایشان و سبب ارتحال ایشان از آنجا و آمدن به مضافات دارالسلطنت کابل و مخالفت میرزا الغ بیگ شاهزاده با قوم یوسف زئی و کشته شدن سرداران یوسف زئی از دست او و آمدن ایشان از آنجا به مضافات شهر پشاور وغیره که بالفعل درآن متوطن اند ۔

اقوام خخی (خشی) اور غوریا خیل خصوصاً قوم یوسف زئی وغیرہ، ان کے توابع کے اصلی اوطان، وہاں سے ان کے نقل مکانی کرنے کے سبب، مضافات دارالسلطنت کابل آنے، میرزا الغ بیگ شاہزادہ کی یوسف زئی کے ساتھ مخالفت، اس کے ہاتھوں یوسف زئی کے سرداروں کے قتل اور ان کے کابل سے پشاور اور اس کے مضافات کی طرف آمد کے بیان میں جہاں وہ اب متوطن ہیں ۔

کہتے ہیں کہ یوسف زئی (مقام ''کاڑہ'' (گڑ کوبہ) اور ''نشکی'' میں اور غوریا خیل خصوصاً خلیل ترنک ، مقر اور قرہ باغ میں آباد تھے ۔ کسی سبب سے ان دونوں میں آپس میں لڑائی ہو گئی۔ غوریاخیل نے سارے خخی (خشی) کو شکست دے دی اور ملک ان سے چھین لیا ۔ چنانچہ کل خخیٔ (یوسفزئی ، گگیانی اور ترکلانی ، بلکہ محمد زئی بھی) اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نشیب کی طرف چل کر کابل آگئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے ۔

رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دبدبے اور شوکت کے مالک ہوگئے اور کابل کے مضافات کے تمام حدود کو اپنے زیر تصرف لے آئے ۔کہتے ہیں کہ آن دنوں مرزا الغ بیگ شاہزادہ ابو سعید بہادر تیموری کا بیٹا بہت ہی کم عمری اور خورد سالگی میں معدودے چند مغلوں کے ساتھ ماوراء النہر سے کابل آیا ۔ شکستہ حال اور پریشاں روزگار تھا ۔ اس‌وقت تمام اقوام خخی (خشی) کا سردار ملک سلیمان شاہ بن ملک تاج‌الدین بن ملک روڑ تھا ۔ سلیمان شاہ سے مرزا الغ بیگ کا تعلق ہوا تو دونوں کے درمیان بےحد محبت ہو گئی ۔ یہاں تک کہ ملک سلیمان شاہ نے اپنی لڑکی مرزا الغ بیگ کے نام منسوب کر دی۔ سلیمان شاہ نے اسے ہمیشہ اپنےزانو پر بٹھائے رکھا،اسے

بیٹوں کی طرح پالا اور اس کی تربیت کی ۔ یہاں تک کہ یوسف زئی قبیلہ گویا کہ مرزا کا لشکر ہوگیا۔ اس پرورش اور تربیت سے سلیمان شاہ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے۔ جب بڑا ہوجائے گا، بادشاہ بنا لوں گا۔ اس کی حکومت میری ہوجائے گی اس طرح خخی (خشی) بالخصوص یوسف زئی بہت معزز اور صاحب جاہ ہوجائیں گے۔ ایک روز مرزا الغ بیگ سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اتفاقاً ادھر سے قدوۃالمکا شفین شیخ عثمان بن سوتی ملی زئی کا گزر ہوا ۔ شیخ عثمان اس زمانے کے صاحب کشف بزرگ اور مشاہیر اولیا' میں سے تھے اور یوسف زئی کے لوگ ان کے بہت گرویدہ اور معتقد تھے۔ شیخ عثمان قدس سرہ نے مرزا مذکور کو سلیمان شاہ کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھا تو ملک سلیمان شاہ سے فرمایا "ملک صاحب یہ کیا کر رہے ہو ؟" سلیمان شاہ نے جواب دیا ۔ " یہ شہزادہ ہے ، کہلاتا ہوں کہ اگر بادشاہ ہوجائے تو اس کی سلطنت میری ہوجائے گی ۔ اور میری قوم اس سے معزز اور موقر بن جائے گی ۔" شیخ نے فرمایا کہ :-

"اس نوخیز نوجوان کی آنکھیں یزید کی آنکھوں کی طرح ہیں جس نے صحابہ کو قتل اور ہلاک کردیا تھا ۔ اس طرح یہ بھی تمہاری قوم کو ہلاک کر دے گا ۔"

ملک سلیمان شاہ نے کہا شیخ جیو ! ایسا نہ فرمائیں ۔ یہ باتیں آپ کے شایان شان نہیں ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ کسی اور کو اس کا علم ہوجائے ۔ بادشاہ لوگ کسی کا احسان فراموش نہیں کرتے ۔ یہ بادشاہ زادہ ہے ۔ جب بادشاہ ہوجائے گا ، اختیار میرے ہاتھ میں آجائے گا ۔ جس سے میری قوم محترم ہوجائے گی ۔

شیخ نے فرمایا ، کہ بہت اچھا ملک صاحب ! میں نے تو خبردار کر دیا ۔ آگے آپ کی مرضی ، پھر نہ کہنا کہ آپ نے کہا

نہیں تھا۔

ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ مذکور کو بہ طریق مسطور پال پوس کر بڑا کیا اور اس کی کماحقہ تربیت کر کے کمال تک پہنچایا۔ بعد ازاں اسے کابل کا بادشاہ بنایا۔ خطبہ اور سکہ اس کے نام کے جاری ہوگئے۔ مستقل بادشاہ بن گیا۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہوگئی۔ مغل بھی اطراف و جوانب سے آ کر اکٹھے ہوگئے اور کابل پایہ تخت ہوگیا۔ اس وقت تک تمام کاروبار حکومت سلیمان شاہ کے ہاتھ میں تھا۔ بہ ایں وجہ یوسف زئی صاحب جمعیت بن گئے اور کابل میں انہیں پورا تسلط ہوگیا اور معاملات حکومت میں رسوخ پیدا کرلیا۔

جن ایام میں مرزا الغ بیگ کابل کا بادشاہ ہوگیا تو بڑی جمعیت اوردبدبہ پیدا کیا۔ اور ملک تاج الدین کے چھ یا سات بیٹے تھے، جن میں سے ہر ایک نامی و گرامی تھا۔ پہلا ملک سلیمان شاہ تھا، جو سالہا سال تک اقوام خخی (خشی) کی مسندِ ریاست و امارت پر پورے استقلال کے ساتھ متمکن رہا۔ دوسرا سلطان شاہ تھا، جو ملک سلیمان شاہ کا باپ جایا بھائی اور ملک احمد کا باپ تھا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ ملک احمد یوسف زئی کے ممالک کا فاتح اور عظیم الشان ملک تھا۔ بلکہ خخی (خشی) کے تمام ممالک کا فاتح تھا۔ اس کے حالات اپنے محل میں ذکر کیے جائیں گے۔ تیسرا بہرام تھا، جو تاجروں اور راستوں کے کاروانوں سے محصول وصول کر کے جمع کرتا تھا۔ چوتھا خیرالدین اور پانچواں پائندہ تھا، جسے انتہائی زور و قوت اور جسامت کی عظمت کے سبب لوگ ہاتھی کہتے تھے۔ اور اس کے دوسرے بیٹوں کے نام ہمیں معلوم اور متحقق نہ ہوئے۔

یوسف زئی اور گگیانیوں کی مخالفت

فاطمہ نامی سلطان شاہ کی بیٹی اور ملک احمد کی بہن تھی۔ یہ نہایت حسین و جمیل اور کنواری تھی ' جسے شبلی ابن توری اور حسن ابن چنگا کے عزیزوں (میں سے کسی کے ساتھ) منسوب کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تھا۔ شبلی ابن توری اور حسن بن چنگا دونوں چنگازی ' موسیٰ زئی گگیانی تھے اور اس وقت گگیانیوں میں سرداری اور ملکی انہیں دونوں کی تھی۔ مرزا الغ بیگ کے ہاں بھی یہ دونوں بہت پیش پیش تھے۔ اور مرزا ان پر حد سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ دونوں لوگوں کی چغلیاں کھانے میں مشہور تھے۔

فاطمہ کی نسبت کا وعدہ ابراہیم بن گدائی الیاس زئی ' یوسف زئی سے بھی کیا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فاطمہ کی نسبت ایک گگیانی سے کر دی گئی ہے تو اس نے اسے اغوا کرلیا اور کابل سے کورمہ لے آیا۔ جو خیشکیوں کا مقام و مسکن ہے۔ گگیانیوں نے اسے سلیمان شاہ وغیرہ یوسف زئیوں کی ملی بھگت سمجھا۔ اسی سبب سے گگیانیوں کی نیت یوسف زئیوں کے حق میں خراب ہوگئی۔ مگر یوسف زئی چونکہ ہر طرح سے غالب اور صاحبِ قوت تھے اس لیے گگیانی ان پر قابو نہیں پاسکتے تھے۔ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یہ کسی طرح قابو میں آجائیں اور اگر موقعہ ہاتھ لگے تو یوسف زئیوں کے ساتھ برا سلوک کریں۔ ادھر مرزا الغ بیگ بھی جب مستقل بادشاہ ہوگیا تو یوسف زئی کی طرف سے اس کا خیال بدل گیا۔ یوسف زئی ہر حیثیت سے غالب تھے۔ وہ مرزا الغ بیگ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے

تھے وہی ہوتا تھا۔اس وقت یوسف زئیوں کا ظلم و تعدی بھی کابل شہر اور دیہات میں حد سے زیادہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ سپاہی، شہری اور عوام ان کے ہاتھوں اپنی زندگی سے تنگ آگئے تھے۔ بد اخلاقی، دست درازی، شراب خوری اور دوسرے فسق و فجور کے کام ان کا پیشہ بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرکت (میر گٹ) کا بیٹا اسمعیل (نوری زئی) یوسف زئی کی بدمستی اور شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ امیل اور عزت دار لوگوں کو زبردستی پکڑ کر شراب کے ایک پیالے کے عوض فروخت کر دیتا تھا۔ کابل کے بازار میں دھونس اور دھاندلی سے چیزوں کے نرخ کم کر کے انہیں خرید لیتا تھا اور کوئی بھی اس کی روک تھام نہیں کرسکتا تھا۔

گگیانی قوم پر مرزا الغ بیگ کی چڑھائی

الغرض ایک طرف تو یوسف‌زئیوں کا زور اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تھا مگر کسی کو ان سے باز پرس کی جرات نہ ہوتی تھی۔ دوسری طرف فاطمہ کے اغوا کے واقعے کے سبب یوسف زئی اور گگیانی کے مابین منازعت شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گگیانیوں کی طرف سے بھی دست اندازی ہونے لگی اور ایک مستقل فتنہ قائم ہوگیا۔

مرزا الغ بیگ اور مغلوں کو اس سے نہایت خوشی ہوئی کہ ان دونوں کے درمیان نفاق کا بیج پڑگیا، مخالفت پیدا ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ وشوں کی طرح الگ ہوگئے۔

مرزا الغ بیگ کا خیال تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس طرح دونوں اس کے محتاج ہوکر قابو میں آجائیں گے۔ اس نے اپنے سرداروں سے بھی مشورہ کیا اور کہا کہ اچانک فوج کشی کر کے پہلے

گگیانیوں پر ہلہ بول دینا چاہیے اور انہیں تاخت و تاراج کردینا چاہیے - یوسف زئی اور گگیانیوں کی مثال دو بازوؤں کی ہے ، ایک بازو ٹوٹ جائے گا یعنی گگیانی زیرو زبوں ہوجائیں گے تو یوسف زئی بھی ہمارے محتاج ہوجائیں گے - کیوں کہ وہ تنہا رہ جائیں گے - گگیانیوں پر چڑھائی اور انہیں تاراج کرنے کا یہ مشورہ مرزا نے ملک سلیمان شاہ کے ساتھ بھی کیا - ملک سلیمان شاہ ایک جہاندیدہ اور دوربین شخص تھا - اس نے ظاہر میں تو مرزا الغ بیگ کی ہاں میں ہاں ملادی مگر اس کا دل گگیانیوں کے قتل و غارت پر راضی نہ تھا - چنانچہ جب مرزا الغ بیگ لشکر لے کر گگیانیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور سلیمان شاہ کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے خفیہ طریقے سے گگیانوں کو اطلاع بھیج دی کہ مرزا الغ بیگ تمہیں تاخت و تاراج کرنے آرہا ہے ، وہ تمہیں تباہ و برباد کردے گا ، تم خبردار رہو اور اپنی قوم کو اس سے بچاؤ - گگیانی یہ خبر ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر دوسرے مقام کو چلے گئے - مرزا الغ بیگ جب وہاں پہنچا - تو گگیانیوں کو وہاں نہ پایا - جس سے اسے بڑا صدمہ پہنچا - اس نے اپنے لشکر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے گگیانوں کو پہلے ہی سے اطلاع دے دی - اس لیے وہ اپنی جگہ سے بھاگ گئے ہیں - لشکریوں نے کہا - واللہ اعلم کس نے انہیں اطلاع دی - اب گگیانی لوگ ایسے مقام کو پہنچ گئے تھے کہ مرزا ان کا نہ پیچھا کر سکتا تھا اور نہ ان کو قابو میں لاسکتا تھا - آخر مرزا الغ بیگ وہاں سے مایوس اور شرمندہ اُلٹے پیروں واپس آیا -

کابل پہنچ کر اس نے بہت کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آیا اس کی یلغار سے گگیانیوں کو کس نے مطلع کر دیا تھا - آخر جب

چند دن گزر گئے تو گگیانیوں نے بے وفائی کر کے مرزا الغ بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں آپ کی یلغار کی اطلاع آپ کے مدارالمہام ملک سلیمان شاہ نے دی تھی۔ اسی نے اپنا ایک معتمد شخص تیز دوڑا کر بھیجا اور ہمیں حقیقت حال سے آگاہ اور واقف کر دیا۔ اس لیے ہم اپنی جگہ سے بھاگ گئے اور تمام اثاثوں کے ساتھ ایسی جگہ چلے گئے جو آپ کی دسترس سے باہر تھی۔ اس وجہ سے آپ ہم پر قابو نہ پاسکے۔ یہ بات سننے کے بعد مرزا اور دوسرے مغلوں کی آزردگی ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم سے حد کمال کو پہنچ گئی اور سلیمان شاہ اور یوسف زئی قوم کے ساتھ مرزا الغ بیگ کا بغض و حسد انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ رات دن ان کی بیخ کنی کی تدبیریں سوچنے لگا اور اپنے مقربین کے ساتھ ہر وقت خلوت و جلوت میں مشورے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن مرزا الغ بیگ نے گگیانیوں میں سے موسی زئی کے دو سرداروں حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری کو جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اپنے حضور میں بلا کر صلح کرلی اور انہیں قسم قسم کے اعزازات و مدارات سے سرفراز کرنے کے بعد کہا کہ میں تمام افواج کے ساتھ تمہارا معاون و مددگار ہوں اور یوسف زئی سے بیزار ہوگیا ہوں۔ مجھے ان کا اعتبار نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم جاکر اپنے لشکر جمع کرو اور پوری مستعدی کے ساتھ یوسف زئیوں سے جنگ کے لیے نکل آؤ۔ ہم بھی تمہارے شامل حال ہوجائیں گے۔ یوسف زئی تمہارے بھی دشمن ہیں اور میرے بھی۔ جب بھی بس چلے ان کی رعایت نہ کرو۔ اس پر فریقین نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور قول و قرار ہوا۔ مرزا نے کہا کہ پہلے تم یوسف زئی کے مقابلے میں نکلو، جنگ شروع کرو، میں بھی فوراً اپنی جمعیت کے ساتھ پہنچ جاؤں گا۔

بالآخر گگیانیوں کے ملک مرزا الغ بیگ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچ گئے جو کابل کے نواح میں آباد تھی۔

یوسف زئیوں کی مرزا الغ بیگ اور گگیانیوں سے جنگ (جنگ غوڑہ مرغہ)

گگیانی اپنا لشکر جمع کر کے پوری طرح تیار ہو گئے تو یوسف زئیوں کے مقابلے میں جنگ کے لیے میدان میں نکل آئے۔ حسب قرار داد مرزا الغ بیگ بھی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آ کر گگیانیوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور ہیئت اجتماعی کے ساتھ یوسف زئی کی طرف بڑھنے لگے۔ کچھ گگیانی فوج سے آگے نکل گئے اور یوسف زئیوں کے مویشی پکڑ لائے۔ یوسف زئی کو اطلاع ملی تو جگہ جگہ سے مسلح ہو کر ان کے تعاقب میں نکلے۔ گگیانیوں نے یوسف زئیوں کا لشکر دیکھا تو گگیانیوں اور مغلوں کا لشکر چار صفوں (قطاروں) میں تقسیم ہو گیا۔ یوسف زئیوں نے انہیں چار صفوں میں دیکھا تو خود بھی چار صفیں بنائیں اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر مقاتلے اور مقابلے کی نیت سے آمنے سامنے آ گئے۔ اور دونوں لشکروں کے درمیان عظیم جنگ واقع ہو گئی۔ لیکن یوسف زئی ان پر ایسے ٹوٹ کر گرے اور مردانگی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مغل اور گگیانی دونوں کو مغلوب کر کے شکست فاش دے دی۔ بہت سے مغلوں اور گگیانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میدان جنگ جو کابل کے نزدیک ایک سبزہ‌زار تھا۔ مغلوں اور گگیانیوں کے مقتولین کے خون سے سرخ اور تر بہ تر ہو گیا۔ اسی لیے اس میدان جنگ کا نام 'غوڑہ مرغہ' یعنی خون سے تر میدان پڑ گیا۔

اہل افغان آج تک دن تک اس جنگ کو "غوڑہ مرغہ کی جنگ" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس جگہ کو غوڑہ مرغہ (خون سے تر میدان) کے نام سے پکارتے ہیں۔

الغرض جب مرزا اور گگیانی دونوں شکست کھا گئے تو مرزا کابل لوٹ گیا اور گگیانی اپنی اپنی بستیوں میں چلے گئے۔ مرزا اس واقعہ پر بیحد شرمندہ تھا۔ اسے اس شکست پر بہت ملال ہوا۔ اس کے دل میں یوسف زئیوں کے خلاف غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس نے حسن ابن چنکا اور شبلی ابن توری گگیانی سے کہا کہ یوسف زئیوں کے نیست و نابود اور قتل کی فکر پھر سے کرنی ہے۔ حسن اور شبلی نے اسے مشورہ دیا کہ: یوسف زئی نرمی اور دلاسے کے بغیر قابو میں نہ آسکیں گے۔ آپ ان سے صلح کی بات چیت کریں اور آشتی کا رویہ اختیار کریں۔ اس طرح شائد وہ دھوکا کھا جائیں اور آپ کے ہاتھ آجائیں۔ مرزا نے کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ صلح کرلوں اور مدارات اور ملائمت سے انہیں یہاں لے آؤں تو ان کی ہڈی (اور زور) کون توڑے گا۔ اور کون انہیں قتل کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ عذر و معذرت اور دلاسے سے ان کے سرداروں اور جوانوں کو بلا لیں۔ پہلے انعام و اکرام سے نوازیں پھر انہیں قابو میں کر کے ان کے ہاتھ بندھوالیں اور ہمارے حوالے کردیں انشاء اللہ ہم انہیں تہہ تیغ کردیں گے۔

جب مرزا اور گگیانیوں کے سرداروں حسن، شبلی وغیرہ کے درمیان یہ بات طے پا گئی اور وعدہ مستحکم ہو گیا تو مرزا نے عذر و معذرت شروع کی اور یوسف زئی کے سرداروں کو ایسے خطوط لکھے جو لطف و مہربانی اور انعام و اکرام کے مضامین پر مشتمل تھے۔ یہ خطوط اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ بھیج دئے۔ (جن کا

مضمون یہ تھا) کہ میں نے آپ کے کردہ و نا کردہ اور دانستہ و نادانستہ تمام گناھوں کو اپنے خلوص و صفائے قلب سے معاف کردیا ۔

پس آپ لوگ آئیں ، اور صلح و آشتی کے ساتھ یگانگت کے تعلقات کو ایک دوسرے کے ساتھ پھر مستحکم کردیں اور جس طرح پہلے اخلاص و محبت سے باہم زندگی بسر کرتے تھے اسی طرح پھر زندگی گزاریں ۔ مرزا نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ کچھ نقد روپے بھی بطور تحفہ بھیج دئے ۔

مرزا کے آدمی پرخلوص اور محبت آمیز خطوط اور گراں قدر رقومات کے ساتھ یوسف زئی کے پاس پہنچ گئے ، تو یوسف زئی کے سردار مرزا الغ بیگ کے فریب میں آگئے اور اس ضرب المثل کے مطابق کہ:

(زر بــلا دی اصــیــل بــنــده کا
چه طمع نه وی په شاهانو په خنده کا

زر ایسی بلا ہے جو اصیل (اور شریف) کو غلام
بنا دیتی ہے ۔ اور جس میں طمع نہ ہو وہ بادشاھوں
پر بھی ہنستا ہے ۔)

یوسف زئی سردار ان خطوط اور رقومات سے ایسے متاثر ہوئے کہ انہیں آپس میں تقسیم کرلیا اور اصل منصوبے سے غافل ہوکر ان کے جال میں پھنس گئے ۔ یوسف زئی خوش ہوکر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کتنا اچھا ہوا کہ مرزا اور گگیانیوں کو شکست بھی دی ، فتح بھی ہمیں نصیب ہوئی اور مرزا ہمارا پھر محتاج ہوگیا ۔ اب منت سماجت اور زاری و الحاح کے ساتھ ہمیں بلاتا ہے ۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے ۔ اب وہ ہمارے ساتھ یقیناً اچھا سلوک کرے گا ۔ آخر اس بلاوے پر یہ بے عقل یوسف زئی راضی ہوگئے اور مرزا کے اخلاص پر اعتماد اور بھروسہ کرلیا ۔

سلیمان شاہ یوسف زئی سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ مرزا کے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوکر مرزا کی خدمت میں کابل پہنچ گئے ۔ مرزا بھی اپنے امیروں سمیت یوسف زئی کے ملکوں کے استقبال کے لیے نکل آیا تھا اور پوری عزت کے ساتھ انہیں اپنے محل میں اتارا ۔ اور درجہ بدرجہ قیمتی خلعتیں پہنائیں اور رقم وافر سرحمت کی ۔ مہربانیوں اور شفقتوں پوری توجہ مبذول فرمائی ۔ جب تک یوسف زئی سرداروں کی جماعت مرزا الغ بیگ کے حضور میں رہی مرزا روزانہ ان کی مہمانی میں مصروف اور محفلیں منعقد کرتا رہا ۔

اتفاقاً ایک دن مرزا نے اپنے مصاحبین کے ہمراہ یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شراب نوشی کی ۔ اتفاق سے اس دن چند خوش رنگ اور من چلے دلیر اور شرابی نوجوانوں نے جو یوسف زئی سرداروں کے ساتھ شہزادہ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے ، ہرزہ سرائی کی اور خرافات بک کر بدخصلتی کا مظاہرہ کیا ۔ اور مرزا کو کالمعدوم (غیر حاضر) تصور کر کے بےحد بے شعوری اور مخموری کے عالم میں اپنی تلواریں اور پیش قبضیں نیاموں سے نکال کر دیواروں اور ستونوں پر ضربیں لگاتے ، اور بےانتہا دست اندازیاں اور بد تمیزیاں کرتے رہے ۔

ان کی یہ مستی اور بدتہذیبی مرزا اور دوسرے مغلوں کو بہت بری لگی ۔ مگر یوسف زئی کے (خوف) اور لحاظ سے قطعاً دم تک نہیں مار سکتے تھے ۔ اس واقعہ سے مرزا اور مغلوں کا جذبۂ قہر و غضب یوسف زئی کے حق میں اور بھی تیز ہوگیا ۔ مگر چونکہ یوسف زئی سب کے سب مسلح ہوکر آئے تھے اس لیے مرزا اور مغلوں کا ان پر بس نہ چل سکا ۔ مرزا مصلحتاً بھی خاموش رہا ۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور ان کے گھروں کو رخصت کیا ۔

چونکہ یوسف زئی سردار بےحد سرفرازی کے ساتھ اپنی قوم میں

لوٹ کر گئے تھے اور وقتی طور پر بہت خوش تھے اس لیے پہلے سے بھی زیادہ بد مست اور متکبر ہوگئے اور عاقبت نااندیشی میں اور بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے۔

مرزا الغ بیگ کا یوسف زئیوں کو قتل کے ارادے سے طلب کرنا

چند دنوں کے بعد مرزا نے دوسری بار عذر خواہی کی بنیاد رکھتے ہوئے ملک سلیمان شاہ اور دوسرے یوسف زئی سرداروں کے نام اس مضمون کا فرمان لکھ بھیجا کہ: میں نے شاہی ضیافت کرنے اور آپ سب کو ہر کسی کی شان کے لائق اعلیٰ خلعتوں اور بڑے بڑے انعامات دینے کا دل میں فیصلہ کیا ہے اس لیے لازم ہے کہ آپ سب حاضر ہو جائیں تاکہ ہر ایک کو شاہی مرحمتوں سے سرفراز کروں۔

جب یوسف زئی کے کان میں یہ بات پہنچی تو اپنی بےعقلی اور بے فکری کے سبب امید واری کے شوق و مستی میں ایسے مستغرق ہوگئے کہ مرزا الغ کے عزائم اور اس کے ارادوں کو نہ بھانپ سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں کوئی سردار، ملک اور دلیر جوان تھا۔ حتی کہ بوڑھے اور بزرگ تک سب کے سب جمع ہوگئے۔ اس طرح یوسف زئی کے سات سو مشہور و معروف معززین کابل کے لیے روانہ ہوگئے۔

مرزا کے دیار (یعنی حدود شہر) میں پہنچے تو مرزا کے آدمیوں نے انہیں بتایا کہ مرزا نے حکم دیا ہے کہ کوئی تیغ و اسلحہ کے ساتھ شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لیے جس کے پاس اسلحہ ہے

وہ یہاں چھوڑ دے تب شہر میں قدم رکھے اور آداب و تسلیمات بجا لائے۔ اگرچہ یوسف زئی کا ہر شخص مسلح تھا، لیکن ہر طرح سے مطمئن اور بے فکر، اس لیے ہر ایک نے حسب امر اپنے اپنے ہتھیار وہیں چھوڑ دیے، شرائط تسلیمات بجا لائے اور خالی ہاتھ شہر میں داخل ہوگئے۔

مرزا نے سارے مالک صاحبان پر بڑی شفقت فرمائی اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنے تمام خوانین اور اُمرا کو جو اس وقت حاضر تھے، یہ حکم دیا کہ وقت بے وقت ہوگیا ہے۔ (دیر ہوگئی ہے) اس لیے چاہیے کہ یوسف زئیوں کو تقسیم کر کے اپنے اپنے گھروں کو لے جاؤ اور ان کی بے مثال ضیافت کرو۔

چنانچہ ان سات سو یوسف زئی معززین کو اپنے اُمرا، اور خوانین میں تقسیم کردیا اور یوسف زئیوں سے بھی کہہ دیا کہ میں نے حکم دیا ہے۔ اس وقت میرے اُمرا، تمہیں آپس میں تقسیم کر کے ہر ایک الگ الگ تمہاری ضیافت کرے گا اور میزبانی کے فرائض انجام دے گا۔ تم ایک ایک امیر کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ سات سو یوسف زئی مختلف مغل امیروں کے ساتھ ہولیے اور وہ انہیں اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ مہمانی کے بہانے سے جگہ جگہ اپنے گھروں میں بٹھا دیا۔

اس کے بعد مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور خان سے جا کر کہا کہ تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے باندھ کر حاضر کرو۔ چنانچہ ان تمام یوسف زئیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیے گئے چونکہ وہ مختلف امیروں کے گھروں میں منتشر، غیر مسلح اور بےخبر و بے پروا ضیافت کے انتظار میں بیٹھے تھے اس لیے وہ اپنے بچاؤ کے لیے بھی کچھ نہ کرسکے۔

مغل امرا' اور خوانین ان سے کہتے تھے کہ ہم نے تمہیں باندھ دیا تو کیا ہوا - تم فکر نہ کرو مرزا پھر تم پر مہربان ہو کر تمہیں ضرور رہا کر دے گا -

کابل میں مرزا الغ بیگ کا جرگہ یوسف زئی کو باندھنا

غرض یہ کہ ملک سلیمان شاہ کے سوا ان تمام سات سو یوسف زئیوں کے ہاتھ (مرزا کے امرا' نے) پیچھے کی طرف باندھے اور مرزا کے دربارمیں حاضر کیا - ملک سلیمان شاہ کو اس لیے نہیں باندھا تھا کہ مرزا اس کا بہت زیر بار احسان تھا اور اس کے مرتبے کی بہت رعایت اور لحاظ کرتا تھا -

قصہ مختصر یہ کہ جب یوسف زئی باندھ لیے گئے تو مرزا نے حکم دیا کہ انہیں دست بستہ لے آؤ اور ان کے بعد ان کی گردنیں آڑا دو - چنانچہ مرزا کے خوانین اور امرا' نے سات سو یوسف زئیوں کو دست بستہ مرزا کے در بار میں حاضر کر کے کھڑا کر دیا - ملک سلیمان شاہ آزاد مگر (بہت) حیران و پریشان تھا - یوسف زئی اور مرزا کے درمیان پھرتا تھا - اور یوسف زئی کی رہائی کے لیے مرزا سے گڑگڑا کر سفارش کرتا تھا -

مرزا اس وقت دیوان خانے سے دور کسی دوسری جگہ چھپ کر بیٹھا ہوا تھا- اسی اثنا میں یوسف زئی رانڑے زئی کے پانچ چیدہ لوگ جن میں ایک ملا حسین رانڑے زئی اتمان زئی کا فرزند کوثر بھی تھا ان حالات سے بےخبر اچانک یوسف زئی سے ملنے آئے اور ان دست بستہ یوسف زئیوں میں گھر گئے - بعض یوسف زئیوں نے ان سے کہا کہ بندگان خدا : تمہیں ہمارے پاس کون سا گناہ لے آیا -

انھوں نے جو یہ حالت دیکھی تو حیرت زدہ اور سراسیمہ ہوگئے۔ مغلوں نے جوں ہی انہیں دیکھا ، ان پانچوں کے ہاتھ بھی پیچھے کی طرف مضبوطی کے ساتھ باندھ دئے۔

شیخ عثمانؒ کا مکاشفہ

حضرت زبدۃ المکاشفین عمدۃ الاولیا شیخ عثمان بن موسیٰ ملی زئی قدس سرہ بھی ان مظلوموں میں دست بستہ کھڑے تھے انھوں نے ان پانچوں رانڑے زئیوں کو آواز دی کہ "خدا تمہیں کہاں سے لے آیا" انھوں نے عرض کیا کہ ہماری قوم یہاں آئی تھی ، ہم ان کے پیچھے آگئے ، ان حالات سے آگاہ نہ تھے" شیخ عثمان نے کہا کہ میں نے منبر سے جن سات سو یوسف زئیوں کو دیکھا تھا کہ سب ایک ہی جگہ قتل کر دئے گئے ، ان میں تم نظر نہیں آئے تھے پھر تمہیں کہاں سے خدا لے آیا" انھوں نے پھر یہی کہا کہ قوم سے ملنے کے خیال سے آگئے تھے۔ ہمیں حالات کا کچھ علم نہ تھا۔

القصہ جس دن مرزا نے یوسف زئیوں کو قتل کیا گگیانیوں کے سردار بھی موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے سات سو چیدہ مردان یوسف زئی ، دست بستہ تمہارے حوالے ہیں اور لاف زنی بھی تم ہی نے کی تھی کہ پہلے ہم ان کا زور توڑیں گے۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو اور اپنا عہد پورا کرو۔ باقی سب کی گردنیں میرے جلاد اڑا دیں گے۔

آخر گگیانیوں کے ملک اور مرزا کے جلاد ہاتھ میں برہنہ شمشیریں لیے ان دست بستہ مظلموں کی طرف بڑھے۔

ملک سلیمان شاہ نے بہت دوڑ دھوپ کی اور یوسف زئی کی رہائی کے لیے مرزا کی بہت منت سماجت کی۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ سلیمان شاہ زار و قطار روتا ہوا اس درمیان میں پھر رہا تھا۔ آخر مرزا نے اس سے کہا کہ 'ملک صاحب آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ آپ کو تو قتل نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ کو تو معاف کر دیا گیا اس لیے کہ آپ تو میرے باپ ہیں۔''

سلیمان شاہ نے کہا کہ میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر ایک بات کی حسرت رہ گئی۔وہ یہ کہ جب تم بچے تھے ایک دن میرے زانوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں تمہیں کھلا رہا تھا۔ ہمارے شیخ عثمان نے تمہارے متعلق ایک بات کشف سے مجھ سے کہی تھی اور اس حال سے مجھے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ لیکن آج وہ دن آپہنچا اور میں نے تمہارا حال دیکھ لیا۔" مرزا نے کہا کہ تم مت ڈرو، تم میرے باپ ہو۔ سلیمان شاہ نے پھر کہا کہ میں نے تمہیں اپنی گود میں کھلایا، اپنے زانوں پر بٹھا کر بڑا کیا، تمہیں بادشاہ بنایا، تمہارے ساتھ بہت سی نیکیاں کیں اور تم نے بھی مجھے باپ بنایا تھا۔ تمہارے ذمے میرے بہت سارے حقوق ثابت ہیں، ان کا لحاظ کرو اور ان لوگوں کو قتل نہ کرو۔ اور اگر میرے ان حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو میری تین عرض ہیں وہ ضرور قبول کرو۔ مرزا نے پوچھا وہ تین عرض کون کون سی ہیں۔ کہو"

ملک سلیمان شاہ نے کہا:

پہلی عرض تو یہ ہے کہ مجھے سب سے پہلے قتل کرو کہ میں انہیں اپنے سامنے قتل ہوتا ہوا نہ دیکھوں، اور ان کے خون کا گناہ میرے ذمے نہ ہو جائے، کیوں کہ شیخ عثمان نے مجھے

تمہارے اس حال سے خبردار کیا تھا اور میں نے نہیں مانا تھا تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تاآنکہ تمھیں بادشاہ بنا دیا۔

اور دوسری عرض یہ ہے کہ میری جگہ میرے بھتیجے ملک احمد سلطان شاہ کے فرزند کو جسے باندھا گیا ہے بخش دو اسے قتل نہ کرو۔ (مخفی) نہ رہے کہ ملک احمد بن سلطان شاہ بن ملک تاج الدین اس وقت تقریباً پندرہ سال کا بے ریش نوخیز (نوجوان) تھا۔ بچپن ہی سے رشد و قابلیت کے آثار نمایاں اور بزرگی اور ریاست کے اطوار اس کی پیشانی میں جلوہ گر تھے۔ بے انتہا عقل و فراست کا مالک، خوش بیان اور بلا کا مقرر تھا۔ اس لیے ملک سلیمان شاہ اسے اپنے سگے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اس نے اس کی اچھی تربیت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اسے بھی وہ اس دفعہ اپنے ساتھ مرزا کے سلام کے لیے لایا تھا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ ہم سات سو نفر جو یہاں موجود ہیں، احمد کے سوا سب کو قتل کردو لیکن اس کے بعد یوسف زئی قوم سے کچھ تعرض نہ کرنا، قتل و غارت قید و بند سے باز رہنا اور ہمارے بعد یہ لوگ جہاں جانا چاہیں انہیں جانے دینا کوئی روک ٹوک نہ کرنا اور ان پر کوئی پابندی نہ لگانا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت ملک سلیمان شاہ ملک احمد کی رہائی کے لیے مرزا سے عرض کر رہا تھا اس وقت حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری گگیانی مرزا کے پاس حاضر تھے، دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سلیمان شاہ کی عقل ماری گئی ہے، کور چشم ہے اپنے آپ کو نہیں بچاتا کہ ساری قوم کا سہارا اور آبادی کا باعث ہے اور احمد کی رہائی کی درخواست کر رہا ہے جو ابھی ناپختہ ذہن اور ناتجربہ کار بچہ ہے۔ یہ قوم کی کیا رہنمائی کرے گا۔

ملک سلیمان شاہ نے یہ بات سنی تو ان سے کہا کہ میں اب اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں اور احمد ابھی نوخیز جوان ہے مجھے امید ہے کہ یہ قوم کو ضرور بچالے جائے گا ۔

الغرض مرزا الغ بیگ نے سلیمان شاہ کی تینوں باتیں قبول کرلیں ۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا ملک صاحب میں نے تمہاری تینوں عرض قبول کرایں اسی طرح کروں گا اس نے احمد کو زندہ چھوڑ دیا اور اس کی بجائے ملک سلیمان شاہ کے قتل کا حکم دیا چنانچہ ملک مذکور ان دست بستہ لوگوں میں چلا گیا جو قتل کیے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ کیا ہم میں سے آج کا دن کسی صاحب کشف اور باطن کے سوار کو نظر نہیں آرہا تھا ۔ کیا ہم میں کوئی ایسا صاحب‌بصیرت نہیں تھا ؟ جو ہمیں آج کے دن کی تباہی سے بچاتا ؟

شیخ عثمان علیہ الرحمتہ نے یہ بات سنی تو ان سے کہا تم اپنے ملک سے پوچھو کہ میں نے آج سے بہت پہلے اس سے کیا کہا تھا ؟ میں نے اسے اس واقعے سے آگاہ کر دیا تھا یا نہیں ؟ " ملک سلیمان نے کہا شیخ سچ کہتے ہیں ۔ بیشک انہوں نے مجھے اس حال کے مطابق بتایا تھا لیکن میں نے ان کی بات کی پروا نہیں کی تھی ۔ آج یہ دن ہے جس کی یہ خبر دے رہے تھے ، میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ۔ اس کے بعد شیخ عثمان نے بلند آواز سے کہا :

چہ دا دودہ مرو لیدہ ، بل غارگہ* (ئے) اوریدہ
د خدائیے پہ کرہ نہ لاس نہ رسیدہ

(کہ یہ منظر ہم دیکھ رہے تھے اور شور و فریاد سن رہے تھے مگر اللہ کی تقدیر پر بس نہیں چلتا تھا)

شیخ عثمان نے مزید کہا کہ جو واقعہ میں دیکھ رہا تھا وہ پیش آ گیا - پر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے میں تور (نامی) قوال بھی ہمارے ساتھ ہوگا ، حالانکہ وہ ہم میں نہیں ہے - یہ کیسی بات ہے - اچانک اسی گھڑی تور قوال بھی وہاں پہنچ گیا - تور سیر کے لیے قندہار گیا ہوا تھا - عین اسی وقت دربار میں داخل ہوا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے - وہ جونہی دور سے دکھائی دیا ، شیخ نے کہا دیکھ لو وہ تور قوال بھی آ گیا اور اس واقعے میں ہمارے ساتھ شریک ہوگیا اب ہمارے قتل کیے جانے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا وہ واقعہ سچا تھا - بالتحقیق اسی شکل میں دیکھ رہا تھا جیسا کہ سامنے آیا -

تور قوال یوسف زئی کے نامی اور مشہور شیخوں اور درویشوں میں سے تھا اور ملی زئی میں رہتا تھا - اس وقت بھی ملی زئی میں ایک گروہ اس کی اولاد سے موجود ہے جو قوال خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں - قصہ مختصر جب گگیانیوں کے سردار اور مرزا کے جلاد یوسف زئی کے قتل کرنے کے لیے ان کے نزدیک پہنچ گئے تو سب نے تلواریں سونت لیں - اسی حالت میں حسن ابن چنکا اور شبلی ابن توری گگیانی نے ملک سلیمان کو یہ شعر سنایا -

---

* بلغاک : شور ، فریاد ، رونا ، چلانا - (اصل مسودے میں غارگہ لکھا گیا ہے -

لـکہ وایـو هـسـے دینـہ لاس ترلی خدائـے راکـړی
اوس یـہ مـو ووژنـو لـکہ پسونـہ

جیسے کہتے ہیں ویسے ہی واقعہ ہے کـہ دست بستہ خـدا نے تمہیں ہمارے حوالے کر دیا۔ اب ہم تمہیں بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کریں گے۔

ان کے جـواب میں ملک سلیمان شـاہ نے یہ ربـاعی کہی

کہ جنگ وے پہ بر غونہ تـہ بہ رانغلے پہ سـرونـہ
لـکہ لاس تـړلی درکـړو اوس مو وژنـہ لـکہ میږونہ

(گگیانیو! اگـر میدان میں زور بـازو کی جنگ ہوتی تو تـم کبھی مردوں کی طرف رخ نہ کرتے مگر اب جب کہ دست بستہ ہم تمہارے حوالے کر دیے گئے ہیں تـو اب بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کرو)

اس کے بعد پہلے حسن ابن چنگا اور شبلی ابن توری نے ملک سلیمان شاہ کا سر قلم کر دیـا اور بعد ازاں انھوں نے دوسروں کـو قتل کرنا شروع کیا۔ بہت سے معززین اور نـامی گرامی لوگوں کی گردنیں اڑائیں اور پھر مرزا کے جلادوں نے ہر طرف سے تلواریں چلانی شروع کر کے سب کی گردنیں اڑا دیں۔ شیخ عثمان کی گردن مارکر سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ مگر خدا کے حکم سے بہت دیر تک جنبش کرتا رہا اور زبان سے حق حـق کی آواز بلند ہوتی رہی۔ ان کا جسم بھی کافی دیر اسی جگہ سر بریدہ کھڑا رہا کہ کئی بـدبخت جلادوں نے ہاتـھ سے زور کے ساتھ دھـکا دے کر زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد سر حرکت کرنے اور زبان حق حق کہنے سے رک گئی۔ شیخ عثمان رحمتہ اللہ علیہ کی اس کـرامت کے مشاہدے سے جلادوں پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ کہتے ہیں کـہ اس وقـت جب کہ

کوثر ابن ملا حسین راڑے زئی اتمان زئی کے قتل کی نوبت آئی ۔

یوسف زئی میں ملا حسین کا گھرانا آستانہ دار بزرگ گھرانا مشہور تھا انہیں کے توسط سے یوسف زئی دعا مانگتے ہیں ۔ جب جلاد نے شمشیر براں سے زور کے ساتھ اس کی گردن مارنی چاہی تو تلوار بالکل کارگر نہ ہوئی ۔ جلاد حیران و پریشان رہ گیا کہ یہ کیسا بزرگ آدمی ہے کہ تیز دھار تلوار کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا ! آخر وہ جلاد فی الفور مرزا کے پاس گیا اور شیخ عثمان کے تن اور سر اور کوثر بن ملا حسین کی گردن پر تیز دھار شمشیر کے اثر نہ ہونے کے متعلق عرض کیا ۔ مرزا حیران ہوا مگر کہنے لگا تم جھوٹ بولتے ہو ایسا نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ مرزا نے جلاد کے ساتھ اپنا ایک معتمد آدمی بھیجا تاکہ وہ لوٹ کر مرزا کو حقیقت حال سے آگاہ کرے جلاد نے اس کے سامنے کوثر پر پھر تلوار چلائی لیکن ان کے خراش تک نہ آئی ۔ مرزا کے آدمی نے آکر اسے بتایا کہ جلاد سچ کہتا ہے ۔ میرے سامنے اس نے کوثر کی گردن پر تلوار چلائی مگر تلوار کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ۔

آخر مرزا نے حکم دیا کہ کوثر کو لے آؤ اس کے لیے امان ہے ۔ جب مرزا کے آدمی وہاں جا کر اسے چھوڑنے لگے تو کوثر نے کہا کہ مجھے تنہا مت چھوڑو ، اگر میرے ان چار ساتھیوں کو بھی جو میرے ساتھ آئے ہیں ، چھوڑتے ہو تو مجھے بھی چھوڑ دو اور اگر انہیں نہیں چھوڑتے تو مجھے بھی نہ چھوڑو ۔

مرزا کے آدمیوں نے پھر اس کے پاس جا کر ان کا حال بیان کیا ۔ مرزا نے کوثر کو ان کے چاروں ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ دیا ۔ اس طرح مہلکہ عظیم سے کل چھ نفر کوثر ، اس کے چار ساتھی اور احمد بن سلطان شاہ ، ملک سلیمان شاہ کے بھتیجے کے سوا ، ان سات

سو آدمیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا - سب کو شہید کر دیا گیا -
سلیمان شاہ ملک تاج الدین کا بیٹا تھا اور ملک تاج الدین بڑا عالی جاہ اور صاحب شوکت مرد تھا - جس زمانے میں خخی (خشی) قومیں ، یعنی یوسف زئی ، گگیانی اور ترکانی قندھار کی نواحی وادی کاڑ کے ، نشکی ، ڈوگ اور ڈاگ میں سکونت پذیر تھیں ، سب اس کی تابع اور فرمانبردار تھیں -

غرض یہ کہ جب ان سات سو یوسف زئیوں کو قتل کر دیا گیا تو مرزا الغ بیگ نے حکم دیا کہ ان تمام مقتولین کو شہر کابل سے باہر لے جا کر دفن کیا جائے - چنانچہ اس کے حکم کے مطابق تمام مقتولین کو کابل سے دو تین تیروں کے فاصلے پر مشرق اور شمال کے درمیان موضع سیاہ سنگ میں دفن کر دیا گیا - لوگ اس مدفن کو "شہیدان یوسف زئی کا احاطہ" کہتے ہیں اور آج تک معلوم و مشہور ہے اور شیخ عثمان بن موتی ملی زئی قدس سرہ کی قبر بھی وہاں معروف اور مشہور ہے - لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں -

غرض یہ کہ کل چھ افراد بچ کر اپنی قوم میں پہنچے باقی تمام یوسف زئی سردار اور نوجوان شہید کر دیے گئے - یوسف زئیوں کے لیے وہ دن گویا قیامت کا دن تھا - ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں -

مرزا نے اس وعدے کے مطابق جو اس نے ملک سلیمان شاہ سے کیا تھا ، یوسف زئیوں کے اہل و عیال سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیا البتہ ایک فوج اس غرض سے بھیج دی کہ ان کے علاقے کو تاخت و تاراج کرے اور ان کے مال و مویشی لے آئے ، یہاں تک کہ پہنے ہوئے کپڑے بھی اتروا لیے اور انہیں تہیدست و

برہنہ کر کے چھوڑ دیے پھر وہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں ۔ چنانچہ لشکر گیا اور اس کے حکم کے مطابق عمل کیا ۔

یوسف زئیوں سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس حادثے میں کسی کے پاس کچھ باقی نہ رہا البتہ موسیٰ ابن ابسکو (اکو زئی) کا خزانہ محفوظ رہ گیا ۔ زاں بعد انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا تاکہ ان کی سمجھ میں جو آئے کریں اور جس طرف جانے میں مصلحت سمجھیں ، جائیں کوئی ان کے مانع نہیں آئے گا ۔

جب ملک احمد پانچ نفر رانڑے زئیوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو تمام یوسف زئی جو اپنے گھروں میں تھے اور زندہ بچ گئے تھے ۔

فی الفور جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے ۔ آخر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ اس کے بعد ہمارے لیے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے ۔ یہاں ہمارا آب و دانہ ختم ہوگیا ہے اب یہاں سے چلا جانا چاہیے جب اس پر یوسف زئی متفق ہوگئے تو آستانہ دار مشائخ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات فرمائیں کہ یوسف زئی کا ملک کونسا ہے ، اب ہم کہاں جائیں ؟

شیخ زنگی ابن ملا خیل رانڑے زئی خوازہ خیل (اللہ ان پر ان کی قبر روشن کرے) جو اس وقت یوسف زئی کے آستانہ داروں میں کشف و کرامات میں مشہور اور صاحب ولایت بزرگ تھے، انہوں نے فرمایا کہ اے یوسف زئیو! جاؤ ہمارا ملک سوات ہے ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا ۔ مگر سوات میں باڈوان کے مقام پر زاوڈ کی ! ھیری (مٹی کا ٹیلہ) ہے وہ میرا شکرانہ کر کے مجھے دے دو ۔ چنانچہ

انہوں نے زاوُد ڈھیری کے نام پر ان کا شکرانہ کیا اور اس وعدے پر سب نے فاتحہ (دعائے خیر) پڑہی پھر سارے یوسف زئیوں نے ملک سلیمان شاہ کے فرمودہ کے مطابق جو انہوں نے شہادت کے وقت کہا تھا کہ یوسف زئی کی سرداری ملک احمد کی ہو۔ یہ قوم کے وجود اور عزت کو برقرار رکھے گا اور ان کی تعمیر کر لے گا ، ملک احمد کو اپنا سردار بنا لیا ۔

ملا حسین رانڑے زئی اتمان زئی ، کوثر کے والد ، یوسف زئی مستجاب الدعوات تھے ، ملا حسین کا گھرانہ یوسف زئیوں میں اب تک آستانہ دار ہے ۔ کوئی بھی اہم معاملہ ہو ان کے گھرانے کا آدمی حاضر ہوگا تو اس میں کامیابی کے لیے دعا وہی کرے گا ۔ ملا حسین کی احمد بن سلطان شاہ کے حق میں دعا کے بعد یوسف زئی بڑے شاد و آباد ہوگئے تھے۔ اس لیے یوسف زئی اس کی اولاد کی دعا کو بھی نیک فال سمجھتے ہیں اور جب کوئی مہم یا ضرورت پیش آجاتی ہے تو اس سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ ملا حسین کے گھرانے کے فرد ہیں ، ہمارے لے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حاجت پوری فرمائے ۔ ملا حسین کی اولاد آج تک موجود ہے ۔

غرض یہ کہ ملا حسین جرگہ یوسف زئی کے درمیان سے اٹھے اور ایک شاخ (چھڑی) کاٹ کر احمد کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دی کہ جاؤ میں نے تمہیں قوم کا سردار (ملک) بنا دیا یہ ملکی اور سرداری تمہیں مبارک ہو ۔ اس کے بعد ہر شخص نے ملک احمد کو سردار بننے کی مبارک باد دی اور دعائے خیر کی ۔

اس دن کے بعد سے ملک احمد ساری یوسف زئی قوم کا سردار بن گیا اور ملک سلیمان شاہ کی جگہ یوسف زئی کی سرداری کی مسند پر متمکن ہوگیا اور دن دگنی رات چوگنی اس کی ترقی ہوتی رہی یہاں

تک کہ دولت و حشمت کی معراج پر پہنچ کر عظیم الشان ممالک کا فاتح بنا۔ اس کے تفصیلی حالات مناسب موقع پسر بیان کردئیے جائیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ یوسف زئی بالکل خوار و زار اور حیران و پریشان ہو کر نواح کابل سے نیچے پشاور کی طرف روانہ ہوگئے۔ بارے یہ لوگ قطعاً بے زاد راہ، خالی ھاتھ، بغیر بار برداری کے، پیدل، تھکے ماندے تھے۔ مغلوں نے انہیں ایسا تاراج کیا تھا کہ کسی کے پلے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ مگر اللہ پاک کے حکم سے موسیٰ ابن ایسکو ابن سوہل ابن بازید ابن اکو یوسف زئی کا خزانہ باقی رہ گیا تھا۔ موسیٰ یوسف زئی میں بڑا نامدار سردار گزرا ہے اور اس کی اولاد بھی پشت در پشت سردار چلی آئی ہے چنانچہ موسیٰ خیل اس کی نسل سے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم تاراج سے بچا لیا تھا اس لیے کوچ کرتے وقت اسے اپنے ساتھ اُٹھا کر لے آئے۔ موسیٰ نے اپنی رفیقۂ حیات سے کہا کہ ہمارا خزانہ اللہ پاک نے اس ہمہ گیر تاراج میں بچا لیا اور باقی قوم کا خزانہ لوٹ لیا گیا۔ ہماری قوم پر اس سے زیادہ اور کون سا وقت آئے گا۔ چاہیے کہ اس تنگ دستی کے وقت میں ہم یہ خزانہ ان میں تقسیم کر دیں کہ ہماری قوم اس سے تازہ دم ہو کر آرام کی سانس لے سکے اور ہر کسی کو کھانے پینے کا سامان میسر آسکے۔ نیک بخت بیوی نے کہا آپ نے بڑی اچھی بات کہی۔ آپ ضرور ایسا کیجئے، یہ بہت بہتر ہوگا۔ بالآخر موسیٰ نے اپنا سارا خزانہ جو نقدی کی شکل میں تھا یوسف زئیوں میں تقسیم کر دیا، جس سے قوم شاد و آباد ہوگئی۔

مقام دوم

کلپانی* میں رہنے والے دلزاک سے جنگ
پشاور ، دوآبہ ، باجوڑ اور اشنغر کا دلزاک سے لینا اور
ان کے ملک پر قبضہ کرنا -

---

* کلپانی (کلپاتڑی) مالاکنڈ کی سڑک مردان اور تخت بھائی کے درمیان گوجر گڑہی کے پاس ایک قصبہ تھا - قصبے کے درمیان سے ایک ندی گزرتی تھی جو ایک پل کے ذریعہ کلپانی کے دونوں حصوں کو آپس میں ملاتی ہے - یہ ندی اب بھی باقی ہے - قصبے کے نام پر اس ندی کا نام بھی کلپانی پڑ گیا اور اب تک اسی نام سے موسوم ہے لیکن قصبہ گردش زمانہ سے غیر آباد و برباد ہو گیا اب اس کے صرف آثار باقی ہیں یا اس مقام پر کلپانی نام کا ریلوے اسٹیشن ہے - اس علاقے کا قدیم ترین قصبہ یہی کلپانی تھا اور اسے وہی حیثیت حاصل تھی جو اب ہوتی اور مردان کو حاصل ہے - ہوتی اور مردان بعد میں آباد ہوئے اس وقت ان کا نام و نشان تک نہ تھا - (روشن خان)

القصہ کابل کی اس کھلی شاہراہ پر سارے یوسف زئی اپنے بچے کھچے اثاثے سمیت کوچ کرتے ہوئے خیبر کے راستے پشاور پہنچے۔ یوسف زئی جو اس وقت پشاور پہنچے ان کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ خیبر میں سرمن کا ایک تناور درخت تھا یوسف زئی کے سب مرد و زن، چھوٹے بڑے اس کے نیچے بیٹھ گئے اور سب اس کے سائے تلے سما گئے بس اتنے یوسف زئی تھے۔

یوسف زئی خیبر سے ہو کر پشاور میں وارد ہوئے۔ اس وقت پشاور میں مقیم دلزاک بڑے زور آور اور ممالک گیر تھے۔ وہ ان ممالک پر قبضہ کر کے مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم جما چکے تھے۔ چنانچہ پشاور دوآبہ، باجوڑ، ننگرھار، کلپانی، ہزارہ اور سنید (کوہستان) تک تمام ممالک دلزاک کے قبضے میں تھے اور ہر مقام پر یہی لوگ آباد تھے اس لیے یوسف زئی نے آکر ان سے التجا کی اور ان کے پہلو میں مقیم ہوگئے۔ دلزاک نے یوسف زئی کو ملک (علاقہ) عطا کرنے کے سلسلے میں آپس میں جرگہ کیا کہ انہیں ایک ملک دینا چاہیے جس پر جا کر یہ آباد ہو جائیں کیونکہ یہ ایک گاؤں جتنے لوگ آئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایک ملک ان کو دے دیں۔ آخر دلزاک کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دوآبہ یوسف زئی کو دے دینا چاہیے۔ اس فیصلے کے بعد یوسف زئی سے کہہ دیا کہ ہم نے دوآبہ تم کو دے دیا، مبارک ہو جاؤ، اس پر آباد ہو جاؤ۔

ملک احمد نے ان سے کہا کہ اے دلزاک بھائیو ! میری قوم مصیبت کی ماری کمزور اور ناتواں ہے ۔ اس کے بہت سے لوگ کابل اور دوسری جگہوں میں رہ گئے ہیں ۔ ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ ایک دم گھر چھوڑ کر روانہ ہو جائیں ۔ ابھی صرف وہ لوگ جو قوت اور استعداد کے مالک تھے یہاں آگئے ہیں ، جو لوگ وہاں رہ گئے ہیں بعد میں وہ بھی ہمارے پاس آجائیں گے اس لیے صرف دوآبہ کا علاقہ ہمارے لیے ناکافی ہے ۔ میری پوری قوم اس میں نہیں بس سکے گی اور نہ اس کی پیداوار پر ہماری گزر اوقات ہو سکے گی ۔ دلزاک نے کہا ، اچھا دوآبہ سے متصل دانشکول ، عنبر اور باجوڑ کے علاقے بھی ان کے ملحقات اور مضافات سمیت تمہیں دے دئے ، جاؤ وہ بھی تمہارے ہوگئے ۔ اس پر ملک احمد خوش ہوگیا اور ان ممالک کو قبول کرلیا ۔ اس کے بعد دلزاک نے ملک احمد سے یہ بھی کہا کہ اشنغر بھی دوآبے سے ملحق ہے جب کچھ زور اور قوت پکڑ لو تو اشنغر اپنی طاقت اور زور سے شلمانیوں سے لے کر اپنے تصرف میں لے آنا ۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اشنغر دلزاک کے قبضے میں نہیں تھا اس پر شلمانی قابض تھے ۔ شلمانی ذات کے لحاظ سے دھگان قوم سے ہیں ۔ یہ لوگ تیراہ کے توابع شلمان اور کڑمان سے آئے تھے ۔ ان کا اصل وطن شلمان اور کڑمان تھا اس کی نسبت سے شلمانی کہلاتے ہیں ۔

القصہ اشنغر پر اس وقت شلمانیوں کا قبضہ تھا اور وہی تمام محصولات وصول کرتے اور کھاتے پیتے تھے ۔ تمام شلمانی سلطان پکھل کی رعیت اور اس کے مالگزار تھے ۔ سلطان پکھل سوات کا بادشاہ تھا ۔

کہتے ہیں کہ اشنغر سے اوپر بگیاڑے حصار بلول* ، شیر خانے سورا نامی پہاڑ تک ، سوات اور ٹوپے ، سڑوبی ، سیوری ، سالا کنڈ کی چوٹی تک اور سارا سوات اپنے توابع اور مضافات سمیت اور سارا بونیر سلطان پکھل کے زیر تصرف تھا اور ہر جگہ اس کے حاکم ، شقدار اور گماشتہ (محصّل) مقرر تھے ۔ شلمانی اس کے حکم سے اشنغر میں بسے تھے اور حاکم اشنغر حصار میں ہوتا تھا ۔

سلطان پکھل خود منگلور کے قلعہ میں رہتا تھا جو سلاطین سوات کا پایہ تخت تھا ۔ یہ قلعہ سلاطین سوات کے عہد میں نہایت آباد تھا ، اندر اور باہر رنگ رنگ مکانات اور عجیب عجیب حویلیاں اونچے اونچے قصر اور قلعے کے اندر عدم المثال نہریں بہتی تھیں ۔ بازار پررونق اور دکانیں سجی ہوئی تھیں ۔ سوات کے تمام سلاطین سلطان پکھل وغیرہ سلطان جہانگیر کی اولاد میں سے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی پشتوں تک سوات پر حکومت کی ۔ ان کا آخری سلطان ، سلطان اویس تھا جسے یوسف زئیوں نے متعدد عظیم لڑائیوں کے بعد وہاں سے بیدخل کر کے سوات پر خود متصرف ہوگئے ۔ سلطان اویس وہاں سے فرار ہوکر نیاگ میں کوہ کفار کے درمیان ایک مستحکم قلعہ بنوا کر اس میں رہنے لگا یہاں تک کہ اجل کے سواروں نے اس پر حملہ کر کے اس کے وجود کو ختم کر دیا ۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا ۔ سلطان اویس سلطان پکھل کا فرزند تھا۔ ان تمام سلاطین کے حالات اپنے محل میں تفصیل کے ساتھ لکھ دئیے جائیں گے ۔

---

* حصار بلول آج کل "سری بالول" کہا جاتا ہے ۔ تخت بھائی سے مردان کی طرف تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر مٹی کا ایک بڑا ٹیلا ہے ، جس پر اب ایک گاؤں آباد ہے ۔ (روشن خان)

واقعے کی طرف رجوع

جب دلزاک نے ازراہ ہمدردی اور بطور احسان کے یوسف زئی کو مذکورہ ممالک دے دئے تو یوسف زئی نے اپنے اثاثے اور مال و اسباب سمیت پشاور سے کوچ کیا اور دوآبے میں آ کر مقیم ہو گئے اس کے بعد وہ بیوائیں، یتیم اور یوسف زئی کے دیگر افراد جو کابل کے نواح میں رہ گئے تھے اور تجارت پیشہ بھی جو کاروبار میں پھنسے ہوئے تھے اور پہلے قافلے کے ساتھ نہ آسکے تھے، رفتہ رفتہ آنا شروع ہو گئے اور دوآبہ میں مقیم ہوتے رہے۔ یوسف زئیوں میں جو لوگ مال و اسباب اور مویشی رکھتے تھے وہ اپنے گھرانوں کے ساتھ میر جمال بن بازید مندڑ امان زئی کے ساتھ (جس کا ذکر اپنے محل میں آئے گا) اوپر دانشکول اور عنبر چلے گئے، جن میں سے کچھ دانشکول اور عنبر میں رہ گئے اور بعض مندڑ کے بڑے بڑے نامور گھرانے، زیادہ تر امان زئی، کمال زئی، ماموزئی اور یوسف نامے سے زیادہ تر خواجو زئی مثلاً ناصر بن شرغہ علاءالدین زئی اور مبارک بن پائندہ ملی زئی، پائندہ خیل اور الیاس بن دلخک ملی زئی ابابکر خیل اور الکی بن احمد شامیری، جو نامور سردار تھے باجوڑ کو چلے گئے اور لاشوڑہ کے مقام پر جہاں اب قطب الزماں شیخ میر داد افغان خلیل موسیٰ زئی ترنگی قدس سرہ کی قبر واقع ہے، سکونت پذیر ہو گئے۔ اس ارادے سے کہ باجوڑ بھی ہمارا ہے دلزاک نے دیا ہے۔ اس میں آباد ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ ملک ھیبو بن جتہ دلزاک عمر خیل جو اس آوان میں بڑا نامور اور بہت اہم شخصیت کا مالک تھا تقریباً ایک ہزار عمر خیل گھرانوں کے ساتھ باجوڑ میں جندول کے مقام پر آباد تھا اور عمر خیل دلزاک بہادر قبیلہ تھا۔ پشاور کے دلزاک نے جس

جرگے میں دوآبہ ، عنبر اور باجوڑ یوسف زئیوں کو دے دینے کا فیصلہ کیا تھا اس میں ملک ہیبو موجود نہیں تھا ۔ جرگے نے اس سے پوچھے بغیر باجوڑ بھی دے دیا تھا ۔ جب ملک ہیبو نے یہ سنا کہ یوسف زئیوں کو باجوڑ بھی دے دیا گیا اور وہ اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا اور کہا کہ اگر دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا ہے تو کیا ہوا میں انہیں باجوڑ پر ہرگز قبضہ نہیں کرنے دوں گا ۔ دلزاک کون ہیں جو میرا ملک یوسف زئیوں کو دے دیں ۔ ملک ہیبو سخت مشتعل تھا اور ڈینگیں مار رہا تھا کہ یوسف زئیوں کی کیا مجال کہ جندول میں قدم رکھیں ۔ یوسف زئیوں نے متعدد قاصد اور خطوط ملک ہیبو کے پاس بھیجے کہ جرگے کے فیصلے کا احترام کرو ۔ اگر تمام دلزاکوں نے بہ اتفاق رائے باجوڑ ہمیں دے دیا ہے تو تم بھی اسے واگزار کردو اور میدانی علاقے میں جہاں دوسرے دلزاک آباد ہیں وہیں تم بھی چلے جاؤ ۔ بدی اور لڑائی اختیار نہ کرو ۔ ملک ہیبو نے جواب میں کہا کہ اللہ جلّ جلالہ ایک ہے (یعنی اللہ کی وحدانیت کی قسم ہے) کہ جنگ اور زور کے بغیر میں باجوڑ ہرگز واگزار نہ کروں گا ۔ دلزاک کو اس کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنے اور جرگے کا احترام کرنے کا مشورہ دیا اور سب نے متفقہ طور پر ملک ہیبو کے نام خط لکھا کہ ایسا نہ کرو ۔ باجوڑ یوسف زئیوں کو دینے کا فیصلہ تمام دلزاکوں نے انصاف ، یگانگت اور اخوت کے جذبے کے تحت کیا ہے تم بھی باجوڑ ان کے لیے چھوڑ دو اور اپنا سامان اٹھا کر باجوڑ سے آجاؤ ، ہمارے پاس اب بھی بہت سارے ملک ہیں ۔ ہم سب مل کر یہاں رہیں گے اور کمائیں کھائیں گے ۔ مگر ملک ہیبو نے کسی کا کہنا

نہیں مانا ۔ اس نے اپنے دل میں جنگ کی ٹھان لی تھی ۔ آخر ان یوسف زئیوں نے بھی جو بال بچوں اور مال و اسباب سمیت جا کر لاشوڑہ میں مقیم ہوگئے تھے یہ فیصلہ کیا کہ جندول پہنچ کر اس پر قبضہ کرلینا چاہیے۔ کیونکہ علاقہ باجوڑ میں سب سے بہتر ملک تو جندول ہے یوسف زئی یہاں تک پہنچے بھی جندول ہی کے ارادے سے تھے ۔

ملک ہیبو پوری رعونت اور غضب کے ساتھ اپنے تمام لاؤلشکر کے ساتھ جندول سے کوچ کرتا ہوا جنگ کی نیت سے آیا اور اوپر ''لکہ تیکہ'' (گاڑے ہوئے پتھر کے ستون) کے پاس جو اب تک لاشوڑہ کی ندی کے عین کنارے پر ایستادہ ہے، پڑاؤ کیا ادھر یوسف زئی کا لشکر میر جمال امان زئی کے ساتھ ٹوپ اور مخرڑئی میں پڑا ہوا تھا دونوں لشکروں کے درمیان تخمیناً ایک میل کا فاصلہ تھا ۔

جب یوسف زئی موضع لاشوڑہ میں آکر مقیم ہوئے تو اس کے تقریباً ایک سال کے بعد قطب زماں شیخ میر داد افغان خیل موسیٰ زئی (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے) بھی اپنے افاغنہ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو کم و بیش تین ہزار پچاس نفر تھے اور زیادہ تر ان میں خلیل لوگ تھے جو اپنی قوم سے رنجیدہ ہو کر ترنک اور قلات نواح قندھار سے آکر موضع لاشوڑہ میں یوسف زئی کے ساتھ سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ یوسف زئی کے بہت سے لوگ بھی ان کے معتقد ہوگئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد ایک حادثے کے سبب سارے خلیل اپنے بال بچوں کے ساتھ کوچ کر کے شیخ میر داد کے پاس چلے آئے تھے اور لاشوڑہ میں اقامت پذیر ہوگئے تھے ۔

چونکہ خلیل کا مرنا جینا یوسف زئیوں کے ساتھ تھا اس لیے خلیل بھی اس معرکے میں ان کے ساتھ متحد ہوگئے اور ہیبو بن جتہ

کے مقابلے میں جنگ کے لیے میدان میں نکل آئے ۔ ادھر دوآبے کے یوسف زئیوں کو ملک ھیبو سے بگڑے ہوئے حالات کی خبر پہنچی تو وہ بھی ایک ... ر کے ساتھ مسلح ہو کر اپنی قوم کی مدد کے لیے باجوڑ آگئے ۔ یوسف زئی اور خلیل دونوں مل کر لاشوڑے کے میدان کی طرف بڑھے جہاں اس زمانے میں عربوں کا قلعہ اور خار نامی شہر آباد تھا ۔ ھیبو نے جب ان کے لشکر دیکھے تو اپنے لشکر کے ساتھ جو پوری طرح مسلح و مستعد تھا لکہ تیگہ سے مقابلے کی نیت سے آگے بڑھا ۔ یوسف زئیوں اور خلیل نے جو اس کا لشکر دیکھا تو ہیبت سے پسپا ہو کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے ۔

ملک ھیبو نے دیکھا کہ یوسف زئی پیچھے ہٹ گئے ہیں تو سمجھا کہ یوسف زئیوں میں مقابلے کی تاب نہیں اس لیے وہ بے کھٹکے ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا اور لاشوڑے کی ندی کو پار کر لیا ۔ یوسف زئی اور پیچھے ہٹ گئے اب اس نے وہاں قدم جمائے جہاں پہلے یوسف زئی کھڑے تھے ۔ یوسف زئیوں نے یہ صورت دیکھی تو اور پیچھے ہٹ گئے ۔ یہ اور بھی دلاور ہوتا گیا ۔ غرض یہ کہ یوسف زئی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتے گئے اور یہ ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا گیا ۔ بالآخر یوسف زئیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم کہاں تک پیچھے ہٹیں گے اگر ہم اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو یہ ہمارے جوانوں پر قابو پالیں گے ۔ جنگ سے چھٹکارا نہیں ، آگے بڑھو اور جواں مردی کے جوہر دکھاؤ ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت ترکلانی لوگ لغمان میں اور مہمند کابل کے نواح میں تھے ۔ اس وقت ملک سرخابی بن شمو ترکلانی کا نامور سردار تھا ۔ وہ محمد بابر بادشاہ کا قریبی مصاحب و معتمد تھا اور ملک گھکڑ مہمند کا سردار اور شجاع وقت تھا ۔ ان دونوں کو جب

اس نزاع کی خبر پہنچی تو وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور باجوڑ پہنچ گئے تاکہ فریقین میں مصالحت کی کوشش کریں - یہ دونوں سردار فریقین کے درمیان صلح کرانے کے لیے پھرتے رہے لیکن دل سے وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ جس طرح دوسرے دلزاکوں نے باجوڑ کا علاقہ یوسف زئی اور خلیل کو دے دیا ہے - ملک ہیبو کو بھی چاہیے کہ یہ ملک ان کے لیے چھوڑ دے اور خود اپنے عزیزوں کے ساتھ دوآبے میں جاکر سکونت پذیر ہو جائے جہاں ان کی اکثریت رہتی ہے -

ملک سرخابی اور ملک گھکڑ نے ہیبو کو نصیحت کی کہ خدا نے تمہیں بہت سارے ممالک عنایت کئے ہیں ، اختلاف و جنگ کا راستہ اختیار نہ کرو یہ ملک برضاؤ رغبت یوسف زئی کو دے دو - مگر ہیبو کو یہ نصیحت پسند نہیں آئی اور وہ صدائے انا و لا غیری (صرف میں ہوں میرا کوئی مد مقابل نہیں ہے) بلند کرتا رہا - وہ اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ملک سرخابی اور گھکڑ تو صرف صلح و صفائی کرانے والے ہیں ہمارے مقابلے میں جنگی فریق بننا پسند نہیں کریں گے - اس لیے ہیبو بے دھڑک ہوکر یوسف زئی اور خلیل کے گھروں اور بال بچوں پر چڑھ آیا اور تیر برسانا شروع کر دیے -

ملک سرخابی اور گھکڑ کے لشکر ایک طرف کو کھڑے تھے - اب ان کے لیے صورت حال ناقابل برداشت ہوگئی - قرابت داری کے جذبے نے بے اختیار کر دیا - وہ غصے سے بپھر گئے - چنانچہ ایک دم اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہیبو کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور یوسف زئی اور خلیل کو بھی للکارا - اچانک وہ بھی حملہ آور ہوئے اور ایک ایسی بے پناہ جنگ شروع ہوئی کہ تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے -

کہتے ہیں کہ ملک سرخابی ترکانی اور ملک گوکڑ مہمند

اور میر جمال امان زئی نے سب سے پہلے دلزاک پر حملہ کیا تھا۔ زاں بعد دوسرے سواروں نے بھی ان کی پیروی کی - ہر کسی کی نگاہ ہیبو پر لگی ہوئی تھی۔ دوسری جگہ وہ اپنے آپ کو نہیں پھنسانا چاہتے تھے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ درمیان میں رکے بغیر اس تک پہنچ جائے۔ چنانچہ بہت سے نوجوان عمر خیل اور دلزاک بہادروں اور شہسواروں کو قتل کرتے ہوئے ہیبو تک پہنچ گئے اور ہیبو اور اس کے بھائی جہاں شاہ کو تہ تیغ کر کے زمین پر گرا دیا - ہیبو پر سب سے پہلے پائندہ ترکلانی ککا زئی نے تلوار کا وار کیا پھر برہان ترکلانی ککا زئی نے تلوار سے اس کی گردن پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر گر گیا - میر جمال امان زئی نے گھوڑے سے کود کر اس کی زرہ اتار لی اور تلوار بھی اپنے قبضے میں کرلی -

کہتے ہیں کہ ملک ہیبو کی زرہ اور تلوار دونوں بہت قیمتی تھیں میر جمال کی اولاد کے پاس وہ زرہ اب تک یادگار کے طور پر محفوظ اور سارے یوسف منڈنڑ، بلکہ تمام خخی (خشی) میں مشہور ہے۔ اس کے لیے دو سو روپے تک کی پیش کش کی گئی لیکن میر جمال کی اولاد نے اسے دینے سے انکار کر دیا - ملک ولی بیگ ترکلانی نے بھی اس کے لیے بڑی سعی کی اور ہاتھ پیر مارے کہ یہ یادگار چیز اس کے پاس آجائے باوجود یکہ یہ آپس میں قریبی عزیز بھی تھے اور دو سال تک یہ زرہ اس کے گھر میں پڑی رہی تھی اور کوشش کی کہ اب یہ ان کے گھر سے نہ نکلے لیکن میر جمال کی اولاد نے نہیں مانا اور زرہ اس سے واپس لے لی -

پچھلے سال یعنی ۱۰۳۱ھ میں یہ زرہ میر جمال کی اولاد کے گھر سے ملک باؤ علاؤالدین زئی سر خیل فروخت کرنے کی غرض سے لایا تھا اور کوئی شخص تین سو روپے دے رہا تھا مگر اس

نے نہیں دی اور واپس لے گیا ۔ آج کل میر جمال کی اولاد شیر درہ میں آباد ہے اور وہ شخص جس کے پاس یہ تاریخی زرہ ہے وہ بھی شیر درہ میں امان زئی کے ساتھ رہتا ہے ۔

القصہ جب ملک ھیبو اور اس کا بھائی جہان شاہ دونوں قتل ہوگئے تو دلزاک پسپا ہو کر دوآبہ جندول کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے ۔ یوسف زئی اور ان کے حریف ان کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں جندول کے رود (ندی) کے پار کر دیا اور ٹوپ ، مخرنی میں اپنے اپنے مکانوں کو لوٹ آئے۔ ملک سرخابی اور ملک گھکڑ نے یوسف زئی اور خلیل سے کہا کہ ہم نے تمہیں فتح دلا دی اور باجوڑ تمہارے لیے جیت لیے اب تم دونوں قبیلے امن سے رہو اور کھاؤ پیو ۔ ہم اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں ۔ اس کے بعد ملک سرخابی اور ملک گھکڑ اپنے لشکروں کے ہمراہ اپنے اپنے گھروں یعنی کابل اور لغمان کو روانہ ہو گئے ۔

دلزاک جو زندہ بچ گئے تھے جندول چلے گئے ، لیکن اب حالات پر ان کا قابو نہ تھا اور ان کے قدم اکھڑ چکے تھے اس لیے سب نے وہاں سے کوچ کر کے نیچے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا مگر لاشوڑے کے راستے پر یوسف زئی اور خلیل کا قبضہ تھا اور وہ انہیں چھوڑ نہیں رہے تھے ۔ آخر کوہ مور والی درے کی چوٹی پر چڑھ کر عنبر اور دانشکول پہنچے اور اکٹھے رہنے لگے ۔ یوسف زئی اور خلیل نے باجوڑ کا علاقہ آپس میں تقسیم کر لیا ۔ لاشوڑے سے ہندو راج تک اور چارمنگ سے ناوگئی تک مع توابع اور ملحقات کے خلیل کے حصے میں آیا اور جندول ، باہترہ مع مضافات یوسف زئیوں کے حصے میں ۔ دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور جو یوسف زئی بطور کمک دوآبے سے گئے تھے پھر دوآبے کو

لوٹ آئے ۔

عرصہ دراز تک یوسف زئی اور خلیل نے آپس میں بہت اچھے تعلقات استوار رکھے ۔ لیکن پھر خلیل کی طرف سے بگاڑ کا آغاز ہوا ۔ وہ یوسف زئی پر تعرض اور زیادتی کرنے لگے ۔ فساد کی منشا یہ تھی کہ میر جمال بہت مال دار تھا اور گھوڑوں کا بہت گلہ رکھتا تھا ۔ جن سے بہترین گھوڑے پیدا ہوتے تھے اور فروخت کیے جاتے تھے ۔ اتفاقاً پائی بن سالار خلیل باڑو زئی ، ملا زئی ، عمر زئی نے جو ایک نامی شخص تھا ، میر جمال سے چند گھوڑے بطور قرض ایک معینہ مدت کی میعاد پر لے لیے ۔ جب میعاد پوری ہو گئی اور میر جمال نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو پائی نے بد معاملگی شروع کی اور ٹال مٹول کرنے لگا حالانکہ وہ ایک مال دار شخص تھا اور قرض کی ادائیگی اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھی ۔ مگر بد معاملگی اور شرارت اس کی طبیعت بن گئی تھی اور فتنہ انگیزی میں اس کی نظیر نہ تھی ۔ ہرچند کہ میر جمال اس سے ملائمت اور نرمی سے قرض مانگتا تھا اور جرگے بھیجتا تھا مگر وہ قرض کی ادائیگی میں برابر لیت و لعل سے کام لے رہا تھا ۔

آخر میر جمال ہر طرح سے کوشش کر کے تھک گیا ۔ اسی طرح دوسرے خلیل نے بھی شرارت ، بد معاملگی اور دست اندازی کو اپنا شعار بنا لیا ۔ یوسف زئی کے مال اور فصلوں پر رات کو چھاؤ کرتے اور لوٹ لے جاتے ۔ کبھی اور دوسری چیزیں یوسف زئی سے خریدتے تھے اور قیمت نہیں دیتے تھے ، آخر تمام یوسف زئی میر جمال کی طرح خلیل سے عاجز آ گئے اور خلیل کے بارے میں ان کی رائے بہت خراب ہو گئی ۔ ایک دن میر جمال اور پائی کے درمیان قرضہ مذکورہ کے سبب ہاتھا پائی ہو گئی ۔ اس کے بعد گویا کہ یوسف زئی اور

خلیل قومی حیثیتوں میں ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور لاشوڑے اور بابقرے کی حد، باریکاب کے دریا اور ورسک کے مقام پر جنگ ہوگئی۔

ورسک وہ مقام ہے جہاں سے باجوڑ جاتے ہوئے محمد بابر بادشاہ نے کبر کوٹ گبریوں کے سردار حیدر علی سے چھینا تھا اور بہت سے گبریوں کو قتل کیا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک بلند چٹان ہے اور دوسری طرف بابر نے ایک بڑی خندق کھدوا کر اس کے ارد گرد زبردست حصار بنایا تھا۔ پھر زین خان کوکلہ نے اکبر بادشاہ کے عہد میں جب وہ یوسف زئی کی مہم پر آیا تھا، مٹی کا ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام چار قلعہ رکھا تھا اس قلعے کے کھنڈرات تاحال موجود ہیں۔

خلیل نے اس جنگ میں یوسف زئیوں کو شکست دے دی اور تعاقب کر کے جندول کی (ندی) کے پار پنجکوڑے کے مقام تک انہیں بھگا دیا مگر خلیلوں نے یہ احسان کیا کہ ان کے بال بچوں اور دیہات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یہ دیہات جندول اور بابقرے کی شاہ راہ پر واقع تھے۔ خلیل اس جیت سے خوش ہوکر اپنے گھروں کو چلے گئے اور یوسف زئی کی ساری قوم کیا باجوڑ اور کیا دوآبسے کی اس شکست پر اور اپنے مردوں پر، جن میں نامی گرامی لوگ شامل تھے، خجل اور منفعل ہوگئی اس لیے باجوڑ کے یوسف زئی پھر لشکر کی فکر میں لگ گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی فیصلہ کن جنگ لڑیں جس میں ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو جائے کہ باجوڑ میں کون رہتا ہے، یوسف زئی یا خلیل؟

آخر باجوڑ میں یوسف‌زئی کے سارے ملک جمع ہوئے اور مشورے سے یہ طے کیا کہ پہلے جرگے کی شکل میں دوآبسے میں اپنے عزیزوں

کے پاس چلے جائیں گے۔

آخر یہ صلاح ناصر بن شرغہ اکوزی خوا جوزی علاؤالدین زئی اور مبارک بن پائندہ ملی زئی پائندہ خیل اور الیاس بن دلخک ملی زئی ابوبکر خیل اور الکی بن احمد خواجو زئی شامیزی اور کدو بن مترک مندنڑ ماموزی اور تاجک بن معروف ملک زئی جو یوسف زئی کے نامور ملک تھے ، بطریق جرگہ دوآبہ گئے اور اپنی ساری قوم کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا انہیں اپنی سرگذشت سنائی اور انہیں بتایا کہ خلیل نے کس طرح بد خصلتی اور تعدی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور ناحق ہم پر لشکر کشی کی اور ہمیں قتل و غارت کیا پھر ان کی یہ بدی اور شرارت اب بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ سلسل جاری ہے ۔ چنانچہ 'کاڑکے' اور 'نشکی' کے زمانے سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اب باجوڑ بھی ہم سے چھین لیا ۔ چنانچہ ملک احمد جو سب کا سردار اور سربراہ تھا اور شیخ ملی بن پیرک اکا زئی مندنڑ جو مشاہیر میں سے تھا اور ملک احمد کا ثانی ، ملک قرہ بن بہزاد صدو زئی مندنڑ خان کجو کا پدر بزرگوار جو اپنے زمانے کے نامی لوگوں میں سے تھا اور ملک محمود بن یحییٰ اکو زئی خواجو زئی علاؤالدین زئی اور خواجہ خضر بن شیخ عثمان بن موتی ملی زئی جن کے مقامات عالیہ کا ذکر اس سے قبل گزر چکا ہے اور شیخ سنا ابن نیکپی خواجو زئی جو یوسف زئی کے مقتداؤں میں سے تھا ۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام مشاہیر وقت نے ان حقائق کو بالاتفاق تسلیم کیا اور کہا کہ فی الحقیقت خلیل ''کاڑکے'' اور ''نشکی'' کے زمانے سے ہمارے درپئے آزار رہے ہیں ۔ وہاں بھی ہم پر تعدی اور فتنہ انگیزی کرتے تھے ۔ پہلے تندہار سے ہمیں نکالا پھر جب ہم یہاں آگئے تو یہ یہاں بھی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ان کی بے وفائیوں اور تمام برائیوں کے باوجود جب ان

پر وقت پڑا اور یہ یہاں آئے تو ہم نے ان کے ساتھ یہ احسان کیا کہ آدھا باجوڑ ان کو دے دیا لیکن ہمارے اس احسان کے باوجود نہ تو انہوں نے ہمارا احسان مانا اور نہ ان کی سرشت بدلی ۔ اپنی بد اعمالیوں پر نادم ہونے کی بجائے اپنی اسی پرانی بد خلقی پر اتر آئے ۔ چنانچہ بعد صلاح و مشورہ طے پایا کہ اس وقت خلیل تنہا ہیں ۔ مہمند اور داؤد زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں اس لیے ان پر لشکر کشی کرنے اور باجوڑ سے انہیں نکال باہر کرنے کا یہ مناسب وقت ہے۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں داؤد زئی اور بعض مہمند جو مقر اور قرہ باغ سے آئے ہوئے تھے ، کابل کے نواح میں سکونت پذیر تھے اور بعض مہمند ابھی مقر اور قرہ باغ ہی میں تھے ، اس لیے یہ صلاح ہوئی کہ ہجوم و اقدام میں جلدی کریں تاکہ مہمند اور داؤد زئی ان کی مدد کے لیے نہ آسکیں ۔ یوسف زئی نے بہ عجلت تمام لشکر کا انتظام کیا اور جمعیت تام اور ہیئت عظیم کے ساتھ روانہ ہو گئے ۔

کہتے ہیں کہ ان ایام میں یوسف زئیوں نے پھر اشنغر پر قبضہ کر لیا تھا ۔ حصار کے نالے سے حصار بالول ، حصار بیغمی ، کاٹلنگ ، سنگاؤ ، شیر خانئی ، باز درے ، مورانامی پہاڑ اور ٹوٹئی تک ، کا جنگلہ سیو زئی ، مالا کنڈ تک تمام میدانی ، پہاڑ کے دامن تک تمام علاقہ شلمانیوں سے جنگ میں انہیں شکست دے کر چھین لیا تھا اور جابجا اس میں آباد ہو گئے تھے ۔ اس زمانے میں اشنغر کے ساکنین شلمانی (لوگ) تھے اور اشنغر کے ماسوا سارے ممالک (علاقوں) میں دھکان لوگ آباد تھے جو سلطان پکھل کی رعیت تھے ۔ سلطان پکھل سوات کا سلطان تھا جس کا ذکر اپنے محل میں (انشا اللہ تعالیٰ) آجائے گا ۔

القصہ یوسف زئی اپنے تمام شرکا اور ہمسایوں مثلاً گدون ، کخار اور اتمان خیل وغیرہ کے ساتھ جو اس وقت تک یوسف زئی کے

ساتھ رہتے تھے ، لشکر بنا کر ہنڈیالی اور کوڑہہ کے راستے روانہ ہوئے اور دانشکول پہنچ کر پڑاؤ کیا ۔

ٹھیک اس زمانے میں جب باجوڑ کے یوسف زئیوں کا جرگہ دوآبہ جا رہا تھا دوسرا جرگہ میں میر جمال امان زئی کی سرکردگی میں دانشکول روانہ کیا گیا تھا تاکہ دلزاک سے صلح و صفائی کر کے انہیں اپنی مدد کے لئے آمادہ کریں ۔ کہتے ہیں کہ جس وقت میرجمال امان زئی ملک هیبو کے یہاں بہ طریق جرگہ (اور گناہ بخشوانے) جا رہا تھا تو میرجمال اور اس کے فرزند احمد دونوں نے تلوار اور کفن گلے میں ڈال لئے تھے۔ وہ دونوں رات کے اندھیرے میں ملک هیبو کے گھر میں داخل ہو کر بیٹھ گئے ۔ ایک شخص نے دیکھا کہ میرجمال ہیبو کے گھر میں داخل ہو گیا اس نے جا کر یہ بات مسجد میں کہہ دی ۔ مسجد والوں نے هیبو کی بیوہ کے پاس آدمی بھیجا کہ میر جمال کے ساتھ عزت و حرمت کا سلوک اور خاطر مدارت کرو ۔ صبح کو ہم احوال معلوم کریں گے ۔

ملک ہیبو کی بیوہ نے میر جمال کی اچھی طرح سے مدارت کی ۔ صبح کو عمر خیل دلزاک ملک ہیبو کے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ گئے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کی اس کے بعد دریافت کیا کہ خیر سے آپ کا آنا کیسے اور کس مطلب سے ہوا ہے ؟ میر جمال نے کہا کہ مجھ سے تقصیر ہوئی ہے آپ کا قصور وار ہوں ، یہ رہی تلوار اور کفن آپ کو اختیار ہے خواہ مار ڈالیں خواہ معاف کر دیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھ یہ بد سلوکی خلیل نے کی ہے۔ یوسف زئی نے نہیں کی اگر خلیل نہ ہوتے تو یہ بد سلوکی بھی نہ ہوتی اس فساد کا سبب وہی لوگ تھے ۔ اب وہ آپ کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے بھی قدیمی دشمن ہیں ۔ " کاڑکے" اور " نشکی " کے زمانے

سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں ۔ آزار رسانی اور برائی کے سوا کچھ نہیں کرتے ۔ ہم نے ان پر احسانات کئے تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کس شان سے بد سلوکی کی ۔ میں اب جرگے (ننواتے) کے طریق پر آیا ہوں ، ہمارے ساتھ لشکر کریں کہ ان کے ساتھ جنگ کریں ۔ باجوڑ یا ہمارا ہو جائے یا ان کا ۔ ان کے ساتھ شریک رہنا اب ہم سے نہیں ہو سکتا ۔

دلزاک عمر خیل نے میر جمال سے کہا کہ میر جمال ! اب جب کہ تم معافی مانگنے آئے ہو اور مہم کی غرض سے آئے ہو تم ہمارے عزیز ہو ۔ ہم تمہارے ساتھ لشکر بھی کر دیں گے اور تمہاری مہم کو تکمیل تک پہنچا دیں گے ۔

یوسف زئیوں کا لشکر دانشکول پہنچا تو میر جمال ابھی تک وہیں تھے ۔ انہوں نے حالات کو اپنی منشا کے مطابق درست کر لیا تھا اب یوسف زئی اور میرجمال اور عمرخیل کا لشکر سب کا سب دانشکول پر جمع ہو گیا ۔ سب نے باہم مشورہ کیا کہ عمر خیل اور باجوڑ کے یوسف زئی میر جمال کے ساتھ شارع عام پر چارسنگ پہنچے تاکہ خلیل کے لئے سر کوب (چوٹی) کا راستہ بند کر دیں اور ناوگئی کے راستے کی بھی دیکھ بھال کریں تاکہ خلیل پشت کی طرف سے ، کونڑ ، کے راستے لغمان (کابل) نہ بھاگ جائیں اور یہ عظیم لشکر بھی بم رشت (یا رخت) کی چوٹی پر سے باجوڑ میں بخیریت اتر جائیں ۔

آخر الامر میر جمال اپنے عزیزوں اور دلزاک کی معیت میں چارسنگ کے راستے اور دوسرے قبائل کا زیر دست لشکر رخت کی چوٹی کے راستے باجوڑ کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جب میر جمال کے لشکر نے چوٹی کو سر کر لیا تو نیچے لاشوڑے کے میدان میں ایک بڑے لشکر پر اس کی نظر پڑی (یہ ایک خطرے کی علامت تھی)

میر جمال ملک بیبو کے گھر دانشکول جا رہا تھا تو اپنے عیانی بھائی ابو بکر نامی سے جو ساری قوم میں بہت بہادر اور اپنے وقت کا بے نظیر شخص تھا ، کہا تھا کہ تم اپنے ماہقیہ عزیزوں کے ساتھ ہمیشہ نکل کر اپنے گاؤں اور گرد و نواح کی پاسبانی اور حفاظت اور حدود کی نگہداشت کرتے رہنا ۔ چنانچہ ابو بکر مذکور میر جمال کی ہدایت کے مطابق سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ روانہ پاسبانی اور حفاظت کرتا تھا ۔ خلیل کو یہ معلوم ہوا تو اس کی تاک میں رہنے لگے اس روز خلیل ابو بکر کی تـلاش میں اس جگہ جہـاں پر شیخ اسمعیل بن محمود سہمند قـدس سرہ کی قبر واقع ہے ۔ چھپ کر بیٹھ گئے ۔ جـب ابو بکر اس کے قریب پہنچ گیا تو اچانک پناہ گاہ سے نـکل کر اس پـر حملہ کر دیا اور ابو بکر کو سواروں سمیت قتل کر دیا ۔ میر جمال کو جو خطرہ تھا اور جس کے پیش نظر اس نے جاتے ہوئے اپنے بھائی سے چوکنا رہنے کی تاکید کی تھی وہ پیش آ چکا تھا . اس نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا خـدا ناخاستہ میرے بھائی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہو ! اس نے اپنے بیٹے احمد کو ساتھ لیا اور لشکر سے آگے نکل گیا ۔ راستے میں اپنے فرزند احمد سے کہنے لگا ، کاش ابو بکو کو زندہ دیکھ سکوں ! مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ابو بکر مردہ پڑا ہوا ہے ۔ دونوں بہت رنجیدہ ہوئے ۔

میر جمال نے بیٹے سے کہا کہ جلدی سے اتر کر ابو بکر کے دھڑ کو دو ٹکڑے کر دو ، نصف تم لے لو اور آدھا مجھے دے دو تاکہ آسانی کے ساتھ اٹھا کر لے چل سکیں ۔ احمد نے غم زدہ لہجے میں کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔ میر جمال نے اس پر غصے کا اظہار کیا اور خـود اتر کر ابو بکر کی لاش کے دو ٹکڑے کئے ، آدھا حصہ خود لیا اور آدھا احمد کو دے کر روانہ ہو گئے اور لشکر

سے جا ملے۔ اہل لشکر نے بھی اس پر بڑا افسوس کیا ۔ لشکر نے لاشوڑہ کے اس مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں اب غازی خان ابن ملک بنی ککیانی موسیٰ زئی آباد ہیں ۔ خلیل بھاگ کر ہندو راج کے درے میں اکٹھے ہو گئے ۔ عمر خیل نے جنگ کا نقشہ اس طرح بنایا تھا کہ میر جمال اپنے عزیزوں کو ساتھ لے کر چارسنگ کے راستے ہندو راج پہنچیں اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کر کے وہاں کے باشندوں سے کہیں کہ ان کا لشکر ہندو راج کی چوٹی پر خلیل کا راستہ روک لے تاکہ وہ اسے پار کر کے دوسری طرف نہ جا سکیں ۔ سر کسوب کے راستے کی ناکہ بندی عمر خیل کو کرنی تھی اور ایک لشکر کو نیچے کی طرف سے خلیل پر حملہ کرنا تھا ۔ اور اس طرح گھیر کر ان کو قتل کرنے اور ہمیشہ کے لئے عمر خیل دلزاک اور یوسف زئیوں کے درمیان سے اس کانٹے کو نکال دینے کا منصوبہ بنایا تھا اور یہ تصفیہ بھی کر لیا گیا تھا کہ چوٹی کے اس طرف (پانی ڈال) کا علاقہ یوسف زئیوں کا اور اس طرف کا عمر خیل دلزاک کا ہو جائے گا ۔

چنانچہ اس جنگی منصوبے کے مطابق میر جمال نے ہندو راج پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ہندو راج کی چوٹی کی ناکہ بندی کر دی ۔

کوہ ہندو راج کے متصل ایک بڑے پہاڑ کا درہ ہے اور ہندو راج ایک پہاڑ کا نام ہے ۔ وہاں کے رہنے والوں کو ہندو راجی کہتے ہیں ۔ اس وقت جب کہ ۱۰۳۲ھ ہے اس کے جنوب کی طرف اسماعیل زئی ترکلانی آباد ہیں اور شمال کی طرف پرانے زمانے سے اب تک کفار رہتے ہیں اور سارا علاقہ ان کے تصرف میں ہے ۔

الغرض میر جمال نے ہندو راجیوں کے ساتھ مل کر کوہ ہندوراج کی چوٹی پر قبضہ کر لیا اور نیچے کی طرف سے بڑے لشکر

نے پیش قدمی کی ۔

جس وقت بڑا لشکر دو میل کے فاصلے پر درے کے سنگر میں پہنچ گیا ، خلیل کا لشکر بھی پوری تیاری اور کامل جمعیت کے ساتھ اپنی پناہ‌گاہوں سے نکل آیا ۔ اس میدان میں جہاں اب ملک یار حسین ابن پیر ترکلانی اور بازی کا قبیلہ آباد ہے دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور ایک سخت معرکہ پیش آیا ۔ دونوں فوجوں نے خوب ڈٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا ، کوئی کسی کو شکست نہ دے سکا ابھی معرکہ کار زار گرم تھا کہ میر جمال اور ہندو راجی پیچھے سے سنگر پر چڑھ آئے ، خلیل نے یہ صورت حال دیکھی تو پریشان ہو گئے اور ہمت ہار بیٹھے اور سنگر کی طرف پسپا ہونے لگے ، بعض میدانِ جنگ میں مارے گئے اور بعض پسپا ہونے میں مارے گئے اور اکثر سنگر میں اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے۔ بہت سے لوگ جو بچ گئے تھے وہ لاوگئی کی طرف بھاگ نکلے ۔ سنگر غارت و تباہ ہو گیا اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں اس قدر لوگ قید ہوئے تھے کہ بعض یوسف زئیوں نے مٹی کے برتنوں کے عوض قیدی فروخت کئے ۔ چنانچہ یوسف زئی خلیل کو اب تک یہ طعنہ دیتے ہیں ۔ جس جگہ خلیل نے پڑاؤ کیا تھا اسے ابھی تک سنگر درہ کہتے ہیں اسی جگہ لشکر نے رات گزاری ۔ ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے خلیل کے قیدیوں کو رہا کر دیا ۔ جس جس کے یہاں قیدی تھے سبھوں نے چھوڑ دئے ۔ پھر بھی بعض لوگوں نے چھپا لئے ۔ زاں بعد سب خوش و خرم فتح کے شادیانے بجاتے دو آبے کو واپس آ گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب کہ یوسف زئی کابل سے

آ کر دو آبے میں سکونت پذیر ہو گئے تو کچھ زمانے کے بعد دلزاک کے اشارے پر اشنغر پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا - چنانچہ اس وقت اشنغر کا حاکم میر ہندا بن آرزو تھا جو قوم دھکان اور قبیلہ ڈوڈال سے تعلق رکھتا تھا - وہ اپنے وقت کا بہت بڑا نامور اور بہادر تھا اور اس طرف سلطان اویس سوات کا بادشاہ تھا جو اشنغر کے قلعے میں رہتا تھا - چنانچہ اس کا ذکر سلاطین سوات سلسلے میں اپنے مقام پر آئے گا - سوات سے لے کر شیر خانئے ، باز درہ ، ہرسول ، سنکاؤ ، حصار بالول اور حصار بیغم اور اشنغر اس کے تصرف میں تھے اور ان تمام ممالک کے لوگ سلطان اویس کی رعیت تھے -

اس زمانے میں تمام ملک اشنغر میں شلمانی قوم آباد تھی - اشنغر کا قلعہ اس زمانے میں بڑا سنگین اور مضبوط تھا جو اونچے پشتے پر اس جگہ واقع تھا جہاں ملک فتح خان بن ملک سعید خان بن ملک خضر خان محمد زئی بارک زئی اشنغری کا مسکن اولین تھا ، جسے قلعہ اشنغر کہا جاتا تھا اب یہ قلعہ ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گیا ہے -

القصہ جب یوسف زئی نے اشنغر کے ملک پر قبضہ کا قصد کیا تو یوسف لابے کے چند نوجوانوں کو چھاپہ مارنے کی غرض سے اشنغر بھیجا تاکہ شلمانیوں کے مال و مویشیوں کو چراگاہ سے پکڑ لائیں یہ چھاپہ مار اشنغر گئے اور شلوالیوں کے مویشیوں کو پکڑ کر لے بھاگے - لیکن میر ہندا اور شلوالیوں کو واقعہ کی خبر مل گئی انہوں نے ان کا پیچھا کر کے اپنے مویشی چھڑا لئے - یہ جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ دو آبے واپس آ گئے - منڈاڑ لابے نے اس پر انہیں ملامت کی اور کہا کہ زندگی میں ایک دفعہ تم ہمارے بغیر تنہا رہ گئے تھے اور خالی ہاتھ آ گئے کچھ بھی نہ کر سکے -

صبح کو منڈنڑ نے خوب تیاری کر کے کچھ سواروں اور پیادوں کو پار بھیجا ۔ سوار تاک میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ پیادوں نے جا کر شلمانیوں کے مویشی ہنکائے۔ میر ہندا اور شلمانیوں کو پھر اطلاع مل گئی ، انہوں نے پوری قوت اور کامل جمعیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا ۔ شلمانی تعاقب کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں منڈنڑ کے سوار چھپے ہوئے بیٹھے تھے، تو اچانک سواروں نے ان پر حملہ بول دیا اور ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے ۔ اس اثنا میں یوسف نامے کے لوگ بھی امداد کے لئے پہنچ گئے اور باہم لڑائی چھڑ گئی ۔ آخر میر ہندا اور شلمانیوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے یہ تعاقب کرتے رہے تا آنکہ شلمانیوں نے قلعے میں گھس کر دروازے بند کر لئے اور یوسف زئی نے ان کا محاصرہ کر لیا ۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی اشنغر پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی تو اشنغر میں جہاں جہاں شلمانی مقیم تھے وہ سب کے سب اکھٹے ہو کر اپنے مال و اسباب سمیت حصار (قلعہ) میں داخل ہو گئے تھے ۔ یوسف زئی نے حصار اشنغر اور جیند دریا کے درمیانی علاقے کی ناکہ بندی کر کے ان کا پانی بند کر دیا ۔ تین چار دن کی محصوری سے بہت عاجز اور مضطرب و مجبور ہو گئے اور ملک احمد کو پیغام بھیجا کہ ہمیں خدا نے شرمندہ کر دیا ، اب عاجز و لاچار ہیں راستہ دے دیں کہ یہاں سے چلے جائیں اور اس قدر سہولت دے دیں کہ جو مال و اسباب اپنے ساتھ لے جا سکیں لے جائیں ۔

ملک احمد اور دوسرے سرداروں نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دی ۔ تمام شلمانی اور میر ہندا اپنی فوج کے ساتھ جس قدر مال و اسباب اٹھا کر

لے جا سکتے تھے اٹھا کر رات کے وقت قلعے سے نکل کر حصار بالول کی طرف روانہ ہو گئے اور بقیہ مال و اسباب کچھ وہیں چھوڑ گئے ۔ ساری رات کوچ کرنے کے بعد صبح کے وقت حصار بالول میں پہنچ گئے جو سنگین اور محکم تھا ۔ صبح تڑکے یوسف زئی حصار میں داخل ہوگئے اور بقیہ مال و اسباب کو غارت کر دیا اور سارے اشنغر کو اپنے تصرف میں لے آئے اور دو آبے سے ہر نسل اور ہر قبیلے سے برابر برابر لوگوں کو لے کر اشنغر میں آباد کرا دیا اس کے بعد میر ہندا کے تعاقب میں روانہ ہو گئے ۔ جب میر ہندا کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حصار بالول سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا اور حصار بیغم میں پناہ لی ۔ یوسف زئی حصار بالول سے بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اسے یہ معلوم ہوا تو وہ حصار بیغم سے بھی فرار ہو کر شیرخانئی کو چلا گیا ۔ مخفی نہ رہے کہ قلعہ بالول اور قلعہ بیغم دونوں چھوٹے مگر سنگین قلعے ہیں اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں ۔ یہ دونوں قلعے موضع کلپانڑی کے علاقے میں واقع ہیں ۔ قلعہ بیغم بلند ٹیلے پر واقع ہے اور حصار بالول بے خوبصورت ہے مگر اب ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں ۔ دونوں قلوں کے درمیان ڈھائی میل کا فاصلہ ہے ۔

یوسف زئی اسی طرح میر ہندا کے تعاقب میں بڑھتے رہے اور وہ آگے آگے فرار ہوتا رہا کسی جگہ بھی اس کے پیر نہ ٹک سکے یہاں تک کہ میدانی علاقے میں بھی دہکان قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا سب کے سب مورا نامی پہاڑ کی چوٹی کو عبور کر کے سوات چلے گئے میر ہندا کا گھر تھانہ میں تھا اور اس کا قبیلہ ڈو ڈال بھی تھانے میں رہتا تھا وہ بھی تھانے چلا گیا ۔ تھانہ سوات میں ایک مشہور و معروف گاؤں ہے ۔

اس کے بعد یوسف زئی واپس لوٹ آئے اور دامن کوہ اور

میدانی علاقے کے تمام ممالک حصار کے نالے سے لے کر اشنغر، حصار بالول حصار پلیم ، شیر خانئی ، کاٹلنگ ، سنگوؤو ، باز درہ ، مورا ناسی (پہاڑ) تک دہکانوں سے خالی کرالیے اور اپنے تصرف میں لے آئے اور اس طرح اپنے مقابلے میں ان ممالک کے کسی دعویدار کو باقی نہ چھوڑا ۔ اس کے بعد اشنغر آکر ملک سوات پر حملے کے لیے سامان جنگ کی فراہمی اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے ۔ مگر اتفاقاً اس اثنا میں یوسف زئی اور پشاور کے دلزاک کے مابین مخالفت پیدا ہوگئی ۔ اس لیے سوات کی مہم کو چھوڑ دینا پڑا ۔

ان حالات کی تفصیل یہ ہے کہ پشاور کے دلزاک چوری چھپے رات کو اور دن کو بھی پار آ کر یوسف زئی کے گرد و نواح میں پھرتے رہتے تھے اور جوں ہی موقع پاتے نقصان پہنچاتے تھے ۔ جب ملک احمد اور دوسرے سردار یوسف زئی ان سے شکایت کرتے تو یہ جواب میں کہتے کہ ہم کسی کے ساتھ برائی کرنے کے روا دار نہیں ہیں آپ چور چکار سے ہوشیار رہیں ۔

بالآخر دلزاک کے دھاڑوں اور چوریوں سے یوسف زئی لاچار ہوگئے ۔ ملک احمد نے اپنی قوم سے کہا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایک رات پار جاکر دلزاک کے مویشی ہانک لائیں شائد وہ اس طرح ڈرکر برائی سے دست بردار ہو جائیں ۔ چنانچہ ایک رات یوسف زئی کے ڈاکو پار گئے اور ملک محمد خان دلزاک کی خاص سواری کا گھوڑا اڑا لائے اور شیخ ملی اکا زئی منڈنڑ کو دے دیا ۔

دلزاک کو اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے بہت پیچ و تاب کھائے ۔ اب وہ کھلم کھلا یوسف زئی کو نقصان پہنچانے پر کمر بستہ ہوگئے ۔ شب و روز پار آتے اور ایذا پہنچاتے تھے ۔ شیخ ملی ہمیشہ محمد خان کے اسی گھوڑے پر سوار ہوتے اور رات کے وقت چند سواروں اور

پیادوں کے ساتھ قوم کی نگہبانی اور گرد و نواح کی حفاظت کرتے۔ بالخصوص درمیانی گزر گاہ کی تو ساری رات بالا و پایاں نگرانی ہوتی تھی کہ مبادا دلزاک پار آکر نقصان پہنچائیں۔

ایک رات جوہڑ ابن کیمل اور بعض دلزاک جو اس وقت کے شجاع تھے کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ شبخون مارنے کے لیے ہزر اور تنگی کے اوپر اس جگہ کے مقابل جہاں علی کی زیارت ہے چھپ کر پار آگئے ان میں سے کچھ دریا کے کنارے پہاڑ میں تنگی کی گزر گاہ کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگ یوسف زئیوں کے دیہات کے نزدیک جہاں اس زمانے میں زیتون کے درختوں کا جنگل تھا۔ گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ مویشی آجائیں تو پکڑ کر لے جائیں۔ شیخ ملی اس شب کو بھی اپنی عادت اور معمول کے مطابق کچھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میچنی کی گزر گاہ سے بہت نیچے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں شیخ عباس کے والد حاجی محمد کی قبر ہے اور دوسری طرف دریا کے کنارے دلزاک کا گاؤں تھا جس میں یوسف زئی کی ایک خاتون بیاہی گئی تھی جسے دلزاک کے اس چپاؤ اور غارت گری کا علم تھا کہ وہ شبخون کی غرض سے پار چلے گئے ہیں، یہ خاتون اپنی قوم (یوسف زئی) کی خیر خواہی کے سبب دریا کے کنارے آگئی اور بلند آواز میں رمز و کنایہ کے طریق پر کہا کہ اے سوارو! میں تمہاری بہن ہوں۔ ہماری طرف سے سب ڈاکو تمہاری طرف لے گئے ہیں اور تمام بہترین سب آن میں شامل ہیں، پس خبردار رہو۔ اس قول سے اس کی مراد یہ تھی کہ دلزاک کا دھاڑا پار گیا ہے اور دلزاک کے بہترین سوار اس میں شامل ہیں۔ شیخ ملی نے جوں ہی اس نیک سرشت بی بی کی بات سنی آسے پہچان لیا اور اس کے کنائے کو بھی سمجھ گیا کہ دلزاک

کا دھاڑا شبخون مارنے اس طرف آگیا ہے۔

دلزاک اور یوسف زئی کی جنگ

شیخ ملی نے فوراً اپنے دیہات میں قاصد بھیج دئے اور لوگوں کو خبردار کر دیا۔ چاشت کے وقت تک تمام لوگ نکل نکل کر جمع ہوگئے۔ یعنی ہر طرف کے دیہات سے دھاوے آگئے۔ گاؤں کے قریب دلزاک کو دیکھا اور پیچھے ہولئے۔ دوسری طرف سے شیخ ملی بھی دریا کے کنارے اوپر کی طرف آرہا تھا۔ سب آکر پیچوئی (موڑ) کے بالمقابل جمع ہوگئے۔ دلزاک بھی سب آکر پیچوئی کے دلزاک سے پہاڑ میں آکر مل گئے۔ یوسف زئی کے پیادے اوپر کی طرف سے آگئے اور سوار نیچے کی طرف سے اوپر چڑھ گئے۔ دلزاک تیر زنی میں مشہور اور صحیح نشانہ باز تھے، یوسف زئی کے کافی تیر انداز تھے اور سیجننے کے پہاڑ کے قریب تیروں کی بارش شروع ہوگئی اور جنگ چھڑ گئی۔

دریا کے دوسری طرف کنارے کنارے دلزاک کے دیہات تھے۔ ملک محمد خان دلزاک کا گاؤں بھی دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ محمد خان جاکر بربر کے پہاڑ ورسک سیجننے کی گزرگاہ کے بالمقابل بیٹھ گیا اور جو کام اور جنگ کے قابل آدمی تھے ان سب کو شنازوں پر پار کرا دیا اور جو ضعیف اور کمزور تھے وہ اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے اور جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے۔ میدان جنگ وہاں سے صاف نظر آرہا تھا۔ طرفین نے جنگ میں کوئی کمی نہ کی۔ تیراندازی کے بعد دست بدست تلواریں چلنے لگیں مگر شکست کسی نے نہ کھائی۔ طرفین سے کوئی مرجاتا یا زخمی ہو جاتا، تو اسے جنگ گاہ سے ہٹا لیا جاتا۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو جانبین نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ: آفرین ہے تمہاری مردانگی اور ہمت پر، اب جب کہ رات ہو گئی ہے اور دونوں طرف کے لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں مناسب ہوگا کہ ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور اپنے مقتولوں کو دفن اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ آخر طے پایا کہ ایک جانب کے لوگ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور دوسری جانب کے لوگ اپنے مقتولوں کو یہاں دفن کریں۔ دوسرے دن دوسری جانب کے لوگ آجائیں گے اور وہ اپنے مردوں کو دفنائیں گے۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق دلزاک نے رات وہیں گزاری، صبح کے وقت انہوں نے اپنے مردوں کو اٹھایا اور روبہ شمال کڑوپی کے گبریوں کی چوٹی کے دامن میں ہموار زمین میں دفن کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی آئے اور اپنے مردوں کو اٹھا کر دلزاک کے مقبرے کے متصل پانچ چھ گز کے فاصلے پر دفن کیا۔ دونوں قبرستانوں کے درمیان سے "کڑ پیے" کو راستہ جاتا ہے۔ باجوڑ کا راستہ یوسف زئی کے مقبرے کے پاس سے الگ ہو گیا ہے اور گبریوں کا راستہ بھی یہاں سے الگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ راستے سے مغرب کی طرف دلزاک کا مقبرہ ہے اور مشرق کی جانب یوسف زئی کا۔

اس مقام پر سفید مٹی اور سنگ ریزے بہت زیادہ ہیں، چنانچہ لوگوں نے قبروں کے اوپر بھی سفید سنگ ریزے ڈال دئے ہیں اس لیے دور سے وہ جگہ سفید دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس مقام کو "سپین خاک" کہا جاتا ہے۔ گرد نواح کے بسنے والوں میں یہ جگہ مشہور و معروف ہے۔

یوسف زئی کے ساتھ لڑنے کے لیے دلزاک کا لشکر جمع کرنا ۔

یہ سانحہ دلزاک پر بہت سخت گزرا اس لیے انہوں نے لشکر جمع کرنے میں بہت کوشش کی اور لشکر جرار جمع کر کے روانہ ہوگئے اور سیچنئے تنگی کی گزر گاہ پر ، بربر میں ڈیرے ڈال دئے ۔ اس زمانے میں یوسف زئی کثرت اور طاقت کے لحاظ سے کوئی خاص حیثیت نہ رکھتے تھے ، کیونکہ وہ ابھی نئے نئے کابل سے یہاں پہنچے تھے ۔ مرزا الغ بیگ کے حوادث نے انہیں پہلے ہی شکستہ حال کر دیا تھا ۔ پھر بھی جس طرح ممکن ہوا لشکر اکٹھا کر کے بیچنئے کی گزر گاہ پر برابر کے لشکر کے مقابل مورچے سنبھال لیے ۔ مگر یوسف زئی بڑے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کا لشکر قلیل تھا ۔ اس موقع پر ملک احمد نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا :

"اے میرے عزیزو ! دلزاک بہت بڑی نسل ہے ۔ ان ممالک میں ہر جگہ یہی لوگ آباد ہیں ۔ چنانچہ پشاور ، ننگرہار ، تیراہ ، کلپانڑی سے بہور تک جو دریا کے کنارے واقع ہے اور چھچھ ، ہزارہ ، کراغ جو دریائے سندھ کے اس پار واقع ہیں ہر جگہ یہی لوگ بستے ہیں اور ہم سڑبنی (اپیاڑے) کے اس ملک میں بھی معدودے چند دیہات ہی وہ بھی ان ہی کے دئے ہوئے ہیں ۔ ہمارے سڑبنی میں سے ککیانی اور محمد زئی کابل میں رہ گئے ، ترکلانی لغمان میں اور غوریا خیل مقر اور قرہ باغ میں رہ گئے ہیں ۔ پس ہمارے اندر ان کے ساتھ جنگ و مقابلہ کی طاقت نہیں ہے ۔ اس لیے میری رائے میں قوم کی بہتری اس میں ہے کہ میں ملک محمد خان کے پاس بطور جرگہ (ننواتے) چلا جاؤں شاید وہ ہمارا یہ قصور معاف کر کے اپنے لشکر کو منتشر کر دے" (اور آنے والی تباہی سے ہم بچ جائیں ۔) تمام یوسف زئیوں نے اس کی اس

اپنے کو سراہا ۔

ملک احمد خان کا ملک محمد خان کے یہاں جانا ۔
لڑاک کے ساتھ صلح کرنے کی غرض سے

القصہ ملک احمد چند پیادوں کی معیت میں لشکر سے نیچے کی طرف روانہ ہوا اور میچننی کی دوسری گزرگاہ سے جو پہاڑ کی انتہا پر واقع ہے دریا پار کر کے چلا گیا ۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کے گھر وہ پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا وہ اندر جا کر بیٹھ گیا ۔ محمد خان اس وقت لشکر میں تھا اس کی بیوی نے جو بہت جواں مرد اور عاقلہ تھی اس سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کس غرض سے آئے ہیں ؟ ملک احمد نے کہا میں ملک احمد یوسف زئی ہوں اور ملک محمد خان کے پاس بطور جرگہ (ننواتے) آیا ہوں ۔ یہ سن کر اس نے انہیں عزت سے بٹھایا اور اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اپنے ایک معتمد آدمی کو خفیہ طریقے سے ملک محمد خان کے پاس بھیجا اور اسے مطلع کر دیا کہ ملک احمد بطور جرگہ آیا ہے ۔ اس نے قاصد کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ دیکھو خبردار رہو ، ملک محمد خان اور باقی عوام کی مرضی اچھی طرح بھانپ لینا اور فوراً مجھے آ کر اطلاع دینا ۔

قاصد گیا اور خفیہ طور سے ملک محمد خان کو صورت حال سے باخبر کیا ۔ محمد خان نے اپنے تمام اعزا کو بلا کر انہیں حالات سے آگاہ کیا اور آپس میں مشورہ کیا ۔ لیکن یہ بات لشکر والوں پر عیاں ہوئی تو ان میں سخت اشتعال پھیل گیا ۔ چونکہ جنگ میں ہر کسی کے بھائی اور عزیز قتل ہوئے تھے ، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ

خدا نے ہمیں ملک احمد دیا ہے ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور بہت سے لوگ زور و شور ، جوش و خروش ، قہر و اشتعال اور غصے سے لبریز ملک احمد کو قتل کرنے کی غرض سے ملک محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے ۔

ملک محمد خان اور اس کے رشتہ دار ملک احمد کے ساتھ برا سلوک کرنے کے روادار نہ تھے ۔ اس لیے دلزاک سے کہا کہ گھر میں منت سماجت کے لیے آنے ہوئے لوگوں کو آج تک کسی نے قتل نہیں کیا ، اس میں ہماری بڑی بدنامی ہے ، اس طرح ان کا قتل کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے ۔ ملک محمد خان نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا مگر لاحاصل ۔ سارا لشکر محمد خان کے گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا ۔ محمد خان بھی ان کے ہمراہ تھا ۔ کہتے ہیں کہ ملک محمد خان کی بیوی کے قاصد نے جو یہ نقشہ دیکھا تو اس نے لشکر سے پہلے پہنچ کر اسے ان حالات سے باخبر کیا اور اسے بتایا کہ سارا لشکر ملک احمد کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے اور ملک محمد خان کی بات کوئی نہیں سنتا ۔ ملک محمد خان کی بیوی نے یہ سنا تو ملک احمد سے کہا :

''سارا لشکر آپ کو قتل کرنے کے لیے چلا آرہا ہے اور ملک محمد خان کی مخالفت اور نصیحت کچھ سود مند نظر نہیں آتی ، قوم اور عوام کا زور بڑا ہے ، آپ فوراً اس تہہ خانے میں کپڑوں کے پیچھے چھپ جائیں ، اپنی حفاظت فرض ہے ''۔

ملک احمد نے کہا ''جیسے آپ مناسب سمجھیں ، اس میں بہتری ہوگی''۔ ملک احمد اندر گھس گیا اور ان بنڈلوں کے پیچھے چھپ گیا ، یہ تدابیر ملک محمد خان کی بیوی نے پہلے سے سوچ لی تھی اور بنڈلوں کے پیچھے اس نے اسی غرض سے جگہ بنادی تھی ۔

ملک محمد خان کی بیوی نے ملک احمد کو تہہ خانے میں چھپا کر اپنے راز دار آدمیوں سے کہا کہ گلیوں میں پھیل جاؤ اور آوازیں لگاؤ کہ ملک احمد بھاگ گیا ۔ ان آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق گاؤں میں فوراً یہ بات مشہور کردی کہ ملک احمد بھاگ گیا ہے ۔

دلزاک کا لشکر ملک محمد خان کے گاؤں پہنچا اور ملک احمد کے فرار ہو جانے کا اسے پتہ چلا تو بہت رنجیدہ ہوا ۔ کہتے ہیں ان میں جو دانا اور سنجیدہ لوگ تھے انہوں نے بہت پشیمانی اور تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ جب کبھی قبیلے ایک دوسرے سے لڑائی کریں اور ایک قبیلے کے معزز لوگ بطور جرگہ منت و سماجت کے لیے آجائیں تو پھر برائی کو دلوں سے نکال دیا جاتا ہے اور جرگے کے لوگوں کو عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے گھروں سے رخصت کرتے ہیں ۔ افسوس ! ہم نے کتنی بے عقلی اور نادانی کا ثبوت دیا کہ ملک احمد جیسا معزز آدمی ہمارے گھر منت و سماجت کے لیے آیا اور ہم اس کی توقیر کے بجائے اس کے قتل کے درپے ہو گئے ۔ وہ بے آبرو ہو کر ہمارے ہاں سے چلا گیا ، تمام قوموں اور قبیلوں میں ہم بدنام ہو گئے ۔ اس کے بعد ہم پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا ۔

لوگ ملک محمد خان کو بھی ملامت کرتے تھے کہ افسوس ملک احمد جیسا معزز آدمی اس کے گھر منت و سماجت کے لیے آیا اور اس نے اپنے گھر کی لاج نہیں رکھی اور ملک احمد اس کے گھر سے بے آبرو ہو کر چلا گیا ۔ ملک محمد خان کی بیوی بھی اسے ملامت کرتی تھی کہ آپ اپنے گھر کی حیا ، لاج اور آبرو بھی نہ رکھ سکے اور محمد خان اور اس کے عزیز بھی اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے کہ یہ بہت برا ہوا ہم تو منہ دکھانے کے نہ رہے ۔ سارے قبیلوں میں رسوا بدنام اور ہو گئے ۔

جب ملک محمد خان کی بیوی نے دیکھا کہ دلزاک اپنے ارادے پر واقعی پشیمان ہیں تو اس نے شوہر سے چپکے سے کہا کہ اگر آپ ملک احمد کو دلزاک کے شر سے بچا سکتے ہیں اور اس کی منت و سماجت قبول کروا سکتے ہیں تو میں ملک احمد کو بلوا سکتی ہوں ۔ ملک محمد خان نے کہا اگر تم ملک احمد کو بلواسکو تو اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی ۔ ہم تو اس وقت خدا سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ ملک احمد مل جائے اور ہم اسے اپنے گھر سے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کریں تاکہ ہم سب کی آبرو قایم رہ جائے ۔ اب تو سارے دلزاک بھی پشیمان ہیں اور ہر کوئی آرزو کرتا ہے کہ کاش ! ہم ملک احمد کو آبرو کے ساتھ رخصت کر دیتے ۔ پس اگر تم اسے بلوا سکو تو بہت اچھا ہو ۔ اب اس کی جان اور عزت کا کوئی خطرہ نہیں ہے ۔ ہم اسے عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کریں گے ، تاکہ ہماری آبرو اور بھرم قائم رہ جائے ۔

غرض یہ کہ پورے اطمینان کے بعد ملک محمد خان کی بیوی نے اسے بتایا کہ ملک احمد کہیں نہیں گیا میں نے اس گھر کی عزت قائم رکھنے کے لیے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ ملک احمد بھاگ گیا میں نے اسے تہہ خانے میں کپڑوں کے بنڈلوں کے پیچھے چھپا دیا ہے ۔ یہ کہہ کر وہ گئی اور بنڈلوں کو ہٹا کر ملک احمد کو تہ خانے سے نکال لائی ۔ ملک احمد آکر ملک محمد خان سے ملاقی ہوا ۔ ملک محمد خان اس سے مل کر اور اپنی بیوی کے کمال ہوشیاری پر بہت خوش ہوا ۔ اس نے ملک احمد کی مدارات اور دل جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔

اس کے بعد ملک محمد خان نے عزیز و اقارب کو بلایا اور انہیں ان حالات سے آگاہ کیا ۔ وہ بھی آکر ملک احمد سے ملے اور

بہت خوش ہوئے ۔ پھر محمد خان نے سارے لشکر کو جو ابھی وہیں موجود تھا آگاہ کیا اس خبر سے ہر کوئی بہت خوش ہوا اور ملک احمد کی طبع تسلی کی ۔ فرط مسرت سے ڈھول اور نقارے بجائے اور خوشیاں منائیں ۔ آخر میں ملک احمد نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ :۔ اے دلزاک ! آپ نہایت زبردست اور زور آور لوگ ہو اور ہم بہت تھوڑے سڑبنی یہاں آکر آپ کے زیر سایہ پڑے ہوئے ہیں ، باقی ہماری قوم یہاں نہیں ہے ۔ اس دفعہ ہمارے گناہ کو معاف کر دیجئے ۔ دیکھئے میں اپنی جان کی بازی لگا کر ایسے وقت میں آپ کے آستانے پر منت اور معذرت کے لیے آیا ہوں ۔ خدارا اس لشکر کو منتشر کردیں اور ہم سے اس غلطی کی باز پرس نہ کریں ۔

دلزاک نے کہا ۔ ملک احمد ; جب آپ ہمارے ہاں آگئے تو آپ کے طفیل ہم نے آپ کی قوم کو معاف کر دیا مگر اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کریں ۔ پھر مصافحہ کر کے اور قسموں کے ساتھ صلح کے اس معاہدے کو مستحکم کیا اسے خلعت سے نوازا اور زین لگا ہوا ایک نہایت عمدہ گھوڑا ملک احمد کو دے کر پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت دلزاک محمد خان کے گھر میں جرگہ تھے ، نقارے بجا رہے تھے اور ملک احمد کے بارے میں مشورے کر رہے تھے ، دلزاک کا ایک قدیمی مطرب جس کا نام پیرکی تھا وہ بھی اس وقت حاضر تھا ، کسی نے اس سے پوچھا کہ پیرکیہ ! تم بھی کچھ کہونا ! پیرکی نے کہ میں کیا کہوں اور اگر کچھ کہوں تو تم مجھ پر غصہ کروگے ۔ جو سمجھدار اور ہوشیار لوگ تھے اور اس کی شیطنت اور فتنہ انگیزی سے باخبر تھے انہوں نے اس سے کہا آخر کچھ تو کہو پیرکی نے بلند آواز سے کہا ۔

اے دلزاک ! احمد خدا نے تمھیں دیا ہے اسے چھوڑنا مت اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کو ..... کردیگا" اور یہ کہہ کر بھاگ گیا لوگوں نے اس کا بہت پیچھا کیا ، اسے پتھر مارے ، گالیاں دیں مگر اسے جو کہنا تھا کہہ کر صاف نکل گیا ۔

غرض یہ کہ ملک احمد کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر کے دلزاک نے اپنا لشکر منتشر کر دیا ۔ ملک احمد اپنے لشکر سے آملا اور پھر لشکر سمیت دوآبے واپس آ گیا ۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے ، ملک احمد کو مبارکباد دی ۔ اور کہا کہ الحمد للہ ! اللہ پاک نے آپ کو سلامتی کے ساتھ ہم میں پہنچا دیا اور ہمیں دلزاک کے شر سے محفوظ کر دیا ۔ ملک احمد نے ان سے کہا کہ اب دلزاک سے تعرض نہ کرنا ۔ اب تم سوات کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اگر سوات پر قبضہ کرلیا تو سمجھو کہ ہم نے مغل اور دلزاک دونوں سے چھٹکارا پالیا ۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ملک احمد سے پوچھا کہ ملک صاحب ! دلزاک کو آپ نے کیسا پایا یعنی وہ عقل و فراست میں کیسے لوگ ہیں ؟ ملک احمد نے کہا کہ دلزاک بہت ناسمجھ لوگ ہیں ، البتہ پیری نام کا ان میں ایک مرد دانا تھا جس نے بآواز بلند دلزاک سے کہا کہ ملک احمد کو زندہ نہ چھوڑنا اور اگر چھوڑ دیا تو یہ تمہاری ماؤں کی ایسی تیسی کر دے گا مگر اس کی بات کسی نے نہ مانی ۔

مقام سوم

یوسف زئیوں کا سوات کی طرف متوجہ ہونا اور
بابر بادشاہ کا یوسف زئیوں کو فتح کرنے کی غرض سے آنا ۔

کہتے ہیں کہ سوات پر چڑھائی اور قبضہ کرنے کا فیصلہ ملک احمد ، شیخ ملی ، ملک ترہ اور محمود ان یحیٰی اکو زئی علا' الدین زئی اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں نے متفقہ طور پر کیا تھا اور اس مہم میں کامیابی کے لیے دعا مانگی تھی اور اس وقت کے اپنے مشائخ سے بھی دعا کرا کے ہر کوئی لشکر کی تیاری اور جنگ کے ساز و سامان میں لگ گیا ۔ میدانی علاقہ (سمہ) میں یوسف زئی کے جتنے دیہات تھے ، مورے پہاڑ تک کے لوگ اکٹھا ہو گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت اکثر یوسف زئی بکیاڑے کی رود (ندی) کے کنارے آباد تھے اور باقی ادھر آدھر منتشر تھے ۔ ان ممالک میں آباد ہونے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہاں سے سوات جلد ہاتھ آجائے گا۔

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی کی آبادی مورا نامی پہاڑ تک پہنچ گئی تو سلطان اویس سوات کے بادشاہ پر یہ بات ناگوار گذری ۔ وہ ان سے رنجیدہ اور خائف ہوا اور اپنے امیروں اور سرداروں سے کہا کہ یوسف زئی کا اتنے قریب تک آجانا اچھا نہیں ہے ۔ یہ سوات کے زوال کا پیش خیمہ ہے ۔ سوات سے اس قدر قریب آباد ہونے سے ان کی غرض سوات پر قبضہ کرنا ہے ۔ اس امر کی فکر کرنی چاہیے ۔ امیروں نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کو جو ملک احمد کی ہمشیرہ ہے ، قتل کردیں تاکہ یوسف زئی کی آمد و رفت یہاں سے منقطع ہو جائے اور ان تک ہمارے حالات کی خبریں نہ پہنچ سکیں ۔ سلطان اویس نے اپنے امیروں کے مشورے سے اپنی بیوی کو نہایت بربریت کے

ساتھ چھریاں مار مار کر ہلاک کر دیا اور منگلور میں دفن کر دیا ۔

کہتے ہیں کہ وہ بہت پارسا اور نہایت صالح عورت تھی ۔ ملک احمد اور دوسرے یوسف زئیوں نے جب یہ بات سنی تو سلطان اویس کا یہ ظلم ناروا ان پر سخت گراں گزرا ۔ مگر چونکہ ملک احمد نہایت زیرک ، صاحب عقل اور دانا شخص تھے ، انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور بطور تعزیت رسم کے مطابق ایک سو عدد گائے ، بیل سلطان کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ الٰہی حکم یہی تھا جس سے کوئی چارہ نہ تھا ۔ اگر آپ کو ہم سے ناطہ پسند ہو تو دوسرا رشتہ بھی حاضر ہے اور اگر اجازت ہو تو میں خود بھی آپ کے یہاں فاتحہ کے لیے آؤں ۔ سلطان اویس نے ملک احمد کے قاصد کی زبانی یہ پیغام بھیجا کہ جو مقدر میں تھا وہ ہوگیا اگر آپ کی مرضی یہاں آنے کی ہو تو ضرور آئیں ۔ چنانچہ ملک احمد بیس آدمیوں کو لے کر اپنی ہمشیرہ کی تعزیت کے لیے ہکیاڑے سے منگلور کے لیے روانہ ہوگیا ۔

منگلور سوات کا ایک بڑا شہر ہے ۔ یہاں ایک بڑا اور مضبوط قلعہ ہے ۔ یہ مقام سلاطین جہانگیریہ کا پایہ تخت ہے ۔

قلعے میں تمام سلاطین اور بعض جہانگیری امیروں کے عجیب اور رنگین محلات و قصور تھے ، قلعے کے چاروں طرف شہر آباد تھا جس میں بڑے بڑے بازار تھے، جب یوسف زئی نے سوات فتح کر لیا تو شہر کو ویران کر دیا مگر قلعہ اور قصور و محلات جو پختہ اور سنگین تھے ، تاحال قائم اور ایستادہ ہیں ۔

منگلور کا یہ شہر اور قلعہ ، سوات کے آخری سرے پر مشرق کی جانب پہاڑ کے دامن میں دو ندیوں کے درمیان واقع ہے یہ دونوں ندیاں چھ میل آگے جا کر دریائے سوات میں گر جاتی ہیں ۔

سلاطین جہانگیر ، سلطان جہانگیر کی اولاد ہیں ۔ جو اسی کی طرف منسوب ہیں ۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ سلطان اویس کی بیوی جسے ناحق شہید کر دیا گیا تھا ملک احمد کی سگی بہن تھی اور سلطان اویس کے ساتھ نسبت کی وجہ محض یہ تھی کہ جس وقت یوسف زئی لوگ خوار و خستہ حال دوآبہ میں آکر آباد ہوئے تھے تو پریشان حالی اور تنگ دستی کے سبب مختلف اشیاء گڑ ، چٹائی وغیرہ سوات لے جایا کرتے تھے اور فروخت کر کے گزر اوقات کرتے یوسف زئی روزگار کے سلسلے میں سوات کو آتے جاتے رہتے تھے ۔ اس آمد و رفت میں سلطان اور ملک احمد کا غائبانہ تعارف ہوگیا ۔ تعارف نے دوستی کی شکل اختیار کرلی ۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ ملک احمد کی کنواری بہن گھر میں موجود ہے تو اس نے نکاح کی آرزو ظاہر کی ۔ یہ چونکہ سوات کا بادشاہ تھا اور ملک احمد اور اس کی قوم اس وقت سلطان سوات کے محتاج تھے ۔ اس لیے ملک احمد نے اپنی ہمشیرہ کا عقد اس سے کر دیا ۔ سلطان نے اپنے خاص اور معتمد امرا کو عروسی کے وقت بھیجا ۔ وہ دلہن کو دوآبے سے لے آئے ۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جب یوسف زئی ملک سمہ کو اپنے تصرف میں لے آئے اور اس میں آباد ہوگئے ۔ تو سلطان اویس ان کے اس قرب سے خوف زدہ ہوا اور سمجھا کہ یہ لوگ اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہیں گے اور ایک دن سوات کو بھی ہڑپ کرلیں گے ۔ اس لیے اس اندیشے کے پیش نظر وہ سوات کی حفاظت اور یوسف زئیوں کو وہاں سے نکلوانے میں لگ گیا ۔

چنانچہ اس کے ایک مشہور امیر میر ہندا نے مورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر چوکی بنائی اور شاہ اویس اور فرخ زاد نے بھی جو اس کے نامور امیر اور ذات کے سواتی دہکان تھے ، مالا کنڈ کی چوٹی پر

چوکیاں بنائیں۔

سلطان کو ملک احمد کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ منگلور سے تھانے آگیا۔ سلاطین سوات کا یہی دستور تھا کہ جب کبھی کوئی مہم پیش آتی تو منگلور سے تھانے آجاتے۔ وہاں اپنے اعیان اور سرداروں کو بلاکر جرگہ اور صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ اسی بنا پر اس موضع کو "اتن جائے" یعنی جرگے کی جگہ کہتے تھے۔ "اتن" گبری زبان میں جرگے کو کہتے ہیں۔

اس زمانے میں سوات کے سلاطین اور جہانگیری گبری میں بات کرتے تھے اور سوات کی رعایا یادری زبان بولتے تھے۔ اس زمانے میں سوات کے لوگ انہیں دو زبانوں میں باتیں کرتے تھے۔

تھانہ سوات کا ایک مشہور موضع ہے جو منگلور سے آدھے دن کی مسافت پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ یہاں شروع میں بہت بڑی آبادی رہی ہے اور اس وقت بھی یہاں بابو زئی اکوزئی لوگ آباد ہیں۔

جب ملک احمد تھانے کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے اپنے آدمیوں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ ملک احمد کو تھانے کے متصل کسی مقام پر اتار دیں۔ سلطان کے آدمیوں نے اس کے حکم کے مطابق دو تین تیروں کے فاصلے پر اس جگہ جسے اس وقت "بخشی ڈیری" کہتے ہیں، جائے اقامت دے دی۔ بخشی میر جان شاہ (تاجو خیل) صدو زئی کے بیٹے کا نام تھا جو پہلے وقتوں میں یہاں آباد ہوا تھا۔ بعد میں یہ موضع اس کے نام پر موسوم ہوگیا۔ اس وقت سے آج تک اسے بخشی ڈیری کہتے ہیں۔ یہ ایک ناہموار جگہ ہے۔ آج کل یہاں بلندی پر ایک مسجد آباد ہے۔

الغرض ملک احمد وہاں اقامت پذیر ہوا تو سلطان کے قاصد

نے جا کر ملک احمد کو ایک خدمتگار کے ساتھ مدعو کیا۔ ملک احمد سلطان کو آداب بجا لایا، تعزیت کی اور فاتحہ پڑھ کر ڈیری کو لوٹ آیا۔ دوسرے دن پھر حاضری کا موقع دیا۔ ملک احمد ابھی سلطان کے پاس سے واپس نہ آیا تھا کہ میر ہندا ملک احمد کی قیامگاہ پر آیا۔ ملک احمد کے آدمیوں نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی مگر وہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹھ کر اپنے آدمیوں سے اشتعال انگیز باتیں کرنے لگا۔

میر ہندا نے ملک احمد کے لوگوں سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم یوسف زئی سوات پر قبضہ کرنے کے خیال میں ہو۔ ایسا بھی کوئی تم میں جوان مرد ہے جو میرے مقابلے میں آجائے۔ ملک احمد کے آدمیوں نے، ملک احمد کے پاس خاطر سے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر وہ برابر اسی طرح لاف زنی کرتا رہا۔ اس کا غصہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتا گیا اگرچہ یوسف زئی اس بات سے انکاری رہے اور اس کی تعریفیں کرتے رہے، لیکن اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

آخر یوسف‌زئی کے ایک بہادر اور جواں مرد کریم‌داد بن عثمان ابازئی یوسف زئی سے ضبط نہ ہوسکا۔ میر ہندا سے کہنے لگا کہ ہم تو سوات کا خیال دل میں نہیں رکھتے اور جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر یوسف زئی یہاں آئے تو یہ کردوں گا وہ کردوں گا تو اس کا فیصلہ تم ابھی کرسکتے ہو۔ میں ایک عام یوسف زئی ہوں۔ میں اسی وقت تمہارے مقابلے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر دوسرے ساتھیوں نے کریمداد سے غصے سے کہا کہ تم خاموش رہو یہ جو کچھ کہنا چاہے کہے۔ اس پر میر ہندا اور غضبناک ہوا اور اسے گالیاں دیں کہ اے کتے گوجر! تمہاری یہ جرأت! تم میرے مقابلے پر آؤ گے۔ میر ہندا کے نوکر بھی ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے مگر میر ہندا نے انہیں منع کیا کہ

سلطان برا مان جائے گا ۔

میر ہندا ابھی یہیں موجود تھا کہ ملک احمد کے ساتھیوں کے لیے سلطان کی طرف سے خوان آگیا ۔ لانے والے خدمت گاروں نے از روی ادب میر ہندا کے روبرو رکھ دیا ۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چند لقمے لے لیے اور پھر حکم دیا کہ یہ چاول زمین پر گرا دو ۔ خدمت گاروں نے چاول باہر صحن میں پھینک دئے ۔ میر ہندا اٹھ کر چلا گیا ۔ اس کے جانے کے بعد ملک احمد کے ساتھیوں نے اٹھ کر چاول اپنے اپنے دامن میں بھر لیے اور شوق سے کھالیے ۔ انہوں نے اس بات کو نیک فالی پر محمول کیا کہ ہندا نے تکبر اور غرور کر کے سوات کے چاول زمین پر گرا دیئے اور ہم نے اکٹھے کر لیے ، انشا اللہ تعالیٰ اسی طرح سوات ان کے ہاتھ سے نکل کر ہمارے قبضے میں آئے گا ، کیونکہ انہوں نے اپنا کاسہ خود زمین پر انڈیل دیا ۔

یہ لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے اور چاول کھا ہی رہے تھے کہ ملک احمد سلطان سے روانگی کی اجازت لے کر اپنے ڈیرے میں آپہنچا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے حقیقت حال بیان کی ۔ ملک احمد نے کہا کہ حقیقت معلوم ہوگئی ۔ چلو اب گھر چلیں ، خدا ہمیں ضرور سوات دے گا ۔ چنانچہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے ۔

سوات سے آنے کے بعد ملک احمد نے یوسف زئی کے بڑے بڑے سرداروں اور مشیروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ سوات کے راستوں کی حقیقت ہمیں معلوم ہوگئی اور سلطان کے حالات کا علم بھی ہوگیا ۔ اب تاخیر و تعطل کے بغیر لشکر کو اکٹھا کرو اور سوات پر چڑھائی کردو ۔ اللہ ہمیں سوات دے دیگا ۔ یہ مشورہ سب کو پسند آیا ۔ کامیابی کے لیے دعا مانگی گئی ۔ دوآبہ

سے لے کر مورا نامی پہاڑ تک کے تمام علاقوں سے لشکر بلا لیا گیا اور مورا کے دامن میں ڈیرہ ڈال دیا ۔ مورا کی چوٹی پر میر ہندا کی چوکی بیٹھی ہوئی تھی اور مالاکنڈ کی چوٹی پر شاہ اویس اور فرخ زاد کی چوکیاں بھی قائم تھیں ۔ یہ تینوں امیر کبیر تھے ۔ یوسف زئیوں نے کئی بار مورے کی چوٹی پر حملہ بولا مگر چونکہ چوکی بہت محکم اور چوٹی سخت ناہموار اور بلند تھی اور راستے میں دشوار گزار گھاٹیاں تھیں ، جس کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے ۔ کم و بیش دو ماہ تک اسی جگہ ڈیرے ڈالے رہے ۔ آخر اسی راستے سے نا آمید ہو کر مالاکنڈ کی چوٹی کے لیے جاسوس بھیجے ۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ غافل اور بےخبر ہیں اور راستہ بھی ہے ، اس پر قبضہ کرنا آسان ہے ۔

اس پر ملک احمد اور شیخ ملی اور ملک قرہ نے حکم دیا کہ رات کے پہلے پہر میں مالاکنڈ کی چوٹی پر دھاوا بولو اور کسی قدر آدمی ڈیرے میں چھوڑ دو ، جو جابجا ڈیروں میں آگ جلاتے رہیں تاکہ مورے کی چوکی والے یہ سمجھیں کہ لشکر یہاں مقیم ہے ۔

چنانچہ کچھ لوگ ڈیروں میں رہ گئے جو آگ جلاتے رہے ، باقی لشکر نے کوچ کرنا شروع کر دیا ۔ ساری رات چلتے رہے ۔ تاآنکہ صبح کے وقت مالاکنڈ کی چوٹی کو سر کرلیا ۔ شاہ اویس اور اس کی چوکی خواب غفلت میں محو تھے ۔ لشکر نے چڑھ کر چوکی والوں کو قتل کر دیا ۔ شاہ اویس اور فرخ زاد دونوں بھاگ کر تھانہ پہنچ گئے ۔ میر ہندا کو بھی خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی نے مالاکنڈ کی چوٹی سر کرلی ہے اور ادہر آرہے ہیں ۔ اس لیے وہ بھی وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر تھانہ آگیا اور تھانے کی حفاظت میں لگ گیا ۔

یوسف زئیوں نے جب مالاکنڈ کی چوٹی سر کرلی تو چھ سات

میل (دوہ کروہہ) آگے جاکر ڈاگی (موضع) میں ڈیرے ڈال دیئے - اس مقام کو آس پاس کے کثرت دیہات (اور مرکز) کے سبب "بخار" شہر بھی کہتے ہیں - یہ ہموار میدان ہے اور ساتھ دریا بہتا ہے -

سلطان اور سوات کی رعایا کو جب خبر پہنچ گئی تو نہایت ہراساں ہوگئے اور کہنے لگے کہ "بلا" سوات میں گھس آئی - اب اس کا دفعیہ مشکل ہوگیا - اس کے بعد سلطان اپنے جملہ آمرا اور رعایا کے ساتھ موضع تانڑہ میں مقیم ہوگیا اور تانڑہ "خار" سے جہاں یوسف زئی کا لشکر اقامت گزیں تھا ، تخمیناً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے - "خار" کی آب و ہوا بہت اچھی اور علاقہ ہموار ہے اور سوات کا ایک تہائی حصہ اس سے تعلق رکھتا ہے -

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی چوٹی کو سر کر کے نیچے اتر گئے تو چوٹی کے نیچے 'ملکوت' نام کا ایک سنگین قلعہ تھا - جس میں چوکی والے سامان رسد کا ذخیرہ رکھتے تھے اور کھانے پکانے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے - یوسف زئیوں نے اسے غارت کر دیا - یہاں سے بہت سا مال و اسباب ان کے ہاتھ لگا - یوسف زئی اسی طرح آگے بڑھتے رہے اور سواتیوں کے دیہات کو جو ہر طرف آباد تھے ، تاخت و تاراج کرتے رہے - اسی طرح دوسرے دیہات کو بھی تباہ کرتے رہے - البتہ جو کوئی آکر اطاعت قبول کرلیتا تھا اسے امان دے دیتے تھے -

کہتے ہیں کہ جب یوسف زئی نے "خار" پر قبضہ کرلیا تو گویا تہائی سوات ان کے تصرف میں آگیا - اس لیے دوسرے یوسف زئی پیچھے سے اپنے اثاثے لے کر آتے اور مقبوضہ حصہ سوات میں آباد ہوتے جاتے اور سوات کی رعایا کو تسلی و تشفی دیتے تھے ، جس کی وجہ سے لوگ واپس آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہونے لگے - اس طرح سے ہر گاؤں میں چند گھر یوسف زئی کے ہوگئے - باقی سوات کے لوگ

سئے تھے ۔ یہ بہار کا موسم تھا ۔ یوسف زئی سوانوں کی چیزیں کھاتے تھے اور فصلوں میں گھوڑے چراتے تھے ، سارا لشکر اللہ ڈنڈ اور شینکر گاؤں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ۔ سلطان اس وقت تھانے میں مقیم تھا اور جنگ کی تیاری کررہا تھا ۔ جب یوسف زئی نے اپنے گھوڑوں کو تازہ دم کرلیا تو لشکر جنگ کے ارادے سے کوچ کرتا ہوا تھانے کے قریب پہنچ گیا ۔ اس طرف سے سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر تھانے سے ڈیڑھ میل آگے بڑھ آیا ۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا ۔ جنگ میں سلطان کے لشکر کو شکست ہوئی ۔ یوسف زئی اس کا تعاقب کرتے ہوئے تھانے سے مشرق کی جانب بارہ میل آگے دریا کے ترہنگ نامی گاؤں تک چلے گئے اور سلطان کا لشکر نہایت خراب و خستہ حالت میں ترہنگ میں داخل ہوا - راستے میں بہت سے لوگ قتل ہوئے ۔ مال و اسباب غارت ہوگیا ۔ ترہنگ سے یوسف زئی لوٹ کر پھر تھانے میں آکر مقیم ہوگئے ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں جب سلطان نے شکست کھائی تو اس کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی ۔ یوسف زئی کا لشکر ان کا پیچھا کرتا رہا ۔ سلطان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ صحیح راہ کھوکر غلط راستے پر جاپڑا اور لنڈاکی میں جو ترہنگ گاؤں کے بالمقابل دریا کے اس پار ہے ، لشکر سے جدا ہوکر ترہنگ چلا گیا ۔ وہاں سے "سوی کلی" کی چوٹی کے راستے دمغار ہوتا ہوا منگلور پہنچ گیا ۔

سلطان جب لنڈاکی میں راستہ کھو گیا ۔ خوف اور پریشان حالی میں شمال کی طرف دریا پار کرکے ملک حسن متراوی کے گاؤں میں داخل ہوگیا ۔ ملک حسن متراوی اس کا دشمن تھا ۔ علاقہ بھی اس کا الگ تھا اور ہمیشہ سے سلطان کا مخالف تھا ۔ اس لیے سلطان بہت سراسیمہ ہوا کہ ایک بلا سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت میں

پھنس گیا ۔
متراوی سواتیوں میں ایک بہت بڑا قبیلہ ہے ۔ یہ لوگ اصل اور شجاعت میں اپنے آپ کو سواتیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور متراویوں کے ماہرین انساب کا خیال ہے کہ وہ بھی ذات کے یوسف‌زئی ہیں۔
ان کا یہاں آنا اس طرح ہوا کہ قدیم زمانے میں ہمارے بزرگ قندہار کی حدود میں موضع 'گاڑک' اور نشک میں آباد اپنی قوم یوسف زئی سے حوادثات زمانہ کے سبب الگ ہوگئے اور یہاں آ کر متوطن ہوگئے اور ہم ان کی اولاد میں سے ہیں ۔
بہرحال سلطان نے اس خوف سے کہ کوئی متراوی اسے نہ دیکھے ورنہ قتل کر دے گا ۔ اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑ کے دائیں طرف ایک درے پر ہولیا جسے بت بھٹ کہتے ہیں اور کفار کے (ہندوؤں) کے زمانے سے وہاں بکثرت بت پڑے ہوئے تھے۔ جب وہاں یوسف زئی کا غلبہ ہوگیا تو انہیں توڑ ڈالا ۔ یہ جگہ انبوہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے ۔
اس راستے پر سلطان جہاں تک سوار جاسکتا تھا ، سوار ہو کر گیا اور جب گھوڑے کے جانے کا امکان ختم ہوگیا تو اتر پڑا اور گھوڑا چھوڑ دیا ۔ ہتھیار اور شاہی لباس وہاں اتار پھینکا اور پیدل درے میں چڑھتا رہا ۔ تیسرے دن نہایت خراب اور خستہ حالت میں تھکا ماندہ گھر پہنچ گیا ۔ گھر والے اسے رو پیٹ کر بیٹھ رہے تھے ۔ سویم کی رسوم یعنی تیسرے دن کی خیرات و فاتحہ بھی ہوگئی تھی ۔ گھر والوں کو جب کئی دن تک اس کی خبر نہ ملی تو انہوں نے یہی خیال کیا تھا کہ جنگ میں کام آیا ۔ اب وہ زندہ گھر پہنچا تو لوگ بہت خوش ہوئے ۔
کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان کے بہت سے عزیز و اقارب اور امیر مارے گئے ۔ منجملہ ان کے شاہ اویس اور فرخ زاد اور میر سنجو

سواتی وغیرہم بڑے بڑے نامور اور مشہور امیر تھے - ان کے علاوہ بےشمار رعایا اور عوام و اشراف مارے گئے تھے - بلکہ کہا جاتا ہے کہ میر ہندا کے علاوہ دوسرا کوئی امیر زندہ نہ رہا۔ اس جنگ کو "جنگ ٹالڑہ (تھانہ)" کہتے ہیں - اور نیز معلوم رہے کہ جس وقت سلطان اپنے لشکر سے جدا ہو کر پریشان حال بھاگ رہا تھا تو یوسفزئی کے چند سواروں نے اسے دیکھ لیا اور اس کے تعاقب میں چلے گئے' مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ سلطان ہے جب کچھ دور تک گئے تو سب نے دیکھا کہ وسط راہ میں سونے کی دو خوبصورت بالیاں ایک رومال میں بندھی ہوئی پڑی ہیں - یہ بالیاں سلطان نے اپنے کانوں سے نکال کر رومال میں باندھ کر اس خوف سے گرا دی تھیں کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ سلطان ہے تو قتل کر دیگا سوار رومال دیکھ کر اتر پڑے اور اسے اٹھا لیا - کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی دو بالیاں تھیں - اس اثناء میں سلطان بہت دور نکل گیا۔ اس کے آگے پھر متراویوں کی بستیاں تھیں - چنانچہ یوسفزئی سوار وہاں سے واپس لوٹ کر اپنے لشکر سے آ ملے -

کہا جاتا ہے کہ تمام سلاطین سوات کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا تھا تو اس کے دونوں کانوں میں سونے کی دو بالیاں ڈال دی جاتی تھیں - سلطان کے علاوہ کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہن سکے - یہ سلطان کا خاص امتیاز تھا - بڑے بڑے امراء چاندی کے حلقے کانوں میں ڈالتے تھے - ابتدا میں جب یوسفزئی سوات پر قابض ہوئے تو وہ بھی اسی دستور کے مطابق اپنے کانوں میں سونے کے حلقے ڈالنے لگے - مگر وہ کشمیریوں کی رسم کے مطابق خوبصورت اور منقش ہوتے تھے' خصوصاً منڈڑ میں اکثر بہزاد خیل صدوزئی ڈالتے تھے اور یوسف ناموں میں اکثر اکوزئی خصوصاً آساخیل ملی زئی ڈالا کرتے تھے اور دوسری بات یہ واضع رہے کہ اس لڑائی میں

جب جانبین کی صفیں مقابل آ گئیں ۔ کریم‌داد ابن عثمان الیاس‌زئی اپازئی نے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ، میر پندا کو سلطان کی صف میں دیکھا تو فارسی میں اسے یوں للکارا کہ ۔

اے میرپندا ! اگر تم مرد ہو اور جنگ کا خیال رکھتے ہو تو آ جاؤ میں حاضر ہوں ۔ اس زمانے میں یوسفزئی لوگ نئے نئے کابل سے آئے تھے ۔ فارسی خوب بولتے تھے ، پس جب میر پندا نے کریم داد کی للکار سنی تو اپنے ساتھیوں سے الگ ہوکر میدان میں نکل آیا ۔ دونوں نے فارسی زبان میں دعوت جنگ دی کہ تم پہلے وار کرو ، دوسرا کہتا تھا نہیں تم پہل کرو ۔ آخر دونوں نے نیزے کے دو دو وار کیے مگر دونوں زرہ پوش تھے اس لیے کوئی بھی زخمی نہ ہوا ۔

کہتے ہیں کہ میرپندا نے زرہ کے اوپر قبا پہنی تھی ۔ کریم‌داد جب نیزے کا وار کرتا قبا میں سے روئی نکال لیتا ۔ نیزہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا ۔ اس اثنا میں دونوں لشکر بھی برسر پیکار ہو گئے ۔ ابھی ایک دوسرے پر دو دو ہاتھ بھی نہ اٹھائے پائے تھے کہ سلطان کا لشکر شکست کھا گیا ۔ میر پندا بھاگنے لگا تو کریم‌داد نے اسے آواز دی کہ اے میرپندا ! مت بھاگو ، بھاگنا مردوں کو زیب نہیں دیتا ۔ تم لاف‌زنی کرتے تھے ، مگر میرپندا کہاں ٹھیرنے والا تھا ، بھاگ کھڑا ہوا ۔ کریم‌داد دو تین میل تک اس کا تعاقب کرتا رہا اور وار کرتا رہا مگر اس پر اثر نہیں ہوتا تھا ۔ آخر کریم‌داد نے نیزے کی انی اس کی زرے کے گریبان کے اندر کر دی اور بہت زور لگایا کہ میرپندا گرجائے مگر وہ نہ گرا ، کیونکہ اس کا گھوڑا بہت عمدہ تھا اور وہ خود بھی قوی ہیکل شخص تھا ۔ اس کے مقابلے میں کریم‌داد سبک اندام تھا اور

اس کے گھوڑے نے تازہ خوید * کھائی تھی ، اس میں اتنا زور اور اتنی قوت نہ تھی ۔ اسی طرح یہ دونوں آگے چلتے رہے ۔ جب ہموار زمین سے نکل کر دریا کے قریب خراب اور ناہموار جگہ پر پہنچ گئے تو میرہندا کو گر جانے کا خطرہ پیدا ہوا ۔ اس نے اپنے ایک پیادے سے جسے ' ہفت منی ' کے نام سے پکارتے تھے اور ذات کا مغل تھا کہا کہ اے ہفت منی یہ سوار تو مجھے نہیں چھوڑتا نظر آتا ۔ ہفت منی نے اس پر تیر چلایا جو برہنہ جگہ پر ایسا لگا کہ کریم داد گھوڑے سے نیچے گر گیا اور وہیں مر گیا اور کریم داد کے نیزے کی آنی میرہندا کی زرہ میں اٹک رہ گئی تھی ۔ اسے کچھ آگے جا کر نکالا ۔ یوسفزئی میں کریم داد کے علاوہ اور کوئی نامور آدمی اس لڑائی میں نہیں مارا گیا۔

یوسفزئی نے اس جنگ کی بدولت سوات کے تہائی حصے پر قبضہ کر لیا اور ہر کسی نے سمجھ لیا کہ یوسفزیوں کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے اور سلطان کے اقتدار کے سورج کو گہن لگ چکا ہے اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ یوسفزئی ان دنوں بڑے خوش اخلاق اور نیک معاش تھے، اس لیے لوگ چاروں اطراف سے آ کر ان کے مقبوضہ سوات میں آباد ہونے لگے ۔ ان کے پہلو بہ پہلو ہر گاؤں میں یوسفزئی کے چند گھرانے آباد ہوتے رہے ۔

سوات کا ایک تہائی حصہ جس پر سلطان اور ملک حسن متراوی کا قبضہ تھا ۔ اس کی صورت یہ تھی کہ سوی کلی کی چوٹی سے اوپر خزرینہ اور منگلور تک سلطان کے قبضے میں تھا اور شاہ میلے کی چوٹی سے لنڈاکی اور مورے تک جو آبی اور سر سبز علاقہ تھا حسن متراوی کے زیر تصرف تھا ۔ یوسفزئی کا لشکر خار ، تھانہ ، چکدرہ اور راسوڑہ میں پڑا

* گندم اور جو کی تازہ آگی ہوئی فصل جس کے پودے نرم اور کچے ہوتے ہیں اور جس میں غذائی قوت کم ہوتی ہے ۔

ہوا تھا ۔ اور ہمیشہ سلطان کے زیر نگین دیہات پر شبخون مارتا ، دھاوے بولتا اور قید و بند اور قتل و غارت میں دریغ نہ کرتا تھا ۔ دیہات جلاتا اور تباہ و برباد کر دیتا تھا ۔ لیکن متراویوں کے علاقے سے کوئی تعرض نہ کرتا تھا ۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ سلطان کا ملک مسخر کرلیں تو اس طرف متوجہ ہوں ۔ یک وقت دونوں طرف دست اندازی مناسب نہیں تھی ۔

کچھ دنوں کے بعد یوسفزیوں کا لشکر منگلور کی طرف روانہ ہو گیا دمغار سے آگے حسین ڈیری کے راستے سے آگے بڑھ کر صلاح و مشورہ کیا یوسف نامے نے کہا کہ یارو ! منگلور کا قلعہ سخت سنگین ہے ۔ راستہ تنگ اور سلطان بذات خود اس میں مقیم ہے ۔ لشکر بھی اس کا بہت زیادہ ہے ، اس پر قبضہ کرنا بہت مشکل ہے ۔ ہم اپنے آپ کو ان کے نرغے میں دے دینگے اور کچھ بھی نہ کرسکیں گے ۔ اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ منگلور نہ جائیں اور کبھی ایک سرے اور کبھی دوسرے سرے کے دیہات پر دھاوا بولتے رہیں ۔ اس سے وہ خود بخود تنگ آ جائیں گے ۔ مگر منڈڑ اس بات کو سننے کے لیے تیار نہ تھے انہیں منگلور چلنے پر اصرار تھا ۔

آخر منڈڑ دریا سے اتر گیے ۔ کہتے ہیں کہ منگلور جانے کے لیے زیادہ زور الکی بن بہزاد منڈڑ صدوزئی لگا رہا تھا اور وہی پہل بھی کر رہا تھا ۔ جو ملک قرہ کا حقیقی بھائی اور نامور شہسوار تھا آخر منڈڑ تنہا روانہ ہو کر منگلور پر حملہ آور ہوگئے اور قلعہ کے باہر شہر منگلور کو تاراج کیا ۔ لوگوں کو تہ تیغ اور پابند سلاسل کیا ۔ مگر سلطان قلعے سے باہر نہ نکلا ۔ دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے گیے تھے اس لیے قلعے پر منڈڑ کا کوئی قابو نہیں چلتا تھا بالآخر لشکر اسی دن وہاں سے لوٹ کر دمغار آگیا ۔ من چلے نوجوان شکار کے طریق پر ہمیشہ

جاتے اور سلطان کے گرد و نواح کے دیہات پر دھاوے بولتے ۔ آخر چند دن قیام کرنے کے بعد سارا لشکر دمغار سے کوچ کر کے تھانے آ گیا ۔ اب سلطان کی طرف سے یوسفزئی کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہا ۔

کہتے ہیں کہ انہی ایام میں عید آ گئی ۔ اکثر نوجوان میدان میں نکل کر تماشے کرنے لگے ۔ سوار نیزہ بازی کر رہے تھے ، اسی اثنا میں بعض سر پھرے نوجوان شکار اور دھاڑا ڈالنے کے طریق پر بغیر پوچھے اور بزرگوں سے مشورہ کیے بغیر تالاش گئے ۔ تالاش تھانے سے شمال کی جانب ۱۶/۱۵ میل کے فاصلے پر دریائے سوات کے اس پار اور ۸ میل دریائے پنجکوڑے سے اس طرف دونوں دریاؤں کے بیچ میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ۔ بڑا زرخیز علاقہ ہے ۔ پہاڑ کی چوٹی پر کفار کے عہد کا قلعہ ہے ۔ قلعے کے سامنے اثار کے باغات ہیں تالاش کے میدانی علاقے میں اس وقت دھکان* کافر رہتے تھے ۔ جو شجاعت میں مشہور تھے ۔ ان کے اشراف و اعیان قلعے میں رہتے تھے اور رعایا سب کی سب نیچے بستی تھی ۔ یوسفزیوں کا یہ دھاڑا وہاں پہنچا اور تالاشیوں کے مویشی کو پکڑ کر ہانکنے لگا ۔ کچھ سواروں کو تو ان کے پیچھے لگایا اور تجربے کار شہسوار دنبال میں رہ گئے ۔ تالاشیوں کو پتا چل گیا وہ اپنے مویشیوں کو چھڑانے کے لئے دوڑ پڑے ۔ وہ چاہتے تھے کہ 'کاٹ گلہ' کے درے تک پہنچ کر ان کی ناکہ بندی کر لیں ۔ کاٹ گلے کا درہ وہ ہے جہاں تالاش کے دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں ۔ یہ انتہائی دشوار گزار اور سخت راستہ ہے ۔ تالاشیوں کا خیال تھا کہ یہاں ان کی ناکہ بندی کر کے اپنے مویشی ان سے چھڑا لیں گے ۔ مگر وہ وہاں پہنچے تو یوسفزئی کے سوار مویشی وہاں سے گزار کر آگے نکل گئے تھے ۔

جب تالاشی کاٹ گلے کے میدان میں پہنچے تو یوسفزیوں کے

* دہکان ، نسلی یا مذہبی نام نہیں بلکہ ایرانی القاب تھے (روشن خان)

سواروں سے ان کی مدبھیڑ ہوئی ۔ جب اس مقام سے گزر کر ادھر آ گئے تو وہاں رباط نام کا ایک مقام ہے ، جس میں مکانات پختہ اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں اور پرانی آبادی ہے ۔ ایک بلند تودہ پر جس کے نیچے ایک عمیق خشک ندی ہے ۔ ایک پیادہ تالاشی محمود بن شاہان یوسفزئی ، اکوزئی ، ابازئی کے تعاقب میں پہنچ گیا اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ۔ محمود چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر گیا ۔ دونوں کشتی لڑتے لڑتے نیچے ندی میں گر گئے ۔ مگر اللہ نے محمود کو اس کے اوپر کر دیا ۔ محمود نے چھری نکال کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دی اور اسے جان سے مار ڈالا اور چاندی کے دو حلقے اس کے کانوں سے نکال کر پھر گھوڑے پر سوار ہوگیا اور اپنے سواروں سے آ کر مل گیا اور سب مل کر درے میں داخل ہوگئے ۔ مگر تالاشیوں نے پھر ناکہ بندی کرلی تھی ۔ جسے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یارو ! محصور ہوگئے ، مردانگی کرو ، وقت مردانگی ہے ۔ اس طرح اکثر سوار اوپر چڑھ کر پہاڑ کی طرف سے نیچے آگئے اور بعض شاہراہ پر درے میں داخل ہو گئے اور پھر سب نے مل کر تالاشیوں پر ہلہ بول دیا ۔ بہت سوں کو تہہ تیغ کیا ۔ کپڑے اور اسلحہ چھین لیا اور صحیح و سلامت درے سے نکل کر اپنے لشکر سے آ ملے ۔

کہتے ہیں کہ مذہد بن ملک قرہ بن بہزاد مدوازئی منڈڑ، خان کجو کا حقیقی بھائی جو شجاعت میں بے نظیر اور نہایت حسین و جمیل نوجوان تھا ۔ ایک عمدہ عراقی مشکی گھوڑے پر سوار تھا ۔ اسی اثنا میں اس نے شمال کی جانب سے پہاڑ کے قریب ایک تالاشی پر وار کیا ۔ اس نے نیچے درے میں چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اوپر چڑھ کر بھاگنے کا قصد کر رہا تھا کہ مذہد نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا ۔ گھوڑے نے اتنی بڑی چھلانگ لگائی کہ درے کے

دوسرے کنارے پر اگلے پاؤں چٹان میں اٹک گئے ، اسی حالت میں تالاشی کے ایسا نیزہ مارا کہ نیزہ آر پار نکل گیا ۔ اسی اثنا میں اسماعیل بہزاد خیل جو مذید کا قریبی رشتہ دار تھا ۔ اس کی مدد کے لئے آ پہنچا اور شمشیر مار کر تالاشی کو ہلاک کر دیا ۔ مذید نے جب دیکھا کہ اس کا گھوڑا چٹان کے ساتھ آدھا اوپر اور آدھا نیچے لٹکا ہے تو چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا اور اوپر چھڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اوپر چڑھایا اور سوار ہو کر اپنے سواروں کے پیچھے چلا گیا ۔ کاٹ گلے کے جس درے میں مذید کے گھوڑے نے جست لگائی تھی اس کے دونوں کناروں کا فاصلہ اکبری گز سے نو گز ہے ۔ اس جگہ دونوں طرف پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو اب تک عیاں و نمایاں ہیں اور اس جگہ کو ابھی تک '' گھوڑ تڑپ '' کہتے ہیں ۔

الحاصل وہ دھاڑا فتح و ظفر کے ساتھ تھانے واپس آ گیا ۔ مال و مویشی بہت سا ، لے آئے جس پر ملک احمد نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ۔ اس کے بعد جب سلطان اور متراویوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو لشکر کو رخصت کر دیا ۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوا اور تالاشیوں کا رہنا بھی اب ان کے بس کا کام نہ رہا اس لئے وہ بھی گھر بار چھوڑ کر تالاش سے نکل کر پنجکوڑے کے دروں میں داخل ہو گئے اور علاقے کو خالی کر دیا ۔ اس طرح تالاش کا علاقہ بھی یوسفزئی کے تصرف میں آگیا اور وہ وہاں متوطن ہو گئے جب یوسفزیوں نے سوات کے دو تہائی حصے پر اپنا تصرف جما لیا تو باقی سب ' سمہ ' کو واپس آ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور پوشیدہ نہ رہے کہ اس وقت جب کہ مرزا الغ بیگ نے یوسفزیوں پر بہت مظالم ڈھائے اور انہیں جلا وطن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل کیا ۔ اس کی دونوں رانوں میں مہلک پھوڑے نکلے اور بے انتہا

مصیبتوں اور بے حد سختیوں میں مبتلا ہو کر مرا *

اس کے کچھ عرصے بعد حضرت ظہیرالدین محمد بابر انارللہ برہانہ بادشاہ ہوا اور کابل سے لغمان ، جلال آباد ، لنگر ھار ، پشاور ، دوآبہ اشنغر اور نیلاب کے تمام ممالک اپنے اثر میں لے آیا ۔ یوسفزئی بھی بظاہر اس کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے ۔

محمد بابر بادشاہ کا ملک احمد کو طلب کرنا اور اس کا جانا ۔

کہتے ہیں کہ یوسفزیوں نے بادشاہ کے لئے پیشکشیں اکٹھی کر کے ملک احمد کو دیں اور ملک محمود بن یحیی اکو زئی علاؤالدین زئی جو اس وقت کا مشہور سردار تھا اور چند دوسرے

* مرزا الغ بیگ کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا ۔ چند اہم تاریخیں یہ ہیں ان سے یوسف زئی کے کابل سے نکلنے اور پشاور پہنچنے کے زمانے کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے ۔ تیمور کی وفات ۸۰۷ھ کے بعد مرزا پیر محمد ابن مرزا جہانگیر کابل کا بادشاہ بنا ۔ جو ۸۰۹ھ میں وفات پا گیا ۔ اس کے بعد سیور غتمش کابل کا بادشا بنا جو ۸۳۰ھ میں وفات پا گیا ۔ اس کے بعد امیر شیخ علی مغل کابل کا بادشاہ بنا ۔ اس کے بعد حکومت مرزا ابو سعید کے ہاتھ آئی جو ۸۷۳ھ میں وفات پا گیا ۔ اس کی وفات پر اس کے بیٹے مرزا الغ بیگ کو کابل کا بادشاہ بنایا گیا جس نے ۹۰۷ھ میں کابل میں وفات پائی ۔ اواخر ۹۰۷ھ میں محمد مقیم بن امیر ذالنون نے کابل پر قبضہ کیا اس کے بعد ظہیرالدین بابر نے اواخر ربیع الثانی ۹۱۰ھ میں کابل کو فتح کیا ۔ بحوالہ سالنامہ کابل ۱۹۳۳ع ص ۲۵ و ۱۶۰ (روشن خان)

یوسف زئی نوجوان اس کے ساتھ روانہ ہوگئے ۔ سمے سے نکل کر سوات چلے گئے ۔ پھر اسی راستے سے چل کر سلطان شہی پہنچے اور ملک مبارک ابن پائندہ اکو زئی ملی زئی کے مہمان ہوئے ۔ یہاں چار بھائی جو میراثی تھے اور خونیداد (ڈوم) کے فرزند تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سرکین ، دوسرے کا درویش ، تیسرے کا آدو اور چوتھے کا نام جونا تھا ۔ آدو اور جونا دونوں نے اس رات کو ملک احمد کی خوب خدمت کی اور ساری رات سرود بجا کر اسے محظوظ کیا ۔ آدو بہت خوش آواز اور خوبرو ہونے کے ساتھ ذی راگ بھی تھا ۔ ملک احمد اس پر فریفتہ ہوگیا ۔ صبح کو ملک احمد نے سرکین سے جو اس کا بڑا بھائی تھا کہا کہ آدو کو اجازت دو کہ یہ میرے ساتھ سفر کرے ۔ اگر خدا مجھے خیر و عافیت سے لے آئے تو میں اس کے ساتھ بہت بھلائی کروں گا ۔ سرکین نے خوشی سے آدو کو ملک احمد کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ۔ وہاں سے اسی صبح کو تنگی ، کاٹ‌کلہ اور تالاش کے راستے روانہ ہوکر تری کے گزر پر دریائے پنجکوڑہ کو عبور کر کے باجوڑ پہنچ گئے ۔ وہاں باجوڑ کے یوسف زئیوں کے یہاں اقامت کی ۔ پھر وہاں سے روانہ ہوکر ناوگئی کے راستے کابل گئے اور بادشاہ کی ملازمت حاصل کی ۔ اور ظاہری مراحم سے سرفراز کئے گئے ، مگر باطن میں اس کی نیت بہت خراب تھی ۔

جس کا سبب یہ تھا کہ ننگرہار ، پشاور اور کلپانڑی کے دلزاکوں کے ملکوں نے جو بادشاہ کی نہایت وفادار رعیت تھے ، بادشاہ کے حضور میں یوسف زئی کے خلاف استغاثہ پیش کیا تھا کہ انہوں نے باجوڑ کی لڑائی میں ملک ھیبو کو قتل کیا ہے اور چوہڑ بن کھمبل دلزاک اور چند دوسرے نامور دلزاک کو سچنی کی لڑائی میں قتل کر کے ان کے اکثر علاقے اپنے قبضے میں کر لیے ہیں ۔ یہ لوگ مستقبل میں بھی ان کی

ترقی سے خوف کھاتے تھے کہ باقی ماندہ علاقے بھی ان سے چھین لیں گے ۔ اس لیے رات دن ان کے خلاف بادشاہ سے چغلیاں کھاتے تھے اور بادشاہ کے وکیلوں اور امیروں کو رشوتیں دیتے تھے کہ ملک احمد کو قتل کر دیں ۔

کہتے ہیں کہ دلزاکوں نے بادشاہ کو ستر ہزار روپیہ اس شرط پر دینا قبول کیا تھا کہ وہ ملک احمد کو قتل کر دے اور قتل کرتے وقت اسے بات کرنے نہ دے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک احمد خوش تقریر اور طوطی جیسا خوش بیان ہے باتوں باتوں میں بادشاہ سے گلو خلاصی حاصل کرلے گا اور بادشاہ نے بھی ملک احمد کی اسی صفت کا شہرہ سن کر اسے بلایا تھا ۔ اس زمانے میں گگیانی اور محمد زئی کابل میں رہتے تھے اور ترکلانی لغمان میں ۔ ترکلانی ملک احمد کے دوست اور خیر خواہ تھے ۔ چنانچہ جس وقت بادشاہ ملک احمد کے نام فرمان بھیج رہا تھا ، ملک سرخابی اور ملک بلو خان ترکلانی دونوں حاضر تھے ، اس وقت ان دونوں نے بھی ملک احمد کو خط لکھا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں ، کسی قسم کا خطرہ دل میں نہ لاؤ ، آجاؤ بادشاہ تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کرے گا ۔

کہتے ہیں کہ گگیانوں کے دو ملک بھی ملک احمد کے خیر خواہ تھے ۔ ایک ملک احمد جو ملک احمد کا رشتہ دار تھا اور دوسرا ملک یحیول ابن شاہو ابن گند دونوں سڑبنی ہونے کے سبب ملک احمد کے ساتھ ہمدردی اور تنگ کرتے تھے ۔ ملک احمد ہمیشہ دربار جایا کرتا تھا ، سلام کرتا تھا اور بادشاہ بھی بظاہر مہربانی سے پیش آتا تھا ۔ اپنے پہلو میں بٹھاتا ، مگر دل میں غصے سے بھرا ہوا تھا ۔ رات دن اس کے قتل کرنے کی فکر میں تھا ۔ چنانچہ وہ رات بھی آن پہنچی جس کی صبح کو اسے قتل کرنا تھا ۔ دوستوں میں سے کسی

نے ملک احمد کو اطلاع دی کہ کل تمہارا مار ڈالنا مقرر ہے۔ ملک احمد نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور خفیہ مشورہ کیا۔ تمام رفقا نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم سب اپنے دستار باندھ کر تمہیں اس کے ساتھ لٹکا کر دوسری طرف باہر اتار دیں گے جب اتر جاؤ تو بھاگ جانا اور اپنی جان بچالینا۔ جب آپ نہ ہوں گے تو پھر بادشاہ ہمیں قتل نہیں کرے گا اور اگر قتل بھی کر دیا تو ہماری بلائیں اس کے پیچھے۔ ہمارے نابود ہونے سے قوم نہیں بگڑتی اور اگر آپ کو قتل کر دیا تو ہماری قوم خوار و ذلیل ہو جائے گی۔ ملک احمد نے کہا کہ فرض کرو دستار ٹوٹ جائے اور میں گر کر لنگڑا ہو جاؤں اور جگہ سے ہل نہ سکوں تو پھر کیا ہوگا؟ اور دستار بھی نہ ٹوٹے اور میں صحیح سلامت اتر گیا؛ مگر چوکی سے گزرتے وقت پکڑا گیا اور پھر واپس لے آئے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ ملک تاج الدین کے نام کی نسبت ہے، قدیم ایام سے آبا و اجداد سے بادشاہوں کے ساتھ ہمارا روزگار رہا ہے، اس لیے بھاگنا مجھے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے۔ سلیمان جیسا میرا تایا اسی کابل میں مرزا الغ بیگ کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ اگر بابر مجھے قتل کردے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بارے تم لوگ بھاگ جاؤ، اپنی جانیں بچاؤ، وقت ضائع مت کرو۔ چنانچہ اس کی رائے پر اسی رات کو اس کے تمام رفقا بھاگ گئے اور کابل میں جا بجا چھپ گئے اور ملک محمود ابتدا ہی سے کمال دینداری کے سبب قاضی کابل کے ہاں مقیم تھا۔ بادشاہ کو سلام تبعاً ملک احمد کے ساتھ کرتا تھا مگر بادشاہ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آدو مطرب اور ایک خدمت گار دونوں ملک احمد کے ساتھ اس کے ڈیرے میں رہ گئے۔

جب صبح ہوئی تو بادشاہ کے آدمی آگئے اور ملک احمد کو لے جانے لگے۔ ملک احمد جیسا کہ اسے رات ہی اطلاع مل گئی تھی،

سمجھ گیا کہ وقت قریب آگیا ہے۔ اب اسے جان سے مار ڈلنے کی غرض سے لے جایا جارہا ہے۔ اس دوران میں کابل کے سارے شہر میں خبر پھیل گئی تھی کہ ملک احمد کو قتل کرنے کے لیے لے جایا جارہا ہے۔ بازار سے جب گزر رہا تھا تو تمام لوگ اسے دیکھنے کےلیے جمع ہوگئے اور آپس میں کہتے کہ دیکھو ایسے شخص کو قتل کرنے کے لیے بادشاہ نے بلایا ہے۔ ملک احمد بھی دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں کو بھی میرے قتل کئے جانے کی اطلاع مل گئی ہے اور مجھے دیکھنے کے لیے کھڑے ہیں۔ اسی حالت میں ملک میری گگیانی جو ملک احمد کا خیر خواہ تھا اس کے سامنے آیا، بہت رویا اور کہا کہ جب دلزاک جیسے بدخواہ یہاں موجود تھے تو تم کس لیے یہاں آئے۔ ملک احمد نے کہا کہ میں آپ جیسے گگیانی اور ترکلانی دوستوں اور خیر خواہوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس لیے کوئی خوف دل میں نہیں لایا اور چلا آیا۔ تقدیر کی خبر نہیں تھی۔

کہتے ہیں ملک میری گگیانی اس سے پہلے بھی جب ملک احمد کو دیکھتا تھا تو تاسف اور حسرت کرتا تھا اور اسے ملامت کرتا تھا کہ آپ یہاں کیوں آئے، آپ کا یہاں آنا مناسب نہ تھا اور ملک احمد یہی کہتا تھا کہ تقدیر ہی ایسی تھی۔

الغرض ملک احمد دربار پہنچ گیا۔ بادشاہ غیض و غضب میں بھرا تیر و کمان ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ جونہی ملک احمد سامنے آئے تو تیر چلائے۔ آخر جب ملک احمد دربار میں پہنچا اور آداب بجا لایا تو بادشاہ نے کمان کھینچی اور تیر چلانا چاہا۔ ملک احمد سمجھ گیا کہ بات کرنے کی مہلت بھی نہیں رہی اس لیے فوراً قبا کے بند کھولے اور سینہ تان کر بادشاہ کے روبرو کھڑا ہوگیا۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو متحیر

و گیا ۔ کمان کو نیچے کیا اور پوچھا ۔
ے احمد ! یہ تم نے کیا کیا ؟

ملک احمد نے کہا خاطر میں جو آیا ہے کر گزریں ۔ پوچھنے
، کیا حاجت ہے ۔ بادشاہ نے اس سے پھر پوچھا کہ بند کھولنے
ے تمہاری غرض کیا تھی ؟ ملک احمد نے کہا کہ یہ میں ہوں ۔
ینہ برہنہ کیے کھڑا ہوں ۔ تیر چلائیے سبب پوچھنے کی ضرورت نہیں
بادا مرضی مبارک بدل جائے ۔ جب ملک احمد نے بادشاہ سے
ر چلانے پر اصرار کیا تو بادشاہ نے کہا جب تک تم مجھے اس
ز سے واقف نہیں کرو گے ، اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا ۔

آخر الامر ملک احمد نے کہا قبلۂ عالم ! ہر طرف سے خلقت
ھڑی ہوئی ہے اور تماشہ دیکھ رہی ہے کہ بادشاہ کس طرح تیر
ارے گا اور میں نے قبا پہن رکھی ہے اس لیے میرے دل میں یہ
طرہ لاحق ہوا کہ اگر بادشاہ کا تیر اس میں اٹک کر رہ گیا تو
ر کوئی بادشاہ کے وار پر دل ہی دل میں ہنسے گا ۔ اس لیے میں نے
ا کے بند کھول دئیے اور سینہ برہنہ کر کے کھڑا ہو گیا کہ بادشاہ
تیر میرے سینے کے پار نکل جائے اور ہر شخص حضور کے وار پر
رین اور شاباش کہے ۔

بادشاہ کو ملک احمد کی یہ تقریر بہت پسند آئی ۔ اس پر
ہربان ہوا اور کہا ۔ ملک احمد ! خدا کی قسم اب نہیں ماروں گا ۔
رے قریب آجاؤ ۔ اس کے بعد ملک احمد تسلیمات بجا لایا اور بادشاہ
ے قریب گیا ۔ بادشاہ نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی بہت آؤ
گت کی ، اسے تشفی اور تسلی دی اور پوچھا ملک احمد! بہاول لودھی
ان کیسا شخص تھا ؟ ملک احمد نے کہا جہاں پناہ وہ اسپ بخش تو
ی گھوڑے بخشتا تھا ۔ بادشاہ نے پوچھا اس کا بیٹا سکندر کیسا نوجوان

ہے؟ ملک احمد نے کہا وہ خلعت بخش ہے یعنی وہ خلعتیں بخشتا ہے ۔
پھر بادشاہ نے دریافت کیا اور میں کیسا آدمی ہوں ۔ ملک احمد نے
کہا کہ آپ سر بخش ہیں یعنی سروں کو بخشتے ہیں ۔ اس پر بادشاہ
اور بھی مہربان ہوا ۔ ملک احمد کو خود اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر
خلوت میں لے گیا اور جشن شراب نوشی کا آغاز کیا اور جب ساقی پیالے
لے آئے ۔ بادشاہ نے کچھ پیا اور باقی اپنے ہاتھ سے ملک احمد کو
دیا ۔ ملک احمد تسلیمات بجا لایا اور پیالہ لے کر پیا ۔ ساقی نے پھر
پیالہ لا کر بادشاہ کو پیش کیا ۔ بادشاہ نے کچھ نوش کیا اور باقی
پھر ملک احمد کو اپنے ہاتھ سے دیا ۔ ملک احمد نے لیا اور آداب
بجا لایا اور نوش کیا ۔ اسی طرح دور شراب چلتا رہا ۔ آخر الامر بادشاہ
پر سکر کی کیفیت طاری ہوئی وہ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگا ۔ آدو
مطرب نے سرود چھیڑا اور ملک احمد جو کہ فارسی گو ، فصیح اللسان
اور خوش آواز تھا ۔ اس نے بادشاہ کی مدح شروع کی اس پر بادشاہ نے
غایت مستی میں ملک احمد سے کہا کہ ملک احمد میں تمہارا مطرب
ہوں ۔ ملک احمد نے کہا کہ آپ میرے صاحب اور سارے جہان کے
بادشاہ ہیں ۔ بادشاہ نے پھر اسی طرح کہا ملک احمد نے کہا کے آپ
میرے بادشاہ اور میرے آقا ہیں ۔ اسی طرح چند مرتبہ دونوں کی طرف
سے ان باتوں کا تبادلہ ہوا ۔ آخر بادشاہ نے ملک احمد کا ہاتھ پکڑا
ملک احمد کے پاس اس وقت ایک اشرفی موجود تھی ۔ بادشاہ کے ہاتھ
میں رکھ دی ۔ بادشاہ نے لے کر تعظیماً و تکریماً اپنا ہاتھ سر پر رکھ
لیا ۔ زاں بعد بادشاہ نے اپنی قبا ، تلوار ، زر نگار اپنے گلے سے نکال کر
ملک احمد کو عنایت کیے ۔ ملک احمد شاہی آداب بجا لایا ۔ بادشاہ
کی عنایت کی ہوئی قبا خود زیب تن کی اور اپنی قبا اتار کر آدو
مطرب کو دے دی ۔

اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ ملک احمد اپنے دوسرے رفیقوں کو بلاؤ تاکہ انہیں بھی خلعتوں سے نوازوں اور انہیں گھروں کو رخصت کردوں ۔ ملک احمد نے اپنے ساتھی بادشاہ کے پاس بھیجے ۔ ملک محمود کو قاضی کے گھر سے اور باقیوں کو اقامت گاہ سے طلب کرکے حاضر کر دیا ۔ بادشاہ سب سے نام بنام واقف تھا ۔ اس لیے دوسروں کے بارے میں دریافت کیا کہ ملک احمد تمہارے دوسرے ساتھی کیا ہوئے ؟ ملک احمد نے کہا قبلہ عالم انہیں بادشاہ کی مہربانی اور گھروں کو رخصت کا علم نہ تھا ۔ شہر میں کہیں گھومنے پھرنے گئے ہیں ۔ بادشاہ نے بموجب تحریر اور دفتری یادداشت جو نام بنام لکھے گئے تھے ۔ ملک احمد کو خلعتیں عطا کیں اور آدو کے لیے سونے کے دو حلقے دئے اور خدام کو حکم دیا کہ اس کے کانوں میں پہنائیں ۔ آدو کے ایک کان میں سوراخ تھا لیکن دوسرے میں نہیں تھا ۔ چنانچہ ایک کان میں تو حلقہ پہنا دیا گیا دوسرے میں سوراخ کرنے کے لیے ایک باریک سیخ لائی گئی ۔ آدو سیخ دیکھ کر ڈر گیا ۔ ملک احمد کے قریب آیا ۔ ملک احمد نے بادشاہ سے عرض کیا کہ قبلہ عالم یہ یہاں ڈرتا ہے ، ہم ڈیرے میں اس کے کان میں سوراخ کر کے حلقہ ڈال دیں گے ۔ بادشاہ نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دے دیا ۔

غرض کہ بادشاہ نے ملک احمد کو پوری عزت کے ساتھ رخصت کیا ۔ ملک احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوکر ناوگئی کے راستے باجوڑ آیا ۔ وہاں سے سوات اور سوات سے سمہ میں سب لوگ اپنے گھروں کو واپس آگئے ۔

یوسف زئی کو ان کی بخیریت واپسی کی اطلاع ملی تو سب نے آ کر مبارک باد دی ۔

دوسرے سال بادشاہ نے بعض امور میں صلاح و مشورے کی

غرض سے ملک احمد کو فرمان کے ذریعے طلب کیا اور ملک سرخابی ترکلانی نے بھی ملک احمد کے نام خط بھیجا کہ گزشتہ دفعہ آپ نے بلا دیکھی تھی۔ اس دفعہ نہ ڈریں جمعیت خاطر کے ساتھ آئیں۔ بادشاہ نے مہربانی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ حیلہ بہانہ نہ کریں۔ جب بادشاہ کا فرمان اور ملک سرخابی کا خط ملک احمد کو علاقہ سمہ میں پہنچا ملک احمد نے اپنی قوم کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا کہ بادشاہ کا فرمان اور ملک سرخابی کا خط آیا ہے، مجھے کابل طلب کیا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا صلاح ہے؟ قوم نے کہا کہ ملک صاحب بادشاہ کو آپ ہی نے دیکھا ہے ہم نے نہیں دیکھا اور اس کی حقیقت آپ ہی کو اچھی طرح معلوم ہے اس لیے جو آپ کی مرضی ہو وہی ہماری مرضی ہے۔ ملک احمد نے کہا کہ اے قوم! میں نے اس بار موت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس دفعہ میرا جی جانے کو نہیں چاہتا۔ قوم نے بھی اسی طرح کہا کہ ملک احمد صاحب! جب آپ کی رائے نہیں ہے تو نہ جائیں، مگر بعض دانشمندوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بادشاہ کے حکم سے رو گردانی نہیں کرنی چاہیئے، اگر ملک احمد اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتے تو اس دفعہ شاہ منصور چلا جائے کہ یہ بھی ملک تاج الدین کے گھرانے کا فرد ہے۔ سلیمان شاہ کا فرزند اور ملک احمد کا عزیز ہے، اگر بادشاہ کا مقصد اس بلاوے سے محض یوسف زئیوں کی اطاعت کی طرف سے اطمینان حاصل کرنا ہے تو اس کے لیے شاہ منصور بھی کافی ہے۔ اس لیے یہ بات شاہ منصور سے کہہ دی گئی کہ اس دفعہ آپ بادشاہ کی خدمت میں چلے جائیں۔ شاہ منصور نے کہا کہ ملک احمد جیسی خوش بیانی میرے پاس کہاں ہے۔ بادشاہوں کے دربار کے آداب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ پس میرے جانے سے کیا حاصل؟ مگر قوم مصر ہوئی کہ آپ

فرور جاؤ۔ شاہ منصور نے لاچار ہوکر جانے پرآمادگی ظاہر کردی۔ قوم نے بادشاہ کے لیے پیشکشیں جمع کر کے شاہ منصورکو دے دیں۔ شاہ منصورگھر سے موضع تھانے گیا اور ترنی کے راستے باجوڑ گیا۔ وہاں سے براہ ناوگئی کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے حضور میں نذر پیش کی مگر بادشاہ اس کے آنے پر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا اور کہا کہ میں نے تو ملک احمد کو بلایا تھا تم کیسے آگئے۔ شاہ منصور نے ملک احمد کی طرف سے معذرت پیش کی۔ بادشاہ خاموش ہوگیا۔ شاہ منصور جب تک کابل میں مقیم رہا بادشاہ کے سلام کے لیے جاتا رہا اور بادشاہ بھی اس کے ساتھ عزت و شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔

آخر کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے شاہ منصور کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ شاہ منصور وہاں سے روانہ ہوکر گھر واپس آیا اور قوم کو سارا ماجرا سنایا اور مخفی نہ رہے کہ اس وقت میں یوسف زئی بادشاہ کے فرمانبردار تھے، مگر اس طرح نہیں کہ اس کے حاکم یا عامل کو چھوڑتے یا واجبی قلنگ یا مالیہ دیتے کیونکہ وہ اتنی پروا نہیں کرتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ جس وقت ملک احمد نے کابل جانے سے اغماض کر کے شاہ منصور کو بھیج دیا تو ملک احمد نے سازی قوم کو جمع کیا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے کابل نہ جانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بادشاہ خود میرے پیچھے آئے گا یا فوج بھیجے گا تاکہ ہماری بیخ کنی کی جائے۔ پس اس کے آنے سے پہلے اپنے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام یوسف زئی جمع ہوکر مورا پہاڑ میں جس میں بے شمار غار اور درے ہیں گھس جائیں، تاکہ اگر وہ آجائے تو ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ چنانچہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام یوسف زئی جمع ہوگئے اور سب مورا پہاڑ میں داخل ہوگئے اور

پہاڑ کے تمام راستے مستحکم کرلیے ۔

بادشاہ نے بھی دل میں ملک احمد کے کابل نہ آنے کے سبب یوسف زئی کے ملک کو تباہ کرنے کا منصوبہ باندھ رکھا تھا اس لیے وہ کثیر افواج کو لے کر کابل سے نکل کر باجوڑ کے راستے ملک سوات کی طرف متوجہ ہو گیا ۔ جس وقت وہ باجوڑ پہنچ گیا تو سب سے پہلے میر حیدر علی گبری کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا ۔ جو گبریوں کا سلطان تھا اور اگلے وقتوں میں اس نے مرزا الغ بیگ تیموری کے ساتھ شوخی کی تھی اس لیے بابر کے دل میں اس کے خلاف غصہ و قہر تھا ۔ اس وقت یوسف زئی باجوڑ سے نکل کر پہاڑوں میں چلے گئے تھے ۔ گبریوں کے سوا یہاں اور کوئی نہ تھا ۔ ان کا قلعہ بھی بڑا سنگین اور مضبوط تھا اور گبری لوگ بھی بڑے بہادر تھے ۔ بادشاہ کا ان پر کوئی قابو نہ چلتا تھا اس لیے اس نے وہیں ڈیرے ڈال دئیے ۔

کہتے ہیں کہ میر حیدر علی بڑا ظالم شخص تھا اس کے اپنے عزیز و اقارب بھی اس سے نالاں تھے اس لیے اس کے اقارب میں اس کے چچیرے بھائی نے دوسرے گبریوں کے مشورے سے بادشاہ کو خفیہ ایک عرضی لکھ بھیجی کہ میں اپنے تمام اعزا کے ساتھ بادشاہ کا دل سے فرمانبردار ہوں اگر بادشاہ کی مرضی ہو تو میں اپنے عزیزوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہو جاؤں ۔

بادشاہ کے پاس جب یہ عرضی پہنچی تو بادشاہ بہت خوش ہوا ۔ اور انہیں طلب کرنے کے لیے نہایت نرم الفاظ میں اور دلاسے کا فرمان بھیجا ۔ غرض یہ کہ میر حیدر علی کا یہ رشتہ دار بعض لوگوں کے ساتھ نکل کر بادشاہ کے پاس گیا اور آداب بجا لایا ۔ بادشاہ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر مہربان ہوا اور خلعت سے سرفراز کیا اس کے بعد

روز بہ روز گبری لوگ قلعے سے نکاتے تھے اور حیدر علی کے چچیرے بھائی سے آکر ملتے تھے اور سرفراز ہوتے جاتے تھے ، یہاں تک کہ حیدر علی کے لیے دن بہ دن مشکلات بڑھتی گئیں اور اضطرار کو پہنچ گیا۔ آخر حیدرعلی نے جان کے خوف اور اس شرمندگی سے بچنے کے لیے کہ ممکن ہے میرے یہ عزیز مجھے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کردیں اور بادشاہ مجھے قتل کر دے ، زہر کھا کر مر گیا ۔ اس کے بعد بادشاہ نے حیدر علی کے چچیرے بھائی کو گبریوں کا بادشاہ نامزد کر کے قلعہ اس کے سپرد کیا اور اس کے مخالفین کو بلا کر قتل کر دیا اور ان کے سروں (کلوں) سے ایک چبوترہ (مینارؔ) بنوایا ۔

اس کے بعد بادشاہ نے اسی دن وہاں سے کوچ کیا اور ملک سوات کی طرف متوجہ ہوکر موضع دیاروں جو دریائے پنجکوڑہ کے کنارے آباد ہے ، پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا اور ملک احمد کے نام فرمان لکھ کر بھیجتا رہا اور قسمیں کھا کھا کر وعدے کیے کہ ڈرو نہیں آجاؤ تمہارے ساتھ بھلائی کروں گا ۔ مگر ملک احمد اس کے منصوبوں سے واقف تھا ، وہ اس کے وعدوں سے دھوکا کھانے اور اس کے جال میں پھنسنے والا نہ تھا ۔ اس نے بادشاہ کے فرمانوں اور وعدوں کی قطعاً پروا نہ کی ۔ جب بادشاہ ملک احمد کے آنے سے مایوس ہوگیا تو یوسف‌زئی پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ملک احمد ڈر جائے گا اور التجا کرے گا۔ اس نے لشکر کو یہاں چھوڑ دیا اور منگلور پر حملہ کیا ۔ جس چوٹی سے گزر کر بابر سوات میں داخل ہوا تھا اسے اب تک ''بابر سر'' کہتے ہیں ۔ وہاں سے بابر گزر کر دمغار میں وارد ہوا اور حسین ڈیری کے مقام پر دریائے سوات کو عبور کر کے منگلور پہنچا تھا اور قلعے سے باہر جتنے گاؤں تھے سب کو غارت کردیا اور جو لوگ قلعے کے اندر سلطان اویس کے ساتھ تھے وہ اس لیے سلامت

رہ گئے کہ قلعہ انتہائی محکم تھا ۔ وہاں سے لوٹ کر پھر دیارون واپس آیا ۔

کہتے ہیں کہ جس دن بادشاہ نے دیارون سے جا کر منگلور پر دھاوا بولا تھا ۔ پنجکوڑے کے دریا سے پار ہو کر تالاش پہنچکر کاٹ کلہ کے درے سے گزرا تھا وہاں صاف راستے میں جو ہموار اور چشمہ دار آبی زمین ہے ۔ دو خوبصورت تناور دیار کے درخت کھڑے تھے ۔ جنہیں انتہائی اتصال کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید ان دونوں کی جڑ ایک ہے ۔ مگر یہ دونوں دراصل الگ الگ تھے جو کوئی بھی اس راستے سے گزرتا ، کھڑا ہو کر تعجب کرتا اور قدرت کے اس نظارے کا تماشہ کرتا ۔ بادشاہ بھی جب اس مقام سے گزرا اور دیار کے دونوں درختوں کو دیکھا تو بہت متعجب ہوا اور کچھ دیر کھڑا ہو کر تماشہ دیکھتا رہا ۔ پھر وہاں سے روانہ ہوگیا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ جب واپسی میں اس راستے سے آؤں گا تو ان دونوں درختوں کو جڑ سے مٹی کے ساتھ اکھڑوا کر اپنے ساتھ کابل لے جاؤں گا ۔ چنانچہ جب منگلور سے واپسی میں ادھر سے گزرا تو حکم دیا کہ ان دونوں کو مٹی سمیت جڑ سے نکال لو اور کابل لے چلو انہیں وہاں لگائیں گے ۔ امیروں نے عرض کیا کہ ان کا کابل لےجانا از بسکہ دشوار کام ہے ۔ مناسب ہوگا کہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے ان پر کوئی نشان لگادیں تاکہ جو کوئی اس راستے سے گزرے ، بادشاہ کی نشانی دیکھے اور اسے یاد کرے ۔ بادشاہ نے بھی یہ بات پسند کی اور اپنے ترکش سے دو تیر نکال کر دونوں درختوں میں ایک ایک تیر پیوست کر دیا اور انہیں اسی طرح جھدا ہوا چھوڑ کر روانہ ہوگیا ۔

کہتے ہیں کہ دونوں تیر دیار کے ان دونوں درختوں میں دو سال تک پیوست رہے ۔ جو کوئی اس راستے سے گزرتا تھا باہر کے ان

تیروں کو دیکھتا تھا اور جس کے پاس تیر کمان ہوتا تھا وہ بھی ان کے اتباع میں دیار کے ان درختوں کو نشانہ بناتا ۔ اس طرح چند برسوں کے اندر بہت سے تیر ان دونوں درختوں میں پیوست تھے اور جب تک بادشاہ اور دوسرے لوگوں کے تیر پرانے ہو کر خود جڑوں سے گر نہیں گئے ، درختوں میں پیوست نظر آتے رہے ۔

ان واقعات کے واقعی مورخ اور محقق خواجو کہتے ہیں کہ دیار کے درخت جن میں بابر کے تیر پیوست تھے بارہا میں نے دیکھے ہیں اور جب وہ جڑ سے اکھڑ کر گر گئے تو اس وقت میری داڑھی نکل آئی تھی ، اس کے بعد اس روش کے مطابق دیار کے دوسرے درختوں کو بھی لوگ تیروں کا نشانہ بناتے رہے ، یہاں تک کہ ان کے تنے تیروں سے چھنی ہوگئے ۔ اس کے بعد گرد و نواح میں جہاں بھی دیار کا کوئی درخت نظر آتا لوگ اسے تیروں کا نشانہ بناتے ۔ یہاں تک کہ آس پاس کے علاقے میں بھی دیار کا کوئی درخت باقی نہ رہا جسے تیر کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو ۔ ایک مدت کے بعد کہیں جا کر لوگوں کی یہ عادت چھوٹی ۔ ان میں آخری دیار کا درخت جو تیروں سے بھرا ہوا کھڑا تھا حال ہی میں گرا ہے ۔ البتہ ان درختوں کی نشان دہی ابھی تک ہوتی تھی ۔ لوگوں کا دستور بن گیا تھا کہ جو کوئی وہاں جاتا ایک پتھر اس کے نیچے ڈال دیتا ۔ اس طرح وہاں پتھروں کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا ۔

الغرض جب بابر سنگور سے واپس آ کر اس جگہ مقیم ہوگیا جہاں دیار کے درخت تھے تو جاسوس اور گماشتے مقرر کئے تاکہ سورے کا راستہ دیکھیں ۔ کیونکہ وہ تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں تھا ، مگر ملک احمد نے راستوں کی محکم ناکہ بندی کر دی تھی اور سورے کا سارا پہاڑ لشکر سے گھیر دیا تھا اس لیے جاسوسوں نے رخنہ اور راستہ نہ پایا اور تاخت

کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا ۔ مجبور ہوکر اس نے یہ قصد کیا کہ قلندرانہ لباس میں خود سورا جائے اور راستوں اور لشکر کا احوال معلوم کرے اس طرح کی سیاحت اور جاسوسی اس کا ہمیشہ کا دستور تھا اور اس کے لیے وہ مشہور تھا ۔ چنانچہ چند خواص کی معیت میں قلندرانہ لباس پہن کر چپکے سے لشکر سے نکل کر سورے کے قریب پہنچا ۔ وہاں سے سورے تک ایک دن کا راستہ ہے ۔ اس طرح اس نے پہاڑ ، راستوں اور لشکر کے احوال معلوم کئے لیکن ہر طرف سے اور ہر طرح سے انتظامات کو مضبوط اور مستحکم پایا ۔

کہتے ہیں کہ سورا نامی پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند اور اونچا مکان تھا جس میں ملک احمد کا چچا زاد بھائی منصور رہتا تھا اس لیے اسے شاہ منصور کا تخت کہا جاتا تھا اور سورے کی یہ چوٹی اب تک ''تخت شاہ منصور'' کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ اتفاقاً بقرہ عید کا دن تھا ۔ شاہ منصور نے کئی گائے ذبح کر کے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا ۔ تقسیم کرنے والوں کا ازدحام تھا ۔ بابر بھی تماشہ دیکھنے کے لیے اوپر چڑھ کر صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا ۔ بابر جہاں بیٹھا ہوا تھا وہ شاہ منصور کے چھپر کے دروازے کے عین مقابل تھا اور اسی چھپر میں دروازے کے سامنے شاہ منصور کی دختر مسماۃ بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی جو انتہائی خوبرو ، عاقلہ اور ہوشیار تھی اس نے انہیں دیکھا تو سمجھی کہ قلندر لوگ ہیں اس لیے گوشت روٹیوں میں لپیٹ کر اپنے آدمی کے ہاتھ ان کے لیے بھیج دیا ۔ بابر نے اس سے گوشت لے لیا اور پوچھا کہ یہ کس نے بھیجا ہے ۔ آدمی نے کہا یہ شاہ منصور کی دختر بی بی مبارکہ نے بھیجا ہے جو سامنے دروازے میں بیٹھی ہیں ۔ بابر نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگیا ۔ پھر اس آدمی سے پوچھا کہ اس کی عمر کتنی ہے

اور کسی سے منسوب ہوئی ہے یا نہیں ؟ آدمی نے کہا جوان ہے اور عقل و دانش ، سیرت و خصلت اور عفت و فراست میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور تاحال کسی سے منسوب نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف تھی اس لیے بادشاہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا اور بادشاہ کے دل میں اس کا خیال پتھر کے نقش کی مانند جم گیا ۔ باہر و ہاں سے نکلا اور گوشت جو روٹیوں میں اپٹا ہوا تھا مکان کی پشت کی طرف ایک بڑی چٹان پر رکھ کر اس کے اوپر سے ایک پتھر رکھ دیا اور وہاں سے روانہ ہوکر اپنے لشکر میں آگیا ۔

اس کے بعد ملک احمد اور شاہ منصور کے نام فرمان لکھا کہ بی بی مبارکہ کا رشتہ میرے ساتھ منظور کرلیں ، میں آپ پر کوئی تعرض نہیں کروں گا اور بہت بھلائی کروں گا ۔ ملک احمد اور شاہ منصور نے جب فرمان دیکھا تو رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور اسے لکھ کر بھیجا کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے اور بالفرض ہوتی بھی تو مغلوں کے ساتھ ہمارا رشتہ ناطہ نہیں ہوا ہے اس لیے ہم یہ پیغام منظور نہیں کرتے - بادشاہ نے انہیں پھر لکھا کہ * میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے تم دونوں جب کابل آئے تھے تو میں نے دونوں کو خلعت سے سرفراز کر کے عزت کے ساتھ رخصت کیا تھا اور پھر جب دوبارہ ملک احمد کو بلایا تو وہ مجھ سے باغی

* تزک بابری میں رشتے کے بارے میں درج ہے :
اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے ان سے درخواست کی گئی ۔ چنانچہ انہوں نے منظور کرکے ۲۸ محرم ۹۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کے بھائی طاؤس خان دلہن کی ڈولی کے ساتھ آئے (روشن خان)

ہو گیا ۔ اب خود یہاں آیا تب بھی وہ حاضر نہیں ہوا اور اب جب کہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں تو عذر پیش کرتے ہو اور انکار کرتے ہو ۔ ہمارے ساتھ تمہارا یہ رویہ مناسب نہیں ہے جب کہ میں نے اپنی آنکھوں سے شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ کو دیکھا ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ میں چند آدمیوں کے ساتھ قلندرانہ لباس میں بقرعید کے دن علاقے کی جانچ پڑتال کی نیت سے گیا تھا ۔ شاہ منصور نے قربانی کی تھی اور گوشت پکایا تھا ۔ بہت سے لوگ وہاں جمع تھے ہم بھی قلندروں کی طرح چھپر کے دروازے کے مقابل صحن کے ایک کنارے پر بیٹھ گئے اور سامنے چھپر کے دروازے میں بی بی مبارکہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس طرح ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا ۔ چنانچہ اس نے کچھ گوشت بھی روٹیوں میں لپٹا ہوا ہمارے لیے بھیجا یہ گوشت روٹی ہم نے چھپر کے عقب میں ایک چٹان پر رکھ کر اوپر سے ایک اور پتھر رکھ دیا ہے یہ کام محض نشانی کے خیال سے کیا گیا تھا تاکہ تم منکر نہ ہوسکو ۔ اب تم جا کر اسے دیکھ لو اگر یہ بات درست ہے تو تمہارا انکار کرنا صحیح نہیں ہے ۔ مناسب ہوگا کہ میرے ساتھ دوستی کرلو ۔ یہی میرا سب سے بڑا مقصد ہے اور اگر نہیں کرتے تو میں کابل سے اسی مہم پر آیا ہوں اور کامیابی کے بغیر واپس لوٹنا میرے لیے باعث شرم ہے ۔ پھر دیکھوں گا کہ خدا کو کیا منظور ہے ۔ جو کچھ اسے منظور ہوگا وہی ہو کر رہے گا ۔

ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا یہ خط پڑھا تو آدمی بھیجا وہ جگہ دیکھی ۔ جیسا کہ بادشاہ نے لکھا تھا گوشت اور روٹی واقعی وہاں رکھی ہوئی تھی انہیں یقین آگیا کہ واقعی بادشاہ آیا تھا اور اس نے بی بی مبارکہ کو واقعی دیکھا ہے ۔ لیکن اسے رشتہ دینے پر یہ دونوں پھر بھی آمادہ نہ ہوسکے اور انہوں نے دوسرا بہانہ

کہا کہ ہم مغلوں سے بددل ہیں ۔ مرزا الغ بیگ نے ہمیں قتل کیا اب آپ کے ساتھ ہماری رشتہ داری کیوں کر ہوسکتی ہے مگر شیخ ملی ملک قرہ اور دوسرے بڑے بڑے ملکوں نے ان سے کہا کہ بادشاہوں کے ساتھ سر تیزی اور درشتی مناسب نہیں ۔ امیر تیمور کا پوتا ہے اسے آپ کی شان وشوکت بھی معلوم ہے اور وہ قدر شناس بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آپ قوم کے نگہبان ہیں اور قوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں تو بی بی مبارکہ سے اس کا رشتہ منظور کر کے قوم کو اس مصیبت سے بچائیے ۔ آخر ملک احمد نے قوم کی بات مان لی اور رشتہ دینے پر راضی ہوگیا ۔ مگر شاہ منصور نے کہا کہ بادشاہوں کے شایان شان جہیز اور شادی کے انتظامات اور ساز و سامان کی میں طاقت نہیں رکھتا قوم نے کہا کہ جہیز کے سارے سامان کی ذمہ داری ہماری ہے ہم سوتا اکٹھا کریں گے اور آپ کی عزت و آبرو رکھ لیں گے بالآخر شاہ منصور بھی راضی ہوگیا اور بی بی مبارکہ کا بادشاہ سے رشتہ منظور کرلیا ۔

اس کے بعد یوسف زئیوں نے بادشاہ کی خدمت میں مبارک باد لکھ کر بھیجی اور شادی کی تاریخ* مقرر کر کے اپنے مطالب اس طرح عرض کئے کہ ہم نے بڑی کوششوں سے ملک احمد اور شاہ منصور کو رضامند کر کے بی بی مبارکہ کو آپ سے منسوب کروا دیا ہے ۔ پس بادشاہ کے اخلاق حسنہ سے توقع یہ ہے کہ خوشی اور دوستی کا حق پیش نظر رکھیں گے اور شیوہ٘ مہربانی ملحوظ خاطر رکھ کر ہماری تقصیر کو معـاف کر کے ساری توجـہ اس طرف مبذول فرمائیں گے ۔ جوں ہی یہ خوش خبری بادشاہ کو پہنچی ۔ فرط خوشی سے نوبت بجائی جانے لگی اور خوشیاں منائی جانے لگیں اور ان کا جو مسئول و ماسول تھا سب گوش ہوش سے سنکر وعدہ کیا کہ شادی کے اتمام

* شادی کی تاریخ ۲۸ محرم ۹۱۵ھ طے پائی تھی - (روشن خاں)

کے بعد کابل روانہ ہوجاؤں گا اور کسی طرح سے بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

یوسف زئیوں نے اپنے اپنے حصے اور حیثیت کے مطابق سونا جمع کر کے شاہ منصور کو پہنچایا۔ شاہ منصور نے عوام کا سونا اور اپنے مقدور بھر سونا خرچ کر کے بی بی مبارکہ کے لیے شاہانہ جہیز تیار کیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے شایان شان زیور اور نادر ملبوسات اور بیش بہا خلعتیں، گھوڑے، خیمے، شامیانے، تانبے کے ظروف، خادمائیں اور دیگر لوازمات بعجلت تمام تیار کر کے بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ بادشاہ نے اپنی جگہ اپنی تلوار بھیج دی۔ زاں بعد بی بی مبارکہ کو ڈولی میں بٹھا دیا گیا۔ ملک احمد اور شاہ منصور لشکروں کی معیت میں روانہ ہو کر مورا پہاڑ سے اترے۔ تھانے سے ہو کر چکدرہ کی گزر گاہ سے دریائے سوات کو پار کیا۔ چکدرہ، اوچ، کاٹ کلہ اور تالاش ہوتے ہوئے تری کی چوٹی پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ تری کی چوٹی اور بادشاہ کے لشکر کے مابین ایک کروہ کی مسافت تھی۔ چوٹی کے نیچے بادشاہ کے امراء لشکر کے ساتھ جنہیں بادشاہ نے بی بی مبارکہ کے استقبال کے لیے بھیجا تھا، منتظر کھڑے تھے۔ جب ملک احمد اور شاہ منصور نے بادشاہ کا لشکر دیکھا تو اپنے غلاموں اور خادموں کو ان کے ساتھ کر کے بی بی مبارکہ کو رخصت کر دیا اور خود واپس چلے گئے۔ بادشاہ کے امیروں نے ڈولی اٹھا کر لشکر تک پہنچا دی۔*

---

* ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور اپنی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب ہندوستان سے شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تھا تو افغانی آغاچہ اس کے ساتھ تھی۔ (روشن خان)

بی بی مبارکہ کے لیے بادشاہ کے خیمے کے برابر میں ایک خاص سرانچہ قایم کیا گیا تھا اس میں اسے پورے اعزاز کے ساتھ اتارا گیا ۔ بادشاہ اور امراء کے اہل حرم اس کی ملاقات کے لیے آئے مگر اس نے کسی کی بھی تعظیم نہیں کی نہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نہ کسی سے بات کی ۔ چنانچہ یہ رات اسی طرح گزر گئی ۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد جب بادشاہ نے مسجد میں نماز ادا کی پھر بی بی مبارکہ کے خیمے کی طرف متوجہ ہوا ۔ کنیزوں نے بی بی مبارکہ کو خبردار کیا کہ بادشاہ اس کی طرف آرہا ہے ۔ جونہی بادشاہ خیمے میں داخل ہوا یہ فوراً پلنگ سے اتر کر اس طرح گھونگٹ میں دست بستہ کھڑی ہوگئی۔ بادشاہ قریب پہنچا تو آداب بجا لائی اور ادب کے ساتھ کھڑی رہی ۔ بادشاہ پلنگ پر بیٹھ گیا اور اس سے مخاطب ہوکر کہا پشتونیے ! (پختون زادی) بیٹھ جاؤ ۔ بی بی مبارکہ پھر تسلیمات بجا لائی لیکن بیٹھی نہیں ۔ بادشاہ نے پھر کہا پشتونیے ! بیٹھ جاؤ ۔ اس طرح تین بار بادشاہ نے کہا کہ پختون زادی بیٹھ جاؤ مگر یہ پھر بھی نہ بیٹھی اور ہر دفعہ آداب و تسلیمات بجا لاتی رہی ۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا اور آنچل چہرے سے ہٹا دیا لیکن اس نے حیا کے سبب پھر بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ۔ بادشاہ اس کے اخلاق و سیرت اور صورت پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا ۔ بادشاہ نے پھر اس سے کہا کہ پشتون زادی بیٹھ جاؤ ۔ اس کے بعد وہ بولی کہ میں ایک عرض رکھتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہو! بی بی مبارکہ نے ہنڈو بھیلا کر کہا کہ میں اپنی قوم کے لیے بادشاہ سے بخشش اور معافی کی خواستگار ہوں۔ اگر بادشاہ کی مہربانی ہو ، میری مراد سے میری جھولی بھردی جائے اور میری قوم کا گناہ معاف کردیا جائے ۔ بادشاہ نے کہا ۔ اچھا پختون زادی تمہاری مراد سے تمہاری جھولی

ہمدردی اور تمہاری قوم کی تقصیر معاف کردی خاطر جمع رکھو ۔ وہ شکریہ کے طور پر پھر تسلیمات بجا لائی لیکن اسی طرح کھڑی رہی ۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھا دیا اور باتوں میں مشغول ہوگیا ۔ جب عصر کی اذان ہوئی بادشاہ اٹھا ، بی بی مبارکہ نے جلدی سے بادشاہ کے جوتے سیدھے کر دئیے ۔ بادشاہ ہنسا اس کی پیٹھ تھپکی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب تعلیم ملک احمد کی دی ہوئی ہے ۔ یہ سب آداب تمہیں اسی نے سکھائے ہیں ۔ اس کے بعد کہا کہ میں تم سے اور تمہاری قوم سے راضی ہوگیا ۔ تمہاری خاطر انہیں معاف کردیا ۔ اس کے بعد بادشاہ باہر نکل کر چلا گیا ۔ فی الواقع یہ تمام طور و طریق اور ادب و آداب ملک احمد کے تعلیم دئیے ہوئے تھے ۔

اس کار خیر کے بعد بادشاہ موضع دیاروں سے مراجعت کر کے باجوڑ کے راستے کابل تشریف لے گئے اور بی بی مبارکہ کو انتہائی اعزاز کے ساتھ کابل پہنچایا جو اس کی شریک حیات اور چہیتی بیوی تھی ۔ اس بنا پر بادشاہ کے سارے اہل حرم کا اس کے ساتھ بغض و حسد دامنگیر ہوا اور ان کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اس کا بیٹا تولد ہو جائے تو اغلباً سلطنت اور بادشاہت افغانوں میں چلی جائے گی ۔ اس لیے بی بی مبارکہ کو پوشیدہ طور سے کوئی ایسی دوائی کھلا دی کہ وہ دائمی طور سے بانجھ ہو کر رہ گئی ۔ اسی وجہ سے اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ اس کے بعد یوسف زئی سورا نامی پہاڑ سے اتر کر اپنے اپنے علاقوں میں آباد ہوگئے اور ملک احمد اور شاہ منصور کی دوستی اور تعلقات بادشاہ کے ساتھ استوار ہوگئے ۔ بی بی مبارکہ کی خبرگیری کے لیے جانبین سے آدمیوں کی ہمیشہ آمد و رفت جاری رہتی تھی ۔

چند سال بعد بابر ہندوستان آیا اور تمام ہندوستان کو مسخر

کرلیا ۔ بی بی مبارکہ کے بھائی میر جمال ملک زئی ایک جماعت کے ساتھ بی بی مبارکہ کی خبر گیری کے لیے آئے ۔ بادشاہ کی ملازمت اختیار کی ۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوا اور جاگیر و منصب سے سرفراز کیا ۔

بابر بادشاہ کی رحلت کے بعد نصیرالدین ہمایوں کے دور میں بھی بی بی مبارکہ اسی طرح صاحب عزت و وقار رہی بلکہ اس سے بھی زیادہ معظم و محترم ہوگئی ۔ دارالسلطنت لاہور میں ، قوم فرمولیاں کے محلے میں بڑے بڑے قصر اور عالی شان حویلیاں رکھتی تھیں ۔ محمد اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بیٹے اور پوتے بھی حسب دستور سابق جاگیردار اور منصبدار تھے ، یہاں تک کہ محمد جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں بھی اس کے ایک دو پوتے معزز و موقر تھے ۔ میر جمال نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں وفات پائی ۔ بی بی مبارکہ نے اپنی زندگی انتہائی دولت اور عزت میں گزاری حتیٰ کہ بڑی بوڑھی ہوگئی تھی ۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں وفات پا گئی ۔
اغفرلی ولہا ولجمیع المومنین و المومنات برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

اب اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں ۔ جب بابر بادشاہ سوات سے مراجعت کر کے کابل چلا گیا ۔ یوسف زئی سورا سے اتر آئے اور سلطان اویس کے خلاف مہم میں مشغول ہوگئے۔ انہیں جب موقع ملتا سلطان کے لوگوں کو قید کرلیتے تھے اور ان کے ملک اور دیہات کو تہس نہس کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ سلطان عاجز آگیا اور آخرکار اپنے تمام متعلقین ، فوج وغیرہ کے ساتھ قلعہ منگلور سے نکل گیا اور سوات کو چھوڑ دیا ۔

وادئی دریائے سوات پار کر کے تاج خیلہ گئے ۔ اس کے بعد پہاڑ کو عبور کیا جس میں چار روز لگ گئے ۔ زاں بعد نیاگ درے

چلے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے - نیاگ پہاڑوں کے درمیان ایک مقام (درہ) ہے - یہ سارا علاقہ آبی چشمہ دار اور سبزہ زار ہے اور ربیع کے دنوں میں چاروں طرف بڑی مقدار میں گھاس اور سبزہ ہوتا ہے اس کے گردا گرد ڈوما کفار آباد تھے اور اب بھی یہاں سب کے سب (ڈوما) کفار ہی آباد ہیں - سلطان اویس نے وہاں ایک شاندار اور مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام لاہور رکھا - جس کے ارد گرد کفار کے دیہات تھے ان سب کو اپنے تصرف میں لے آیا اور جیسے پہلے صاحب جاہ تھا اسی طرح پھر صاحب شوکت اور سلطنت کا مالک بن گیا اور مدت دراز تک بادشاہت کرنے کے بعد بدنی عارضے میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوا - فیروز شاہ اور قزان شاہ نام کے دو بیٹے اس کی یادگار تھے - بڑا بیٹا فیروز شاہ باپ کا جانشین ہوا - ایک روز قزان شاہ سیر و شکار کی غرض سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا ہوا تھا - اتفاقاً اس روز یوسف زئی کا دھاڑا جاسوسی کے لیے آیا ہوا تھا - قزان شاہ اس کی زد میں آگیا - ایک یوسف زئی نے اس کے تیر مارا وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا - یوسف زئی نے قزان شاہ کا سر کاٹ لیا اور لا کر خان کجو کی خدمت میں پیش کردیا - خان موصوف اس وقت غوریا خیل کی مہم کے سلسلے میں نکلا ہوا تھا اور اس وقت دریائے لنڈا کے کنارے مقیم تھا - اس مہم کے حالات اپنے محل میں آئیں گے - فیروز شاہ نے مدت دراز تک بادشاہت کی اور عمر رسیدہ ہوکر مرا - فیروز شاہ کے بعد حکومت اس کے بیٹے سلطان ساہ کے حصے میں آئی - سلطان ساہ کے بعد زین اعلوا اس کا جانشین ہوا - اسی طرح یکے بعد دیگر کئی پشتوں تک سلطنت اسی خاندان میں رہی - حاصل یہ کہ جب سلطان اویس منگلور سے چلا گیا تو سارا سوات ستراوی کے علاقے کے سوا یوسف زئیوں کے قبضے میں آگیا -

کہتے ہیں کہ یوسف زئیوں نے سلطان اویس کا سارا ملک سولہ سال کے اندر اندر اپنے تصرف میں لے لیا اور سترہویں سال متراویوں کے علاقے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے خلاف فوج کشی کی۔

متراویوں کا ملک بڑا وسیع ہے اور دریائے سوات کی جنوبی طرف واقع ہے۔ دریائے سوات منگلور تک شمال کی طرف سے کاشغر سے آتا ہے اور منگلور سے دریائے پنجکوڑہ تک مغرب کی سمت میں بہتا ہے۔ پنجکوڑہ سے پھر دونوں دریا دریائے آگرہ اور اشنغر تک جنوب کی جانب بہتے ہیں۔ اس کے بعد دریائے پشاور میں گر جاتا ہے۔

متراویوں نے جب یوسف زئی کی لشکر کشی کی خبر سنی تو سخت گھبرائے اور اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو کر بالگرام (بلو گرام) میں قلعہ بند ہوگئے۔ بالگرام (بلو گرام) ایک قلعہ کا نام ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور نہایت مضبوط اور اونچا ہے اور چونکہ پہاڑ سے گھرا ہوا ہے اس لیے دشمن اس پر آسانی سے حملہ نہیں کرسکتا۔ ملک حسن اپنے عزیزوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس میں رہتا تھا اور دوسرے لوگ قلعے کے باہر اردگرد کے دیہات میں رہتے تھے یوسف‌زئی کے لشکر نے کاٹ گاں میں ڈیرے ڈال دئیے۔ متراویوں کے تمام علاقے میں یہی جگہ ہموار بھی تھی، باقی سارا ملک پہاڑی ہے۔ یوسف زئی ہر روز قلعے کے قریب جاتے، متراوی بھی قلعے سے نکلتے اور باہم لڑائی لڑتے۔ ایک رات کو رحیم داد ابن ملک احمد خدر زئی کے ساتھ چھپ کر گیا اور پہاڑ کے اوپر چڑھ کر چوٹی پر قبضہ کرلیا۔ متراویوں میں سے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو یوسف زئیوں کا عظیم لشکر قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ متراوی بھی حسب معمول قلعے سے نکل کر مقابلے کے لیے سامنے آئے اور جنگ شروع کی۔

لڑائی میں پہل بانی ابن ابسکو بانی زئی یوسف‌زئی نے کی اور حاجی

شاہ نامی متراوی پر وار کیا اس لیے کہ زنگی نام کا اس کا بھائی کچھ دنوں پہلے متراویوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا ۔ لغر نام کے متراوی نے پائی پر نیزے سے حملہ کیا ۔ نیزہ پائی کی زرے میں پیوست ہوگیا ، پائی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گر گیا ۔ پیر علی ابن میرک ملی زئی (نوری زئی) نے آگے بڑھ کر تلوار سے نیزے کے دو ٹکڑے کردیے ۔ اس طرح آدھا نیزہ متراوی کے ہاتھ میں رہ گیا اور آدھا پائی کی زرے میں پھنس کر رہ گیا ۔ اس کے بعد دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہوگئی ۔ جب متراویوں نے چوٹی پر لوگوں کو دیکھا تو سراسیمہ اور پریشان ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعے کے اندر جا گھسے ۔ یوسف زئیوں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا ۔ بالا اور زیرین سے جنگ ہوتی رہی ۔ اسی اثنا میں رحیم داد خدر زئی بھی اپنے آدمیوں سمیت پہاڑ سے اتر آیا ۔ پناہ گاہ اور خندقیں قلعے کے قریب تیار کیں اور تمام دن باہم لڑتے رہے ۔ جب ایک پہر رات گزر گئی ۔ متراوی قلعے کے ایک طرف سے جہاں مٹی کا تودہ ہونے کی وجہ سے خندق یا پناہ گاہ کے لیے جگہ نہ تھی نکل کر بھاگ گئے اور سارا مال و متاع چھوڑ گئے ۔ چند آدمیوں کو محض اس لیے قلعے میں چھوڑ گئے کہ رات کو شور و غوغا اور ہا و ہو کرتے رہیں تاکہ یوسف زئی یہ نہ سمجھ سکیں کہ متراوی بھاگ رہے ہیں اور انہیں ہدایت کردی کہ صبح کے وقت وہ بھی بھاگ آئیں ۔

الغرض تمام متراوی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے ۔ جب صبح ہوئی تو باقیماندہ لوگ بھی نکل بھاگے اور پہاڑوں میں گھس گئے ۔ صبح کو یوسف زئی کو معلوم ہوا کہ قلعہ خالی ہے تو قلعے میں داخل ہوگئے اور اسے لوٹ لیا ۔ اس قلعے سے بےانتہا مال و اسباب ان کے ہاتھ لگا ۔ اب متراویوں کا سارا ملک بھی یوسف زئیوں کے قبضے میں آگیا ۔

متراوی کئی برسوں تک پہاڑوں میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے ۔ بالآخر آہستہ آہستہ تمام متراوی آ کر اپنے اپنے موضعات میں رعیت بن کر آباد ہوگئے ۔ یوسف زئیوں نے سارا سوات آپس میں تقسیم کرلیا اور سب اپنے اپنے حصے سے مطمئن ہوگئے ۔ البتہ ملک حسن اور اس کے متعلقات شرم و ندامت کے باعث جلا وطنی اور محنت کشی اختیار کرتے ہوئے پہاڑوں میں بستے رہے ۔ جب ملک حسن کا انتقال ہوگیا ۔ تو اس کے اقــارب نے بھی یوسف زئی سے واپسی کی اجازت کی التجاء کی اور یوسف زئی کی رعیت کی حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہوگئے ۔ قلعہ بالگرام (بلو گرام) کی فتح کے بعد پورے سوات پر یوسف زئی کا قبضہ ہوگیا اور کوئی ان کا منازع و مقابل باقی نہ رہا ۔ اسی طرح سترہویں سال میں سارا سوات بھی ان کے تصرف میں آگیا ۔ اس اثنا میں یوسف زئی کے اکثر سردار جنہوں نے سوات کی مہم کا آغاز کیا تھا اور ابتدائی جنگیں لڑی تھیں ، جیسے ملک قرہ ، خان کجو کے والد اور موسیٰ ابن ایسکو بائی زئی اکو زئی اور موسیٰ ابن ابوبکر کنا زئی منڈنڑ اور اس پائے کے دوسرے بڑے بڑے سردار وفات پا گئے تھے ۔ ملک قرہ کی قبر موضع تھانے میں بہت مشہور و معروف ہے ۔ اللھم اغفرلی ولہ ولجمیع المومنین والمومنات برحمتک یاارحم الراحمین ۔

مقــام چہارم

ملک دوآبہ میں گکھڑوں کی آمد ،
محمد بابر بادشاہ کا کابل سے پشاور آنا اور
کلہانڑی کے دلزا کوں پر اس کی چڑھائی ۔

گگیانی قوم کے جو لوگ کابل میں رہ گئے تھے ۔ بابر نے ان کی سخت مخالفت شروع کی ان کے لیے زندگی دشوار ہوگئی اس لیے انہوں نے کلیتاً کابل سے کوچ کیا اور یوسف زئیوں کے پیچھے آنے لگے مگر موسی زئیوں کا قبیلہ جو یوسف زئیوں کے ساتھ عداوت رکھتا تھا وہ کابل ہی میں رہ گیا ۔ اس وقت گگیانیوں کا سردار ملک ہمزہ ابن یعقوب مغل خیل تھا جو بہت نامور ، صاحب جاہ اور محمد بابر بادشاہ کا بہت مقرب تھا ۔ ملک میرے لالہ زئی اور ملک یحیٰی میرزئی سردار بھی مشہور و معروف تھے اور دونوں کی ملک احمد ملک زئی کے ساتھ رشتہ داری اور قرابت بھی تھی ۔ ان دونوں نے بہ‌اتفاق چند نامور ملکوں کو ملک احمد کے پاس دوآبہ بھیجا اور ان سے کہا کہ ملک احمد سے اپنی شکستگی و مصیبت زندگی ظاہر کرو اور بتاؤ کہ کابل میں زندگی دشوار اور جینا حرام ہوگیا ہے ۔ اب آپ کے ہاں آئے ہیں ۔ آپ کی نیکی اور مہربانی کے امیدوار ہیں ۔ چنانچہ یہ ملک اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ملک الملوک احمد کی خدمت میں آئے اور اپنا احوال بیان کیا ۔ ملک احمد نے ان کو خوش آمدید کہا اور پرتپاک خیر مقدم کیا اور یہ کہا کہ یہ بہت خوب ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی ہمارے پاس بھیج دیا ۔ مطمئن رہو اور خاطر جمع رکھو ۔ میں نے سارا دوآبہ تمہیں دے دیا ۔ جاؤ اس میں آباد ہوجاؤ ۔ گگیانیوں کے یہ سردار واپس گئے اور اپنی قوم کو یہ خوش خبری سنائی ۔ قوم

اس سے بہت خوش ہوئی اور کابل سے کوچ کر کے کڑپہ (گندھاپہ) کے راستے دوآبہ آپہنچی اور ملک احمد ، شیخ ملی اور خان کجو کے والد ملک قرہ سے ملاقات کی ۔

وعدے کے مطابق یوسف زئیوں نے دوآبہ گگیانیوں کے لیے خالی کردیا اور خود خوش و خرم دوآبے سے روانہ ہو کر اشنغر پار چلے گئے ۔ دوآبہ گگیانیوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور ہر شخص اپنے حصے میں آباد ہو گیا ۔ گگیانی دو سال میں بڑے صاحب جمعیت اور آسودہ حال ہو گئے ۔

آخرش اتفاقاً ایک دن ملک احمد اور شیخ ملی ایک سو بڑے بڑے نامور ملکوں کے ساتھ ملک ہمزہ گگیانی کے ہاں دوآبہ آئے ۔ ملک ہمزہ کو پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی ۔ اس لیے اس نے خاص جگہ بنائی تھی اور خیمہ لگایا تھا اور اس میں فرش بچھائے تھے ۔ پلنگ بچھاکر اس پر بستره اور پشمینہ بچھا کر تکیہ رکھا تھا اور خود بھی بہت قیمتی اور نفیس لباس پہنے ہوئے بہت غرور اور تمکنت سے بیٹھا ہوا تھا ۔ کسی سبب سے ملک احمد اس وقت پیچھے رہ گیا تھا اور دوسرے یوسف زئی ملک پہلے خیمے میں داخل ہوئے اور ملک ہمزہ سے ملے لیکن وہ ازراہ کبر و رعونت ان کے لیے کھڑا نہیں ہوا ۔ بادل نا خواستہ بیٹھے بیٹھے ہر ایک سے ہاتھ ملاتا رہا ۔ آخر میں ملک احمد خیمے میں داخل ہوا اور اپنے عزیزوں کے ساتھ کبر و رعونت کا یہ سلوک دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا ۔ ملک ہمزہ کی یہ حرکت اسے سخت ناگوار گزری ۔ ملک احمد الٹے پاؤں باہر چلا گیا ۔ اس نے ملک ہمزہ سے ملنا گوارا نہ کیا اور بہ‌آواز بلند کہا کہ "یہ وہ ناکس ، بدطینت گگیانی ہیں جنھوں نے کابل میں بھی ہمارے ساتھ برا سلوک کیا تھا ۔ اب میرا خیال تھا کہ شاید یہ

اپنے کئے پر پشیمان ہو کر میرے پاس آئے ہیں اس لیے میں نے دوآبہ جیسا ملک ان کو دے دیا مگر معلوم ہوا کہ جبلی بدخصلتی اور بغض و عداوت اب بھی ان میں باقی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے میرے عزیزوں کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ہاتھ ملایا ۔ خیر اگر میں مرد ہوں گا تو اس کا یہ غرور اس کے سر سے نکال دوں گا اور کابل میں کی ہوئی برائیوں کا بدلہ لے لوں گا "۔

ملک احمد نے غیض و غضب میں جو باتیں کہیں ۔ ملک ہمزہ اور دوسرے گگیانیوں نے لفظ بہ لفظ سنیں مگر کسی نے ہوں تک نہ کی ۔ سب خاموش اور پشیمان رہے ۔

الغرض ملک احمد قہر و غضب میں وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے عزیزوں کو آواز دی کہ آؤ ، گگیانیوں کی نیت ہمیں معلوم ہوگئی ۔ چنانچہ تمام ملک اسی وقت روانہ ہوگئے ۔ رات اشنغر میں گزاری صبح اپنے گھر آگئے ۔ یوسف زئیوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو ہر کسی نے اسے بہت برا محسوس کیا اور پھر گگیانیوں کے ساتھ دشمنی از سر نو تازہ ہوگئی اور کابل میں ان کے ساتھ کی گئی تمام برائیاں پھر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئیں ۔ دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور دن رات اسی کے بارے میں سوچنے لگے ۔ پوشیدہ نہ رہے کہ گگیانی ان دنوں کابلی بھیڑوں اور دنبوں کے ریوڑ بکثرت رکھتے تھے ۔ ملک ہمزہ کے پاس بےشمار ریوڑ تھے اس لیے اس نے نام و نمود کی غرض سے ہر آدمی کے لیے ایک دنبہ ذبح کیا تھا ۔ چونکہ یوسف زئی ایک سو نفر آئے تھے اس لیے اس نے ایک سو دنبے ذبح کئے تھے اور انواع و اقسام کے کھانے پکائے تھے ۔ ملک احمد کے جانے سے اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا ۔ تمام کھانے ضائع ہوگئے اور عام لوگوں کو کھلانے

پڑے ۔ ملک ہمزہ سمجھ گیا کہ ملک احمد زبردست آدمی ہے اور آزردہ خاطر ہوکر چلا گیا ہے ۔ یہ ضرور کوئی بہانہ تلاش کر کے مصیبت کھڑی کردے گا اور اس طرح کابل کا انتقام بھی لے لیگا ۔ بس ضروری یہ ہے کہ حالات قطعی بگڑ جانے سے قبل کچھ فکر کی جائے ۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ بادشاہ کے حضور کابل چلا جاؤں اور کسی طریقے سے اسے یہاں لے آؤں ۔ جب بادشاہ میرے ساتھ آجائے گا تو ملک احمد کو چار و نا چار راضی ہونا پڑے گا اور صلح کرلے گا ۔ اس طرح اس کی برائی سے محفوظ ہو جاؤں گا ۔

چنانچہ ملک ہمزہ کابل گیا اور بادشاہ کی ملازمت اختیار کی اور اپنی تابعداری اور کمال فدویت اس پر ظاہر کی اور ازراہ خیر خواہی ملک گیری کا شوق دلا کر اسے پشاور کے لیے روانہ کردیا اور اس طرح چند دنوں میں اسے اپنے ساتھ لے کر دوآبے میں آپہنچا اور اسے اپنے گھر میں اتارا ۔ ملک ہمزہ کے مشورے کے مطابق سب سے پہلے کھانڑی کے دلزا کوں کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا اور سمہ کے یوسفزئی کے روساء کے نام اس مضمون کے فرمان بھیجے کہ ان فرامین کے پہنچتے ہی اپنے اپنے لشکر سمیت ہمارے حضور میں پہنچ جاؤ اور یاد رکھو کہ دلزاک کو اس بات کی اطلاع نہ ہونے پائے تاکہ وہ اپنے اپنے مواضع سے بھاگ نہ جائیں ۔

سمہ میں اس وقت اکو زئی اور الیاس زئی آباد تھے ۔ چنانچہ اس اوان میں اکو زئی کا نامی سردار ملک سر ابدال بن یحییٰ خواجو زئی علاؤالدین زئی تھا اور دوسرا میر فتح خان بن موسیٰ بائی زئی یوسف زئی تھا اور الیاس زئی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا ۔ ملک سر ابدال اور میر فتح خان نے بادشاہ کے فرمان کے مطابق فوراً اکو زئی اور الیاس زئی کا لشکر اکٹھا کیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے ۔

انہیں دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور دونوں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا ۔ بادشاہ نے ملک ہمزہ سے کہا ۔ یوسف زئی کا لشکر اُبھرتا ہے ۔ اب تم بتاؤ کہ سب سے زیادہ متمرد اور سرکش کون لوگ ہیں تا کہ ان کے خلاف لشکر کشی کی جائے ۔ ملک ہمزہ نے ملک سر ابدال اور میر فتح خان سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے سب سے پہلے کس پر چڑھاؤ کرنا چاہئے ۔ ان دونوں نے ملک ہمزہ پر فیصلہ چھوڑ دیا اور کہا کہ آپ بڑے ہیں اور بادشاہ کے مقرب و معتمد ہیں ۔ بادشاہ آپ کے گھر میں جلوہ فرما ہیں لہذا جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے ۔ ملک ہمزہ نے کہا کہ مجھے تو اپنا دشمن دلزاک سے زیادہ اور کوئی نظر نہیں آتا ۔ خصوصاً عمر خیل جو ہندوستان کی شاہراہ پر مقیم ہیں اور جب کبھی ہمارے سوداگر شاہراہ سے گزرتے اور ہندوستان آتے جاتے ہیں یہ لوگ ان پر تعدی اور مال و اسباب پر دست درازی کرتے ہیں ۔ سوداگر ان کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں ۔ اس پر ملک سر ابدال اور میر فتح خان نے کہا یہ بات بالکل درست ہے ۔ ہمارے لوگ بھی ان کے ظلم و تعدی سے تنگ آگئے ہیں ۔ بلاشبہ دست اندازی ، بدخصلتی اور خود بینی ان کا پیشہ بن گیا ہے ۔

اس زمانے میں کلپانڑی کا سارا علاقہ دلزاک کے قبضے میں تھا اور عمر خیل کے اس مقام پر جسے اب معصوم خان کابلی کا گھر کہا جاتا ہے ۔ عمر خیل کے دو بڑے بڑے گاؤں تھے جو کلپانی کے نام سے ندی کے دونوں طرف آباد تھے ۔ اس زمانے میں جب یوسف زئیوں اور گگیانیوں کے جو سوداگر ہندوستان آتے جاتے تھے وہ نیلاب (دریائے سندھ) سے پار ہوکر جانتڑ اور سنیالہ سے ہوتے ہوئے سرغ وڑئی کے مقام پر دریائے لنڈا کو پار کر کے کلپانڑی کے راستے آتے ، اس کے

بعد کبھی اپنے گھروں کو جاتے تھے - دلزاک ان پر ڈاکہ ڈالتے اور دست درازیاں کرتے تھے اور اگر انہیں سوداگروں پر ڈاکہ ڈالنے اور انہیں لوٹنے کا موقع نہ ملتا تو یہ رہزنی کرتے۔ یوسف زئی کے ساتھ عمر خیل مخالفت اور دشمنی کرتے تھے - مزید برآں یہ سبب بھی تھا کہ ملک ھیبو باجوڑ میں یوسف زئی کے ہاتھوں مارا گیا تھا - اس سے پہلے دلزاک کے حالات میں گزر چکا ہے - ان حالات کی بنا پر سب سے پہلے عمر خیل کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا -

اس فیصلے کے بعد بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ رات کو موضع چپانڑی کے قصد سے روانہ ہوا - اشنغر کے دریا کو عبور کر کے حصار بالول پہنچا اور صبح صادق کے وقت کلپانی ندی کے اس طرف والے عمر خیل کے گاؤں پر حملہ کردیا - گاؤں میں شور و غوغا ہوا تو ندی پار کے گاؤں میں بھی سنا گیا - سب سے پہلے یہ شور و غوغا عمر خیل کے نامی گرامی سردار ملک جہان شاہ نے سنا لیکن اس نے یہ خیال کیا کہ شاید کوئی شیر یا چیتا ندی پار کے گاؤں میں گھس آیا ہے -

اس زمانے میں کلپانڑی کا علاقہ نرکل اور بانس کا گنجان جنگل تھا - سارے علاقے میں نرکل ہی نرکل تھے جس میں بےشمار آدم خور چیتے رہتے تھے اور آدمیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے ، اسی طرح گینڈے بھی بکثرت تھے -

ملک جہان شاہ نے فوراً نیزہ اور تلوار سنبھالی اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا - کہتے ہیں کہ اس کے گھوڑے کا نام ''گل بادام'' تھا اور بہت بہترین گھوڑا تھا - گاؤں والوں سے کہا کہ فوراً میرے پیچھے آؤ ، دیر نہ لگاؤ - ملک جہان شاہ حقیقت حال سے بالکل بےخبر تھا - اسے کیا پتہ کہ بابر نے حملہ کیا ہے - جب وہ

اپنے گاؤں سے نکلا اور پل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ فوج ہر طرف سے گاؤں پر چڑھ رہی ہے - قتل و غارت گری اور قید و بند کا بازار گرم ہے اور بادشاہ گاؤں کے عین وسط میں کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہے یہ منظر دیکھتے ہی ملک جہان شاہ نے نعرے لگائے اور پکارا کہ اے عمر خیل! بیدار ہو جاؤ اپنے ناموس کی حفاظت کرو اور مردانگی کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو - اس کی اس پکار پر لوگ جاگ اٹھے اور پھر گھمسان کی جنگ چھڑ گئی - مگر زبردست لڑائی دو جگہوں میں ہو رہی تھی - ایک اس گاؤں میں اور دوسری ملک جہان شاہ کے گاؤں کے متصل پل کے دہانے پر - تھوڑی دیر میں ملک جہان شاہ کے گاؤں سے کمک بھی پہنچ گئی مگر دوسرے گاؤں میں کمک پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا - پل پر مغلوں نے پہلے ہی قبضہ کر رکھا تھا -

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں موضع کاپانڑی میں ندی کا پھاٹ زیادہ چوڑا نہ تھا جیسا کہ اب ہے - آمد و رفت کے لیے عمر خیل نے اس پر ایک پل بنا رکھا تھا - ان ایام میں یہاں کے بانس بہت لمبے ، موٹے اور مضبوط ہوتے تھے - کہا جاتا ہے کہ ایک ایک بانس سات سات گز لمبا ہوتا تھا - الحاصل صبح صادق کے وقت سے عصر کے وقت تک گھمسان کا رن پڑا اور اس پار کے گاؤں کے تمام مرد قتل ہو گئے ، بچے اور عورتیں قید ہو گئیں اور مال و متاع غارت ہو گیا عصر کے بعد بادشاہ اس پار کے گاؤں کی طرف متوجہ ہوا - جب پل پر پہنچا تو دیکھا کہ جنگ ابھی تک ہو رہی ہے - اس پر وہ اپنی فوج پر گرجا کہ تم ابھی تک پار نہیں گئے - انہوں نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نشانہ باز ، تیر انداز اور بہادر لوگ ہیں - اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے - اس لیے ان کو پیچھے دھکیلنے اور گاؤں میں داخل ہونے

کا امکان نہیں ہے - بادشاہ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور خود پار چلا گیا اسی کی مشابعت میں سارا لشکر بھی گھوڑے دوڑا کر پار اتر گیا اور تیر برسانا سروع کیے - دلزاک نے بھی نہایت پامردی کا ثبوت دیا - سارا دن لڑتے ہوگیا تھا - تیر کھا کھا کر جسم چھلنی ہوگئے مگر اپنی جگہ سے نہ ہلے - سب وہیں مارے گئے - بادشاہ نے اس گاؤں میں داخل ہوکر اسے بھی خوب تباہ و برباد کیا ، لیکن مال و مویشی ، عورتیں ، بچے دن ہی کو نکل کر کڑمار کے پہاڑ میں گھس گئے تھے- اس لیے سلامت رہ گئے - گرد و نواح کے دوسرے دلزاک بھی خبر پاتے ہی بھاگ گئے - کوئی عمر خیل کی مدد کو نہ آسکا ، ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے -

اس زمانے میں سارے کاپانڑی اور اس کے مضافات میں دریائے لنڈا کے کنارے اشنغر ، شاہباز گڑھ ، کڑمار ، شیر درہ ، پنجتار اور سلسلۂ کوہ کے دامن میں ، ربند تک اور دریائے سندھ کے پار دونوں ہزارہ (ہزارہ اور کورلغ ہزارہ) تربیلہ ، لڑبکونٹی ، سنگرئی اور سوہان تک اور ساری وادئی پشاور میں دلزاک ہی دلزاک آباد تھے - بڑی عظیم و کثیر خلقت تھی -

دلزاک کی ایک خاتون مسماۃ شاہ بوڑئی کا واقعہ اور اس کی بہادری -

واضح رہے کہ اس وقعہ میں ایک عجیب و غریب قضیہ پیش آیا - شاہ بوڑئی نام کی ایک عمر خیل دلزاک خاتون تھی جو رستم عمر خیل کی زوجہ اور عبدالرحمان عمر خیل کی بیٹی تھی - یہ دونوں ڑسنے نامور عمر خیل تھے - شاہ بوڑئی جب حالت صغر سنی سے نکل

کر بلوغت کو پہنچی اور جوان ہوئی تو اللہ پاک نے اس کے ذہن میں مردانہ لباس راسخ کردیا اس لیے وہ مردوں کا لباس پہنتی تھی اور ہمیشہ جوانوں کے ساتھ پھرتی ، شب و روز بے کھٹکے جوانوں کے ساتھ مجالس و محافل میں بیٹھتی ، گھوڑے کی سواری کرتی ، کمر بند باندھتی ، تیر اندازی کرتی اور نشانہ بازی کے مشہور کھیل (موخہ) میں حصہ لیتی اور شبخون مارتی۔ شاہسواری میں لاجواب تھی اور سخت کمان استعمال کرتی تھی۔ کسی چیز سے اس کا تیر نہ رکتا تھا۔ جرگہ، معرکہ اور لڑائی میں حاضر ہوتی - دلزاک کے ہر اول دستے (مقدمۃ الجیش) کی سالار تھی - چونکہ ازدواجی زندگی پسند نہیں کرتی تھی اس لیے عورتوں کی صحبت سے بھی نفرت کرتی تھی - اس کے سامنے کوئی اس کی شادی کا نام نہیں لے سکتا تھا - شوہر کے نام سے ایسی چڑتی تھی ، گویا یہ نام اس کے لیے پیغام موت ہے - پاکدامن تھی اور مردوں کی صحبت میں اس کے نسوانی جذبات مردہ ہوچکے تھے - مال و دولت اور شان و شوکت بہت زیادہ رکھتی تھی - بہت سے غلام اور کنیزیں رکھی تھی -

ایک دن اس کے چند غلام فرار ہوگئے۔ یہ اپنے چند رشتہ داروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلی - راستے میں مختلف مقامات پر اس نے دو دو آدمی غلاموں کو پکڑنے کی غرض سے متعین کئے اور ایک جگہ یہ بھی رستم نامی ایک رشتہ دار کے ساتھ رات گزارنے کے لیے بیٹھ گئی - رستم ایک خوبرو اور دولت مند جوان تھا - دونوں نے آپس میں طے کیا کہ رات لمبی ہے اس لیے دونوں باری باری چوکیداری کریں گے - چنانچہ پہلے رستم سوگیا اور یہ جاگتی رہی - پھر جب رستم جاگ اٹھا تو یہ سوگئی - اس وقت رستم پر نفسانی خواہش نے غلبہ کیا - شیطان نے ورغلایا اور اس نے ارادہ کیا کہ شاہ وڑئی پر

ھاتھ لئے اور رخسار کا بوسہ لے کر اسے اپنے ساتھ بدنام کرے اس نے سوچا یہ شاید اس طرح وہ اس کے ھاتھ آجائے مگر ساتھ ہی اسے اس بات سے ڈرایا بھی کہ اگر اس اثنا میں اس کی آنکھ کھل گئی تو یہ جان سے مار ڈالے گی۔ اس لئے اس کا اسلحہ، تلوار وغیرہ اٹھا کر دور کہیں چھپا کر رکھ دیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا غرض یہ کہ اچھی طرح تیاری کرنے کے بعد آیا اور شاہ بوڑئی کے رخسار پر اپنا منہ رکھ کر ایسے زور سے کاٹا کہ رستم کے دانت اس کے رخسار میں گھس گئے اور زخم سے خون بہنے لگا۔ یہ نیند سے ایک دم بیدار ہوگئی اور تلوار کی طرف ھاتھ بڑھایا مگر تلوار غائب تھی۔ رستم اس اثنا میں تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور اس خوف کی وجہ سے اپنے گاؤں بھی نہ گیا۔ یہ رات بھر اسی جگہ شرمندہ بیٹھی رہی صبح کو یہ شرمسار و خجل اور بادل نخواستہ اپنے گھر گئی۔ سارے دلزک میں اس واقعے کا چرچا ہوگیا۔ اس نے شرم و خجالت سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ دن رات رستم کے قتل کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں تھی۔ بالآخر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اب اگر میں رستم کو قتل کردوں تب بھی یہ داغ تو مٹ نہیں سکتا جو مجھ پر لگ چکا ہے اور اگر اس کی ضد میں کسی اور سے شادی کرلوں تب بھی یہ داغ نہیں دھل سکتا اس لیے بہتر یہی ہے کہ رستم ہی کو اپنا شوہر بنالوں۔ قریبی رشتہدار اور خوبصورت جوان ہے۔ اس نے اپنا یہ خیال اپنی ماں اور باپ پر ظاہر کردیا۔ انہوں نے فوراً اس کی شادی کا بندوبست کردیا۔ محفل آرائی ہوئی اور گانے گائے گئے، شہنائیاں بجیں، اسے زنانہ لباس پہنایا گیا، چوڑیاں گوندھی گئیں اور اس طرح شاہ بوڑئی کی رستم سے شادی ہوگئی اس کے بعد وہ پردہ کرنے لگی اور گھر کی چار دیواری میں بیٹھ گئی۔ مگر گھوڑا اور تمام اسلحہ، تیر

کمان وغیرہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا اسے وہ اپنے سے الگ نہیں کرتی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ جنگ میں بھی شریک ہوتی تھی البتہ چہرے پر نقاب ہوتا تھا۔

جس دن بادشاہ نے ان کے گاؤں پر چڑھائی کی، رستم بہت بیمار اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاچار تھا۔ جب گاؤں والے شکست کھا گئے تو اس نے آکر رستم سے کہا۔ مغلوں کا لشکر گاؤں پر چڑھ آیا ہے۔ بیشتر عمر خیل مارے گئے جو باقی ہیں ان میں مقابلے کی تاب نہیں اب آپ بھی اٹھیے یہاں سے نکل چلیں میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گی اگر کوئی تعاقب میں آیا تو میں اس سے نمٹ لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں رستم نے کہا کہ مجھ میں تو حرکت کرنے کی طاقت بھی نہیں۔ میں کیوں کر جاسکتا ہوں البتہ تم چلی جاؤ۔ شاہ بوڑنی نے کہا جب آپ نہیں جاسکتے تو میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔ چنانچہ اس نے شوہر کی چارپائی اٹھا کر چھپر کے اندر ڈال دی اور تلوار کمر سے باندھ کر، کمان ہاتھ میں لے کر چھپر کے دروازے میں بیٹھ گئی اور تیروں کا گٹھا سامنے رکھ لیا۔ جب لشکری اس کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے تو اس نے تیر مارنا شروع کیا اس کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ جس کے تیر مارتی، تیر اس کی زرہ توڑ کر سینے میں پیوست ہوجاتا تھا اور دم کے دم میں وہ دم توڑ دیتا تھا۔ اس پر مغلوں میں کھلبلی مچ گئی کہ اس چھپر میں کوئی بلا ہے جس نے تباہی پھیلا دی ہے۔ بہت سے لوگ ہر طرف سے آکر اکٹھا ہوگئے۔ چھپر کو محاصرے میں لے لیا اور ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر کے اسے چھلنی کر کے رکھ دیا۔ جب اندر سے تیر آنا بند ہوگئے تو لوگوں نے اندر جا کر دیکھا کہ ایک عورت کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ متعجب ہوگئے۔

کسی نے اس واقعے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ اس نے فوراً قاصد بھیجا اور خبردار کیا کہ اس عورت کو قتل نہ کیا جائے ، اسے زندہ پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ مگر جب بادشاہ کا قاصد پہنچا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔ ساتھ ہی اس کا شوہر بھی مارا گیا تھا۔ بادشاہ کو جب شاہ بوڑئی کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے لوگوں کو بہت ملامت کی اور کہا ایسی بہادر عورت کو مرد نہیں مارا کرتے۔ چاہئے تھا کہ اسے زندہ پکڑ کر لے آتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ اس زور سے تیر مارتی تھی کہ زرہ کو توڑ کر سینے سے پار ہوجاتا تھا۔ ہم یہ سمجھے کہ کوئی مرد ہے۔ اس لیے انجانے میں وہ قتل ہوگئی۔ بادشاہ اور اہل لشکر نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کی بہادری اور شوہر سے اس کی محبت اور فدا کاری پر آفریں کہی۔ اس کے بعد جب بھی کبھی بادشاہ کے حضور میں عمر خیل پر حملہ کا ذکر آجاتا تھا۔ بادشاہ عمر خیل کی شجاعت کی خصوصاً شاہ بوڑئی کی تعریف کرتا تھا۔ اللهم اغفر لها و لجميع المسلمين و المسلمات۔

القصہ عصر تک لڑائی جاری رہی۔ دونوں گاؤوں کے بیشتر لوگ قتل ہوگئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے شکست خوردہ دلزاک کے تعاقب میں شاہباز گڑھ کا رخ کیا اور کڑمسار کی طرف روانہ ہوگیا۔ نو دس میل تک ان کا تعاقب کیا ہوگا کہ رات ہوگئی۔ جس جگہ اس نے رات بسر کی تھی اب اس مقام پر لنگر کوٹ کا قلعہ ہے۔

اس واقعے کے بعد ملک سر ابدال نے بڑی عزت پیدا کرلی۔ بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوگیا۔ یہ ابھی جوان اور عقل و تدبیر میں فائق تھا۔ سر ابدال اپنے لشکر اور تمام اہل افغان کے ساتھ بادشاہ کے لشکر سے کچھ فاصلے پر مقیم ہوگیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح

ہوئی تو اکو زئی اور الیاس زئی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا ۔ جانبین سے لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی یہ شور سنا گیا ۔ بادشاہ نے لوگوں کو جنگ پر کمربستہ دیکھا تو ہیبت زدہ ہوگیا اور یہ سمجھا کہ شاید پختونوں نے فریب دے کر اس مقام پر اپنے لوگوں کے درمیان لا کر پھنسا دیا ہے - اس لیے فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے لشکر کے ساتھ فرار کی نیت سے تیار ہوکر کھڑا ہوگیا ۔

ملک سر ابدال نے بادشاہ کا یہ اضطراب دیکھا تو سمجھ گیا کہ بادشاہ کے دل میں ہماری طرف سے بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اس لیے وہ دوڑ کر آیا ۔ بادشاہ کو سلام کیا اور کہا بادشاہ سلامت آپ اپنے لیے بالکل خطرہ محسوس نہ فرمائیں ۔ آپ ہمارے بادشاہ اور ہم آپ کے نمک خوار ہیں ۔ آپ اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ تشریف فرما رہیں ۔ ہم پختون ہیں ، اسی طرح جھگڑے اور لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں یہ ہمارا قومی شعار بن گیا ہے آپ تردد نہ فرمائیں ہم ابھی جا کر معاملہ رفع دفع کر کے ان کے درمیان صلح و صفائی کرا دیں گے ۔

اس کے بعد بادشاہ مطمئن ہوکر کھڑا ہوگیا ۔ دل سے خطرہ نکل گیا ۔ ملک سر ابدال گھوڑے پر سوار ہوکر دوڑا ہوا گیا دونوں لشکروں کے درمیان پہنچا ۔ طرفین ہاتھ میں ڈھالیں پکڑے ایک دوسرے پر تیر برسا رہے تھے ۔ ملک سر ابدال زرہ پہنے ہوئے نہیں تھا ۔ فریقین کو آواز دی اور ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بس کرو ، تیر اندازی بند کرو ۔ مگر عین اسی وقت ایک تیر الیاس زئی کی طرف سے آکر اس کے لگا وہ تیر لگتے ہی گر گیا ۔ اس پر طرفین ہیبت زدہ ہوگئے اور حیران و پریشان کھڑے کے کھڑے رہ گئے ۔ بادشاہ کو حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی بےحد سراسیمہ اور غمگین ہوا ۔

ملک سر ابدال بیہوش پڑا ہوا تھا - کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں ۔ لوگوں کو پہچانا اور دریافت کیا کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟ کسی نے کہا یہیں حیران و پریشان اور شرمندہ کھڑے ہیں اور بادشاہ بھی متحیر اور متفکر کھڑے ہیں ۔ ملک سر ابدال نے کہا مجھے ڈیرے پر لے چلو اور طرفین کو وہاں بلاؤ ۔ چنانچہ اس کے بعد اسے ڈیرے پر لےجایا گیا اور اکو زئی کے سارے سردار جا کر حاضر ہو گئے ۔ بالآخر اس نے اکو زئی سے کہا ۔

اے عزیزو ! الیاس زئی کی یہ منشا نہ تھی کہ مجھے دکھ پہنچائیں لیکن میری تقدیر میں اسی طرح لکھا ہوا تھا ۔ اب میری نصیحت اور وصیت سنو کہ میری حیات میں دونوں فریق ایک دوسرے سے گلے ملو اور بدی کو دل سے نکال دو، میرے معاملے میں کسی سے تعرض نہ کرو اور اگر تم صبر و ضبط نہ کرسکو تو یوسف منڈنڑ کے چند سرداروں کو بٹھا کر آپس میں مشورہ کرلو ۔ میرے باب میں وہ جو نیک صلاح دیں اس پر عمل کرو اس سے زیادہ الیاس زئی کے ساتھ بدی نہ کرو ۔

اکو زئی کے سرداروں نے ملک سر ابدال سے کہا جو آپ کا حکم ہوگا ۔ ہم اس کی تعمیل کریں گے ۔ اس کے بعد ملک سر ابدال نے الیاس زئی سے متوجہ ہو کر کہا کہ بھائیو ! اب آپ اپنے ڈیروں میں جائیں ۔ اس پر الیاس زئی اٹھ کر ڈیرے میں گئے اور ملک سر ابدال پر حالت نزع طاری ہو گئی اور اس کی روح پرواز کر گئی ۔ بادشاہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک ملک سر ابدال کی روح پرواز نہیں کر گئی ۔ بادشاہ ملک سر ابدال کے انتقال سے بے حد خائف اور متوحش ہوا ۔ تمام لوگوں پر سے اس کا اعتبار اٹھ گیا ۔ اسی وقت وہاں سے اشنغر کا رخ کیا ۔ اشنغر سے گزر کر دوآبہ آیا اور ملک ہمزہ کے

یہاں اتر گیا اور بادشاہ کے دل میں جو اغراض و مطالب تھے وہ سب کے سب التوا میں پڑ گئے ۔ ملک حمزہ بادشاہ کی خدمت اور مہمانی کے لوازم و شرائط کماحقہ بجا لایا ۔ بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کیں ۔ بادشاہ کی طرف سے وہ بھی اعزاز و منصب سے سرفراز کیا گیا ۔ اس کے بعد بادشاہ دوآبے سے روانہ ہو کر کابل چلا گیا اور پایہ تخت کو رونق بخشی ۔

مقام پنجم

گگیانیوں اور دلزاکوں کے درمیان جنگ

جب ملک سر ابدال کا انتقال ہوگیا تو الیاس زئی کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بادشاہ کا اعتماد بھی اٹھ چکا تھا اس لیے وہ بھی کوچ کر کے دوآبہ چلا گیا۔ اکو زئی نے ملک سر ابدال کی میت (جنازے) کو اس کے گھر سنگاؤ پہنچا دیا۔ دلزاک جو فرار ہوگئے تھے، لوٹ کر اپنے اپنے دیہات میں آباد ہوگئے۔ مگر اس بار کلپانی گاؤں بری طرح تباہ ہوچکا تھا۔ لوگ جنگ میں کام آگئے تھے، عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے تھے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا۔ مویشی مر کھپ گئے تھے۔ کچھ لوگ جو مال و مویشی اور عیال و اطفال کو لے کر بھاگ گئے تھے وہ واپس آ کر اپنے گاؤں میں آباد ہوگئے۔ کچھ دنوں کے بعد بقیہ عمر خیل نے جرگہ کیا پھر بڑے بڑے سردار مل کر ملک احمد کے پاس سوات گئے اور اس سے کہا۔

''ملک ہمزہ گگیانی بادشاہ کو کابل سے لے آیا اور بےخبری میں ہم پر چڑھا لایا۔ ہمیں اس کے ہاتھوں قتل کرایا اور تباہ و برباد کردیا۔''

ملک احمد کو سارے حالات معلوم ہوچکے تھے۔ ملک سر ابدال کی موت کی خبر بھی سن چکا تھا۔ اس نے ان سے کہا ملک ہمزہ نے یہ بدی تمہارے ساتھ نہیں میرے ساتھ کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی بادشاہ کو کابل سے لایا اور تم پر چڑھایا ہے مگر اس کا اصل

مقصد اور نشانہ میں تھا ۔ وہ فی الحقیقت مجھے اپنا زور دکھا رہا تھا ۔ خیر جو ہوا سو ہوا آئندہ کے لیے خاطر جمع رکھو اور جا کر اپنی تعمیر میں لگ جاؤ میں چند دنوں میں بونیر آرہا ہوں ، تم بھی وہاں آجاؤ وہاں باہم صلاح و مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں گے ۔

عمر خیل رخصت ہو کر اپنے گھروں میں واپس آگئے ۔ چند دنوں کے بعد ملک احمد ، شیخ ملی وغیرہ یوسف زئی کے ملک صاحبان اکوزئی کے پاس سمہ گئے اور ملک محمود ابن یحییٰ علاؤ الدین زئی سے ملک سر ابدال کی تعزیت کی اور ان سے کہا ۔

"اے نمک فروشوں اور گائے چرانے والو ! تم کہاں اور بابر کا دربار کہاں ۔ تم کون تھے کہ مجھ سے پوچھے اور صلاح و مشورہ کئے بغیر بادشاہ کے ہاں گئے اور ملک ہمزہ گگیانی جیسے آدمی کے قریب میں آگئے جو قدیم الایام سے ہمارا دشمن ہے اور اس کے ساتھ لشکر کر کے عمر خیل کو تباہ و برباد کرادیا اور ملک سر ابدال جیسا عزیز کھو دیا ۔"

اس کے بعد بونیر آیا ۔ سب کو باہم اکٹھا کیا اور عمر خیل بھی آگئے ۔ آپس میں جرگہ کیا اور ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ جو تمہارا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہے ، میں نے خخی کا ننگ چھوڑ دیا ۔ جاؤ ان پر لشکر کشی کرو اور ان سے اپنا انتقام لو ۔ اس فیصلے کے بعد عمر خیل اپنے گھروں میں آئے اور لشکر جمع کرنے فکر لگ گئے ۔

چنانچہ عمر خیل دلزاک کے بعض سربر آوردہ ملک دریائے سندھ کے پار کے علاقے میں گئے ۔ وہاں سے لشکر لے آئے ۔ اتنا لشکر اکٹھا ہو گیا جس کا کوئی حد و حساب نہ تھا اور پھر بحیثیت اجتماعی سے دوآبے کی طرف کوچ کیا اور شرغ وڑئی کے مقام پر دریائے لنڈا

پار کر کے پشاور آگئے ۔ پشاور میں بھی سب دلزاک آباد تھے ، اس طرح سب کے سب اکٹھے ہو گئے ۔

کہتے ہیں جب دلزاک کا لشکر دوآبے کی طرف روانہ ہوا ۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان بن موسیٰ بانی زئی سولی زئی اور دادی بن ہوہل بن فخرالدین یوسف زئی کو خطوط بھیجے کہ میں تمہارا بھائی ہوں ۔ خخی (خشی) کے ننگ اور ناموس کا خیال کرو ۔ لشکر لے کر میری مدد کے لیے پہنچو ۔ آخر یہ دونوں جو اس زمانے میں زیربن سمہ میں مقیم تھے ، خخی (خشی) کی عزت و ناموس کے نام پر ، ملک احمد سے صلاح و مشورہ کیے اور پوچھے بغیر اپنے ہم نسبوں کی ایک تعداد کے ساتھ جن میں سے ہر ایک نامور شہسوار تھا ۔ چل کھڑے ہوئے اور اشنغر کے راستے دوآبہ پہنچے ۔ گگیانیوں کی عورتوں نے ان کی آمد کی خوشی میں گانے گائے اور شکریہ ادا کیا ۔ دادی نے میر فتح خان سے پوچھا کہ یہ ہمارا کس بات کا شکریہ ادا کرتی ہیں ۔ فتح خان نے جواب دیا کہ اللہ داد ! یہ میرے اور تمہارے سر کا خون ہے جو ہم پر نچھاور کرتی ہیں ۔ ملک ہمزہ نے میر فتح خان کو مبارک باد دی اور کہا کہ پہلے آپ صرف یوسف زئی کے سردار تھے اب آپ سارے خخی (خشی) کے سردار ہو گئے ، ہم نے بھی آپ کو اپنا سردار بنالیا آپ کو یہ سرداری مبارک ہو ۔

میر فتح خان ایک نامور اور بہادر آدمی تھا ۔ سخاوت ، شجاعت اور دولت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا ۔ آبا و اجداد سے صاحب عزت اور سربر آوردہ شخص تھا ۔ اس کے ہاں ہمیشہ ولائتی غالیچے بچھے رہتے تھے ۔ انواع و اقسام کے کھانے پکتے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس کے مہمان ہوتے تھے ۔ سارے یوسف زئی کا خان تھا اور عوام اس کو سلام کرتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کے خیل خانے

میں دوسرے نامور خوانیں اور سردار گزرے ۔ ان کی بھی اسی طرح عزت اور ان کو بھی اسی طرح سلام کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ اس کے بعد بارا خان سردار ہوگیا اور بارا خان کے بعد ظریف خان کے حصے میں سرداری آئی اور اس کے بعد محمد خان خان بن گیا ۔ علیٰ ہذا القیاس درجہ بہ درجہ تمام یوسف زئی ان کے منقاد اور مطیع رہے ۔

دادی کا اصلی نام اللہ داد تھا ۔ اس کے باپ دادا قوم کے شجاع ترین اور صاحب مرتبہ تھے ۔ چنانچہ ہوہل کا خاندان اپنی بہادری کے لیے ساری خخی (خشی) قوم میں مشہور تھا ۔ کہتے ہیں کہ جب میر فتح خان اور دادی سواروں کی جمعیت کے ہمراہ اشنغر کے راستے دوآبہ کی طرف جارہے تھے اور مشہور و معروف حصار نالے تک پہنچ چکے تھے تو اس طرف سے لال منڈنڑ (خورد خیل) صدو زئی کا فرزند سرگین ملا ۔ سرگین بےحد خوبصورت نوجوان تھا ۔ شادی کر کے لوٹ رہا تھا ۔ دلہن کی ڈولی اور براق ساتھ تھے ۔ میر فتح خان اور دادی نے اس سے کہا کہ ہم تو خخی (خشی) کے ناموس کی خاطر گگیانیوں کی حمایت میں دوآبہ جارہے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ چلوگے سرگین نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا ۔ دلہن کی ڈولی برات کے ساتھ گھر بھیج دیتا ہوں ۔ اگر زندگی رہی تو گھر لوٹ آؤں گا اور اگر جنگ میں کام آ گیا تب بھی کوئی پروا نہیں ۔ چنانچہ سرگین نے ڈولی کو گھر بھیج دیا اور خود ان کے ساتھ دوآبے چلا گیا ۔

گگیانی پھر اس مرتبہ بھاگ کر کنڈل خیل و مغل خیل کی طرف پہاڑ میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اور مال، مویشی، بھیڑ بکری سب کچھ ساتھ لے گئے تھے ۔ تمام لشکری نیمہ وڑئی میں مقیم تھے ۔ نیمہ وڑئی دوآبہ میں ایک مشہور و معروف جگہ ہے ۔ ملک ہمزہ نے وہاں ایک بہت بڑا شامیانہ کھڑا کر دیا تھا جس کی شان و شوکت امیروں

جیسی تھی ۔ دوسرے ملکوں نے بھی اپنے اپنے حسب مقدور خیمے کھڑے کئے تھے ۔ گگیانیوں کو کابل سے آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ۔ ابھی ان کی خوخصلت ، زندگی کا انداز اور ساز و سامان کوچیوں کا سا تھا ۔ محمد زئی اس وقت تک کامہ (ننگر ہار) میں آباد تھے ۔ ملک ہمزہ نے ان سے اسـداد و معاونت سانـگی تھی اس لیے محمد زئی کا لشکر ان کی مدد کے لیے پہنچ گیا ۔

الغرض گگیانیوں کا بھی عظیم لشکر جمع ہو گیا تھا جس میں زیادہ تر سوار اور باقی پیادے تھے ، ایک ہزار سوار تو صرف گگیانیوں کے تھے جو سب کے سب عراقی گھوڑوں پر سوار اور سر سے پیر تک زرہوں میں غرق تھے ۔ دلزاک کا لشکر جمعیت تام کے ساتھ پشاور سے روانہ ہو کر کل بیلہ گیا اور دریـائے پشاور سے پار اتـر کر سیدھا نیمہ وڑئی گیا جہاں سے گگیانیوں کو ان کا لشکر دکھائی دیا ۔ دلزاک نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں ۔ گگیانیوں کا لشکر بھی مقابلے کے لیے میدان میں نکل آیا اور اسی جگہ دونوں لشکروں میں باہم مقابلہ ہوا ۔ پہلے تیروں کی جنگ شروع ہوئی ۔ دلزاک سب کے سب تیر اندازی میں ماہر تھے ۔ گگیانیوں کے اکثر لشکر کو گھائل کردیا ۔ یہ حالت دیکھ کر فتح خان ، دادی ، سرگین اور ملک ہمزہ لشکروں میں گھس گئے اور دست بدست جنگ شروع کردی ۔ ان کی دیکھا دیکھی سارا لشکر یکبارگی ٹوٹ پڑا اور نیزوں اور تلواروں کی ایک بے پناہ جنگ شروع ہو گئی ۔ گگیانیوں نے بامردی اور بہادری کا حق ادا کردیا ۔ آفریں ہو ان کی ہمتوں پر مگر چونکہ دلزاک ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے ، سواروں اور پیادوں کا کوئی شمار نہ تھا ، صفوں کی صفیں کھڑی تھیں ۔ دلزاک ان پر ٹوٹ پڑے اور سارے گگیانی قتل ہو گئے ۔ اگرچہ دلزاک بھی بے انتہا لقمۂ اجل بنے ، لیکن وہ

چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لیے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی ۔ گگیانیوں کے ایک ہزار زرہ پوش بہادر جو عراقی گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے تین سو شہسوار صرف مکہ خیل کے تھے وہ ایک ایک کر کے سب قتل ہوگئے ۔ مکہ خیل اس زمانے میں بڑے دولت مند ، مشہور اور بہادر لوگ تھے اور دوسرے گگیانیوں کی نسبت مہذب بھی تھے لیکن اس لڑائی میں اکثر مارے گئے ۔ ان کی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوگئے ۔ اس جنگ کے بعد قبیلے کی حیثیت سے یہ لوگ بہت کمزور ہوگئے اور تھوڑے بھی رہ گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں گگیانیوں ، محمد زئی اور یوسف‌زئی میں سے کسی نے بھی کمی نہیں ۔ خصوصاً داؤدی ملی زئی نے بہادری کا حق ادا کردیا ۔ مگر گگیانیوں کا بخت برگشتہ ہوگیا تھا وہ بڑے مغرور ہوگئے تھے ان کا تکبر انہیں لے ڈوبا تھا ۔ کوشش کے باوجود اپنی شکست کو فتح میں نہ بدل سکے اور تمام لوگ قتل ہوگئے اگر کوئی بھاگ کھڑا ہوا تھا تو دلزاک نے تعاقب کر کے اسے بھی قتل کر کے چھوڑا البتہ ان کے بچوں اور عورتوں سے ملک احمد کے لحاظ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اس لیے یہ بات ملک احمد اور یوسف زئی کے دوسرے سرداروں کو ناگوار گزرتی ۔ کیونکہ گگیانی اور یوسف زئی بہرحال بھائی بھائی تھے اور دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کرتا تھا ۔ دلزاک کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کل کو یہ ہم سے کہیں کہ اگرچہ ہم ان سے بددل ہوگئے تھے ۔ تمہیں ان کے ناموس پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کیسے ہوئی ۔ اس لیے عورتوں اور بچوں سے کچھ تعرض کیے بغیر واپس آگئے ۔ اپنے مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھایا اور دریائے اشنغر کے کنارے آکر ڈیرہ ڈال دیا ۔ رات وہاں گزاری ، صبح کو پشاور کے لیے روانہ ہوگئے ۔ جو لوگ پشاور کے تھے

وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور جو زیرین علاقے کے تھے وہ فی الفور روانہ ہو کر 'سرخ وڑئی' کے مقام پر دریائے لنڈا کو عبور کرتے ہوئے کاپانڑی آگئے اور جو کاپانڑی کے سمہ (میدانی علاقہ) کا لشکر تھا وہ جا کر ھنڈ کی گزر سے پار ہو کر اپنے اپنے دیہات میں چلے گئے اور دلزاک اس فتح پر بے حد مغرور ہو گئے۔

دوسرے یہ واضح رہے کہ اس وقت جب میر فتح خان اور دادی گگیانیوں کی حمایت میں ملک احمد کو اطلاع کئے بغیر گئے تھے، اس کی اطلاع ملک احمد کو مل گئی اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری۔ وہ بے حد غصہ ہوئے اور فوراً میر احمد عمر خیل مندو زئی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو واپس لے آئے اور ان سے کہو کہ کیا تم گگیانیوں کی وہ بدی بھول گئے جو انہوں نے کابل میں ہمارے ساتھ کی تھیں اور ملک ہمزہ نے دوآبے میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ بھی تمہارے دلوں سے نکل گیا۔ تم کون ہو اور گگیانیوں کی حمایت سے تمہاری غرض کیا ہے۔ دلزاک میری اجازت سے گئے ہیں پس تم عبث اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، واپس آجاؤ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت میر احمد عمر خیل پہنچا تو گگیانیوں اور دلزاک کی جنگ تیار تھی۔ جانبین سے صفیں آراستہ ہو چکی تھیں۔ جنگ کا دن تھا۔ میر احمد، میر فتح خان اور دادی تک نہ پہنچ سکا۔ ایک طرف کھڑا رہ گیا۔ جونہی جنگ شروع ہوئی، میر احمد کو خخی (خشی) کے ننگ و ناموس کے خیال نے بے اختیار کردیا اور وہ بھی دلزاک پر ٹوٹ پڑا۔ تلوار چلانا شروع کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دئیے یہاں تک کہ خود بھی جان دے دی۔ جس وقت میر احمد میدان میں کود رہا تھا تو دادی نے اسے دیکھ لیا تھا۔

جب وہ جنگ میں کام آگیا تو دادی نے کسی سے پوچھا کہ یہ بہادر کون تھا ؟ اسے بتایا گیا کہ میر احمد عمر خیل صدو زئی تھا اور ملک احمد نے اسے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ تمہیں واپس بلا لائے مگر وہ اس وقت یہاں پہنچا جب جنگ شروع ہوچکی تھی اور اس وجہ سے وہ تم سے نہ مل سکا اور خخی (خشی) کے ننگ سے مجبور ہو کر وہ بھی جنگ میں کود پڑا اور مر گیا۔ دادی نے کہا کہ میر احمد پر صدا رحمت ہو۔ ننگیالی اسے کہتے ہیں ۔ اس کے بعد دادی بھی تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا ۔ اس کی منگنی ہوگئی تھی ، منگیتر رہ گئی ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ سے قبل ایک دن دادی اپنے خسر سے کہیں راستے میں ملا تھا ۔ خسر نے اس سے کہا دادی ! جنگ میں ہوش کی ضرورت ہوتی ہے ۔ بے محل جوش سے کام نہیں چلتا ۔ ہر کام ہوش و حواس میں رہ کر کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی بیٹھی رہ جائے ۔ دادی شرم کے مارے اسے کوئی جواب نہ دے سکا ۔ اسی وقت انہیں ایک راہ رو نظر آیا تھا جو انہیں پہچانتا بھی نہ تھا ، وہ اپنا دل بہلانے کے لیے ایک ٹپا گارہا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں ۔

کہ د نورو نیزے لنډے   دٙ دادی نیزه ده لویه

اگر دوسرے لوگوں کے نیزے چھوٹے ہیں تو کیا ہوا دادی کا نیزہ تو بڑا ہے ۔

کہ هر څوسواره ډیر شي   دٙ دادی ور تله خو بو یه

ہر چند کہ سوار زیادہ ہو جائیں مگر دادی کو تو (جنگ میں) ضرور شریک ہونا چاہیئے ۔

دادی نے یہ سن کر اپنے خسر سے کہا کہ آپ نے یہ اشعار سنے ؟ اب آپ فرمائیں کہ میں اپنی ناموری کہاں چھپاؤں جب کہ

میرا نام ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اس نے کہا کہ بیشک حقیقت بھی ہے۔ جاؤ خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے نام کو بٹہ نہ لگنے دو جو مقدر میں ہوگا وہ ضرور پیش آئے گا۔ غرض یہ کہ جب ملک احمد اور یوسف زئیوں کو گگیانیوں، محمد زئی اور یوسف زئی کے قتل ہونے کی خبر ملی تو بہت دلگیر و غمگین ہوئے اور ان کی رگ حمیت و غیرت بھڑک اٹھی اور خخی (خشی) توب (برادری) کے ننگ کا خیال دامنگیر ہوا۔

ہر کوئی ملک احمد کو ملامت کرتا تھا کہ آپ تمام خخی (خشی) بلکہ سڑابن کے سردار ہیں۔ گگیانیوں کی رسوائی آپ کی رسوائی ہے آپ نے ایک ہمزہ کی وجہ سے قوم کے ایسے بہادر ضائع کردئیے یہ آپ کے لیے مناسب نہ تھا اور میر فتح خان، دادی، میر احمد اور سرگین کے عزیز بھی آ کر ملک احمد سے شکوہ و شکایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے یہ بھائی اور عزیز دلزاک کو ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ اگر آپ ان کا بدلہ لیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم خود دلزاک کے ایسے ہی نامی سردار قتل کردیں گے جس کی وجہ سے خود بخود فتنہ کھڑا ہوجائے گا۔ ملک احمد نے ان سے کہا آپ ذرا صبر کریں میں بھی اپنے ان بھائیوں اور عزیزوں کو نہیں بھول سکتا۔ میں موقع کی تلاش میں ہوں اور بہانہ ڈھونڈھتا ہوں۔ گگیانیوں کے اور سردار بھی آئے اور ملک احمد سے فریاد کی۔ ملک احمد نے انہیں بھی تسلی دی اور ان کی دل جوئی کی اور کہا کہ اب آپ لوگ جائیں اور خاطر جمع رکھیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں ان سے سارے خخی (خشی) کا انتقام لے کر دم لوں گا۔ گگیانی رخصت ہو کر چلے گئے۔ ملک احمد شب و روز اسی فکر میں لگا رہا بہانہ تلاش کرتا رہا۔ دلزاک اس فتح سے اور زیادہ مغرور اور بدمست

ہوگئے تھے ۔ خوب لاف زنی کرتے تھے ۔ اب انہوں نے یوسف زئی کے ساتھ دست اندازی اور بدخصلتی شروع کردی ۔ اس وقت یوسف زئی بگیاڑے میں مقیم تھے ۔ جگہ جگہ ان کے گاؤں آباد تھے ۔ اتفاقاً ایک دن یوسف زئی کی مستورات بگھاڑے کی ندی (موجودہ کلپانڑی نالہ) پر کپڑے دھو رہی تھیں ۔ کپڑے سکھانے کے لیے دھوپ میں پھیلا رکھے تھے اور خود بے حجاب بیٹھی ہوئی تھیں ۔ اچانک دلزاک کا ایک گروہ جو کلپانی سے بگیاڑے گیا ہوا تھا ادھر سے گزرا ۔ ان میں سے ایک بدذات نے پردے کی چادر (پڑونے) وہاں سے اٹھا لی عورتوں نے آواز دی کہ اے کم بخت دلزاک ہمارے پردے کی چادر (پڑونے) نہ لے جا واپس دے ۔ اگر تونے چادر واپس نہ دی تو یاد رکھ کہ ملک احمد زندہ و پائندہ ہے یہ چادر تمہارے سروں کے خون سے رنگ دی جائے گی ۔ اس بدبخت نے گالیاں دیں واہی تباہی بکا اور کہا ، ملک احمد میرا کیا کرلے گا ۔

غرض یہ کہ دلزاک پردے کی چادر لے گیا ۔ سارے یوسف زئی میں اس بات کی شہرت ہوگئی ۔ ملک احمد کو بھی معلوم ہوگیا اسے اس پر بہت غصہ آیا ۔ اس نے کہا اگر میں نے سارے خخی (خشی) کا بدلہ دلزاک سے نہ لیا تو میں سلطان شاہ کا فرزند نہیں ۔ اس کے بعد اس نے ساری قوم کو بلایا ۔ جرگہ کیا اور دلزاک کے کلی استیصال اور بیخ کنی کے فیصلے کے بعد لشکر کی فکر میں لگ گیا ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت سوسی زئی گگیانی یوسف زئیوں سے اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ ملک حسن بن چنگا اور ملک شبلی ابن توری موسی زئی نے مرزا الغ بیگ کے عہد میں کابل میں یوسف زئیوں کو قتل کرادیا تھا ۔ اب کابل میں تنہا رہ گئے تھے اور دوسرے گگیانی نیچے دوآبہ چلے آگے تھے ۔ کسی قدر اتمان خیل ان کے ساتھ

کابل میں رہ گئے تھے ۔ ترکلانی لغمان میں اور محمد زئی ننگر ہار میں تھے ۔ محمد زئی کے قبضے میں اس وقت کوئی ملک نہ تھا ۔ پس ملک احمد نے فیصلہ کیا کہ ہرچند موسی زئی نے ہمارے ساتھ برائی کی ہے مگر اس وقت مصلحت یہ ہے کہ ہم ان کی تقصیر معاف کر دیں اور اپنے ساتھ انہیں ملائیں تاکہ خخی (خشی) کی یہ مہم اللہ تعالیٰ کامیاب کردے ۔ ان کے علاوہ اتمان خیل ، ترکلانی اور محمد زئی کو بھی بلالینا چاہئے کیونکہ ایک بڑی اور عظیم مہم در پیش ہے ۔ چنانچہ ملک احمد نے شیخ ملی کو چند یوسف زئی سرداروں کی معیت میں کابل روانہ کیا اور ان سے کہا کہ جاتے ہوئے پہلے دوآبہ جائیں اور گگیانیوں سے کہہ دیں کہ ملک احمد اور تمام یوسف زئی نے موسی زئی کی تقصیر معاف کردی ہے ۔ اب آپ کے چند معززین میرے ساتھ کابل چلیں تاکہ انہیں لے آئیں اور اتمان خیل ترکلانی اور محمد زئی کو بھی لے آئیں اس لیے کہ یہ مہم سب کی مشترک مہم ہے ۔

چنانچہ شیخ ملی وغیرہ دوآبے کو گئے اور گگیانیوں کو حالات سے مطلع کیا ۔ گگیانی ملک احمد کے پیغام اور معافی سے بےحد خوش ہوئے ان کے چند سردار شیخ ملی کے ہمراہ ننگرہار گئے اور محمد زئیوں کو ملک احمد کا پیغام پہنچایا کہ ہمارے ساتھ لشکر کریں ۔ چنانچہ محمد زئی نے ان کے ساتھ لشکر کرنا قبول کیا ۔ زاں بعد لغمان گئے اور ملک احمد کا پیغام ملک سرخابی بن شمو سالا زئی اور ملک بلو خان بوم شاہ زئی ترکلانی کو پہنچایا اور ان سے لشکرکشی کا تقاضا کیا اس کے بعد کابل گئے اور موسی زئی گگیانیوں کے پاس گئے اور ان تک ملک احمد کا پیغام پہنچایا ۔

ہم نے تمہاری ساری خطائیں معاف کردیں اور اپنے سارے خون سے بھی در گزر کیا اب تم پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ آؤ

تاکہ سب مل کر خخی (خشی) کے ننگ و ناموس کا بدلہ لیں ۔

موسی زئی نے جب یہ پیغام سنا تو بےحد خوش ہوئے کہ ملک احمد نے ہمارا گناہ معاف کردیا اور پھر شیخ ملی جیسے معزز آدمی کو ہمارے پاس بھیجا ۔ سب نے بالاتفاق اس مہم میں شرکت کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر لے کر روانہ ہوگئے ۔ اتمان خیل کو بھی ساتھ میں لیا اور لغمان پہنچے مگر ترکلانی ان کے ساتھ اس مہم میں شریک نہیں ہوئے ۔ لغمان سے ننگر ہار آگئے ۔ محمد زئیوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا اور اطلاع ملتے ہی تیزی سے ان کے ساتھ آکر بگیاڑے میں مقیم ہوگئے ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت محمدزئی کا کوئی علیحدہ اور مستقل ملک نہیں تھا۔ دوسروں کے ساتھ تبعاً وطفیلی کی حثیت سے رہا کرتے تھے ۔ چنانچہ کابل میں گگیانیوں کے ساتھ رہتے تھے اور جب گگیانی کابل سے دوآبے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ننگر ہار تک یہ بھی ان کے ساتھ تھے ، مگر پھر یہ ننگر ہار میں رہ گئے ۔

بگیاڑے سے کاٹانگ دو تین کرو یعنی ۹ ، ۱۰ میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف تھا۔ شیخ ملی نے وہاں جا کر ملک احمد سے ملاقات کی اور اس سے کہا کہ بگیاڑے میں ایک عظیم لشکر مقیم ہے ۔ کل یہ لشکر یہاں پہنچ جائے گا اس کی مہمانی کا انتظام کرنا چاہئے ۔ ملک احمد نے فوراً دیہات میں قاصد بھیجے اور حکم دیا کہ کل کے لیے ہر ایک مہمانی کی تیاری کرے ۔

اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے گاؤں میں مہمانی کی تیاری کی۔ اور ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے اور واضح رہے کہ جس وقت شیخ ملی لشکر کی غرض سے کابل گیا ہوا تھا ۔ ملک احمد یہاں لشکر اکٹھا کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا ۔ چنانچہ سوات ، باجوڑ ،

سمہ اور اشنغر کے تمام یوسف زئیوں کو اپنے جنبہ داروں اور ہمسایوں سمیت اور اتمان خیل مشوانی گدون ، کھار ، راہوانڑی ، زنڑی ، کامی ، سواتی اور شلمانی بڑیس وغیرہ سب کو بلا کر کاٹلنگ کے ارد گرد اپنے دیہات میں ٹھیرا دیا تھا اور اب شیخ ملی کا انتظار کر رہا تھا اتنی خلقت جمع ہوگئی تھی کہ خدا ہی ان کا حساب کرسکتا تھا ۔
دوسری طرف کاپانڑی کے دلزاک کو بھی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ شیخ ملی کابل لشکر اکٹھا کرنے کی غرض سے گیا ہے اور یہاں ملک احمد لشکر جمع کر رہا ہے اس لیے انہوں نے بھی اپنے آدمی پشاور ، پار ہزارہ ، سانگڑاؤ ، اکوڑی ، تربیلہ اور دریائے سندھ کے اس پار پیہور ، شیر درہ ، پنجتار اور دریائے لنڈا کے کنارے تک بھیجے اور ایک عظیم لشکر اکٹھا کیا اور سب کو شہباز گڑھ کے پہاڑ کے دامن میں "مقام" نامی رود (ندی) کے کنارے طول طویل علاقے میں ٹھیرا دیا ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس زمانے میں دلزاک کے ممالک (علاقے) بہت زیادہ تھے ، مگر یہ بہت شریر ، مفسد اور بدمعاملہ لوگ تھے ۔ ان کے ہمسایوں میں ایک نسل کے لوگ بھی نہیں تھے اور ان کے حمایتی بھی سب بدذات اور کمینے لوگ تھے ، وہ بھی ایک ایک گھر تھا اور ان میں بھی زیادہ تر اہل پیشہ ڈوم اور اسی قسم کے دوسرے لوگ تھے ۔

الحاصل دلزاک کا لشکر یوسف زئی کے لشکر کی نسبت بہت زیادہ تھا ۔ اسی بنا پر وہ ازراہ نخوت و غرور یوسف زئیوں کو گالیاں دینے اور لاف زنی کرنے پر اتر آئے اور یہ طعنے دینے لگے کہ یوسف زئی خوار و زار بے سرو سامان کابل سے آئے ۔ ہم نے انہیں پالا ، ملک دیا اور اب ہمارے ہی ساتھ مقابلہ و مقاتلہ پر آمادہ اور لڑے

جھگڑنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے ۔ ہم انہیں ایسا سبق دیں گے کہ ہمیشہ یاد رکھیں اور جس طرح گگیانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا ہے اسی طرح انہیں بھی نیست و نابود کردیں گے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں گے ۔

لیکن دلزاک نے جب یہ سنا کہ شیخ ملی کابل سے لشکر لے کر بگیاڑے پہنچ گیا ہے تو بہت گھبرائے انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کل کو یہ لشکر ملک احمد کے لشکر کے ساتھ مل گیا تو اس کا زور اور قوت بے پناہ ہو جائے گی اور پھر اسے شکست دینا مشکل ہو جائے گا اس لیے صلاح یہ ٹھیری کہ کل علی الصباح ملک احمد کے لشکر پر حملہ بول کر اسے ختم کردیا جائے اور جب یہ خبر گگیانیوں کو پہنچے گی تو وہ خود بخود بھاگ کھڑے ہوں گے کیونکہ انہوں نے ہماری کاری ضرب دیکھی ہے ۔ چنانچہ صبح کو جب کہ بگیاڑے کا لشکر ابھی اپنی جگہ پر پڑا ہوا تھا اور کاٹلنگ کے لشکر کو بھی کوئی علم نہ تھا ۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ بگیاڑے کے لشکر کی مہمانی کے انتظامات میں مشغول تھے ۔ دلزاک شہباز گڑھ سے حملہ کی نیت سے روانہ ہوگئے ۔

کہتے ہیں کہ دلزاک اپنے ساتھ بان کی رسیاں بھی کمر میں باندھ کر لے گئے تھے کہ یوسف زئیوں کو ان میں باندھ کر لائیں گے ۔ انہیں یوسف زئیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ ان کی قوت اور لشکر کو مطلق خاطر میں لاتے تھے ۔

اتفاق سے ملک احمد کو بروقت اطلاع مل گئی کہ دلزاک کا لشکر آرہا ہے ۔ کاٹلنگ کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ پہاڑوں پر چڑھ گئے ۔ انہیں دور سے بہت سی گرد اڑتی ہوئی نظر آئی وہ سمجھ گئے کہ واقعی دلزاک کا لشکر آرہا ہے ۔ فوراً پہاڑ سے اتر کر وہ

بھی مقابلے کے لیے تیار ہوگئے ۔ ملک احمد اور شیخ ملی نے بھی فوراً اپنا اپنا لشکر آراستہ کیا ، صفیں درست کیں ، پیادوں کو آگے کیا اور سواروں کو ان کے پیچھے لگایا اور اس طرح کہ سواروں کے نیزے پیادوں کے پیٹھ سے لگتے تھے ۔ اتمان خیل گانے بھینس کی سوکھی کھالوں کو ڈھال کی طرح پکڑے ہوئے پیادوں کے آگے آگے چل رہے تھے تاکہ وہ دشمن کے تیروں سے محفوظ رہیں۔ اس شان سے آہستہ آہستہ خراماں خراماں روانہ ہوئے اور موضع گدر کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے اور تیروں کی جنگ چھڑ گئی ۔ اس وقت تک دلزاک کے لشکر کا ہراول دستہ پہنچا تھا اور ٹڈی دل لشکر ابھی پیچھے تھا ۔ اس کے برعکس یوسف زئی سب یکبارگی پہنچ گئے تھے ۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت ہمیں جنگ میں پہل کرنی چاہئے ۔ دلزاک کا لشکر لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جارہا تھا ۔ تاخیر کے ساتھ جنگ لڑنا محال ہو جائے گا ۔ اس پر دو سو سوار گزر سے پار ہوکر چلے گئے جن کے سالار سلیم خان ابن معدود ابن ہوہل ، سید اور جوکل ، دلخک ابن ہوہل ملی زئی کے بیٹے تھے ۔ یہ تینوں شہسوار شجاعت اور بہادری میں رستم وقت تھے ۔ تینوں نے یکبارگی دلزاک پر حملہ کردیا اور ان کے ہراول دستے کو پیچھے دھکیل کر پسپا کردیا ۔ اس طرف سے باقی لشکر کا ہجوم بھی پار ہوگیا ۔ اس اثنا میں گگیانیوں کا لشکر بھی جنوب کی طرف سے پہنچ گیا اور ہر طرف سے دلزاک پر ٹوٹ پڑے اور ان کے سربر آوردہ جنگجوؤں کا منہ پھیر دیا اور پسپا ہونے پر مجبور کردیا ۔ جب یہ شکست خوردہ لوگ دلزاک کے عظیم لشکر کے پاس بدحواسی کے عالم میں پہنچے تو اس عظیم لشکر پر بھی خوف طاری ہوگیا ۔ ہر کسی کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑگئی ۔ وہ تتر بتر ہوکر بھاگ گئے ۔ ان میں سے اکثر مخلوق ٹوپی اور تربیلہ چلی گئی ۔

اس کے ساتھ ہی کلپانڑی سے دریائے لنڈا ، پیہور ، پنج تار ، شیر درہ شہباز گڑھ اور کڑہ سار تک کے عوام جنھیں دلزاک نے اپنے دیہات، سے جنگ کے لیے جمع کیا تھا سب اسی دن بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے 'منارہ' زروبی چلے گئے ۔ ان کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی ۔

دلزاک پر گویا کہ وہ دن قیامت کا دن تھا ۔ خخی (خشی) کے سوار ان کے تعاقب میں منارہ ، زروبی تک گئے ۔ قتل و غارت گری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور قیدی بنانے میں بھی کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی ۔ منارے سے اکثر سوار اسی دن اور بعض دوسرے دن کاٹلنگ واپس پہنچے ۔ خخی کا پیادہ لشکر بھی دو تین کروہ یعنی ۹ ، ۱۰ میل تک شکست خوردہ دلزاک کے تعاقب میں گیا ۔ جب تھک کر واپس لوٹا تو ان کے دیہات پر نازل ہوگیا ۔ دلزاک متمول لوگ تھے اور کوئی بھی اپنا اثاثہ لے کر نہیں گیا تھا اس لیے لوٹ مار میں بےانتہا دولت اور سرو سامان اس کے ہاتھ لگا حتیٰ کہ لوگوں کے گھر بھر گئے ۔

ملک احمد اور شیخ ملی نے ابتدا ہی میں حکم دے دیا تھا کہ دلزاک کے غلام اور کنیزیں جس کسی نے پکڑے وہ ان کے ہوگئے مگر اصیل اور آزاد لوگوں کو قید نہ کیا جائے۔ اس لیے ان کے ڈر کی وجہ سے اکثر لوگوں نے قیدیوں کو راستے ہی میں رہا کردیا ۔ بعض لوگ ان کو گھروں تک لے آئے مگر پھر ملک احمد کے کہنے سے سب کو آزاد کردیا ۔ بعض افراد کے ہاتھوں خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں لگی تھیں ان میں سے کچھ لوگوں نے انہیں چھپالیا اور بعد میں ان کو اپنے عقد میں لے آئے ۔

ازاں جملہ ایک ملک هندال ابن علی خان اکو زئی خواجو زئی ،

شمو زئی کی والدہ تھی جو بےحد حسین و جمیل اور پاکدامن بی بی تھی ۔ علی خان نے اسے قیدی بنالیا تھا پھر اسے اپنے نکاح میں لے لیا ۔ اس کے بطن سے علی خان کے چار فرزند پیدا ہوئے جن میں سے ایک موسیٰ دوسرا عیسیٰ تیسرا ہندال اور چوتھا کامران تھا ۔ علی خان کی طرح اور بھی کئی لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا ۔

کہتے ہیں کہ خان کجو ابن ملک قرہ اس وقت ایک نوخیز جوان تھا اور اس جنگ میں شریک ایک لشکر کا سردار تھا ۔ دلزاک کے تعاقب میں منارے تک گیا تھا ۔ اچانک راستے میں بائی خان نامی ایک دلزاک سردار کا سامنا ہوگیا جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھاگا جارہا تھا ۔ بائی خان کی ایک نہایت خوش شکل اور کنواری لڑکی تھی اور جس کے لیے خان کجو نے پیغام بھیجا تھا مگر اس نے رشتہ دینے سے انکار کردیا تھا ۔ اب جونہی خان کجو پر اس کی نظر پڑی اس نے بلند آواز سے اسے پکارا اور کہا اے خان کجو ! ہم اپنی بدخصلتی کے سبب ذلیل و خوار ، تباہ و برباد اور گھر سے بے گھر ہوگئے اب خدا کے واسطے اپنے لشکر کو روکو ورنہ میری قوم کے یہ معددوے چند افراد جو بچ گئے ہیں وہ بھی دریائے سندھ میں ڈوب کر ختم ہوجائیں گے اور میری بیٹی جس کے تم طلبگار تھے اور میں نے انکار کردیا تھا وہ میرے ساتھ ہے میں اسے تمہارے عقد میں دیتا ہوں ۔ صرف اتنی مہلت چاہتاہوں کہ کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ جاؤں تو اس کی رخصتی کردوں ۔

خان کجو نے جب اس کا یہ دل سوز بیان سنا اور اسے اس مصیبت میں دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا اور انسانی ہمدردی کے جذبے نے اسے بے اختیار کردیا ۔ فوراً اپنے لشکر کو آواز دی ۔

''اے میری قوم ! بس کرو چھوڑ دو واپس آجاؤ جو ہوا سو ہوا ۔

اب ان سے تعرض نہ کرو ، بہرحال یہ پختون ہیں ۔" اس کے کہنے پر ہر کسی نے ہاتھ روک لیا اور سارا لشکر وہیں سے واپس آ گیا اور دلزاک منارے سے پیہور کے راستے اپنے علاقوں میں چلے گئے اور پشاور کے دلزاک ہزارے سے واپس آ کر دوسرے راستے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دریائے سندھ کے پار رہنے والے دلزاک زیادہ قتل ہوئے تھے کیونکہ ہراول دستے میں زیادہ تر یہی لوگ شامل تھے ۔ جنگ میں بھی سب سے پہلے انہوں نے حصہ لیا تھا ۔ اس لیے یہی لوگ زیادہ مارے گئے ۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ بہادری ان دو سو سواروں نے دکھائی تھی جو سب سے پہلے ہار گئے تھے ۔ خصوصاً سلیم خان ابن معدود خان ابن ہوپل ، سید اور جوکا پسران دلخک ابن ہوپل ملی زئی کہ ان تینوں شہسواروں جیسا دادی ابن ہوپل کے بعد سارے پختونوں میں کوئی نہیں گزرا ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا رستم تھا ۔ ان کے بعد میر اور پیر علی ، میرک ملی زئی ایسوڑی زئی کے بیٹوں نے اس جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے ۔ اس کے بعد بھی ہر دور میں ہوپل کی اولاد میں تین چار صف شکن پیدا ہوتے رہے ۔ البتہ موجودہ وقت میں ایسا کوئی نامور آدمی نہیں ہے مگر باما ، جوکا کا بیٹا اور ہوپل کا پوتا جو سارے ملی زئی کا سردار تھا اور جس کا سارا جسم زخموں کے نشانات سے بھرا ہوا تھا ۔

پچھلے سال جب کہ ۱۰۳۲ھ تھا ۔ ناحق رات کی تاریکی میں ملی زئی کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ یوسف زئی بلکہ سارے خخی (خشی) کا یہ دستور رہا کہ لوگ لڑائی کے دن نیک فالی اور نیک شگونی کی خاطر ہوپل کے گھرانے کے آدمی کو آگے کرتے تھے اور اللہ پاک

فتح و ظفر نصیب فرماتا تھا ۔

خان کجو ملک قرہ کا بیٹا اور بہزاد کا پوتا جو بچپن کے وقت سے عمدہ اخلاق اور پسندیدہ خصائل کا حامل تھا ۔ انتہائی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے امارت کے آثار اس کی پیشانی میں چمک رہے تھے ۔ اور ہر کسی کو یہ توقع تھی کہ وہ یقیناً اوج کمال کو پہنچے گا اور امارت و صدارت کی کرسی پر متمکن ہوگا ۔ جس طرح کہ اس کے والد بزرگوار ملک قرہ ابن بہزاد عالی مرتبت اور بلند پایہ صدو زئی منڈنڑ تھا ۔

چنانچہ ملک احمد اور شیخ ملی کے بعد وہی قوم کا سردار بنا ملک کجو اہل کنبے کی کثرت اور جنگ جو جوانوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ لوگوں پر بھاری اور غالب تھا اور دولت و ثروت کی وجہ سے بھی سارے منڈنڑ میں متمول ترین تھا ۔ اس کی والدہ بڑی عاقلہ مدبرہ ، صالحہ اور عفیفہ خاتون تھی ۔ جس کا نام موندہ تھا ۔ اس جیسی لائقہ و فائقہ دوسری عورت افغانستان میں نہیں گزری ۔ یہ پانچ سگے بھائی تھے ۔ ایک مزید دوسرا میر داد تیسرا خان کجو چوتھا ہوسے (ہوی) پانچواں جانے آخرالذکر عنفوان شباب ہی میں سوات کی جنگ میں مارا گیا تھا اور باقی چاروں زندہ تھے اور ہر ایک ریاست و سیاست میں قابل تھا اور ہر ایک بہت نامور اور معروف تھا ۔ خان کجو اس جنگ کے زمانے میں نوخیز جوان تھا ۔ صورت و سیرت اور شجاعت و فراست میں نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ ملک احمد ، شیخ ملی اور خخی (خشی) کے دوسرے اعیان اس کا نوجوانی میں بھی بےحد احترام کرتے تھے ۔ ہر کام میں اس سے صلاح و مشورہ کرتے تھے اور اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے ۔ اسی طرح خان کجو بھی ملک احمد اور شیخ ملی کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا ۔

ہر امر میں ان کی تابعداری کرتا تھا۔ ملک احمد اور شیخ ملی اس سے کہتے تھے کہ اب آپ تمام یوسف زئی کے مستقل سردار بن جائیں اور ہم آپ کے ممد و معاون ہوں گے، مگر اس نے ان کی یہ پیش کش قبول نہ کی۔

دلزاک کے ساتھ جنگ میں جب اس نے انتہائی بہادری کا مظاہرہ کیا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

اس کے بعد خان کجو سارے یوسف زئی سرداروں کے ہمراہ ملک بائی خان دلزاک کے ہاں ہزارہ گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اس کی بیٹی سے عقد نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آیا۔ ابراہیم خان جو خان کجو کا جانشین اور اس کا قائم مقام تھا وہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پہلی ازواج کی بہ نسبت یہ خان کجو کی بہت محبوب بیوی تھی۔

مقام ششم

شیخ ملی کا مفتوحہ شہروں اور
مقبوضہ علاقوں کا قوم خخی (خشی) میں تقسیم کرنا ۔

کہتے ہیں کہ جب دلزاک نے جنگ میں شکست کھائی اور بھاگ کر دریائے سندھ کے اُس پار چلے گئے تو اس پار کا سارا علاقہ ان سے خالی ہوگیا۔ خخی (خشی) کی ساری قوم کاٹلنگ میں جمع ہوگئی سب سے پہلے تو ملک احمد نے کابل سے آئے ہوئے لشکر پر توجہ دی اور اس کے بعد ممالک کی تقسیم شروع ہوئی ۔ حصے بخرے لگ رہے تھے ۔ اسی اثنا میں محمد زئی کے سرداروں نے کھڑے ہوکر عرض کیا ۔

''خان ہم تو 'اوگرے' (چاول) کا بھرا ہوا کاسہ مانگتے ہیں ہمیں تو ایسا دے دیں کہ ہم اوگرے سے سیر ہو جائیں ۔''

ملک احمد نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم اشنغر کا ملک مانگتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو جاؤ اشنغر میں نے تم کو دے دیا تمہیں مبارک ہو۔ لیکن تم پر بھی یہ لازم ہے کہ تم اپنے آپ کو خخی (خشی) کا چوتھا فرزند سمجھو اور خخی (خشی) کے ہر اچھے

برے میں شریک رہو ۔ ملک احمد کی زبان سے یہ سن کر یہ لوگ کھڑے ہوگئے ۔ ملک احمد کا شکریہ ادا کیا اور کہا ۔

''خان ! بموجب اس کے کہ الانسان عبید الاحسان (انسان احسان کا بندہ ہے) ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا جو حکم ہوگا ہم اس کی تعمیل کریں گے اور آپ کے دائرہ اطاعت سے کبھی باہر قدم نہیں نکالیں گے ۔''

اس کے بعد گگیانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا ۔

''خان! ہم تو پہلے سے دوآبہ میں سکونت پذیر ہیں!۔ ہمارا تو ملک ہی وہ ہے ۔ البتہ اب موسی زئی بھی آگئے ہیں ۔ ان کی ضرورت کے مطابق ہمیں کچھ ملک اور عنایت فرمائیں ۔''

ملک احمد نے ان کی یہ گزارش بھی قبول کرلی اور دوآبہ کے علاوہ نصف باجوڑ ، دانشکول سے عنبر ، لاشوڑے تک اور ناوگئی سے چارمنگ تک ، جو اس سے پہلے خلیل کا حصہ تھا ۔ گگیانیوں کو مزید مرحمت کیا ۔ اس پر گگیانیوں نے بھی کھڑے ہوکر شکریہ ادا کیا ۔ وہ بھی بے انتہا خوش تھے ۔ اس کے بعد محمد زئی اور گگیانیوں دونوں نے ملک احمد سے عرض کیا ۔

''خان یہ ممالک سب آپ نے فتح کئے تھے ان پر ہمارا کوئی حق نہ تھا مگر جب آپ نے ہم پر خود کرم فرمایا اور اپنی مہربانی سے یہ ممالک ہمیں عطا کردئیے تو ہم سب آپ کے غلام ہوگئے ۔ اب یہ تمام بقیہ ممالک دیر ، باجوڑ ، بانبقرہ سے جندول اور پنجکوڑہ تک اور سارا سوات ، بونیر ، چملہ ، تنول تک اور سارا سمہ ، نوشہرہ اور سرغ وڑئی ، دریائے لنڈا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا پورا ساحلی علاقہ یہ سب آپ کا علاقہ ہے ۔ لہذا اتمان خیل ، گدون ، کخار ، روانڑی ، کانسی اور دوسری متعدد اقوام آپ کے ساتھ رہیں اور

آپ ہی ان کو ممالک عطا فرمائیں ۔"

چنانچہ ملک احمد نے ان اقوام میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حال ممالک (علاقے) عطا کر کے سب کو رضامند کیا ہر کوئی اپنا اپنا حصہ پاکر خوش ہوگیا ۔ ہر کسی نے دعائے خیر کی اور اس طرح سب رخصت ہوگئے۔

گگیانی دوآبہ اور نصف باجوڑ میں جو انہیں دیا گیا تھا ، جا کر آباد ہوگئے اور محمد زئی عجلت کے ساتھ ننگر ہار گئے ۔ وہاں سے خانہ وار آئے اور اشنغر میں بس گئے اور اشنغر کے یوسف زئی وہاں سے اٹھ کر دوسرے ممالک میں متوطن ہوگئے اور ترکلانی اگرچہ خخی (خشی) کا تیسرا فرزند تھا مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر دلزاک کی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے اس لیے انہیں ملک کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا ۔ بہت سالوں کے بعد جب شیخ پتور کی جنگ بھی ہوگئی تو یہ لوگ لغمان میں سے آ کر باجوڑ میں (خان کجو کے عہد امارت میں) آباد ہوگئے ، جن کا ذکر اپنے محل میں آجائے گا ۔

شیخ ملی اور ملک احمد کا انتقال ۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ملک احمد کی ریاست کا سلسلہ بڑھتا گیا اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہا ۔ تمام خخی (خشی) بلکہ سارا افغان اس کا مطیع و فرمانبردار ہوگیا اور اس کی ملک گیری کے غلغلے اطراف عالم میں پھیل گئے ۔ اس کے چند سال بعد شیخ ملی نے کسی مرض میں مبتلا ہوکر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا ۔ اور موضع 'غوز بندئے' میں سوات سے دمغار جانے والی شاہراہ کے کنارے ایک ہموار قطعہ زمین میں مدفون ہوا ۔ اللہ تعالیٰ

اس کی اور سارے مومنین و مومنات کی مغفرت فرمائے ۔ اس کی قبر کے ارد گرد چنار کے درخت کھڑے ہیں اور اب اس کے چاروں طرف ایک بڑا قصبہ بھی آباد ہوگیا ہے جس میں اس کی قبر عیاں و نمایاں ہے ۔

کہتے ہیں کہ شیخ ملی نہایت متدین ، متقی ، شب بیدار ، صائم الدہر شخص تھا ۔ وہ جہاں کہیں جاتا خدمتگار وضوء کے لیے پانی کا لوٹا ساتھ لیے پھرتا ۔ وہ ملک احمد کے ماتحت سارے یوسف منڈنڑ کا مقتدا تھا اور ان کی ہر مصیبت اور ہر مہم میں شریک اور غمخوار تھا ۔ تمام دیہات ، ممالک ، قبیلے اور گھر اس کی تقسیم پر آباد تھے اور ابھی تک اس کی تقسیم یوسف منڈنڑ میں جاری و ساری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی زمین کے متعلق یوسف زئی میں کوئی تنازعہ پیش آتا ہے تو غصے میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا یہ تم شیخ ملی سے لکھا لائے ہو ۔ یعنی کیا یہ زمین تم کو شیخ ملی نے دی ہے جو دعویٰ کرتے ہو ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ ملی کا کیا ہوا بندوبست لوگوں کے نزدیک اب تک مستند ہے اور وہ اس سے انکار نہیں کرسکتے ۔ اخوند درویزہ صاحب نے تذکرۃ الابراروالاشرار میں لکھا ہے ۔

''شیخ ملی نے اپنے مرض الموت میں کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں ضرورت مندوں کی حاجت روائی دنیاوی لالچ سے کبھی نہیں کی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کی۔ پس اگر میں اپنے قول میں سچا ہوں تو ممالک کی جو تقسیم اور حدود کے جو تعینات میں نے یوسف زئی کے مابین کئے ہیں وہ قیامت کے دن تک باقی رہیں اور اگر جھوٹا ہوں تو خدا کرے کہ یہ تقسیم باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے اس قول میں سچے تھے اس لیے آج تک اس کی تقسیم برقرار ہے۔ شیخ ملی کی اولاد میں سے اس وقت کچھ یوسف زئی میں اور کچھ ہندوستان میں ہیں .''

شیخ ملی کی وفات کے ایک سال بعد ملک احمد نے بھی اپنی حیات مستعار جان آفرین کے سپرد کرتے ہوئے دار بے مدار سے عالم پائدار کو انتقال کیا اور سوات میں الہ ڈنڈ ڈیری اور موضع تھانہ کے درمیان شاہراہ کے متصل اس جگہ جو قدرے نشیب و فراز میں ہے ، مدفون ہوئے - اللہ پاک اس کی اور سارے مسلمان مرد اور عورتوں کی مغفرت کرے -

اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ خخی (خشی) میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں ماتم برپا ہوگیا تھا - اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کناں تھا- اس جیسا عالی شان اور ممالک گیر شخص اس کے بعد سارے افغان میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا - اس کے بعد صرف خان کجو کا نام لیا جاسکتا ہے -

خان کجو کی سرداری کا آغاز اور غوریا خیل کی ان کے ساتھ کشمکش

ملک احمد کے بہت سے بیٹے تھے جن میں سے صرف دو نامور تھے - ایک الہ داد اور دوسرا اسمعیل - یہ دونوں ملک احمد کی حیات میں جوان ہوگئے تھے مگر ان دونوں میں سرداری کے مقابلے میں اختلاف پیدا ہوگیا اور باہم کینہ اور حسد میں مبتلا ہوگئے - دوسرے قرابت داروں سے بھی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کے قابل کوئی آدمی نہ رہا سب آپس ہی میں لڑ جھگڑ کر ختم ہوگئے اس لیے قوم نے آپس میں جرگہ کر کے فیصلہ کیا کہ ان میں ایک بھی سرداری کا اہل نہیں ہے - انہوں نے خود ہی ایک دوسرے کو قتل کردیا اب ان میں کام کا کوئی آدمی باقی نہیں

رہا ۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا قابل آدمی ہو جسے قوم کی یہ ریاست اور حکومت سونپ دی جائے ۔ چنانچہ بہت غور و خوض کرنے کے باوجود انہیں خان کجو کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آیا ۔ جو قوم کی رہنمائی اور ریاست کے اس منصب کا اہل ہو ۔ خان کجو کے بچپن ہی سے بزرگی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ منڈنڑ کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی وہ سب پر فائق تھا ۔ اس کے عزیز و اقارب بھی سب سے زیادہ تھے اور سب دولت مند اور مرد میدان بھی تھے ۔ اس لیے سب لوگوں نے بالاتفاق اسے مسند ریاست تفویض کردی اور 'خان' کے لقب سے ملقب کردیا ۔ خواص و عوام سب اسے خان کہتے تھے ۔ چونکہ وہ لائق و قابل تھا اس لیے اس کا کام دن بہ دن ترقی کرتا رہا ۔ یہاں تک کہ بام ترقی کو پہنچا اور تمام اہالیان افغانستان اس کے مطیع و منقاد ہوگئے ۔ جس کا ذکر اپنے محل میں آجائے گا ۔

اس تاریخ سے ملک تاج الدین کے گھرانے سے سرداری نکل گئی اور اس کی اولاد نے اپنا آبائی اور جدی مقام کھو دیا ۔ اگرچہ اب بھی اس گھرانے میں بعض نامور لوگ موجود ہیں ۔ چنانچہ ان میں سودا نامی ملک زیور کا بیٹا بڑا معزز اور معمر آدمی ہے اور آج جب کہ سنہ ہجری ایک ہزار تینتیس ہے ، سودا حیات ہے ۔ اسی طرح ملک احمد کے چچا زاد بھائی شاہ منصور کی اولاد میں سے بھی چند آدمی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں ہندوستان میں موجود ہیں ۔

مختصر یہ کہ جب خان کجو مسند ریاست و امارت پر متمکن ہوا تو ممالک مقبوضہ کی حفاظت اور بلاد مفتوحہ کی حراست اور ملکی امور کے انتظام اور عوام الناس کے بندوبست میں ملک احمد سے فائق

اور لائق ثابت ہوا اور ملک افغانستان کے سارے باشندے ، دهگان ، گوجر ، ہندی ، نیلابی ، سواتی ، گبری ، تنولی اور کوہستانی کافر سب اس کے مطیع و تابع فرمان ہو گئے -

اس کے عہد امارت میں ملک بہت آباد و خوش حال ہو گیا ۔ رعیت اور لشکر بھی ملک احمد کے وقت سے زیادہ ہو گیا - چنانچہ ہر کسی کے پاس ایسے اچھے اچھے سامان ، اچھے اچھے ہتھیار اور بہتر بن گھوڑے موجود تھے جو کہ امیروں اور بادشاہوں کی سرکار کے لائق ہوں اور یہ بات تمام عالم میں مشہور تھی کہ خان کجو کے زمانے میں یوسف زئیوں میں ایک لاکھ نیزے تھے - یعنی ایک لاکھ سوار و پیادہ نیزہ باز تھے -

کہتے ہیں کہ بعض مہمات میں خان کجو نے یوسف زئی ، گگیانی ، محمد زئی ، ترکلانی اور اپنے توابع میں سے اتمان خیل ، گدون کغار ، گبری ، سہار ، ماندوری ، پڑیچ ، وردگ ، رواتڑی ، کانسی ، سرکانڑی ، ابدال ، ترین ، مشوانی ، پنی ، کاکڑ ، شیا رزی ، (شنواری) لونی ، تورانی ، روغانی ، خٹک اور دهگان اقوام سواتی ، متراوی ، اعوان اور گوجر وغیرہ سے لشکر اکٹھا کیا تو ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ ہوگیا - یہ بغیر اس کے کہ ہزارہ کے دلزاک اور مانگڑاد ، تربیلہ اور حسن ابدال وغیرہ کے لوگ نہیں آئے تھے - حالانکہ اگر ان کو بھی طلب کیا جاتا تو وہ بھی ضرور حاضر ہوتے اور لشکر کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو جاتی -

شیخ تپور کی جنگ

خان کجو نے جو مشہور جنگیں لڑی ہیں ان میں سے ایک

مشہور جنگ شیخ تہور کی جنگ ہے ۔ یہ جنگ غوریا خیل سے لڑی گئی تھی ۔ شیخ تہور پشاور شہر میں ایک مشہور و معروف مقام ہے ۔

کہتے ہیں کہ خان کجو کے عہد میں ایک حادثے کے بعد داؤد زئی غوریا خیل ، مہمند و خلیل کے لوگوں نے موضع ترنگ ، قلات و مقر اور قرہ باغ سے جو غوریا خیل کا اصلی وطن ہے ، ہجرت کر کے یوسف زئی کے علاقے میں آگئے اور خان کجو اور دوسرے یوسف زئی سرداروں کے سامنے اپنا عجز اور پریشانی ظاہر کر کے اپنی معاش اور آبادی کے لیے ایک علاقے کی استدعا کی ۔ خان کجو وغیرہ نے ان کی یہ التماس قبول کرلی اور کلپانڑی اور بگیاڑے کے نواح میں چند دیہات جو زراعت کے قابل اور زرخیز تھے انہیں دے دئیے ۔ یہ اس میں آباد ہوگئے ۔ پھر ایک وقت آیا کہ مہمند اور خلیل کے لوگ بھی ایک وقفے کے بعد اپنے وطن سے بے وطن ہوکر پشاور آگئے اور پشاور کا علاقہ مرزا کامران ولد ظہیرالدین بابر بادشاہ کی مدد سے دلزاک سے خالی کرالیا تھا اور داؤ زئی قرابت اور مودت کے خیال سے کلپانڑی اور بگیاڑے سے اٹھ کر پشاور میں ان کے ساتھ ہی مکونت پذیر ہوگئے ۔

اس جنگ کا منشا اس طرح تھا کہ جب خلیل اور مہمند کے لوگ اپنے اصلی وطن سے پشاور آگئے تو اس وقت پشاور اور اس کے مضافات میں دلزاک آباد تھے ۔ دلزاک بڑے غالب و توانا تھے ، انہوں نے ان کی معاش کے لیے کوئی علاقہ نہیں دیا ۔ دلزاک ہمیشہ مہمند و خلیل کے حالات میں مزاحم ہوتے تھے ۔ آخر مہمند و خلیل کے لوگ جنہیں غوریا خیل کہتے ہیں ۔ مجبور ہوکر کابل میں مرزا کامران کے پاس ان کے ظلم و ستم کی شکایت لے گئے ۔

مرزا کامران نے ان کی شکایت سنی اور ان کی مدد کے لیے

ایک زبردست فوج کے ساتھ ان کے ہمراہ پشاور آیا اور دلزاک
پر قہر خدا وندی بن کر نازل ہوگیا ۔ چنانچہ اس جنگ میں
اکثر دلزاک قتل ہوگئے اور جو بچ گئے وہ فراری ہوکر جاتقرا اور
قرمیزی کے پہاڑوں کے راستے دریائے سندھ کو عبور کر کے ہزارہ اور
مانکڑاؤ کے دلزاک کے ساتھ متوطن ہوگئے اور غوریا خیل دلزاک کی
جگہ پشاور میں آباد ہوگئے ۔ چونکہ پشاور شہر شاہراہ پر واقع ہے اور
اسی راستے سے تمام کاروان بالا و پایاں جایا کرتے تھے ۔ یہ لوگ ان
سے محصول اور ٹیکس وصول کرتے تھے اور ملک بھی بہت زر خیز اور
آبی تھا ۔ فصلیں اور پیداوار اچھی ہوتی تھی ۔ اس کے علاوہ بہت سے
لوگ سوداگری بھی کرتے تھے ۔ اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں
دولت مند ہوگئے اور تعداد میں بھی بڑھ گئے ، انتہائی غلبہ اور
شوکت حاصل کی ۔ خصوصاً خلیل نے بڑا اوج حاصل کیا تھا ۔ اس
زمانے میں سہمند اکثر ننگر ہار میں مقیم تھے اور خلیل سب کے سب
زیریں پشاور میں آباد تھے اور علیٰ وجہ الاستقلال وآلا نفراد پشاور
خلیل کا تھا ۔ پشاور سے ڈکہ ، کڑپہ ، اکوڑہ ، جاتقرا ، نیلاب ،
نوشہرہ ، شیخ تہور اور دوآبے تک سارے علاقے خلیل کے قبضے میں
تھے ۔ بلکہ تمام غوریا خیل کا ملک بازید ابن محمود خلیل اسحاق زئی
محمد زئی ، عیسیٰ زئی مالی زئی کا تھا جو بڑا عالی مرتبہ ملک تھا اور
نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کو بڑا عزیز تھا ۔ سب لوگ اس کے
فرمانبردار تھے ۔ خلیل قوم بھی سب صاحب جمعیت ہوگئی ۔ اچھے
اچھے لباس پہنتے ، انواع و اقسام کے کھانے اور پکوان ان کے یہاں
پکتے تھے ۔ ان کے طبیلے گھوڑوں سے بھرے رہتے تھے ہر شخص خوانین
اور امرا جیسی زندگی گزارتا تھا ۔ یہاں تک کہ ان میں عیاشی بھی
پیدا ہوگئی تھی ۔ سارے پختونوں میں ان جیسے عیاش لوگ دوسرے

نہیں تھے ۔ بذل و سخا ، ایثار و بخشش اور آدمیت و مروت بھی ان میں دوسروں سے زیادہ تھی ۔ ہر شخص رستم صفت اور یوسف صورت تھا ۔ جب چند برس اس شان سے گزر گئے اور ان کا زور اور قوت کمال کو پہنچ گئی تو قدیمی عداوت نے ان کا دامن کھینچا اور یوسف زئی کی وہ پرانی عداوت جب کہ ہندو راج کے اوائل میں جوڑ کے درے میں یوسف زئی نے خلیل کو قتل کیا تھا ۔ ان کو یاد آئی اس لیے یوسف زئی کے ساتھ بدخصلتی کا آغاز کیا ۔ بدی کو اپنا شعار بنالیا ۔ کاروانوں اور مال و اسباب پر دست درازی کرنے لگے اور ہندو راج کی برائی یاد دلاتے رہتے خصوصاً جب جاڑوں کا موسم آجاتا اور دریا پایاب ہو جاتے تو ان کے سوار رات کو نکل کر دریاؤں کے پار سالا کنڈ کے آس پاس جاکر نالوں اور غاروں میں چھپ جاتے تھے ۔ جب صبح ہو جاتی تھی تو بہرام ڈھیری ، کردی تکہ ، وڑئی ، گڑئی ، پشاو' اور دوسرے نواحی علاقوں کے مال اٹھا کر اور مویشیوں کو ہانک کر لے آتے ۔ اسی طرح ان کے پیادے بھی جاتے اور سالا کنڈ سلطان شھئی ، کاجکہ اور اس کے گرد و نواح کے پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے ۔ سارا دن اسی طرح سے گزار کر شام کے وقت کوئی لکڑ ہارا یا گھاس کاٹنے والا مل جاتا تو اس کو قید کر کے پشاور لے آتے ۔ اس طرح کلپانی اور بگیاڑے پر شب و روز دھاوے بولتے اور شب خون مارتے ۔ رات دن ان پر ایک کردیا تھا ۔ اسی طرح کڑپہ اور خیبر کے راستوں کی بھی ناکہ بندی کرتے تھے ۔ جن پر سے یوسف زئیوں کے کارواں اوپر نیچے آتے جاتے تھے ۔ یہ لوگ ان پر تاخت کر کے انہیں لوٹ لیتے تھے ۔

اتفاق سے ایک دن یوسف زئی کا ایک کارواں اوپر کابل جارہا تھا ۔ جب وہ خیبر کے کڑپہ میں پہنچا خلیل نے اسے لوٹ لیا اور دو

خوبصورت نوجوانوں کو قصداً و عمداً قتل کردیا ۔ یہ دونوں نوجوان میر رستم کے سگے بھائیوں اور عمر ابن سیدو ابن تانڑی یوسف زئی اکو زئی ابا زئی کے بیٹے تھے ۔ تانڑے کا گھرانہ یوسف زئی میں بہت ممتاز اور نمایاں تھا ۔ عمر اس زمانے میں نامی گرامی اور بڑا مشہور ملک تھا ۔ اس کے بعد میر رستم ابا زئی کا نامور ملک تھا اور موجودہ وقت میں میر رستم کے دونوں بیٹے کمال خان اور جلال خان ابا زئی کے ملک ہیں ۔ ابا زئی ابتدائی زمانے سے اشنغر کے سرے پر آباد ہیں ۔ ملک تنڑی کے وقت سے دونوں ابا زئیوں کے درمیان یہی علاقہ ان کا تھا ۔

قصہ مختصر یہ کہ قافلے والوں نے ان دونوں نوجوانوں کی لاشیں لا کر اشنغر میں ان کے باپ کے ہاں پہنچا دیں ۔ باپ نے ان پر بہت جزع و فزع اور ماتم کیا ۔ پھر انہیں دفن کرنے کے بعد ان کے خون آلود کپڑے لے کر خان کجو کے پاس منارے گیا ۔ خان کجو اس وقت لوڑہ منارہ میں مقیم تھا ۔ کیونکہ دلزاک کے استیصال کے بعد سارے بہزاد خیل یہیں مقیم ہوگئے تھے ۔ عمر نے اپنے بیٹوں کے وہ خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دئیے اور بہت آہ و نالہ کیا اور خلیل کے ظلم و تعدی کو بیان کیا ۔ خان کجو اس کی داستان مظلومی سن کر بےحد دل گیر ہوا اور خلیل کے ظلم و شرارت پر سخت مشتعل ہوا مگر ازراہ مصلحت ضبط و تحمل سے کام لیا اور عمر سے کہا کہ عمر جو کچھ کہتے ہو بجا کہتے ہو ۔ تم پر بےحد ظلم ہوا ہے ۔ تمہارے تو جگر گوشے تھے مگر مجھے بھی وہ اپنے بیٹوں سے کم عزیز نہیں تھے ۔ مجھے ان کے قتل سے جو دکھ پہنچا ہے کوئی اور اس کا اندازہ نہیں کرسکتا ۔ ہارے صبر اچھی چیز ہے ۔ دیکھو اللہ کیا کرتا ہے ۔ خلیل چونکہ بڑی قوت والے لوگ

ہیں اگر میں فوراً ان پر لشکر کشی کردوں اور اپنا انتقام نہ لے سکوں تو ہماری بڑی خفت ہوگی کیونکہ گگیانی اور محمد زئی خدان کے ساتھ ساتھ ان کی سرحد پر آباد ہیں ۔ معلوم نہیں وہ جنگ میں سچائی اور خلوص کے ساتھ ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں ، پس اس کا علاج یہ ہے کہ فی‌الحال صبر و ضبط سے کام لیں ۔ خلیل شریر اور فتنہ انگیز لوگ ہیں ۔ آج نہیں تو کل گگیانیوں اور محمد زئیوں پر چڑھ دوڑیں گے ۔ اس طرح وہ خود بخود ان کے دشمن ہو جائیں گے اور مجھ سے مدد کے لیے التجا کریں گے اس وقت میرا داؤں ان پر چل جائے گا ۔ مجھے ایک بہانہ ہاتھ آجائے گا اس وقت میں خلیل پر سارے خخی (خشی) کا لشکر ڈال دوں گا اور ان سے تمہارے بیٹوں کا خاطر خواہ انتقام لے لوں گا ۔ اس طرح خان کجو نے عمر کی دل جوئی کی اور اسے تسلی و دلاسا دے کر واپس بھیج دیا ۔ خلیل اپنی بد اعمالیوں سے باز نہیں آتے تھے ۔ یوسف زئیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا ۔ خان کجو کے پاس اکثر ان کے ہاتھوں ستائے ہوئے فریادی آتے تھے ۔ اس کا قہر و غضب بھی دن بہ دن بڑھتا جارہا تھا ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جب یہ لوگ مرزا کامران کو کابل سے لائے تھے تو ان کے مقاصد میں یوسف زئیوں پر تاخت بھی شامل تھا - چنانچہ سرما کا موسم تھا یہ مرزا کامران کے لشکر کے لیے پشاور اور اشنغر کے دریاؤں میں پایاب جگہیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے ۔ یوسف زئی اس حال سے آگاہ ہوگئے تھے اور جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ بھی تھے مگر مشیت الہی کچھ اور تھی ۔ کابل میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ مرزا کامران کو الٹے پاؤں پشاور سے کابل جانا پڑا جس کی وجہ سے خلیل کا مقصد پورا نہ ہوا اور ان کے دلوں کی حسرت دلوں ہی میں رہ گئی ۔

اس تھوڑے عرصے بعد ملک محمد خان بن سلطان گگیانی جو بڑا متدین ، متشرع ، بڑا منتظم اور مرجع خاص و عام تھا ۔ کسی کام سے پشاور گیا تھا ۔ نماز کا وقت ہوا تو ملک بازید بن محمود کی مسجد میں گیا ۔ امام کے پیچھے نیت باندھ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اسی وقت مارکے نام زکریا زئی اور ولی نام زکریا زئی دونوں گئے اور عین نماز میں قیام کی حالت میں بلا وجہ پیچھے سے چھرے کا وار کر کے شہید کردیا ۔ اس کے بیٹوں کو واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ جاکر ان ہی خون آلود کپڑوں میں والد کی نعش کو دوآبے لے آئے اور دفن کردیا ۔ یہ اندوہ ناک واقعہ گگیانیوں کے لیے بڑا ناقابل برداشت ثابت ہوا ، ہر گھر ماتم کدہ بن گیا ۔

کہتے ہیں کہ اس وقت تمام گگیانیوں کا سردار ملک شیخو بن خواجی تھا ، سارے گگیانی اس کے مطیع تھے ۔ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ بھی اس کی بڑی قدر کرتا تھا ۔ اس واقعہ کے بعد ملک شیخو نے ملک محمد خان شہید کے بیٹے کو باپ کے خون آلود کپڑوں کے ساتھ خان الخوانین خان کجو کے پاس روانہ کردیا اور ملک خواجو لالہ زئی اور ملک آدم لالہ زئی دو نامور اور معتبر ملکوں کو اس کے ساتھ بھیجا ۔ یہ تینوں پہلے اشنغر گئے ۔ ملک خضر خان اور ملک بیگی محمد زئی کو تمام حالات بتائے اور استغاثہ پیش کیا ۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ پہلے خان کجو کے پاس جائیں کیونکہ وہ سارے خخی (خشی) کا خان ہے یہ مہم اسی کے اقبال سے انجام کو پہنچے گی ۔

یہ تینوں وہاں سے روانہ ہوکر خان کجو کی خدمت میں گئے اور ملک محمد خان کے خون آلود کپڑے اس کے آگے ڈال دئیے اور خلیل کے ظلم و تعدی کی داستان سنائی ۔ خان کجو بہت غمگین ہوا ۔

ملک محمد خان کے قتل کا سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ۔ اس کے بعد ان سے کہا کہ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا اور ضروری ہوگیا ہے کہ خلیل کے ظلم و تعدی کا ہاتھ توڑ دیا جائے ۔ یہ میرا فرض ہے میں انشاءاللہ ان کا انتظام کروں گا ۔ آپ یہ کپڑے اسی طرح لے کر ملک سر ابدال اور ملک بارا خان اکو زئی کے پاس جائیں اور فریاد وزاری کریں تاکہ وہ بھی فکر میں لگ جائیں ۔

چنانچہ یہ تینوں حضرات روانہ ہوکر ملک بارا خان اور ملک سر ابدال کے یہاں گئے ۔ وہ کپڑے ان کے آگے ڈال دیئے اور خلیل کے ہاتھوں ظلم و ستم کی داد و فریاد کی ۔ یہ دونوں بھی بہت متاسف و متالم ہوگئے اور ان سے کہا کہ اب آپ جائیں اور بےفکر رہیں یہ ہماری مہم ہے ۔ اب یہ ہماری ذمہ‌داری ہے اور ہم اس سلسلے میں ضرور کچھ کریں گے ۔ آپ لوگ بھی لشکر کی فکر میں لگ جائیں ہم بھی انشاءاللہ بڑی عجلت سے آرہے ہیں ۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ملک خضر خان محمد زئی اشنغری محمد زئی کا سردار اور قوم کا سربر آوردہ تھا ۔ نہایت عالی رتبہ ، صاحب شوکت اور بڑا مدبر تھا اور سارے محمد زئی اس کے فرمانبردار تھے ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد سعید خان بھی اس کی طرح بڑے اقتدار کا مالک تھا اور محمد سعید خان کے بعد ہر دور میں اس کی اولاد میں بڑے بڑے نامور سردار پیدا ہوگئے جو سارے محمد زئی کے امیر و مقتدا بنے ۔ ملک بیگی بن بہرام بھی ملک خضر خان کے ماتحت صاحب حکم اور نوت و حشمت کا مالک تھا ۔ ملک سر ابدال ابن موسیٰ ابن نیک بی یوسف زئی اکو زئی خواجو زئی شیخ سینا کا بھتیجا بھی خان کجو کا مقابل تھا صرف فرق یہ تھا کہ خان کجو منڈنڑ کا سردار تھا اور ملک سر ابدال یوسف کا ۔

لیکن شروع ہی سے یوسف و منڈنڑ بلکہ سارے خخی (خشی) کی سرداری منڈنڑ کے ہاتھ میں تھی ۔ اس لیے خان کجو خان خانان تھا اور اس کے بعد ملک سر ابدال کا مقابل سارے سڑبن میں کوئی دوسرا نہ تھا ۔ ملک سر ابدال کے خاندانی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی ۔ البتہ ام ولدہ (غیر افغان بیوی) سے ایک بیٹا متولد ہوا تھا ۔ جس کا نام بختی تھا جو نہایت حسین اور خوبصورت تھا ۔ اس کی اولاد اب تک باقی ہے اور شیخ سیدا ملک سر ابدال کا چچا یوسف زئی کے اعاظم اولیا' اور مشائخ کبار میں سے ایک تھا ۔

ملک بارا خان ابن موسول سوہل اکو زئی بائی زئی بھی بڑا عالی مرتبہ سردار تھا ۔ یہ میر فتح کا بھائی تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے ۔ ملک بارا خان اپنی قوم میں بہت ممتاز تھا ۔ تلوار کا ایسا دھنی تھا کہ جنگ کے دوران میں ملک احمد کے حکم سے اس کے گھوڑے کی دو طرفہ لگام پکڑی جاتی تھی کیونکہ یہ بڑا زور آور اور غصہ ور شخص تھا ۔ موقع اور محل کو نہیں دیکھتا تھا ۔ دشمن اگر ہزار کی تعداد میں ہوتا تب بھی اس کو پروا نہ ہوتی تھی ۔ یکہ و تنہا ان پر ٹوٹ پڑتا تھا ۔ یہ کبانڑی میں سکونت پذیر تھا اور قلعہ ڈھیر کے قریب اس کا بہت بڑا بازار تھا ۔ سرخ وڑئی (دریائے لنڈا) کا گھاٹ بھی اسی کا تھا جس کا محصول اس کے یہاں آتا تھا ۔ بہت بوڑھا ہوگیا تھا ۔ کبانڑی میں فوت ہوا ، وہیں اس کی قبر ہے ۔ اس کی اولاد ابھی تک یوسف زئی میں موجود ہے ۔ سب صاحب وقار ہیں ۔ سلیمان نامی اس کا ایک بیٹا اب (۵۱۰۳۲) تک حیات ہے ۔

قصہ مختصر یہ کہ ملک خواجو وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد خان کجو نے یوسف زئی و منڈنڑ کے سرداروں کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور ایک خاص مقام پر انہیں طلب کیا ۔ چنانچہ خان کجو کے

آدمیوں کے پہنچتے ہی ملک بارا خان ملک سر ابدال اکو زئی خواجو زئی اور خدائے داد بن بارے ابن میر احمد صدو زئی جیسے لوگ بادشاہ کہتے تھے ، ملک بین ابن خدائے داد (تاجو خیل) صدو زئی جو خان کجو کے بعد صاحب جرگہ تھا ، وغیرہ اور دوسرے بہت سے سردار بھی مقررہ جگہ پر خان کجو کے پاس آکر حاضر ہو گئے ۔

آپس میں صلاح و مشورہ کیا اور کہا کہ غوریا خیل بہت زور آور لوگ ہیں اور ساتھ ہی ان کا ملک ہم سے دور بھی واقع ہے ۔ مہم بہت کٹھن ہے اس لیے یوسف زئی ، محمد زئی ، ترکلانی اور گگیانی چاروں قبیلوں کا ایک مشترکہ لشکر تیار کرنا چاہئیے ۔ اس کے بعد ان کی طرف بڑھیں ۔ مگر یہ بھی لازم ہے کہ پہلے ہم لشکر کا اہتمام کریں اور اشنغر جا کر مقیم ہو جائیں ۔ اس کے بعد خخی (خشی) کا لشکر از خود ہمارے پیچھے آکر اکٹھا ہوتا رہے گا ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کوئی اپنے گھر والوں کو ساتھ لے چلے تاکہ جنگ میں کوئی حیلہ سازی نہ کرسکے اور جو توابع لوگ ہیں خواہ اصیل ہوں ، خواہ غلام ، خواہ سادو ، خواہ شریک سب لشکر میں شریک ہوں اگر کوئی نہ گیا اور اپنے آپ کو لشکر میں شریک ہونے سے بچایا تو اس کا خیل خانہ تاراج کردیا جائے گا اور ہر ایک سردار اپنے وابستگان و متعلقات لشکر کے مناسب حال اخراجات و سامان ضرورت اپنے ہمراہ لے جائے ۔

چنانچہ سب نے اس فیصلے پر دعائے خیر کی اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ خان کجو ، ملک سر ابدال ، ملک بارا خان ، ملک خدائے داد بادشاہ وغیرہ نے سعد اور نیک ساعت میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر کوچ کیا اور کلپانڑی میں جا کر ڈیرے ڈال دئیے اور خیمے اور شامیانے کھڑے کر دئیے ۔ جس جس کو ان کی آمد کی اطلاع ملتی تھی وہ

کلپانڑی میں آ کر ان کے ساتھ مقیم ہو جاتے تھے ۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں خیموں اور شامیانوں کا ایک شہر آباد ہو گیا اور اتنا بڑا لشکر تیار ہو گیا کہ گویا کسی بادشاہ کا لشکر ہو۔ یہاں سے خان کجو نے محمد زئی ، گگیانی ، ترکلانی ، اتمان خیل ، گدون اور سواتی وغیرہ کو خطوط روانہ کئے کہ ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ فی الفور اشنغر پہنچ جائے ۔

کہتے ہیں کہ جس وقت جرگہ ہو رہا تھا اس وقت ملک جوکا اور کریم داد الیاس زئی سالا زئی دونوں نامور سردار بھی موجود تھے ۔ دونوں نے اس وقت خان کجو اور ملک سر ابدال سے عرض کیا کہ آپ دونوں کو الیاس زئی کے حالات کا علم ہے کہ ابھی اسی سردی کے موسم میں قزان شاہ ابن سلطان اویس نے ہم پر لشکر کشی کی تھی اور ہمارے تیں چار دیہات کو تاراج کیا تھا اور باقی گاؤں بمشکل ہم نے اور ملی زئی نے مل کر تلوار کے زور سے بچائے ۔ قزان شاہ ہمارے قریب تر ہے اور وہ داؤں لگائے بیٹھا ہے اگر ہم لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ہمارے دیہات پر چڑھ دوڑے گا اور انہیں تاراج کردے گا ۔ اس لیے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں لشکر سے معاف کردیا جائے گا ۔

خان کجو اور ملک سر ابدال نے ان سے کہا کہ اچھی بات ہے تمہاری خدمت یہی ہے کہ تم قزان شاہ کے شر سے اپنی حفاظت کرو ۔ اگر ہم بخریت واپس آگئے تو ان سے بھی نمٹ لیں گے البتہ کرم علی ابن فتح خان الیاس زئی سالا زئی کو کسی قدر آدمیوں کے ساتھ ہمارے ساتھ کردو تاکہ غوریا خیل دلاور نہ ہو جائیں اور ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ الیاس زئی ان کے ساتھ نہیں ہیں ۔ اتفاق سے کرم علی وہیں موجود تھا ۔ اسے چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے ساتھ

کردیا اور باقی الیاس زئی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ۔

کہتے ہیں کہ کرم علی بہادری میں سید جوکا پوہل خیل کا ہم پلہ تھا اور نہایت عالی مرتبت اور صاحب دولت تھا اور پوشیدہ نہ رہے کہ قزان شاہ ، سلطان اویس ابن سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر کا سب سے چھوٹا فرزند تھا ۔ یوسف زئی کے غلبے کے سبب سوات سے بھاگ گیا تھا اور دریائے سوات کے اس پار شمال کی طرف پہاڑوں میں رہتا تھا اور دریا کے اس پار بالمقابل درویش خیلہ ، باز خیلہ ، چندہ خورہ ، اور سوی گلی تک الیاس زئی کے دیہات آباد تھے ۔ یہ سارے گاؤں قزان شاہ سے متصل تھے یہ ہمیشہ ان پر ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار کرتا تھا ۔ جب خان کجو غوریا خیل کی مہم پر نکلا تو قزان شاہ کو موقعہ مل گیا ۔ وہ فوراً کاشغر (چترال) گیا ۔ کیونکہ کاشغر اس کے قریب تھا ۔ وہاں سے ایک زبردست لشکر لے آیا ۔ کاشغری لوگ سب مسلمان اور سنی تھے ، ترکی زبان بولتے تھے اور ان کی رعایا سب کافر لوگ تھے ۔ الیاس زئی پر چڑھ دوڑے اور ملک جوکا سالا زئی کے گاؤں دیولئی پر دھاوا بول کر اسے تاراج کردیا پھر چندہ خورے جاتے ہوئے جو دیہات درمیان میں واقع تھے انہیں بھی تاراج کیا ۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کرلیا ۔ اس کے بعد الیاس زئی کے دھاوے بھی ہر طرف سے نکل آئے اور سید ابن دلخسک بوہل خیل ملی زئی کے گاؤں پنج گرام (پجی گرام) پہنچے ۔ پنج گرام الیاس زئی کے قریب آباد تھا ۔ سید بذات خود بھی ان کے ساتھ تھا ۔ اس نے قزان شاہ کے لشکر کو شکست دی ۔ قزان شاہ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا ۔ اس نے ان کا تعاقب کیا ۔ یہاں تک کہ کڑ کی چوٹی سے اسے پار کردیا ۔ اس طرف ان کی حد تھی ۔ الیاس زئی کے دیہات سے جس قدر آدمی پکڑ کر اور سامان

لوٹ کر لے گئے تھے سب ان سے چھین لائے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کردیا ۔

اس کے ایک ماہ بعد بہار کا موسم شروع ہوا ۔ بسندور (بسنت) آیا بسندور کفار کا ایک تہوار ہے جس میں وہ مسلمانوں کی عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں ۔ جب بہار کا موسم آتا ہے ۔ ہر طرف پھول کھلے ہوتے ہیں ۔ ہر مرد ، عورت عیش و عشرت کا سامان تیار کرنے لگتا ہے ۔ ہاتھوں میں مہندی رچاتے ہیں ، نفیس لباس پہنتے میں ، شراب نوشی کرتے ہیں اور سیر و تفریح کے لیے صحرا کی طرف نکل جاتے ہیں ۔

ملک جوکا نے قزان شاہ کے لیے جاسوس مقرر کئے کہ وہ بسندور منانے کا دن اور موقعہ و محل معلوم کریں کہ وہ کس مکان میں جائے گا اور عیش و عشرت کرے گا ۔ جاسوس اس کے بسندور کا دن اور مقام عیش و عشرت معلوم کر کے واپس آگئے ۔ ملک جوکا نے شجاعت کے ساتھ الیاس زئی کا ایک زبردست دھاڑا تیار کیا اور راتوں رات جا کر اس مکان کے چاروں طرف نالوں اور کھڈوں میں چھپ گئے

جب صبح ہوئی تو قزان شاہ بے کھٹکے دل جمعی کے ساتھ اپنے خاص مطربوں کی معیت میں اس مکان میں جا اترا ، مگر ابھی اتر بھی نہیں تھا کہ چاروں اطراف سے الیاس زئی ان پر ٹوٹ پڑے ، تیروں کے وار کر کے اسے قتل کردیا اور سر کاٹ کر گھر لے آئے ۔ دوسرے دن قزان شاہ کا سر لے کر لشکر کے ساتھ خان کجو کے پاس روانہ ہو گئے اور دریائے لنڈا کے کنارے جب کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی ، خان کجو کے پاس پہنچ گئے ۔ خان کجو اس کے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا اور آفریں کہا ۔ شادیانے اور نقارے بجائے اور اس مہم کو نیک فال سمجھا اور کہا غوریا خیل کی فتح ہمیں نصیب

کردے گا ۔ قزان شاہ کا سر ایسے وقت میں پہنچا کہ لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی سب لوگ ایک دوسرے کو قزان شاہ کی موت پر مبارک باد دے رہے اور کہہ رہے تھے کہ اب پیچھے سے مطمئن ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ خان کجو کلپانڑی سے نہایت عجلت میں روانہ ہوکر دریائے لنڈا کے کنارے شیخ تمور کے بالمقابل مقیم ہوگیا اور اونچی جگہ پر خیمہ نصب کردیا ۔ باقی لشکر نے ارد گرد اور دریا کے کنارے کنارے دور تک ڈیرے ڈال دئیے گئے ۔ گرمیوں کا موسم تھا ۔ گیہوں کے کھیت لہلہا رہے تھے ، بالیاں نکلی ہوئی تھیں ۔ ساز و سامان سب کے پاس موجود تھا ۔ جو لوگ خیمے رکھتے تھے انہوں نے خیمے کھڑے کرلیے اور جن کے پاس خیمے نہیں تھے ، انہوں نے جھونپڑے بنالیے ۔ اس کے بعد ملک خضر خان بارک شاہ زئی اور اس کا بیٹا محمد سعید خان اور ملک بیگی بن بہرام بارک شاہ زئی اور میر پائندہ بن قاسم اتمان زئی اور محمد زئی کے دوسرے سردار بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ آئے اور خان کجو کے لشکر میں شامل ہوگئے ۔

بعد ازاں ملک شیخو بن خواجو خویے زئی گگیانی ، ملک خواجے لالہ زئی اور ملک آدم لالہ زئی خواجہ کل ابن ابوبکر تبو زئی بسو زئی اور میر ابدال ابن بہزاد الہ داد خیل ، بہزاد اور گگیانیوں کے دوسرے ملک بھی بڑی بڑی جمعیتوں کے ساتھ جن میں اکثر سوار تھے آکر خان کجو کے قریب ڈیرے ڈال دئیے ۔ اس کے بعد ملک مثہ خان بن شمو سالار زئی ترکلانی باجوڑی اور ملک احمد بن کیمل ابن بختی علاءالدین زئی یوسف زئی اور ملک عیسیٰ ابن میر داد موسی زئی گگیانی باجوڑ کے راستے سے ایک ساتھ آئے اور خان کجو کے لشکر کے ساتھ مقیم ہوگئے ۔

الغرض رفتہ رفتہ تھوڑے ہی دنوں میں سارے خخی (خشی) کے لشکر آکر جمع ہوگئے اور شیخ تپور کے بالمقابل ڈیرے ڈال دئیے۔ اتنا بھاری لشکر اکٹھا ہوگیا کہ اس کی مثل افواج کا اجتماع سارے افغانستان میں نہ کسی نے دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا اور مخفی نہ رہے کہ جس وقت خان الخوانین خان کجو خخی (خشی) کے لشکر کے اہتمام میں لگا ہوا تھا۔ ملک بازید بن محمود خیل اسحاق زئی عیسیٰ زئی مالی زئی جو خلیل کا سب سے بڑا سردار اور نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کا مقرب تھا۔ ہمایوں بادشاہ سے ملنے کے لیے کابل گیا ہوا تھا اور اس کے حضور میں موجود تھا۔ ملک بنے ابن میر داد اسحاق زئی مالی زئی جو اس کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا۔ ملک بہلول عیسیٰ زئی صدو زئی کہ یہ دونوں خلیل کے نامی گرامی ملک تھے۔ غوریا خیل کے لشکر جمع کرنے کے انتظام میں لگ گئے۔ جا بہ جا اپنے آدمی بھیجے۔ چونکہ یہ لوگ اکثر اس وقت ننگرہار اور بعض پشاور میں تھے۔ چنانچہ سلیمان شاہ ابن زنگی مہمند اودی زئی جو اپنے وقت کا مشہور شجاع تھا، کا قبیلہ پشاور میں تھا۔ اس نے جا بجا آدمی بھیجے۔ مہمند، خلیل اور داؤد زئی کا سارا لشکر جس میں ہر ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھا۔ خصوصاً خلیل سب کے سب مسلح تھے اور انا ولا غیری (یعنی ہمچنیں دیگرے نیست) کے زعم باطل میں مبتلا تھے اور پوری جمعیت اور انتہائی شان و شوکت سے کوچ کرتے ہوئے خزم کے اس طرف ڈب کے کنارے شیخ تپور میں ڈیرے ڈال دئیے۔

اس زمانے میں غوریا خیل بالعموم اور خلیل بالخصوص بڑے اہل ثروت تھے۔ ہر کسی کے پاس فرش، فروش، خیمے اور شامیانے موجود تھے جو کھڑے کردئیے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

بادشاہ کا لشکر ہو ۔ جس جگہ خان کجو اور خلیل کا لشکر آمنے سامنے پڑا ہوا تھا وہ جگہ مشہور و معروف ہے ۔

کہتے ہیں کہ خلیل کا لشکر بہت زور و شور کے ساتھ آ کر شیخ تپور میں اترا ۔ ہر کسی کو ان کے زور و قوت کا علم ہو گیا ۔ چونکہ خلیل کے لشکری سب گھوڑ سوار تھے وہ بھی عراقی گھوڑوں پر تمام زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھے اور اس لیے خخی (خشی) کے لشکر کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ ہار چلے جائیں اور خدا نخواستہ شکست کھا جائیں تو سب دریا میں ڈوب جائیں گے۔ اس لیے خان کجو اور ککیانیوں کے سوا کہ ککیانی خلیل کے جانی دشمن تھے ، سارا لشکر اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ اگر خلیل کے ایک دو سفید ریش معززین اور ملک بازید کے گھرانے کی دو عمر رسیدہ مستورات اور قطب عالم شیخ میر داد متی زئی کے پوتے بطور جرگہ خان کجو کے پاس آجائیں تو ہمارے لیے اس قدر عذر خواہی بھی کافی ہے ۔

یہ بات ملک خضر خان محمد زئی سے کہی گئی کہ آپ اپنی طرف سے یہ بات خان کجو کے گوش گزار کریں اگر ان کی رضا ہو تو ہم اس بات کی کوشش کریں ۔ لیکن اس سے قبل کہ ملک خضر خان خان کجو تک یہ بات پہنچاتے ، خان کجوکو یہ بات معلوم ہو گئی۔ خان کجو کو اس پر بہت غصہ آیا اور فوراً اٹھ کر ملک سر ابدال کے ڈیرے پر گیا اور اس سے کہا : ”اے میرے بھانجے یہ لوگ مجھ سے پوشیدہ کیا مشورہ کرتے ہیں کہ غوریا خیل کے جرگے کو بلانا چاہتے ہیں ۔ یاد رکھو اگر غوریا خیل کے لوگ بطور عذر خواہی یہاں آگئے تو میں انہیں تمہارے ہی ڈیرے میں قتل کردوں گا ۔“ سر ابدال نے عرض کیا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کی مرضی کے بغیر کچھ کرسکیں جو آپ کی مرضی ہوگی وہی عمل میں آئے گا ۔ اس کے

بعد خان کجو ملک سر ابدال کے ڈیرے سے اٹھ کر اپنے ڈیرے میں چلا گیا چند دن گزرنے کے بعد خان کجو نے خخی (خشی) کے تمام روسا٫ کو طلب کیا اور دریا پار کرنے کے بارے میں استفسار کیا۔ ملک خضر خان نے اہل خخی (خشی) کے مقتضا کے مطابق وہ بات خان کجو سے کہی۔ خان کجو سمجھ گیا کہ یہ بات اہل جرگہ کے مشورے سے کہہ رہا ہے اس لیے جرگے کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اہل جرگہ نے کہا کہ خان! ہم آپ سے زیادہ سمجھ دار نہیں ہیں جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس جرگے ہیں آدو اور جونا نام کے مطرب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ خان کجو نے ان سے کہا کہ اے مطربو! تم بھی کچھ کہو، مطربوں نے خان کجو کی مرضی کو تاڑ لیا تھا۔ فوراً سرود چھیڑا اور بلند آواز سے یہ غریبی کہی۔

خان کجو دقـره زویــہ	خیمہ ړ کړه ولاړه لویہ
اوس یہ پر شان شیخ تپور	تدستا تلـہ٘ بــویــہ
او کہ نہ٘ وی دا خیمہ بہ	د پغـورشی ترلر غویــہ

ترجمہ۔ اے قرہ کے فرزند خان کجو! آپ نے بہت بڑا خیمہ کھڑا کردیا ہے۔ اب جس طرح سے بھی ہو شیخ تپور آپ کا جانا ضروری ہے اگر نہ گئے تو آپ کا یہ خیمہ تمام عمر کا آپ کے لیے طعنہ ہو جائے گا۔

اور دوسری غریبی یہ کہی۔

بارا خان د موسیٰ زویــہ کل خخی د سره گرد کڑلور د لوره
کہ سوداوار غورے پریښو دے بہشی هر گوره غره خپله زوره

ترجمہ۔ موسیٰ کے بیٹے بارا خان سارے خخی (خشی) کو تم نے تمام اطراف سے اکٹھا کردیا ۔ اگر اس دفعہ تم نے غوریا خیل کو چھوڑ دیا تو یہ اپنے زور میں آکر مغرور ہو جائیں گے ۔

جب ان مطربوں نے یہ غزلیں کہی تو ہر کسی کے دل پر اس کا اثر ہوا اور ہر کسومہ میں جنگ کا ولولہ پیدا ہوگیا ۔ اس پر خان کجو نے لوگوں سے کہا کہ اے جرگے والو ! میں آپ لوگوں سے اور کیا کہوں حقیقت یہی ہے جو ان مطربوں نے آپ کے سامنے بیان کردی ۔ باقی آپ کی مرضی ہے ۔ البتہ اس دفعہ غوریا خیل کا بندوبست نہ کیا گیا تو پھر تم خود دیکھو گے کہ غوریا خیل تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں وہ اتنے مغرور ہو جائیں گے کہ تمہیں پہاڑوں میں بھی نہیں چھوڑیں گے ۔

اس کے بعد ہر کسی نے خان کجو کی مصلحت پسند کی اور کہا کہ اس دفعہ خخی (خشی) کا لشکر اللہ تعالیٰ نے اتنا فراہم کردیا ہے کہ اس کے بعد شاید ہی اتنی تعداد میں پھر کبھی جمع ہوسکے ۔ بس صلاح یہی ہے کہ دریا کو عبور کر کے ان سے لڑیں ، پھر جو بھی خدا کو منظور ہو ۔

کہتے ہیں کہ اس مہم میں خخی کے جتنے مذہبی پیشواؤں کے خاندان تھے سب آگئے تھے اور اس جرگے میں حاضر تھے ۔ خان کجو نے ان کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "اے ہمارے پیران محترم ! یہ دن ہم پر بڑا سخت آن پڑا ہے ۔ آپ ہمارے آستانہ دار ہیں اور ہم

آپ کے خدمت گزار ہیں ۔ ہمارا آپ پر حق ہے ، اگر کسی صاحب کو کشف یا الہام سے آنے والے واقعے کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں اس سے آگاہ کریں ۔"

کہتے ہیں کہ شیخ جلو ابن عثمان ملی زئی خواجو زئی جو یوسف زئی میں کشف و کرامات میں مشہور تھے ، ان کے درمیان سے سر اٹھا کر کہنے لگے کہ اے لوگو! سب سن لو میں جلو اس عثمان کا بیٹا ہوں جس نے کابل میں مرزا الغ بیگ کے وقت میں ملک سلیمان شاہ کو یوسف زئی کے قتل کا اشارہ کیا تھا اور پھر اسی طرح ہوا تھا ۔ اب میں بھی آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ماہ جمادی الاول کی بارہ تاریخ کو ہار ہوکر مقابل کے سامنے آجاؤ گے ، اسی ماہ کی تیرہ تاریخ کو تمہاری زبردست جنگ ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دیگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مدد و معاون ہیں ۔ اس کے مد جذبے میں آکر تین بار کہا کہ غوریا خیل شکست کھا گیا اور پھر کہا " اس عصا سے جو میرے ہاتھ میں ہے ، غوریا خیل کے بند سے خخی (خشی) کو مخلصی دی اور اسے آزاد کردیا ۔"

شیخ جلو کے اتنا کہنے سے تمام خخی کو تقویت حاصل ہوئی اور فتح اور نصرت کو اپنا شامل حال جانا ۔ یہ عین وہی وقت تھا کہ اسی وقت قزان شاہ کا سر بھی پہنچ گیا ۔ جیسے پہلے لکھا گیا ہے خوشی دوگنی ہوگئی اور اسے نیک فال سمجھا گیا ۔

اس درمیان میں غوریا خیل کو بھی خبر مل گئی کہ خخی کے بیشتر لوگ اس بات پر راضی ہیں کہ اگـر غوریا خیل کا جرگـہ عذرخواہی کے لیے ہمارے (یوسف زئی کے) پاس آجائے تو ہمارا عذر ہو جائے گا ، مگر غوریا خیل انتہائی مغرور اور بدمست تھے ، صلاح و آشتی کے لیے آمادہ اور راضی نہ تھے ، اس لیے فتنہ انگیزی شروع کی ۔

کسی قدر آدمیوں کو اس پار دوآبے بھیج دیا ۔ اس وقت چونکہ دوآبہ کے لوگ دریا پار کر کے اشنغر آئے ہوئے تھے اور دیہات خالی پڑے ہوئے تھے ۔ انہیں موقع مل گیا اور گکیانیوں کے دیہات کو نذر آتش کردیا۔

مقام ہفتم

یوسف زئی کا دریائے لنڈی کو عبور کرنا اور غوریا خیل وغیرہ سے ان کی جنگ۔

خان کجو اور لشکر کے دوسرے اعیان کو غوریا خیل کے ہاتھوں گگیانیوں کے دیہات جلائے جانے کا علم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا اور سب نے دریا پار جاکر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بہت سی کشتیاں اور شناز فراہم کئے ان میں سے ایک شناز سر آدم سے اونچا تھا۔ اس کے بعد خان کجو نے ملا احمد ابن خدائیداد متی زئی الوزئی کو غوریا خیل کے پاس بھیجا۔ ملا احمد بہت زمانہ پہلے خلیل سے آیا تھا اور خواجو زئی ملی زئی میں سکونت پذیر تھا، شیخ خیلہ میں اس کا گھر تھا اور کلیش خیل کا پیش امام تھا اور بہت دانا شخص تھا اس کے ذریعے ملک نبی اور ملک بہلول کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ دریا کے اس پار جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے راستہ کھلا چھوڑ دیں تاکہ ہم دریا کو پار کر کے میدان میں پہنچ سکیں اور اگر آپ یہ بات پسند نہ کریں تو پھر آپ کے لیے ہم راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جائیں گے۔ آپ دریا پار کرکے ادھر آجائیں، پھر جو اللہ کو منظور ہو دیکھا جائے گا۔

ملا احمد دریا کے پار گیا اور ملک نبی اور ملک بہلول کو یہ پیغام پہنچایا ۔ یہ پیغام سن کر دونوں خوش ہوئے اور اس سے کہا کہ بہت اچھی بات ہے ہم راستہ چھوڑے دیتے ہیں آپ اطمینان کے ساتھ دریا پار کر کے اس طرف آجائیں - ملا احمد نے واپس آکر خان کجو کو ان کا جواب سنا دیا ۔ خان کجو نے یوسف اور مندنڑ کو بلا کر کہا کہ تم یوسف اور مندنڑ آپس میں قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکلے وہ پہلے پار چلا جائے ۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو مندنڑ کا نام نکلا ، لیکن مندنڑ اس پر آزردہ خاطر ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم پہلے پار جائیں اور غوریا خیل بدعہدی کر کے حملہ کردیں تو ہم سب قتل ہو جائیں گے ۔ خان کجو ان کی اس بات سے بہت دل گیر ہوا ۔ وہ فکر مند بیٹھا ہوا تھا کسی نے پوچھا کہ خان عالی آپ اتنے ملول کیوں بیٹھے ہیں ؟ خان کجو نے کہا ہمارے یوسف اور مندنڑ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ہر جنگ اور ہر مہم میں بطور نیک فالی مقدمۃ الجیش یوسف کا گھرانا میدان میں اترتا تھا مگر آج میں خلاف معمول بات دیکھ رہا ہوں ، خدا خیر کرے ۔

اس پر سلیم خان ابن معدود ابن یوسف اور سید اور جو کا پسران دلغک ابن یوسف نے کھڑے ہو کر کہا کہ اچھی بات ہے خان! جب آپ کی مرضی یہی ہے تو پہلے ہم پار جاتے ہیں ۔ یہ کہ کر تینوں روانہ ہو گئے۔ خان کجو نے حکم دیا کہ پہلے ان کو کشتی دے دو کہ یہ پہلے پار ہو جائیں ان کے بعد باقی لشکر یکبارگی کشتیوں اور شنازوں سے دریا پار کرے مبادا غوریا خیل ان پر ٹوٹ پڑیں اور دہوکہ دیں ۔ اس کے بعد سلیم خان اور جوکا تمام ملی زئی قوم کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلے گئے چنانچہ سارا لشکر

ایک دفعہ میں شنازوں اور کشتیوں میں بیٹھ کر پار چلا گیا۔ اور ڈب کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے اور ہر کسی نے اپنے اپنے برابر میں موافق حال خندق کھودی اور کانٹے بچھا دئیے رات اسی جگہ گزاری

جب صبح ہوئی تو خان کجو نے حکم دیا۔ کہ لشکر میں جتنے مطرب ہیں، انہیں بہترین گھوڑے اور ہتھیار دے دیے جائیں تا کہ سب سے پہلے وہ غوریا خیل کے سامنے جائیں اور جنگ کا آغاز کریں اس سے خان کجو کی غرض قوت نمائی تھی۔ چنانچہ اہل لشکر نے اپنے اپنے مطربوں کو بہترین گھوڑے اور ہتھیار دئیے انہیں خوب آراستہ کر کے میدان میں بھیجدیا۔

کہتے ہیں کہ سات سو مطرب لشکر کے ساتھ تھے ، اور اس وقت ان کے سردار ، یوسف زئی بلکہ سارے خخی (خشی) میں شیتکی اور ادو تھے۔ یہ دونوں مندڑ صدو زئی کے ڈوم (مطرب) تھے ، یہ دونوں ان سات سو مطربوں کے ساتھ ہو کر لشکر سے نکل کر آگے چلے گئے۔ اور خزم میں پہنچ گئے۔ خزم ، علی ترکی معدوذ زئی خلیل کا گاؤں تھا اور باشندوں نے اسے خالی کر دیا تھا مطربوں نے اس گاؤں کو نذر آتش کر دیا اور ایک لاغر و بیمار بیل کو جسے گاؤں والے لے جا نہ سکے تھے ، زخمی کر دیا۔ اور واپس آ گئے جب گاؤں سے دھواں بلند ہوا اور آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ تو خلیل سمجھ گئے کہ ان کے گاؤں کو جلا دیا گیا ہے اس لئے ان کے تعاقب میں نکل آئے مگر اس وقت تک یہ لوگ واپس آ گئے تھے۔ اسی اثناء میں فتو کے نامی ایک مطرب جو عرصہ ایک سال سے خلیل سے آ کر یوسف زئی میں احمد ولد کیمل بن بخشی اکو زئی خواجو زئی علاؤالدین زئی کے پاس آباد ہو گیا تھا ،

کسی بہانے سے مطربوں سے پیچھے رہ گیا تھا پھر گھوڑا دوڑا کر خلیل کے سواروں میں گھس گیا اور سلام کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں آپ لوگوں کا نمکخوار ہوں ۔ اسی لئے ایسے سخت وقت میں پھر آپ کے پاس آ گیا ہوں یہ گھوڑا اور اسلحہ یوسف زئیوں کا دیا ہوا ہے انہوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور پوچھا یہ سوار کہاں کے تھے؟ فتوکے نے کہا یہ سوار تو سارے کے سارے مطرب تھے، جو خان کجو کے ساتھ آئے ہیں اور اپنی نمود اور جنگ کے آغاز کے لئے نکلے تھے۔ یہ سن کر خلیل نے ایک دوسرے سے کہا جب ان کی اس قدر فوج صرف مطربوں کی ہے تو ان کا لشکر نہ جانے کتنا ہو گا اور بعض خلیل نے کہا کہ خان کجو ہم پر اپنی فوج کی کثرت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور ہمیں اپنا زور دکھاتا ہے خیر حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی اور کل میدان جنگ میں اس کا نیصلہ ہو جائے گا ۔ مطرب لوگ وہاں سے لوٹ کر خان کجو کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور یہ حال اس سے کہہ دیا ۔ خان کجو بہت خوش ہوا انہیں انعام سے سرفراز کیا اور کہا کہ ہمارا فال نیک ثابت ہوا کہ ہمارے مطربوں نے ان کا گاؤں جلا دیا۔ انشاءاللہ فتح ہماری ہو گی ۔ دوسرے دن جب لڑائی ہوئی تو فتو کے مطرب اس میں مارا گیا ۔

کہتے ہیں کہ جب مطربوں نے غوریا خیل کا گاؤں جلا دیا تو وہ بڑے غضبناک ہوئے ۔ اور رات یہ صلاح کی کہ کل ہی ان پر حملہ کر دیا جائے اور میدان میں ان سے لڑا جائے ۔ خان کجو کو جاسوسوں نے آ کر فوراً اطلاع دی کہ کل غوریا خیل حملہ کریں گے ۔ خان کجو نے اسی وقت تمام ڈیروں میں قاصد بھیجے اور منادی کرائی کہ ''ہر شخص جنگ کے لئے تیار ہو جائے'' ۔

جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو جمادی‌الاولی کی تیرہ تاریخ تھی ۔ غوریا خیل علی‌الصباح اپنے ڈیروں سے نکل کر روانہ ہوئے ادہر کے لوگ بھی تیار و مستعد بیٹھے ہوئے تھے فوراً اپنا لاؤ لشکر لے کر نکل آئے اور صفیں بنا لیں ۔ اسی وقت خان کجو نے ملک سر ابدال ، ملک خضر خان اور ملک بیگی محمد زئی سے کہا کہ

"اے محمد زئی ! میرے ننگ کرنے والے محمد زئی بھائی ! برادری پالنے اور نیکی کرنے کا یہی دن ہے۔ مجھے آپ اور یوسف زئی کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں ہے ترکلانی اگرچہ بہادر لوگ ہیں مگر بہت تھوڑے ہیں صرف دو سو سوار آئے ہیں ۔ اور گگیانی اگرچہ ہمارے بھائی ہیں ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ملک محمد خان کے قتل ہونے پر ہم سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں لیکن مجھے ان پر بھروسا نہیں ہے کیونکہ وہ لاف زن اور تیز زبان ہیں ۔ اب محنت اور ضرورت کی دو جگہیں ہیں جو پیش آئی ہیں ایک سامنے غوریا خیل سے مقابلے کی دوسری پیچھے سے حملہ کرنے والوں سے محافظت اور نگہبانی کی ۔ اب آپ جو مقام پسند کریں اسے اختیار کر لیں ملک خضر خان اور ملک بیگی نے ان سے کہا ۔ کہ خان اعظم ہم آپ کے غلام ہیں آپ نے ہمیں ایک کاسہ اوگرہ میں خرید لیا ہے (یہاں اوگرے کے کاسہ سے مراد ملک اشنغر ہے) اب جو بھی مشکل خدمت ہو ہم اس کے لئے تیار ہیں ۔ خان کجو نے کہا کہ آفرین باد ! مجھے آپ سے یہی توقع تھی میں جو آپ لوگوں پر ناز کرتا تھا تو اسی دن کے لئے اب آپ سارے محمد زئی ایسا کریں کہ بجانب سہیل (جنوب) چلے جائیں اور ان نالوں اور کھڈوں کی طرف صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں ۔ اور ہماری پشت پناہی کرتے رہیں ۔ اگر پیچھے سے ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو آپ ان کا دفعیہ کریں اور کوئی حملہ‌آور نہ

ہو تو تب بھی آپ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب فرمائے اور دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہو تو پھر آپ بھی آئیں اور ان کا تعاقب کریں ان کے مارنے اور قتل کرنے میں کوتاہی نہ کریں ۔ اور اگر خدانخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو پھر فی الفور ہمارے پاس پہنچ جائیں تا کہ ہمارے لوگوں کو آپ کی وجہ سے استقامت حاصل ہو جائے اور ان کی ہمت بندھ جائے۔

اس ہدایت کے مطابق محمد زئی نے اپنا لشکر ایک الگ صف میں کھڑا کر دیا اور پورے خلوص نیت سے ان نالوں اور کھڈوں کے بالمقابل صف بستہ کھڑے ہو گئے ۔ اس کے بعد خان کجو کو دلجمعی حاصل ہوگئی ۔ اور اپنے لشکر کے اہتمام میں لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ خان کجو نے سارے خخی (خشی) کا لشکر سات صفوں میں تقسیم کر دیا چھ صفیں پیادوں کی بنائیں اور ایک صف سواروں کی بنائی اور اس پشت سے کھڑی کر دی کہ پہلی صف ڈھال والے پیادوں کی تھی جو برہنہ تلواریں ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھے اور پانچ صفیں ان کے پیچھے تیر اندازوں کی تھیں اور ساتویں صف سواروں کی کھڑی کر دی مگر یہ ساتوں صفیں کچھ ایسے سلیقے اور ترتیب سے کھڑی کی تھیں کہ ان کے درمیان کوئی تفاوت اور کشادگی نہیں تھی ۔ اور سواروں کو بھی ان کے پیچھے اتنا متصل کھڑا کر دیا کہ سواروں کے نیزوں کی انیاں پیادوں کی پشت سے لگی ہوئی تھیں ۔

کہتے ہیں کہ سوار اس صف میں اتنے زیادہ ہو گئے کہ یہ صف ان کے لئے بالکل ناکافی ہو گئی چنانچہ بقیہ سواروں کو ٹولیوں کی صورت میں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑا کر دیا اور خان کجو جب یہ صف‌بندی کر رہے تھے تو وہ ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار تھے اور ہر ایک صف کے آگے پھر رہے تھے ۔ اور سب کو جنگ کی

تعلیم و تلقین کرتے اور کہتے جاتے تھے کہ ۔

میرے بھائیو اور عزیز دوستو! غوریا خیل زور آوری ، بہادری اور شجاعت میں مشہور ہیں اور سب عراق گھوڑوں پر سوار ہیں اور ہر ایک کی کمر میں مشہد اور مصر کی بنی ہوئی تلواریں لٹک رہی ہیں پھر ملک بھی ان کا اپنا ہے ہمارا وطن یہاں سے بہت دور ہے اور بیچ میں ایک عظیم دریا حائل ہے ہمارا ناموس (زنانہ) بھی اس بار ہمارے ساتھ ہے پس یہ وقت بہادری اور مردمی کا ہے اگر ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ہم نے شکست کھائی تو ہم سب قتل ہو جائیں گے یا دریا میں غرق ہو جائیں گے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔ دنیا میں تماشا بن کر رہ جائیں گے عزت خاک میں مل جائے گی''

اور دوسری یہ بات بھی فرمائی کہ ملک بارا خان ابن موسیٰ اکو زئی بائی زئی سولی زئی ، سید اور جوکا ، دلغک ابن یوہل کے بیٹے جنگ کے وقت غایت شجاعت سے بےہوش ہو جاتے ہیں اور اپنی جان سے بے پروا ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسے وقت میں ان کے گھوڑوں کی لگامیں مظبوطی سے پکڑے رہیں تا کہ بے فائدہ اور بے محل دشمن کے لشکر میں گھس کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں یہ لوگ مجھے بہت عزیز ہیں۔ لشکر میں اور بھی بہت شجاع اور بہادر لوگ ہیں مگر مجھے ان کی اتنی فکر نہیں ہے لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں شکست کا سامنا ہوا تو پھر ان کو چھوڑ دیا جائے کہ جو کچھ ان سے ہو سکے کر ڈالیں''

ایک بات یہ بھی فرمائی کہ ''گگیانیوں کے سواروں کو

اپنے سواروں کے درمیان میں اور ان کے پیادے اپنے پیادوں کے درمیان میں رکھو اس لئے کہ یہ لوگ تیز زبان ہیں۔ کہیں بھاگ نہ کھڑے ہوں اور ہماری صفوں میں بھی بھگدڑ نہ مچ جائے۔

نیز فرمایا، کہ جب وہ لوگ یعنی غوریا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آ جائیں تو ہر صف کے تیر انداز تیر اندازی شروع کر دیں مگر اس طرح کہ تیر تمام صفوں کے سروں کے اوپر سے جائیں اور سوار بھی پیادوں سے ایسے مل جائیں کہ ان کے نیزے اپنے پیادوں تک پہنچ سکیں پھر جب پیادے شمشیر زنی کی حد پر پہنچ جائیں تب ان سے آگے ہو کر دشمن کے سواروں سے مبارزت طلب کریں۔

کہتے ہیں کہ خان کجو صفوں کو درست کرنے اور جنگ کی ہدایت دینے کے بعد اپنے برق رفتار گھوڑے سے اتر گیا۔ اور اپنے آپ کو خوب مسلح اور زرہ پوش کر کے ایک دوسرے عراق قوی گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے قبیلے والوں صدو زئی کے پاس تمام صفوں کے دنبال میں آ گیا اور ملک سر ابدال ملک بارا خان ملک سلیم خان سید اور جوکا، دلخک پوہل خیل ملی زئی کے بیٹے اور کرم علی الیاس زئی اور ملک بین (تاجو خیل) اور ملک خدائیداد (میر احمد خیل) صدو زئی ان کے ساتھ تھے اور ہر ایک سے کہتے جاتے تھے کہ "مردانگی کا یہی وقت ہے دیکھو قدم پیچھے نہ ہٹیں بزدلی نہ دکھانا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور آگے بڑھو اس کے بعد صفوف سبعہ (۷) مغرب کی جانب غوری خیل کے لشکر کی طرف بڑھیں اور غوریا خیل کا لشکر ان کی طرف بڑھنے لگا۔

اس اثناء میں میر فحکے مہمند مریم زئی جو مہمند کا نامور سردار تھا پانچ سو سواروں کے ساتھ کھڈوں اور نالوں میں چھپنے کی غرض سے جنوب میں اس جگہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے خان کجو

کو خطرہ لاحق تھا اور لشکر خلیل، داؤد زئی ، مہمند،بعض توابع مثلا
چمکنی ، زیرانی ، شنواری ، اور نیلابی وغیرہ ملک نبی و ملک بہلول
کے ساتھ خان کجو کی طرف روانہ ہو گئے غوریا خیل نے خان کجو
کا لشکر دور سے دیکھا تو انہیں ایک ہی صف دکھائی دی اس
لئے انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ایک لمبی کھو کھلی سی صف میں
صف آراء کیا خان کجو نے جب دیکھا کہ ان کے لشکر کی صف
خان کجو کے لشکر کی صف سے بھی لمبی ہے تو بہت متوحش ہوا
حالانکہ صفوں کی قلت و کثرت کا اسے کوئی علم نہ تھا ۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب آگئے ۔ تو خان کجو
سمجھ گیا کہ غوریا خیل کا سارا لشکر ایک ہی صف ہے وہ بہت
خوش ہوا اور اپنی فتح کا اسے یقین ہو گیا اور کہا غوریا خیل
نے جنگ کی تدبیر میں غلطی اور بیوقوفی کی کہ سارے لشکر کی
ایک صف بنا دی ۔ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں رکاوٹ کمزور ہوتی
ہے ۔ پانی اسی جگہ کو توڑ کر بہنے لگتا ہے اور غوریا خیل نے جب
دور سے خان کجو کی فوج کے پیچھے لشکر کے غول کے غول دیکھے
تو سمجھے ، شاید گائے بھینسوں کے گلے ہیں خان کجو نے
ہمارے لئے سیاہی سی بنائی ہے ہمیں مرعوب کرنا چاہتا ہے مگر جب
قریب آ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ سب فوج ہے ہر ایک کی
امید اپنی زندگی سے منقطع ہو گئی ۔ اور کہنے لگے کہ اتنی بےحساب
افواج سے ہمارا چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا ۔ حتیٰ کہ ملک خواجو
ابن بابو داؤد زئی جو بڑا عالی مرتبت اور بہادر تھا اور سر سے پاؤں تک
لوہے میں غرق تھا ۔ اس نے سب کچھ اتار کر پھینک دیا اور کہا
کہ اس قدر بے پناہ لشکر سے ہماری نجات محال ہے پس کیا
فائدہ کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالوں اور اتنا بوجھ اٹھائے پھروں

چنانچہ وہ اس طرح جنگ میں شریک ہوا اور مارا گیا ۔

یوسف زئیوں سے غوریا خیل کا شکست کھانا ۔

القصہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ایک تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے تو خلیل کے سواروں نے یکبارگی خخی (خشی) کے لشکر پر گھوڑے دوڑائے ۔ خان کجو نے فوراً حکم دیا

''تیر اندازو! تیر اندازی شروع کرو تاخیر نہ کرو''

اس حکم کے ملتے ہی تمام صفوں نے یک بارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی ، تیروں کی ایسی بارش ہونے لگی کہ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے تیروں کے چلنے سے فضا میں ایک سنساہٹ پیدا ہو گئی اور جب فضا میں تیر ایک دوسرے سے ٹکراتے تو ایک گونج پیدا ہوتی سواروں کے جسموں میں اتنے تیر پیوست ہو گئے کہ بعض کے بیس ، بعض کے چالیس اور بعض کے تو سو سو تیر تک پیوست ہو گئے۔ اس بےپناہ تیر اندازی نے سبھوں کو اوندھا کر کے زمین پر بچھا دیا اکثر یوسف زئیوں کی صفوں تک پہنچ بھی نہ سکے دور ہی گر کر ڈھیر ہو گئے اور بعض بےخود ہو کو سرجوں میں گر گئے اور بعض رکابوں میں پھنس کر لٹک گئے گھوڑے انہیں گھسیٹتے ہوئے صفوں تک لے آئے وہاں گر گئے یا مارے گئے غرض یہ کہ ان پر تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھی۔ تیروں کی ایسی بارش نہ کانوں نے سنی اور نہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھی گئی ۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو کہتا ہے کہ میں نے حسن ابن الیاس اکو زئی خواجو زئی ملی زئی ابو بکر خیل کو بارہا یہ کہتے

ہوئے سنا کہ اس جنگ میں جتنے یوسف زئی گھوڑوں پر بغیر زین کے ننگی پشت پر سوار تھے، خان کجو نے سب کو پیادہ کر دیا۔ یوسف زئی کیا بلکہ سارے خخی (خشی) کے پیادے سواروں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں چنانچہ میں بھی برہنہ پشت پر سوار تھا۔ خان کجو نے مجھے بھی پیادہ کر دیا جس وقت غوریا خیل ایک تیر کے فاصلے پر آ گئے اور انہوں نے ہم پر ہلہ بول دیا تو ہماری طرف سے تیر برسانے شروع کر دئیے گئے میں نے بھی تیر اندازی شروع کی یہاں تک کہ جب غوریا خیل تلواروں کی زد میں آئے تو میں اس وقت تک دس تیر چلا چکا تھا گیارہویں تیر کی باری نہیں آئی فوراً تلوار سونت لی اور دست بدست جنگ شروع کر دی اسی طرح تمام لشکر کو قیاس کر لو اور جس وقت دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا تو شمشیروں، خنجروں، نیزوں اور کلہاڑیوں کی ایسی مار پڑی کہ میدان میں آدمیوں اور گھوڑوں کی لاشوں کے ڈھیروں کی پہاڑیاں بن گئیں۔ گھوڑوں اور آدمیوں کے جسم تیروں سے چھلنی ہو گئے تھے اور تلواروں کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہر طرف میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ اقبال نے خان کجو کا ساتھ دیا اس کا لشکر بھی بےحد و حساب تھا کہ غوریا خیل کا لشکر اس کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ فتح و نصرت نے خان کجو کے قدم چومے اور غوریا خیل شکست کھا گئے۔ ان کے زیادہ سوار تو پہلے ہلے ہی میں گر گئے تھے اور جو صحیح سلامت رہ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پیادوں نے پشاور کا رخ کیا خخی (خشی) کے لشکر ان کے تعاقب میں تھے۔ جہاں جسے جا لیتے تھے، وہیں اسے قتل کر دیتے تھے، کھیت اور راستے لاشوں سے بھر گئے مگر آفرین ان کی ہمت پر خصوصاً خلیل کی ہمت پر کہ شکست کھانے پر بھی پلٹ پلٹ کر اس طرح جنگ

کرتے رہے اور تیروں ، تلواروں کے ایسے وار کرتے رہے کہ لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ۔

کہتے ہیں کہ عین اسی وقت کرم علی ابن فتح خان الیاس زئی سالار زئی جو نہایت صف شکن اور اپنے وقت کا جنگجو تھا زرہ پوش اور لوہے میں غرق تھا، خلیل کے چند پیادوں کے تعقب میں جب کہ وہ بھاگ رہے تھے گھوڑا دوڑایا اسی اثناء میں ایک پیادہ نے اس کے ایسا تیر مارا کہ اسی جگہ گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گیا ۔ اس کا گھوڑا اسی جگہ کھڑا رہ گیا اور یوسف زئی کے سوار بھی اس کے چاروں طرف اکھٹے ہو گئے ناگاہ خواجہ خضر ابن چوہڑ اور شاہی ابن سید احمد اسماخیل الو زئی خواجو زئی ملی زئی کہ یہ دونوں آپس میں قریبی رشتہ دار تھے ، آگئے اور کرم علی کو پہچان لیا دیکھا کہ مرا ہوا پڑا ہے اور گھوڑا پاس کھڑا ہے اور چاروں طرف سوار بھی کھڑے ہیں ۔ کہنے لگے۔

''اے نامردو کرم علی جیسا بہادر جوان قتل کر دیا گیا اور تم کھڑے ہوئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہو وہ لوگ تم سے صحیح سلامت بچ کر نکل گئے'' سواروں نے کہا کہ یہ پیادے ایسے نشانہ باز ہیں کہ ان کے تیر کے لیے کوئی ڈھال نہیں وہ کسی کے قابو میں نہیں آتے ان دونوں نے کہا یہ افسوس کی بات ہے ۔ کہ کرم علی جیسا جوان قتل ہو گیا اور قاتل بچ کر نکل گئے ۔ ہم قوم کو کیا منہ دکھائیں گے! یہ دونوں فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور انہیں جا لیا اور یکبارگی ان پر تیر برسانے شروع کر دئیے۔ خلیل کے پیادوں نے بھی تیر مارنے شروع کئے انھوں نے خواجہ خضر کے ایسا تیر مارا کہ ڈھال میں چھید کر کے پار نکل کر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا اسی طرح شاہی کے سر پر خود کو اس طرح نشانہ بنایا

کہ خود سے پار ہو گیا اگرچہ شاہی بچ گیا -

ان واقعات کا واقعہ نویس خواجو لکھتا ہے کہ میں نے شاہی مذکور کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا کہ خلیل کے تیر انداز نے اتنے زور سے تیر مارا تھا کہ میرا سر چکرانے لگا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا مگر اسی اثناء میں دوسرے سوار بھی ہماری مدد کے لیے پہنچ گئے اور ان پیادوں کو قتل کر دیا اور وہ کمان جس سے شاہی کو زخمی کیا تھا کوئی آدمی "صدوم" لے آیا مسجدوں اور حجروں میں پھرائی گئی اور لوگوں نے اسے دیکھا وہ کمان اتنی سخت تھی کہ کوئی شخص اسے کھینچ نہیں سکتا تھا - وہ کمان سارے یوسف زئی میں مشہور تھی -

الغرض خلیل کے ان پیادوں پر آفرین ہو کہ شروع میں ایسے تیر مارے اور ایسی تلواریں چلائیں کہ حق ادا کر دیا اور آخر میں شکست کی حالت میں بھی ایسے پھیر کھائے اور تیروں اور تلواروں کے ایسے وار کئے کہ خخی (خشی) کے بہت سے سوار ان کے ہاتھوں ڈھیر ہوگئے اور بہت سے زخمی ہو گئے خان کجو کے سر پر بھی ایک پیادے نے تیر مارا تھا جو اس کے خود کو توڑ کر سر میں چبھ گیا تھا اور خود کی وجہ سے زیادہ اندر نہ جا سکا پھر بھی سر میں ایسا پیوست ہوا تھا کہ اس کش مکش کے عالم میں اسے کوئی نکالنے کی جراٴت نہ کر سکا نہ تیر نکالنے کا موقع تھا اور نہ خود اتار سکتا تھا - اس لیے باہر کا حصہ خان کجو نے توڑ کر پھینک دیا اور کچھ حصہ خود اور سر میں اٹکا ہوا رہ گیا اور وہ اس کی پروا کئے بغیر دن بھر لڑتا رہا جب رات ہوئی ڈیرے میں آیا تو جراحوں نے نکالا جس کی وجہ سے اسے درد و الم سے دو چار ہونا پڑا۔ مگر اللہ نے اپنا فضل کیا جان بچ گئی- سب نے اللہ کا شکر ادا

کیا اور خیرات اور صدقہ بھی دیا۔ داؤد زئی نے بھی اس جنگ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہر جگہ خلیل کے ساتھ کھڑے رہے۔ کہیں بھی پسپائی اختیار نہیں کی۔ لیکن مہمند بڑے بے غیرت نکلے انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا سب کے سب اپنے توابع اور ہمسایوں جیسے سرغلانی، زاخیل، چمکنی، ملا گوری، زیبرانی اور شنواریوں کے ساتھ جنگ کئے بغیر بھاگ نکلے اور سراسیمہ ہو کر نالوں میں گھس گئے۔ محمد زئی نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور انہیں بھگا آئے۔

محمد زئی نے ان کے بہت سے نامی گرامی سواروں کو قتل کر دیا پھر خان کجو کی خدمت میں آئے۔ خان کجو نے ان کی بہادری کے صلے میں ان پر بڑی نوازشیں کیں اور شاباش اور آفرین کہا۔ اس کے بعد وہ دوسروں کے ساتھ مل کر غوریا خیل کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ پشاور شہر تک چلے گئے اور راستے میں جس کسی کو پایا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

اور پھر ہر جانب سے لشکر، پشاور، سربند، شیر گڑہی، چھل گڑی ٹوپہ اوژم (جمرود) تک گیا اور خلیل، مہمند اور داؤد زئی کے گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیا اور قتل و غارت گری اور قید و بند میں کوئی کمی نہیں کی۔

ان واقعات کا واقعہ نگار خواجو لکھتا ہے کہ میں نے ملک تنی ابن عبدالرحمن ابن شیخ احمد ککیانی مغل خیل سے بارہا یہ بات سنی کہ میں اپنے باپ کے ساتھ اس جنگ میں شامل ہوا تھا۔

اور بارہ غلام اور کپڑوں کی کئی بڑی بڑی گٹھریاں اور بےشمار مویشی مال غنیمت میں لایا تھا۔ اسی پر خخی (خشی) کے سارے لشکریوں کو قیاس کرو۔

خان کجو لشکر کی معیت میں پشاور کے مقام گور گٹھڑی تک

خود ان کے تعاقب میں گیا ۔ وہاں ایک بلند جگہ پر شامیانہ نصب کیا گیا جس میں خان کجو نے استراحت کی ۔ سارا لشکر اطراف و جوانب میں پھیلا ہوا تھا۔ لوٹ مار اور قید و بند میں کسی نے کمی نہ کی ۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد اور تمام اطراف میں سوار بھیج کر لشکر کر طلب کر لیا اور اعلان کرا دیا کہ اب بس کرو جو ہوا سو ہوا ۔ غرض یہ کہ اسی طرح (فتح و کامرانی کا) نقارہ بجاتا اور خوشی اور فتح و نصرت کے گیت گاتا لشکر روانہ ہوا اور اسی روز عصر کے وقت اپنے ڈیرے میں ڈب کے کنارے آ کر مقیم ہو گیا اسی وقت شیخ جلو ابن شیخ عثمان اساخیل اکو زئی خواجو زئی ملی زئی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے خان کجو کے چند معتبر آدمیوں کے ساتھ تمام لشکر میں ہر ایک ڈیرے میں گیا اور غوریا خیل کے تمام گرفتار شدہ لوگوں کو رہا کر دیا اور انہیں اسی وقت لشکر سے نکال دیا ۔ رات گزارنے کی اجازت بھی نہ دی ۔

الغرض شیخ جلو نے جو کچھ فرمایا تھا ۔ اور جو بات کہی تھی تمام واقعات اسی طرح پیش آئے خان کجو نے وہ رات اسی جگہ گزاری علی الصباح کوچ کر کے دریائے لنڈا سے پار آ گئے وہاں سے سب لوگ رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں خخی (خشی) کے پانچ سو آدمی مارے گئے تھے جن میں زیادہ تر یوسف زئی تھے ان میں یہ چار آن کے نامور سردار تھے ۱۔ کرم علی الیاس زئی ۲۔ سید ابن دلخک ابن پوہل (ملی زئی) یوسف زئی ۳۔ الو ابن مانا بان دولت اکو زئی بائی زئی سولی زئی ۴۔ غازی خان ابن خان مندنڑ ملک زئی اور زخمیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا ۔ شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جسے زخم نہ آیا ہو۔

کہتے ہیں کہ شیخ تپور کی جنگ کے بعد خان کجو کا درجہ

بہت بلند ہوگیا تمام پختون قومیں (قبائل) آن کی سطیع و فرماں‌بردار ہو گئیں اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے شیخ تپور کی جنگ کے تین سال بعد خان کجو اپنے تمام لشکر کے ساتھ پشاور شہر آئے اور بکرام (پشاور) کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔ قلعہ‌دار کا نام سکندر اوزبک تھا اور نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ کی طرف سے کابل سے آیا ہوا تھا۔ یہ قلعہ چونکہ سنگین اور بہت مضبوط تھا اس لیے فتح کئے بغیر واپس آئے ۔ دوسری بار دریائے سندھ کو عبور کر کے سنجلہ، گھیپ وغیرہ کے علاقوں پر تاخت کیا مال ، مویشی لوٹے ، لوگوں کو قید کیا اور بہت سے مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے ۔

تیسری بار پھر خخی (خشی) کی تمام افواج کو جمع کر کے دریائے سندھ کو عبور کیا اور چھچھ ، ہزارہ ، کورلغ ہزارہ مانگڑاؤ اور اس کے توابع اور مضافات کو فتح کرنے کے بعد دستوڑ اور پکھلی کی طرف متوجہ ہو گئے جب موضع کوٹ بارو پہنچ گئے اور پکھلی کے سلطان غیاث الدین تیرک کو ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے نفیس اور اعلیٰ سے اعلیٰ اشیا بطور ہدیہ و تحفہ بھیجیں اور سال بہ سال اس کی پیشکشی قبول کر کے ان کا سطیع و فرماں‌بردار ہو گیا ۔ وہاں سے واپس ہو کر ملک گکھڑ کی طرف روانہ ہو گئے اور جب گکھڑ کے سلطان آدم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بھی سلطان غیاث الدین کی طرح تحفے تحائف بھیجے پیشکش اور اطاعت قبول کی اس کے بعد خان کجو اپنے دولت خانہ تشریف لے آئے ۔

خان کجو کے ممالک متصرفہ کا ذکر۔

حاصل یہ کہ سارا علاقہ سمہ تا اشنغر تا دریائے لنڈا اور دریائے سندھ۔ سارا سوات تاتوروال اور تیرات ، پنجکوڑہ تا نیاگ جو لاہور کے نام سے مشہور اور سارا بونیر ، چملہ تاتنول ، سارا اشنغر اور سارا دوآبہ اور سارا باجوڑ ، ہندو راج تک اسمار ناوہ گٹی کونڑ اور ساری وادیٔ پشاور کڑپا تک ، خیبر ، ننگر ہار ، تیراہ ، کوہاٹ اور تمام خٹک اور دریائے سندھ کے اس پار نیلاب،سنجلہ تا گھیپ سوہانہ مرگلہ ، گکھڑ ، پکھلی تک یہ تمام ممالک اس نے مسخر کر لیے تھے اور اس کے باشندے اس کے تابع و فرمان بردار تھے۔ جس وقت وہ کسی مہم پر بلائے جاتے تھے کسی کو حکم سے سرتابی تو کجا عذر کی بھی مجال نہ ہوتی تھی ۔

کہتے ہیں کہ ان ممالک سے ڈیڑھ لاکھ لشکر اکٹھا ہوتا تھا ۔
خان کجو نے کئی برسوں تک نہایت شان کے ساتھ حکمرانی اور سرداری کی اس کے ساتھ ہی اس سے بعض کرامات اور خوارق بھی ظاہر ہوئے تھے۔ وہ مستجاب‌الدعوات تھا ، ہر کوئی اس سے استمداد باطنی طلب کرتا تھا اور اس کی دعا سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے تھے۔

خان کجو کی خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ۔

کہتے ہیں کہ خان کجو ابھی نوجوان تھا ایک روز رفع حاجت کے لیے گاؤں سے کہیں دور نکل گیا تھا ناگاہ ایک سفید ریش نورانی صورت نیک سیرت ، خوش شکل بزرگ سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے ان بزرگ

کی بڑی تعظیم و تکریم کی وہ اس پر مہربان ہوئے ان کے ہاتھوں میں پختہ میٹھا خربوزہ تھا انہوں نے اسے دیا خان کجو نے ادب کے ساتھ خربوزہ لے لیا وہ بزرگ تھوڑی دور آگے جا کر غائب ہو گئے اور خان کجو وہ خربوزہ لا کر پانی کے قریب بیٹھ گیا اس میں سے آدھا اس نے کھا لیا اور آدھا چادر میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طہارت میں مشغول ہوگیا وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور درود و وظیفہ سے فارغ ہو کر چادر اٹھائی تو خربوزہ غائب تھا۔ ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملا اور اس گرد و نواح میں کوئی انسان بھی نہیں آیا تھا اس لیے بہت متعجب ہوا۔ آخر یہ یقین کیا کہ وہ صاحب خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔ اور جو خربوزہ مجھے عنایت کیا وہی میرا حصہ تھا جو میں نے کھا لیا۔ اس نے آدھے خربوزے کے لیے جو غائب ہو گیا تھا بہت افسوس کیا۔

چند دنوں کے بعد ایک دوسرا فقیر خان کجو سے ملاقی ہوا جو صاحب کشف و کرامات تھا۔ خان کجو نے اس سے اس خربوزے کا حال کہا۔ فقیر نے کہا وہ صاحب سہتر خضر علیہ‌السلام تھے اور جو خربوزہ انہوں نے تمہیں دیا تھا وہ بادشاہی تھی اگر تم سارا خربوزہ کھا لیتے تو پورے بادشاہ ہو جاتے یعنی صاحب سکہ اور صاحب خطبہ بادشاہ ہوتے مگر جب آدھا کھا لیا اور آدھا چھوڑ دیا تو آدھے بادشاہ ہو جاؤ گے یعنی صاحب سکہ صاحب خطبہ نہیں ہو گے لیکن ملک، زور و قوت اور شان وسطوت بادشاہوں کی سی حاصل ہو گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد خان کجو بادشاہ ہو گئے اور کئی برسوں تک سلطنت و امارت کی۔ البتہ کمی صرف یہ تھی کہ سکہ ان کے نام کا نہ چلتا تھا اور خطبے میں ان کا نام نہ لیا جاتا تھا جب عمر رسیدہ ہو گئے تو علاقہ صوابی میں اقامت اختیار کر لی

اور وہیں کچھ مدت کے بعد وفات پا گئے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں جو خان کجو کی پہاڑی (گجوانوڈبری) کے نام سے موسوم ہے، دفن کئے گئے ان کی قبر مشہور و عیاں ہے اور لوگ دور دراز سے زیارت کے لیے آتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنی رحمت و بخشش سے سرفراز فرمائے۔

ان کی وفات کے تین چار سال بعد ملک بارا خان بھی وفات پا گئے اور بارہ خان کے تین چار سال بعد ملک سر ابدال بھی وفات پا گئے ملک سر ابدال کی قبر شیر خانہ میں ہے۔ پہلے ان کی قبر پر حجرہ بنا ہوا تھا اب وہ بوسیدہ ہو کر گر گیا ہے۔

اللهم اغفرلنا ولجميع المسلمين و المسلمات برحمتك
یا ارحم الراحمین۔

نظم

شکر شکر چه مکتوب شه — دا کتاب په ښه اسلوب شه
دا کتاب اول طویل وو — ډیر پر دے کښے قال و قیل وو
طویل پر ځه که ډیر ښدوی — بارے بیا تر ے ملال زړه وی
نور په حکم ما د خان — چه حافظ دے د قرآن
په ہند کښے لکه نور دے — تمام ہند په منور دے
شہامت پور د ده وطن دے — پیلی بهیت ئے اوس مسکن دے
په ښه خوئی خصلت موصوف دے — په و ګړی کښے معروف دے
په ہر علم کے فہیم دے — او په شرع مستقیم دے
شان شوکت ئے د امیر دے — خوئی خصلت ئے د فقیر دے
دا کتاب مے منتخب کړ — په ښه شان مے مهذب کړ
ہجری سن مے حساب کړ — زړه مے خاص له پیچ و تاب کړ
ہجری سن زر ، سل اتیا دے — یو کال بل هم پرے بالا دے
غره هم د محرم ده — دا رنګ یاد د معظم ده
نور که زیات له دے نه کښینه — فضولی به ښکاره شی نه
ښو بهتر ئے اوس دعا ده — چه د ہر رحمت د وا ده
پاک مولی د خان معین شه
د ے ما به دے آمین شه

نظم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے
کہ یہ کتاب عمدہ اسلوب میں لکھی گئی
پہلے یہ کتاب بہت طویل تھی
اور اس میں قیل و قال کی بہت گنجائش تھی
طوالت ہر چند کہ اچھی چیز ہے
مگر طوالت ہر کسی کے پسند خاطر نہیں ہوتی
پس میں نے اسے خان (رحمت خان) کے حکم سے .
جو قرآن کریم کا حافظ ہے
سر زمین ہند میں اس کی مثال سورج کی سی ہے
جس کی روشنی سے سارا ہندوستان منور ہے
شہامت پور (طورو مردان علاقہ یوسف زئی) اس کا اصلی وطن ہے
اور پیلی بھیت میں سکونت پذیر ہے
وہ اچھے اخلاق سے متصف ہے
اور لوگوں میں (اپنے اخلاق حمیدہ کے لیے) مشہور و معروف ہے
وہ ہر علم کا فہم رکھتا ہے
اور شرع (محمدی) پر مستقیم ہے
اس کی شان و شوکت اگرچہ امیروں جیسی ہے
مگر خو خصلت فقیروں جیسی ہے (اور عجزومسکینی اس کا شعار ہے)
میں نے اس کتاب کو منتخب کیا

اور اسے اچھی طرح مرتب و مہذب کیا
سن ہجری کی رو سے حساب لگا لیا (اور تاریخ و تالیف بھی نکل آئی)
اور دل کو اس مخمصے سے بھی نجات مل گئی -
ہجری سن گیارہ سو اسی ہے
اور ایک سال اس کے اوپر ہے (یعنی گیارہ سو اکیاسی)
مہینہ محرم الحرام کا ہے
جیسا کہ معظم (مؤلف) کو یاد ہے
اب اس سے زیادہ کچھ لکھا جائے
تو وہ محض فضول ہو گا
اب بہتر یہ ہے کہ دعا کریں
جو ہر کلفت اور دکھ کی دوا ہے
اللہ تعالیٰ خان (حافظ رحمت خان) کا معین و مددگار ہو
اور ہر کوئی اس پر آمین کہے

تمت تمام شد

ہذا الکتاب تواریخ حافظ رحمت خان من تصنیف میاں معظم شاہ سرکار محمد عظیم اللہ خان بہادر خلف الصدق عمدۃ الامراء العظام اُسوۃ الکبراء الفخام خان الخوانین معظمین ساکن روح علیین دلاور الملک عزۃ الدولہ دوندی خان بہادر بہرام جنگ مغفور و مرحوم

کاتب الحروف

مرزا محمد اسمعیل قندہاری بتاریخ ۲۶ ماہ جولائی ۱۸۶۴ ع

Qaiser Khan Khattak, University of Malakand

حواشی

پر

تواریخ حافظ رحمت خانی

مولف

خان روشن خان

روشن پوره - اوان کلی - صوابی مردان

اسلامی جمہوریہ پاکستان

نقشہ ۱ ۔ جغرافیۂ خلافت مشرقی از ابتدائے فتوحاتِ اسلامی

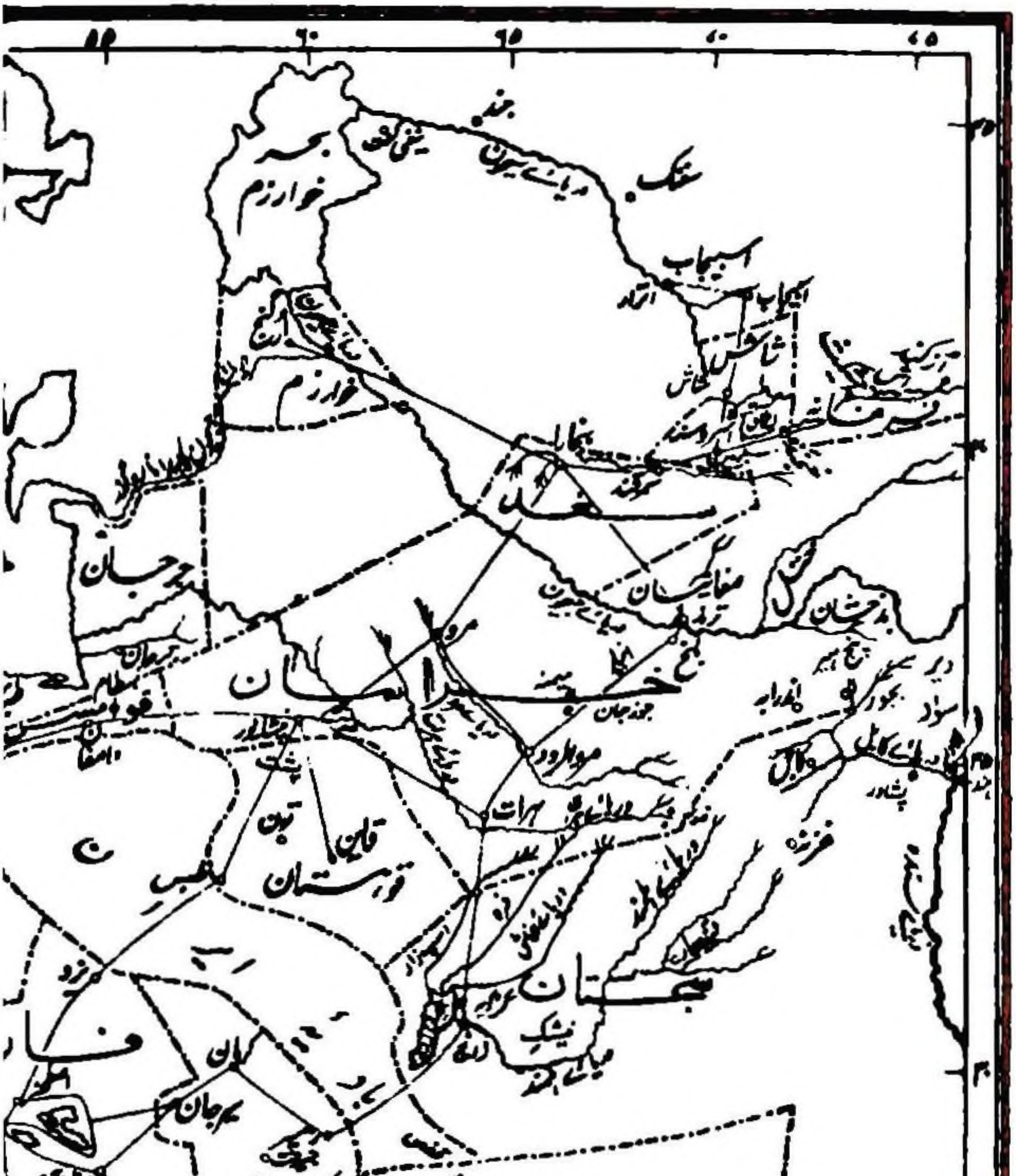

نقشۂ صوبجات خلافت عباسیہ ۔ جس میں

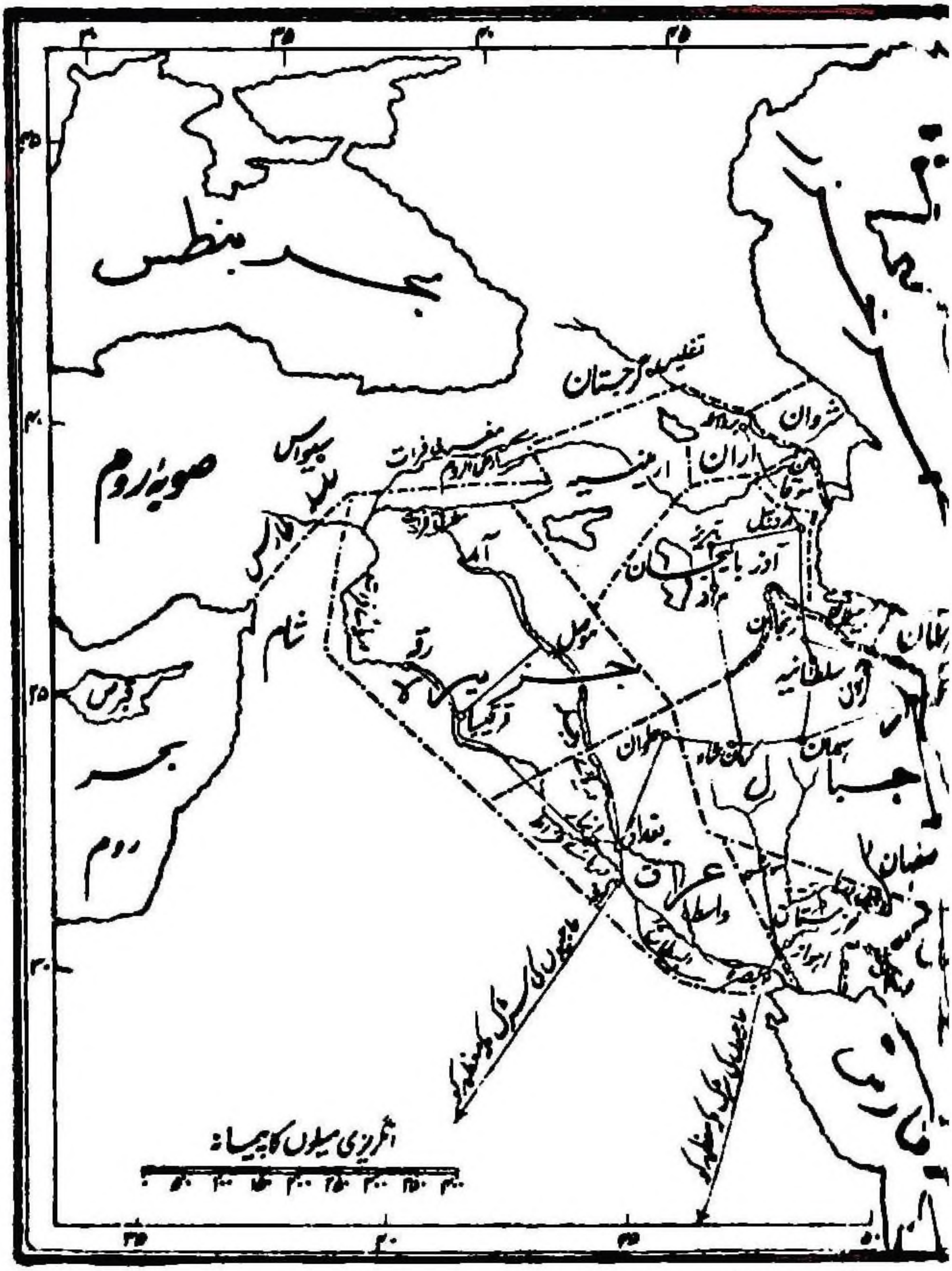

...ان سڑکیں دکھائی گئی ہیں

ابتدائیہ

الحمد اللہ کتاب '' تواریخ حافظ رحمت خانی '' کا اردو ترجمہ مکمل ہوگیا۔ میری دیرینہ خواہش تھی کہ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو جائے تاکہ اس اہم کتاب سے استفادے کا دائرہ صرف پشتو جانے والے حضرات تک محدود نہ رہے۔ جن اہل علم کی نظر سے یہ اصل کتاب گزر چکی ہے وہ اسکی تاریخی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

اس کتاب کے اردو ترجمہ کی اشاعت کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے محسوس کیا کہ اسپر مفصل حواشی لکھے جائیں تاکہ جو تاریخی دور اس کتاب میں زیر بحث آیا ہے اس سے پہلے اور بعد کے یوسف زئی کے تاریخی حالات بیان کر دیے جائیں تاکہ یہ حواشی اور کتاب کا متن مل کر ایک مبسوط و مرتب تاریخ بن جائے۔ چنانچہ میں نے بے شمار کتابوں کے مطالعے کے بعد حواشی میں اس دور سے پہلے اور بعد کے حالات کو اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ اس کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کی ابتدا سے پہلے یوسف زئی قبیلہ کے آباء واجداد کون تھے۔ کہاں آباد تھے، اپنے اصلی وطن سے کب اور کن حالات میں نکلے اور کابل اور پشاور کے علاقے میں کب آ کر آباد ہوئے اور کتاب کے اختتام کے بعد ان کے قبائل اور خاندان کہاں کہاں

جا کر آباد ہوگئے ، ان نے کیا کیا کارنامے انجام دے اور تاریخ میں کیا مقام پایا ؟ یوسف زئی کی قومی تاریخ کی یہ تمام ضروری باتیں میں نے نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کردی ہیں ۔

یہ کام بہ ظاہر آسان نظر آتا ہو لیکن اس کام کی واقعی مشکلات کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنھیں علمی و تحقیقی کاموں کا تجربہ ہے میں نے نہایت کاوش سے یوسف زئی قبیلہ کے شجرہہائے نسب بھی مرتب کر دیے ہیں، اس سلسلے میں بھی مجھے جو دشواریاں پیش آئی ہیں اور جو تگ ودو کرنی پڑی ہے اس کا اندازہ ہر کوئی نہیں لگا سکتا ۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ ایک مفید کام انجام پا گیا ۔ ان شجروں کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ کتاب میں جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق کن خاندانوں سے تھا اور انکے آباؤ و اجداد کون تھے ؟ مجھے یقین ہے کہ اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے ۔ میری تحقیق کا پہلا حصہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب افغان قوم بنی اسرائیل کے معزز لقب سے پکاری جاتی تھی ۔ یہ بات اس قوم کے بزرگوں، عالموں اور صوفیوں کے اقوال اور مورخین کے افکار و تحقیقات سے ثابت ہے کہ افغان قوم کا تعلق حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نسل سے ہے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کے زمانے ہی سے نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی ۔ اس کی تاریخی بحث اور مختصر روداد آپ کو اس کتاب کے حواشی میں ملے گی ۔

میری تحقیق کا دوسرا حصہ ظہور اسلام کے بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے کہ افغان قوم نے اسلام کب قبول کیا اور اس کے بعد سے ان کی قومی سرگزشت کیا رہی ہے اور میری تحقیق کا تیسرا حصہ کتاب ہذا کے اختتام یعنی خان کجو کے عہد کے بعد کی سرگزشت سے تعلق رکھتا ہے ۔

تمام زندہ قومیں اپنے مشاہیر اور قومی محسنین کی یاد مناتی ہیں اور انکی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے مختلف تقاریب کا اہتمام کرتی ہیں ۔ ان یادوں اور تقریبوں سے ان نامور رفتگان کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر ہم انہیں یاد نہ رکھیں تو ان کا کچھ بگڑتا بھی نہیں ۔ البتہ اس روشنی میں اس قوم کی اجتماعی اخلاق کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے ۔ زندہ قومیں اپنے بزرگوں اور محسنوں کو یاد کر کے اور ان سے اظہار عقیدت کر کے نہ صرف اپنے قومی اخلاق کا ثبوت پیش کرتی ہیں بلکہ وہ بزرگوں کے اخلاق، سیرت اور ان کے کارناموں کی روشنی میں اپنے شاندار مستقبل کے لئے نئی راہیں تلاش کرتی ہیں اور بزرگوں کے تجربات سے سبق حاصل کر کے ان غلطیوں سے بچ جاتی ہیں جن سے محفوظ رہنا کسی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا ۔ بزرگوں کی یہ یادیں اور تقریبیں قوموں کی اجتماعی اخلاقی زندگی ناپنے کا مقیاس ہوا کرتی ہیں۔ میں یہ ذمہ داری اس جذبے کے تحت اپنے سر لینے پر آمدہ ہوا ہوں کہ انسان صرف اپنے والدین کا فرزند ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی قوم کا وارث بھی ہوتا ہے اور قوم کی وراثت کے ساتھ اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں ۔

ہماری قوم کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہم آج جو کچھ ہیں وہ اس لئے ہیں کہ کل ہم کیا تھے اور یہ کہ انسان کی عملی زندگی کی مشکلات کا حل وعظ و نصیحت کے بجائے قومی تاریخ کے زیادہ علم اور صحیح تر واقفیت میں ہوتا ہے ۔

قومی تاریخ کے یہ اہم مباحث میں نے آسان زبان اور سادہ اسلوب میں بیان کر دئے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے گی ۔

روشن خان

۱۹ ستمبر ۱۹۷۵ء

باب - ا

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا نسب دس واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے تورات میں ان کا جو سلسلہ نسب بیان کیا گیا ہے صاحب قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے بعض ناموں میں تلفظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اسی کو اختیار کیا ہے ۔ یہ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بن آزر (تارح) بن نحور (ناحور) بن سروج بن رعو بن فالج (فالج) بن عابر (عبر) بن شالح (شلح) بن ارفخشاد (ارفکسد) بن سام (سم) بن نوح علیہ السلام

حضرت نوح کے دو بیٹے اور بھی تھے جن کے نام یافث اور حام تھے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بھائی اور تھے جن کے نام نحور اور حاران تھے ۔ حضرت لوط علیہ السلام حاران کے بیٹے تھے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی ان کے بتوں کو توڑ ڈالا اور بادشاہ وقت کے خدائی دعوے کو جب انھوں نے ماننے سے انکار کردیا تو اس کی پاداش میں انھیں آگ میں ڈالا گیا لیکن خدا کے حکم سے آگ سے زندہ و سلامت بچ گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھوں نے اپنا آبائی وطن چھوڑ دیا اور کنعان کی طرف ہجرت کر گئے ۔ اس سفر میں ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے حضرت لوط بھی تھے ۔

حضرت ابراہیم نے کنعان پہنچ کر آباد ہوگئے لیکن جب ایک مدت تک ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انھون نے اپنی بیوی کی خواہش پر حضرت ہاجرہ کے ساتھ دوسری شادی کر لیْ جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے - حضرت اسمعیل کی نسل بنی اسماعیل کہلائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا تعلق حضرت اسماعیل کی نسل سے ہے - حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کے بطن سے بھی ایک بیٹا تولد کیا جسے اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے بھی سرفراز فرمایا - حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی بیٹے تھے جو حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے - حضرت ابراہیم علیہ‌السلام نے ایک اور نکاح قطورہ سے کیا تھا - جن کی اولاد بنی قطورہ کہلائی - قطورہ سے حضرت ابراہیم کے چھ بیٹوں کا پتہ چلتا ہے جن کے نام یہ ہیں زمران یقسان ، مدان ، مدیان ، اسباق (یشباق) اور سوخ (شوحا) حضرت ابراہیم علیہ‌السلام نے مصر کا سفر بھی کیا تھا ، مصر کے بادشاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی جس نے آپ کی نہایت تعظیم کی تھی -

حضرت اسماعیل ابھی شیر خوار تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم نے انھیں اور انکی والدہ کو حجاز میں لا کر اس مقام پر چھوڑ دیا جہاں آجکل مکہ کا شہر آباد ہے - اللہ‌تعالیٰ نے اس بے آب و گیاہ وادی میں ماں اور بچے کے لئے زندگی کا ہر سروسامان مہیا کردیا - رفتہ رفتہ اس مقام پر ایک آبادی بھی ہوگئی - یہیں حضرت اسماعیل نے پرورش پائی سن رشد کو پہنچے - حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے کبھی کبھی اپنی بیوی اور بیٹے کو دیکھنے کے لئے آجایا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو مقام نبوت پر سرفراز فرمایا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم‌السلام نےملکر اللہ کی عبادت

کے لئے ایک مکان تعمیر کیا جو کعبہ اور بیت اللہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عیسو اور دوسرے بیٹے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں ۔ روبن (رابن) شمعون ، لاوی ، یہودا ، نفتالی ، جد (جاد) آشر ، اشکار (یشجر) زبولون (روئیل) یوسف ، بنیامین اور دان ۔ یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام نبوت پر سرفراز فرمایا تھا ۔ وہ اللہ کی جانب سے اسرائیل کے لقب سے ملقب تھے ۔ اسرائیل کے معنی لاڈلا یا جواں مرد کے ہیں ۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ قران مجید میں ان کا ذکر موجود ہے ۔

وقطعنھم اثنتی عشرۃ اسباطا آمما (الاعراف : ۱۶۰)
(اور ہم نے نبی اسرئیل کو بارہ خاندان کے بارہ گرہوں میں منقسم کر دیا)

اور انکی فضیلت و بزرگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے !

یا بنی اسرائیل اذکر و نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین (البقرہ : ۱۱۶)
(اے بنی اسرائیل ! میری وہ نعمیتں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور میں نے تمیں دنیا کی تمام قوموں میں فضلیت و برگزیدگی عطا فرمائی تھی ۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام ملک کنعان میں رہتے تھے۔ بعد میں جب یوسف[۴] مصر پہنچے اور اقتدار وہاں حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کنعان سے اپنے پورے خاندان، تمام مال و اسباب اور چوپایوں کے ساتھ مصر پہنچے تھے۔ یہ سفر انہوں نے ان گاڑیوں میں کیا تھا جو مصر سے انہیں لانے کے لئے بھیجی گئی تھیں۔ مصر کے سفر میں ان کے ساتھ خاندان کے جو افراد تھے ان کی تعداد بہوؤں کو چھوڑ کر چھیاسٹھ تھی۔ حضرت یوسف اور انکے دو بیٹے تھے۔ اس طرح حضرت یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب ملکر ستر تھے۔ حضرت یعقوب کی عمر اس وقت ایک سو تیس برس کی تھی۔ مصر میں وہ مزید سترہ برس زندہ رہے۔ اس طرح حضرت یعقوب کی کل عمر ایک سو سنیتالیس برس کی ہوئی۔ حضرت یعقوب نے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ ان کی نعش کو کنعان میں باپ دادا کے قبرستان میں لے جا کر دفن کرنا۔ ان کی اولاد نے اس وصیت پر عمل کیا۔ اور بادشاہ مصر کی اجازت سے ان کی نعش کو کنعان لے جاکر آبائی قبرستان میں دفن کیا۔ اور خود معہ اہل خاندان کے مصر لوٹ آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب ایک سو دس برس کی عمر کو پہنچے تو بیمار ہوئے۔ انہوں نے اپنے تمام بھائیوں کو جمع کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کی نعش کو بھی کنعان لے جا کر اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کریں گے۔ حضرت یوسف کا انتقال ہوا تو حالات بدل گے بھائیوں نے ان کی نعش کو کنعان لے جانا چاہا تو انہیں اس کی اجازت نہ ملی۔ چناچہ انہوں نے نعش میں خوشبو بھر کر اسے تابوت میں بند کر دیا اور اسے عارضی طور پر مصر میں دفن کر دیا۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد مصر کے حالات بدل

گئے اب جو نسل وہاں موجود تھی اسے سابق عزیز مصر (حضرت یوسف) سے وہ جذباتی لگاؤ نہ تھا۔ حکومت میں تبدیلی آچکی تھی اور کوئی سیاسی مصلحت یا مذہبی عقیدت ان کی نعش کے مصر لے جانے میں مانع نہ رہی تھی ۔ اہل مصر کو بنی اسرائیل کی کثرت اور قوت سے بھی خطرہ لاحق تھا ۔ چناچہ مصر کے بادشاہ نے اپنی قوم سے کہا دیکھو ! اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں ۔ ان کے ساتھ حکمت عملی سے پیش آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اور زیادہ نہ ہوجائیں اور جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہمیں ملک سے نکال باہر کریں چناچہ اس نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے وہ ان سے سخت کام لیتے تھے تاہم بنی اسرائیل کی طاقت بڑھتی رہی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ۔ اس لئے قبطی نبی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہو گئے ۔ اور ان پر اور زیادہ تشدد کیا جانے لگا ۔ وہ ان سے سخت محنت کے کام لیتے تھے۔ ان سے اینٹ اور گارے بنواتے عمارتوں کی تعمیر میں اور کھیتوں میں ان سے مزدوروں کا کام لیتے تھے، قبطیوں نے نبی اسرائیل کی زندگی تلخ کردی تھی۔

بنی اسرائیل پر اہل مصر کا ظلم و تشدد انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نجات کے لیے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا ! حضرت موسیٰ نے فرعون (بادشاہ مصر) سے کہا !

بنی اسرائیل کو چھوڑ دو ، تاکہ یہ ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں ۔ فرعون اس کے لیے تیار نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دے دے لیکن مشیت ایزدی نے بنی اسرائیل کی نجات کے تمام اسباب پیدا کر دے اور حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں انہیں فرعون کی غلامی کے عذاب سے نجات مل گئی ۔ بنی اسرائیل کو اس وقت مصر میں چار سو تیس سال گزر چکے تھے اور عورتوں اور بچوں

کو چھوڑ کر ان کے مردوں کی تعداد تقریباً چھ لاکھ تھی ۔ حضرت موسیٰ انہیں فلسطین کے راستے سے نہیں لے گئے حالانکہ وہ راستہ نزدیک کا تھا ۔ وہ انہیں بحیرہ قلزم کا چکر کھلا کر جنوب کی طرف سے بیابان کے راستے سے لے گئے حضرت موسیٰ کو اندیشہ تھا فلسطینیوں سے مڈبھیڑ ہو جائے ۔ اور ان کی قوم ڈر کر مصر واپس ہو جائے ۔ بنی اسرائیل مصر سے مسلح نکلے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش ان کے ساتھ تھی ۔ مصر کے مقام سقات سے کوچ کر کے یہ لوگ بیابان کے کنارے ایتام (ایتم) میں ٹھہرے ۔ رات کو روشنی کا ایک ستون اور دن کو بادل کا ایک ستون ان کے آگے چلا کرتا تھا تا کہ وہ رات اور دن میں برابر سفر جاری رکھ سکیں ۔

فرعون کو خبر ملی کہ بنی اسرائیل چلے گئے تو اس نے ایک لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا ۔ اور جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم کے کنارے ڈیرے جما رہے تھے ، انہیں جا لیا ۔ بنی اسرائیل اس کے لشکر کو دیکھ کر گھبرا ئے لیکن حضرت موسیٰ نے انہیں تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر سمندر میں داخل ہوگئے ۔ سمندر نے انہیں راستہ دے دیا ۔ بنی اسرائیل صحیح سلامت پار نکل گئے ۔ ان کے تعاقب میں فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں بنے ہوئے راستے پر دوڑا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی اپنی جگہ پر آ گیا اور فرعون اور اس کا سارا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا ۔

ہارون کی بہن مریم اور بنی اسرائیل کی عورتوں نے فرعون سے نجات کی خوشی میں دف بجا بجا کر خدا کی حمد کا ایک نغمہ گایا جس کا مضمون یہ تھا

خدا وند کی حمد و ثنا گاؤ

کیوں کہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا ہے

اس نے گھوڑے کو اس کے سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا ہے۔ وہ جگہ جہاں فرعون غرق ہوا تھا آج کل خلیج سوئیز کہلاتی ہے موسیٰ اسرائیل کو بحیرہ قلزم کے مشرق کی جانب لے گئے اور ایلم پہنچے اور کوہ طور کے دامن میں ڈیرے جمائے - پھر یہاں سے کچھ مقامات تبدیل کرتے ہوئے چالیس سال تک اس صحرائے سینا میں رہے جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کھانے پینے کی اشیاء وافر مہیا تھیں -

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ چلو ہم اپنا ملک واپس لے لیں - مگر مصر میں بہت عرصے تک غلامی میں رہنے کی وجہ سے ان کی آزادانہ فطرت اس درجہ بدل گئی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ کے بار بار ہمت دلانے اوز آزادی کی زندگی کی ترغیب دینے پر بھی کسی طرح آمادہ نہ ہوئے یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس سال تک میدان تیہہ میں بھٹکنے پر مجبور کر دیا تا کہ اس مدت میں ایک نئی نسل تیار ہو جائے جو آزادی کی قدر کو سمجھ سکے جو عزت نفس کی مالک ہو اور پرانی نسل جو مصر میں غلامانہ ماحول میں بڑھی پلی ہے وہ سر کھپ جائے - چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ اس وقت جوان اور بوڑھے تھے وہ سوائے یوشع اور کالب کے سب مر گئے اور ایک نئی نسل نے جوان ہو کر ان کی جگہ لے لی جو عزت نفس کی مالک تھی ، آزادی کی قدردان تھی اور غلامی کی زندگی گزارنے کی بجائے فرماوانی کی خوبیش سے جن کے سینے پھولے ہوتے تھے -

بنی اسرائیل کی یہ نئی نسل رفتہ رفتہ خلیج عقبا کے کنارے کنارے اردن کی طرف بڑھتی رہی یہاں تک کہ ایلات پہنچ گئی حضرت ہارون یوشع اور کالب ان کے ساتھ ساتھ تھے البتہ حضرت ہارون نے اس سفر کے دوران میں وفات پا گئے۔ دریائے اردن کی مشرقی جانب اموریوں کے دو بادشاہ عوج کافر اور سیحون حکران تھے بنی اسرائیل نے ان پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اس وقت ان کا مرکز مواب کا میدان تھا

یہاں حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور کہا :

"اے بنی اسررئیل ! جب تم دریائے اردن عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو وہاں کے تمام بتوں کو توڑ ڈالنا اور اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا ۔ کیونکہ خدا نے وہ ملک تمہیں دیا ہے ۔ تم قرعہ ڈال کر ملک کو اپنے گھرانوں میں میراث کے طور بانٹ لینا ۔ جس خاندان میں زیادہ آدمی ہوں اسے زیادہ حصہ ملنا چاہئیے اور جس خاندان میں کم آدمی ہوں اسے کم پر راضی ہو جانا چاہئیے اور جس خاندان کے قرعہ میں جو جگہ نکلے وہ اس کا حصہ ہوگا ۔ تم اپنے آبائی قبائل کے مطابق اپنی اپنی میراث لینا ۔ لاویوں کے رہنے کے لئے انہیں شہر دینا اور شہروں کے نواح کی آراضی بھی ان ہی کو دے دینا ۔ شہر ان کے رہنے کے لئے اور ان کے نواح کی آراضی ان کے چوپایوں کے لئے ہو (معلوم رہے کہ لاوی ان میں علما کا طبقہ تھا) یعنی ہر قبیلہ اپنی مراث کے مطابق لاویوں کے لئے مسکن اور زمین دے ۔

حضرت موسیٰؑ نے قوم کو وصیت کی اور یشوع بن نون کو بنی اسرائیل کا پیشوا مقرر کیا اور نصیحت کی کہ تم میرے بعد یشوع

بن نون کی پیروی کرنا اور ان کی ہدایت پر چلنا وغیرہ وغیرہ
حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس سال کی عمر میں مواب کے ملک (شرقی اردن) میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوگئے ۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی تھے ۔ بنی اسرائیل کو انہوں نے فرعون مصر کی غلامی سے نجات دلائی تھی ۔ سینا کی وادی میں ان کی تربیت کی انہیں بت پرستی اور شرک سے ہٹا کر توحید کی تعلیم دی نیز انہیں بتایا کہ فلسطین کی سرزمین خدا نے انہیں ایمان لانے کے عوض و انعام میں دینے کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت یشوع خدا کی طرف سے نبی مقرر ہوگئے اور حضرت موسیٰ[ع] کے پروگرام کے مطابق بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت اور انہیں آگے بڑھانے میں مصروف رہے ۔ انہوں نے اپنے دو جاسوس اپنے سامنے کے " یریحو " شہر میں حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجے اور اس کے تیسرے روز شہر پر حملہ کر دیا ۔ پر دریائے اردن حائل تھا لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ[ع] اور ان کی قوم کے لیے بحیرہ قلزم میں راستہ بنا دیا تھا حضرت یشوع اور ان کی قوم کو دریائے اردن میں راستہ دے دیا وہ صحیح سلامت دریا کے پار اتر گئے ۔ حضرت یشوع نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں کے بارہ سرداروں کو دریا سے ایک ایک پتھر اٹھانے کا حکم دیا اور باہر لےجا کر انہیں بطور یادگار گاڑ دیا ۔ ان کے پاس وہ صندوق بھی تھا جو حضرت موسیٰ[ع] نے انہیں بیت المقدس میں رکھنے کے لئے دیا تھا اس کی تفصیل آئندہ صفحوں میں آ رہی ہے ۔

یریحو (اریحا) شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا اور پھر عئی شہر پر تین ہزار لشکر کے ساتھ چڑھائی کر دی لیکن یہاں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ ان کے چھتیس آدمی مارے گئے ۔ حضرت یشوع

اور قوم کے دیگر افراد کو اس شکست کا بہت صدمہ ہوا اور وہ اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر رونے پیٹنے لگے اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے۔ حضرت یشوع اوندھے منہ زمین پر پڑے رہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں علم ہوا کہ تمہاری شکست کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیلیوں نے گناہ کیا ہے اس عہد کو جو انہوں نے ہم سے باندا تھا توڑ دیا ہے یریحو (اریحا) پر قبضے کے وقت جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور جس کی حیثیت قومی ملکیت کی تھی انہوں نے اس میں چوری کی وہ قوم کے مال میں خیانت کے مرتکب ہوئے ۔ جب تک چور کو اس کی سزا نہ ملے گی تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی چور کی سزا یہ ہے کہ اسے چوری شدہ مال اور اس کے اہل و عیال اور اس کے مال و اسباب کے ساتھ آگ میں جلا دیا جائے

حضرت یشوع نے سب کو جمع کیا اور خدا کا حکم سنایا اور دریافت کیا کہ یہ گناہ کس نے کیا ہے ؟ عکن بن زراخ نامی ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے اعتراف کیا کہ یہ گناہ اس سے سرزد ہوا ہے ۔ اس نے بتایا کہ جب مال غنیمت میں اس نے بابل کی ایک نفیس چادر ، دو سو مثقال چاندی اور پچاس مثقال سونے کی اینٹ دیکھی تو دل میں لالچ پیدا ہوا اور اس نے ان چیزوں کو چھپا لیا ۔ حضرت یشوع نے آدمی بھیجے اور وہ اس شخص کے ڈیرے سے تمام مال برآمد کر لائے- حضرت یشوع نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کے ساتھ عکن کو اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس کے بیلوں گدھوں بھیڑ بکریوں اور اس کے دیگر ساز و سامان کے ساتھ وادی عکور میں سنگسار کیا پھر آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ پر پتھروں کا ایک بڑا ڈھیر لگا دیا ۔

اس کفارے کے بعد بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہو گئی اور

انہوں نے تمام فلسطین اور اس کے گرد و نواح کے علاقے پر قبضہ کر لیا جس میں اکتیس بادشاہ تھے ۔ ان تمام ممالک پر قبضہ کر کے انہیں حضرت موسیٰؑ کی وصیت کے مطابق بنی اسرائیل کے قبائل میں تقسیم کر لیا ۔ یہاں وہ تقریباً چودہ سو برس تک حکمران رہے ۔

بنی اسرائیل میں قیام حکومت کے بعد تقریباً چار سو سال تک ان کی توجہ اور ہمت دین کی بنیادیں مضبوط کرنے میں صرف ہوتی رہیں جو شخص ان میں دینی ریاست اور ذمہ داری کا اہل ہوتا تھا اسے وہ کاہن کہتے تھے ۔ اسے گویا کہ حضرت موسیٰؑ کی خلافت و نیابت کا مرتبہ حاصل ہوتا تھا ۔ یہ ایک دینی منصب تھا جس کے لئے حضرت ہارون کے خاندان سے ہونا شرط تھی اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ کے کوئی اولاد نہیں تھی کاہن تمام امور دینی نماز، روزہ، قربانی وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا ۔ امور سیاست کے تصفیہ و احکام کے اجرا کے لئے انہوں نے ستر سردار منتخب کئے تھے ۔ کاہن کا اپنا مرتبہ بہت بڑا تھا لیکن وہ ان دنیاوی امور سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا ۔ تقریباً چار سو سال تک دینی و دنیاوی نظام بنی اسرائیل میں اسی طرح چلتا رہا لیکن اس کے بعد پڑوس کے ممالک سے نبرد آزمائی شروع ہوگئی اور حالات میں رفتہ رفتہ انقلاب پیدا ہونے لگا اور بنی اسرائیل کو اپنی ریاست و سلطنت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تو انہوں نے طالوت کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا ۔ حضرت طالوت کی رہنمائی میں بنی اسرائیل کو پھر جاہ و حشمت حاصل ہوگئی ۔ فلسطین کا کافر بادشاہ جالوت مارا گیا ۔ حضرت طالوت نے سینتالیس سال تک حکومت کی ۔ حضرت طالوت کے انتقال کے بعد حضرت داؤد تخت حکومت پر رونق افروز ہوئے ان کی سلطنت کے حدود ایک طرف حجاز تک اور دوسری طرف یمن وبلاد روم تک پھیل گئے ۔

حضرت داؤد؏ نے چالیس سال تک نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کے بعد انتقال فرمایا انہوں نے حضرت سلیمان؏ کو اپنا جانشین بنا دیا تھا حضرت سلیمان کی سلطنت کے حدود اور بھی زیادہ پھیل گئے ۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بیت المقدس کی اعلیٰ پیمانے پر تعمیر کی ۔ جس کی وصیت ان کے والد حضرت داؤد نے انہیں کی تھی ۔

بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ کا قصہ یوں ہے کہ صابیوں کے زمانے میں یہاں ایک شاداب بغیچہ تھا جس میں پتھر کی ایک مورتی تھی ۔ اس مورتی پر منتوں (نذر و نیاز) کا تیل چڑھایا جاتا تھا پھر اس جگہ ایک مندر تیار کر دیا گیا ۔ جب بنی اسرائیل کا اقتدار ہوا تو وہ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے اور اسے قبلہ بنا لیا ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو جب مصر سے لے کر چلے تو ان کا ارادہ بیت المقدس کو اپنے اقتدار میں لانا تھا۔ کیوں نکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے دادا حضرت اسحاق؏ سے اس کا وعدہ کیا تھا ۔ مصر کے سفر کے دوران میں حضرت موسیٰ وادی تیہہ میں اتر پڑے ۔ یہاں انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ملا کہ وہ عمدہ لکڑی کا ایک صندوق تیار کریں ۔ اس کے طول و عرض ، شکل و صورت اور دیگر صفات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پوری پوری رہنمائی کر دی تھی ۔ اور یہ بھی فرمایا دیا تھا کہ اسے تیار کر کے صابیوں کے پتھر پر رکھ دیا جائے ۔ اور قربانی کے لئے ایک خاص قربان گاہ تیار کی جائے ۔ یہ تمام ہدایات اور ہر چیز کے بارے میں پوری تفصیل ، توریت میں موجود ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی حسب ہدایت صندوق تیار کیا اسے میدان تیہہ میں خیموں کے وسط میں نصب کر دیا گیا ۔ اس میں وہ تابوت بھی

رکھ دیا جس پر خدا کی طرف سے نازل شدہ احکام درج تھے۔ اس صندوق کے قریب ایک مذبح (قربان گاہ) بھی تعمیر کیا گیا اور حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذبح کا متولی مقرر کیا گیا۔ بنی اسرائیل اس صندوق کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور مذبح میں اللہ کے نام پر قربانیاں پیش کرتے تھے یہیں حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

بنی اسرائیل نے شام پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس صندوق کو بیت المقدس میں صابیوں کے پوجا پاٹ کے پتھر پر رکھ دیا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ وہ صندوق ان کا قبلہ بنا رہا۔ حضرت داؤدؑ نے ارادہ کیا کہ اس پتھر کی جگہ جس پر صندوق رکھا تھا ایک مسجد تعمیر کر دیں مگر وہ اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور اپنے بیٹے اور جانشین حضرت سلیمان کو اس مسجد کی تعمیر کے لئے وصیت کر گئے۔ حضرت سلیمان نے اپنے والد حضرت داؤد کی وصیت کے مطابق اپنے دور حکومت میں یہ مقدس مسجد تعمیر کی جو چار سال میں مکمل ہوئی۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی وفات کو پانچ سو سال گزر چکے تھے۔ حضرت سلیمانؑ تقریباً باون سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گئے۔

زوال بنی اسرائیل

حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے رجعام کو بادشاہ بنانے کے سلسلے میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اکھٹے ہوئے اور رجعام کے سامنے اپنے کچھ مطالبات پیش کئے۔ رجعام نے ان مطالبات کو مسترد کر دیا۔ بنی اسرائیل کے دس قبیلے اس بات سے ناراض ہو کر چلے

گئے اور انہوں نے یربعام کو اپنا بادشاہ بنا لیا ۔ انہوں نے اپنی حکومت کا نام اسرائیلی حکومت رکھا ۔ یہودا اور بن یامین دو قبیلوں نے رجعام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور سلطنت یہودیہ اپنی حکومت کا نام رکھا ۔ یہاں سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ گئی ۔ ان دونوں حکومتوں کی تاریخ باہمی قتل و غارت اور نفاق اور سازشوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے ۔ اس باہمی نفاق اور جنگ و جدل کا نتیجہ تھا کہ دونوں اپنی حکومتوں کو قائم نہیں رکھ سکے ۔ مصریوں اشوریوں بابلیوں اور رومیوں کی تاخت و تاراج کا تختہ مشق بنے رہے ۔ اس دور میں فلسطین کے یہودیوں اور اسرائیلوں میں بہت سے نبی مبعوث ہوتے رہے جو انہیں خدا کا پیغام سناتے ، ہدایت کرتے اور آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کرتے تھے ۔

مشہور شہر شورون (سامریہ) کی اسرائیل ریاست جو الجزیرہ اور موصل وغیرہ میں قائم تھی ۔ اشوریوں کے ہاتھوں ۷۲۱ ق م میں تباہ ہوئی اور یہودیہ کی ریاست جو شام و فلسطین میں قائم ہوئی تھی ۵۹۷ ق م میں بابلیوں کے ہاتھوں برباد ہوئی ۔ الغرض چودہ سو سال حکومت کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی دونوں حکومتیں صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں

اسرائیلی سلطنت کا آخری بادشاہ ہوسیع تھا ۔ جس پر نینوا کے شاہ شور نے حملہ کیا اور شورون (سامریہ) محاصرہ کا کر لیا ۔ اس محاصرے نے تین سال تک طول کھینچا ۔ چوتھے سال شورون (شارون) پر قبضہ ہو گیا ۔ اور ہوسیع کو قید کر لیا گیا ۔ اس قبضے میں جتنے اسرائیل ہاتھ آئے تھے اشور انہیں نینوا لایا اور مشرق کی طرف خراسان اور علاقہ جیحون سحون ، میں اور دریائے سندھ تک انہیں آباد کر دیا اور شورون (شارون) میں اسرائیلیوں کی جگہ اپنے

آدمیوں کو لے جا کر آباد کیا ۔

اسرائیلیہ کے بعد اشوری بادشاہ شرجون ثانی کو یہودیہ پر حملہ کرنے کا براہ راست موقع مل گیا اور چند سال کی چھیڑ چھاڑ کے بعد یہودا کا بادشاہ حزقیا اس کا باج گزار بن گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشوریہ کے بادشاہ شرجون ثانی اور اس کے جانشین سخیرب نے لشکر کشی کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لیا ۔ اس جنگ میں حزقیا گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا ۔ اور اس کی جگہ اس کے لڑکے کو تخت نشین کر کے سخیرب نے اپنا باجگزار بنا لیا ۔ سخیرب کا دعویٰ ہے کہ اس جنگ میں اس نے دو لاکھ ایک سو پچاس یہودیوں کو قیدی بنایا ، اشوری بادشاہ نے حسب سابق ان قیدیوں کو بھی مشرق کی طرف جلا وطن کر کے ایران ، بخارہ ، بلخ ، جوزجان یعنی خراسان اور دریائے سندھ کے علاقوں میں مختلف مقامات پر انہیں آباد کیا

اس کا اثر یہ ہوا کہ یہودہ اور بھی کمزور ہو گیا اور اس کی سلطنت نینوا کے آگے جھکی رہی اور باقاعدگی سے خراج ادا کیا جاتا رہا - یہاں تک کہ نینوا والوں کے وارث اہل بابل نے ۵۹۷ق م میں یروشلم پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا ۔ انہوں نے بادشاہ کے بیٹے صدقیا کو تخت پر بٹھا کر اسے اپنا باج گزار بنا لیا وہ یہودیہ سے دس ہزار منتخب قیدیوں کو ان کے بال بچوں سمیت بابل لے گئے - صدقیا بادشاہ یہودا کئی سال تک تو بخت نصر کا وفادار رہا اور پابندی کے ساتھ خراج ادا کرتا رہا لیکن پھر اس نے اپنی آزادی اور استقلال کا پرچم لہرایا جس پر بخت نصر نے طیش میں آ کر اس پر فوج کشی کی اور یروشلم کو تباہ و برباد

کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا ۔ اور حملہ کر کے یروشلم کا محاصرہ کر لیا ۔ محاصرے نے پندرہ ماہ تک طول کھینچا - بالآخر بخت نصر کو کامیابی حاصل ہوئی - یروشلم فتح ہو گیا ۔ اور ہیکل کو تباہ کر دیا گیا ۔ صدقیا کو گرفتار کر لیا گیا - اس کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کیا گیا پھر اس کی آنکھیں نکالی گئی اور اسے قید کر کے بابل لے جایا گیا بخت نصر پچاس ہزار یا ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا انہیں ایران اور بابل کے آس پاس آباد کیا - جہاں وہ تقریباً ستر برس تک غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے اس دوران میں بہت سے یہودی اِدھر اُدھر کے علاقوں میں بھاگ گئے ان حوادث کے بعد فلسطین میں یہودیوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی -

نینوا کے اشوری

اشوری قدیم سامی نسل کے لوگ تھے اور اسرائیلی سلطنت کے ماتحت لیکن اندونی طور پر دریائے دجلہ کے بلائی حصہ میں آزادی اور خود مختاری کی زندگی بسر کر رہے تھے - بنی اسرائیل کے آپس کے اختلافات اور طوائف الملوکی کو دیکھ کر انہیں حالات سے فائدہ اٹھانے کا خیال پیدا ہوا ۔ انہوں نے اپنی طاقت کو منظم کیا اور گرد و نواح کے علاقوں کو تاراج کرنا شروع کیا انہیں اس میں بڑی کامیابی ہوئی ۔ انہیں ہر طرف وحشت اور بربریت کا بازار گرم کر دیا ۔ انہیں جن لوگوں کی طرف سے مخالفت کرنے یا سدراہ بننے کا خطرہ پیدا ہوتا اسے گرفتار کر کے اس کے اعضا الگ الگ کرتے ، انہیں پنجوروں میں بند کر کے لٹکا دیتے اور انہیں طرح طرح کے عذاب دے

کر ہلاک کرتے ۔ ان کی وحشت و بہمیت سے لوگوں کے دلوں پر خوف طاری ہو گیا تھا ۔ اشوری پہلی قوم ہے جس نے فن حرب کو ترقی دے کر فوج منظم کی ، اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ۔ گھوڑ سواروں پر رسالہ منظم کیا ، لوہے کے ہتھیاروں ، تیر ، کمان ، بھالے ، تلواریں اور فصیلوں کو گرانے کے لئے منجنیقیں اور سرنگوں وغیرہ کا استعمال کیا ۔

وادی دجلہ ، فرات کی سرزمین ، بابلیہ ، ایلام ، ایشیائے کوچک کے مشرقی حصے ، آرمینیا ، سامریہ ، یہودیہ ، ایران اور دریائے سندھ کی وادی ، یہ تمام علاقے صدیوں تک اشوری بادشاہوں کی تاخت و تاراج کا میدان اور تختہ مشق بنے رہے ۔ یہاں کے بادشاہ اور حاکم ۔ اشوری بادشاہوں کو خاراج دیتے تھے اور جہاں کوئی بادشاہ سر اٹھنے کی جرات اور سر کشی کا ارادہ بھی کرتا تو اس پر فوج کشی کر کے اسے سخت ترین سزا دی جاتی تھی ۔

اشوریوں کا زوال

۶۱۲ ق م میں ایران کے مودی (میدی مادی) سردار سیاک سیر نے جس کا دوسرا نام اوا کیشتر (کشتری) ہے بابل کے حکمران قبائل کی مدد سے نینوا اور اشوریہ پر چڑھائی کر کے اشوریوں کی فوج کا قلع قلمع کر دیا ، شاہی خاندان کے افراد کو نیست و نبود کر دیا ملک کو تہس نہس کر دیا ۔

بابل والوں کا عروج و زوال

اہل بابل ، نو بابلی یا کلدانی قوم سے ایک ہی قوم مراد ہے ۔ اشوریوں کے زوال کے باعث بابل والوں کو اپنا حلقہ اقتدار حدود مملکت وسیع کرنے کا موقع مل گیا ۔ نیوپلیسر نے جو جنوبی عراق کے دلدلی علاقے کا قبائلی سردار تھا ۶۲۶ ق م میں بابل میں نئی شاہی خاندان کی بنیاد رکھی ۔ ان قبیلوں نے اشوریوں کے خلاف ایران کے مادیوں کی مدد کی تھی ۔ بخت نصر اس نیوپلیسر کی اولاد میں سے تھا وہ زبردست فاتح اور شان و شوکت رکھنے والا بادشاہ تھا ۔ اس کے بعد بابل کے تخت پر چار بادشاہ بیٹھے ۔ آخری بادشاہ بال شارز (بخت نصر کا نواسہ) تھا ایک مرتبہ وہ جشن منا رہا تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ دیوار پر ایک غیبی ہاتھ کچھ لکھتا ہوا نظر آیا ۔ اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ پارسی بادشاہ اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا ۵۳۹ ق م میں سائرس (خورس ، اخویرس یا و کورش) ایرانی نے بابل پر حملہ کر کے بابلی سلطنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ۔

ایرانیوں کی سلطنت کا قیام

وسط ایشا کے آریہ قبائل کی ایک شاخ ۱۵۰۰ قم سے ۱۰۰۰ قم تک کسی وقت افغانستان کی وادیوں میں سے گزرتی ہوئی ایران کے شمالی اقطاع میں آ بسی تھی اور انہوں نے بحیرہ خزر (کیسپین) کے جنوب میں گیلان کے علاقے میں ڈیرے جما لئے تھے ۔ یہاں سے یہ خانہ بدوش آریہ قبائل ایران کے وسطی اور مغربی سر سبز و شاداب

علاقوں میں پھیلتے چلے گئے ، اور رفتہ رفتہ تہران اصفہان اور شیراز کے علاقوں پر چھا گئے - یہ قبائل اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی اپنی طاقت کے بل پر مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تھے - ساتویں صدی قبل مسیح میں ان قبائل کے اتحاد و اجتماع سے تین ریاستیں قائم ہوئیں ۔ شمالی اور وسطی علاقے میں میدی (میڈی) قبائل آباد تھے جس کے سرداروں نے دیانکو نامی ایک سردار کو جو بہت انصاف پرور تھا ، اپنا بادشاہ بنا لیا جس نے میڈیا کی ریاست قائم کی ۔ اس کے جنوب میں اصفہان کے قریب پر سو خامنشی کے نام سے ایک ریاست بنی جس کا بانی ہخامانش نامی ایک سردار تھا ۔ ان کی ریاست کے جنوب میں شراز کے قریب پارسیوں کی ایک ریاست قائم ہوئی ۔ یہ خطہ اب تک فارس کے نام سے مشہور ہے -

میدیوں کا پہلا قابل ذکر بادشاہ فراورت ہوا جس کا دوسرا نام کھشتری تھا ۔ اس نے ٦٧٥ ق م سے ٦٥٣ ق م تک بائیس سال حکومت کی ۔ میدی بادشاہ اشوری بادشاہ اسرہدون کے ماتحت رہا اور وقت پڑنے پر وہ اسے ہرقسم کی امداد دینے کا پابند تھا لیکن اس کے بیٹے نے ٦١٢ ق‌م میں نینوا کو تاراج کر کے اشوریوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا ۔

بابل کے کلدانی بادشاہ نیوپلیسر اور بخت نصر اشوریوں کے حلیف تھے ۔ میدی بادشاہ نے اپنی ایک بیٹی بخت نصر کے ساتھ بیاہ دی تھی اس طرح اقتدار بابل والوں کے ہاتھ آ گیا ۔ لیکن ٥٥٩ ق‌م میں پارسی شہزادے سائرس (اخویرس خورس یا کورش) نے وسطی آریائی ریاست کے حمکران ہخامنش کے پوتے کمبوجیا کو شکست دی اور اس کی وسطی اور جنوبی دونوں ریاستوں پر قبضہ کرلیا اور پھر ٥٥٠ق‌م میں میڈیا کے بادشاہ کو شکست دیکر اس کی ریاست کو بھی اپنی

سلطنت میں شامل کر لیا ۔ اس کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل پر چڑھائی کرکے دیوتاؤں کی قدیم ترین ریاست کو ایران کی سلطنت میں شامل کر لیا ۔

سائرس کی سلطنت ہندوستان (یعنی ہند) سے کوش تک ایک سو ستائیس (۱۲۷) صوبوں میں پھیلی ہوئی تھی جن میں اسرائیلی بھی ستر سال سے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اس نے ان کو واپس یروشلم جانے شہر کو آباد کرنے اور مسجد (ہیکل) کو از سر نو تعمیر کرنے کا فرمان صادر کر دیا ۔ چنانچہ کتاب مقدس کے مطابق ۴۲۳۶۰ یہودی یروشلم واپس گئے جبکہ صرف بخت نصر کے ہاتھوں قید ہونے والوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے زیادہ تھی ۔ ان میں سے جو لوگ خوش حال ہوگئے تھے انہوں نے وطن (یروشلم) واپس جانے کے مقابلے میں یہیں رہنے کو ترجیح دی ۔

اس کے عہد میں مشرق و مغرب کی طرف مہمیں بھیجی گئیں اور دریائے سندھ کی وادی سے لے کر بحیرہ روم تک اور بحیرہ خزر و بحیرہ یورال سے لے کر بحیرہ عرب اور خلیج فارس تک وسطی و مغربی ایشیا کے تمام ممالک ایرانیوں کی وسیع سلطنت کے صوبے بن گئے ۔ جن پر شہنشاہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم جنہیں سطراب کہا جاتا تھا حکومت کرتے تھے ۔ ایرانی شہنشاہ نے خراج لے کر مقامی بادشاہوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جلا وطنی کی پرانی پالیسی جس پر گزشتہ فاتحین عمل کرتے رہے تھے ، ترک کر دیں ۔

یہاں پر ایک واقعے کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا ۔ بادشاہ نے قیام حکومت کے تیسرے سال جشن کے طور پر ایک عظیم الشان ضیافت کی جس میں تمام صوبوں کے وزراء اور امرا شریک تھے ملکہ کو بھی شرکت کی دی گئی جسے اس نے قبول نہ کیا ملکہ

کی اس حکم عدولی پر وزرا اور امراء نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور کسی دوسری کنوری لڑکی کو ملکہ بنانے کے لئے منتخب کرلیا جائے۔ چنانچہ حکومت کے ساتویں سال بادشاہ کی نظر انتخاب ایک اسرائیلی لڑکی آستر پر پڑی۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے اور اسے اس کے چچازاد بھائی مردکی (مردخائی) نامی ایک اسرائیلی نے پالا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں بخت نصر قیدی بنا کر یروشلم سے لایا تھا۔ آستر کے ملکہ بنائے جانے پر اس سے بادشاہ کے وزیر و مشیر خاص ہامان کو جو عمالقہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، بے حد حسد پیدا ہو گیا چنانچہ اس نے منصوبہ بنایا کہ تمام اسرائیلیوں کو ان کے بال بچوں کے ساتھ قتل کر دیا جائے۔ اس نے بادشاہ کو اسرائیلیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ وہ بادشاہ کے کان ان کے خلاف بھرتا رہا۔ ایک روز اس نے بادشاہ سے عرض کیا حضور! اسرائیلی مملکت کے تمام صوبوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے دستور قوم سے نرالے ہیں اور بادشاہ کے قوانین کو بھی نہیں مانتے انہیں قوم کے درمیان رہنے دینا مناسب نہیں۔ ان کا وجود مملکت کے لئے خطرہ ہے ان کا ہلاک کر دیا جانا ہی مملکت کے مفاد میں ہے ہامان نے ان کے ہلاکت کے اور بہت سے فائدے بتائے اور ایک گراں قدر رقم شاہی خزانے میں داخل کرنے کی پیش کش کی بادشاہ اس کی باتوں میں آ گیا اور اسرائیلیوں کے ہلاک کر دیے جانے کے حکم پر دستخط کر دیے۔ شاہی فرمان کی نقلیں تمام صوبوں کو بھیج دی گئیں اور ایک دن اور ایک ہی وقت سے اس منصوبے پر عمل شروع کیا گیا۔ مردکی (مردخائی) کو اسرائیلیوں کے خلاف اس سازش کا علم ہوا تو اس نے قصر شاہی کے سامنے گریہ وزاری کی۔ ملکہ آستر کو حالات کا علم ہوا تو اس نے ایک خوجہ سرا سے مردکی

کو کہلا بھیجا کہ تم تین دن تک متواتر روزہ رکھو میں اور میری سہیلیاں بھی روزہ رکھیں گی اور اس حالت میں ، میں بادشاہ کے حضور میں جا کر اپنی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی درخواست کروں گی ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ ملکہ نے بادشاہ کی دعوت کی ہامان کو بھی اس دعوت میں شریک کیا گیا تھا ۔ ملکہ نے ہامان کے سامنے بادشاہ کو بتایا کہ ہامان نے اسرائیلوں کو قتل کرانے کا منصوبہ کیوں بنایا ۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ مردکی نے ایک موقع پر جبکہ دو خواجہ سرا بادشاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے کس طرح بادشاہ کی جان بچائی تھی ملکہ آستر کو یہ بات مردکی کے ذریعے معلوم ہوئی تھی ۔ ملکہ نے راز بتانے والے کا کا نام راز میں رکھا تھا ۔ بادشاہ کو ہامان کی اس بدنیتی اور سازش کا علم ہو گیا ۔ بادشاہ نے اسے سولی پر چڑھا دیا اور مردکی کو اس کے محل کا مختار بنا دیا ملکہ آستر کی درخواست پر بادشاہ نے فرمان جاری کر دیا اور فوراً تمام صوبوں میں اعلان کرا دیا گیا کہ اسرائیلیوں کو بھی دوسری رعایا کی طرح امن و امان اور عزت سے زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے ۔ بادشاہ کے اس فرمان پر پورے ملک میں خوشی منائی گئی اور اسرائیلیوں نے سُکھ اور چین کی سانس لی ۔ (کتاب مقدس کے باب آستر میں اس واقعے کی تفصیل موجود ہے) مولانا حفظ الرحمن سائرس (فورس) کے بارے میں اپنی مشہور تصنیف قصص القرآن میں لکھتے ہیں ۔

یہود کے لئے اس کا عروج و ظہور ، آزادی اور امن و اطمینان کا بہت بڑا سبب بنا اسی لئے وہ اس کی شخصیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کے انبیاؑ علیہم السلام کے صحیفوں میں اس کو ''خدا کا چرواہا'' اور بنی اسرائیل کا

نجات دہندہ کہا گیا ہے۔

سائرس کے بعد اس کا بیٹا کمبائس دوم (کمبوجیہ) تخت نشین ہوا - اس نے آٹھ سال حکومت کی ۔ یہ چونکہ لاولد تھا اس لئے اس کے انتقال کے بعد اس کے والد کے مشیر کا لڑکا دارا ۵۲۱ ق م میں تخت حکومت پر بیٹھا اس نے بھی مشرق و مغرب کی طرف مہمیں روانہ کیں اور دریائے سندھ کی وادی بلکہ پنجاب سے لے کر بحیرہ روم تک بحیرہ خزر و بحیرہ بورال سے لے کر بحیرہ عرب اور خلیج فارس تک وسطی اور مغربی ایشیا کے تمام ممالک جو ایرانیوں کی وسیع سلطنت کے صوبے تھے اس نے ان کی از سر نو تنظیم کی ۔ اور تمام علاقوں کو تیئیس صوبوں میں تقسیم کیا- اس نے صوبے کے لئے مرزبانی اور صوبے کے حاکم کو مرزبان کا لفظ اختیار کیا ۔ دارا نے تقریباً پینسٹھ سال حکومت کی ۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا دارا دوم تخت نشین ہوا ۴۶۴ق م میں دارا دوم بھی فوت ہو گیا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا ارتخشتا بادشاہ بنا اس نے اپنے معتمد خاص نحمیا' اسرائیلی نبی کو بیت المقدس جانے کا حکم دیا کیونکہ بیت المقدس کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی ۔ بادشاہ نے نحمیا نبی کو فوج اور دیگر سازو سامان کے ساتھ بیت المقدس روانہ کیا ۔ نحمیا کے وہاں جانے کی وجہ سے بیت المقدس کی تعمیر کے کام میں تیزی پیدا ہو گئی اور بادشاہ کی دلچسپی کی وجہ سے تعمیر کا کام جلد مکمل ہو گیا

ایران میں اس وقت جو اسرائیلی رہائش پذیر تھے وہ سکندر کے ایران فتح کرنے تک آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے ۔ ۲۵۶ ق م میں سکندر کے جانشین اینٹوکس ثانی نے جو ملک شام و ایران کا خود سر حاکم تھا جب ممالک مفتوحہ میں یونانی رسم و

مذہب کو پھیلانا چاہا تو تمام ملک میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشک بن اشکان نامی رئیس نے اسرائیلیوں کی حمایت سے سکندر کے صوبے دار کو قتل کر دیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا - اشک نے جو حکومت قائم کی وہ اس کے باپ اشکان کے نام پر سلسلہ شاہان اشکانی کہلاتا ہے - اشکانی سلطنت کا مجموعہ زمانہ حکومت تقریباً ۴۸۴ سال ہے حدود مملکت جو پہلے تھیں وہ اشکانی عہد میں بھی قائم رہیں یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے بعد کئی اسرائیلی قبائل نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا گرجے تعمیر کر لئے تھے جس کے آثار اب تک موجود ہیں

۲۲۶ع کا واقعہ ہے کہ ایران کے بادشاہ اردوان ثانی جو خاندان اشکانی کا آخری بادشاہ تھا اور اسرائیلیوں کے ساتھ جس کے تعلقات بہت اچھے تھے - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حکومت اسرائیلیوں کی تھی - اس کے خلاف پارسیوں نے بغاوت کی اور بادشاہ کو قتل کر دیا اور اردشیر بابکان بن ساسان ایران کے تخت پر جلوہ افروز ہوا - اردشیر نے اسرائیلیوں کے استیصال پر کمر باندھی - اسرائیلی اس وقت ایران میں "اب غان" کے نام سے مشہور تھے - شاہ پور اول نے اپنے ایک کتبے میں اس قوم کا ذکر "ابغان" کے نام سے کیا ہے شاہ پور سوم کے عہد میں اس قبیلہ کو 'اپاکان' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے 'افغان' اسی لفظ کی بدلی ہوئی شکل ہے اردشیر بابکان نے اسرائیلیوں کو خوب قتل کیا - کچھ لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں سراسیمگی کی حالت میں وہاں سے نکل پڑے اور جس کا جدھر منہ اٹھا ادھر نکل گیا - اسرائیلیوں کے کچھ قبائل خراسان بخارا اور وادی دریائے سندھ میں اشوریوں کے زمانے سے آباد چلے آ رہے تھے چنانچہ کچھ گروہ ان کے پاس آ کر آباد ہو گئے - یہ علاقہ چونکہ کافی

زرخیز تھا ان کی گزر اوقات اچھی طرح ہونے لگی ۔ یہاں انہوں نے کافی طویل عرصہ گزارا اور پختون کے نام سے مشہور ہوئے جیسا کہ پہلے ہم نسل لوگ بنی پخت پختون کے نام سے پکارے جاتے تھے اسرائیلیوں کے جو قبائل دریائے جیحون اور سیحون کی وادی اور بدخشان کے جنوبی علاقے میں آباد تھے جب ان پر بیرونی حملہ آوروں کا دباؤ پڑا تو وہ بھی وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہوئے ادھر وادی دریائے سندھ و خراسان پر بھی انقلاب کے بادل منڈلانے لگے چنانچہ ان کی نظریں اپنے ان ہم نسل لوگوں پر پڑیں جو موجودہ افغانستان کی پہاڑیوں، غور، غرجستان قوہستان اور کوہ قفس میں بیرونی حملہ آوروں سے دور و محفوظ زندگی گزار رہے تھے ۔ چنانچہ وادی دریائے سندھ اور خراسان میں مقیم اسرائیلی بھی وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور سب نے رخت سفر باندھا اور زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقوں کو چھوڑ کر انہی پہاڑوں میں آ کر آباد ہو گئے ۔ یہاں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ ضرور تھے لیکن ان پہاڑوں میں زندگی کا سرو سامان مفقود تھا ۔ ان کی گزر اوقات نہایت مشکل سے ہوتی تھی اور پہاڑوں کے درمیان ان کی زندگی قید و بند کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی ۔ دشمن کی نگاہ سے دور و محفوظ علاقے کا حدود اربعہ اس طرح تھا ۔ شمال میں نیشاپور جنوب میں مکران مغرب میں بادیہ ایران (صحرائے اعظم جسے دشت لوط بھی کہتے ہیں) اور کچھ حصہ کرمان اور مشرق میں ہرات واقع تھا اور دریائے اسفزاز بہ رہا تھا اس میں ایک علاقے کا نام پشت یا پخت تھا یعنی قوم پختون کا علاقہ اس کو مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔

ان پہاڑوں کے مشرق اور شمال کی طرف کابل اور قندہار کے میدانی علاقوں میں آریہ نسل کے لوگ آباد تھے ۔ اس دوران میں

بدھمت نے عروج حاصل کیا کچھ عرصے بعد ہندو دوبارہ بر سر اقتدار آ گئے جس کا ثبوت تاریخ اور آثار قدیمہ سے ملتا ہے

یہاں یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وہ ساتھی جو صوبہ‌جات ایران میں آباد تھے اور سائرس بادشاہ کے زمانے میں یروشلم واپس چلے گئے تھے اور ان کے جانے سے پہلے جو یروشلم میں آباد تھے ان سب لوگوں پر کیا بیتی - فلپ کے حتی تاریخ شام میں ایک جگہ لکھتا ہے :

حضرت عیسیٰ کے بعد رومیوں نے یروشلم پر حملہ کر کے پانچ ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ آخر ستمبر ۷۰ ع میں یروشلم شہر فتح کر لیا - محصور شہر کے درد ناک انجام کا اندزہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب رومی سپاہیوں نے شہر پر حملہ کیا تو محصور خاندانوں نے باہم سب کو مار دینے کا عہد کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا - ان حالات کا نقشہ ایک ایسے مورخ کے قلم سے کھنچا گیا ہے جو خود جنگ میں شریک تھا - شوہروں نے انتہائی محبت کے ساتھ بیویوں سے معانقہ کیا ، بچوں کو گود میں اٹھایا انہیں پیار کیا دونوں طرف ہوسے دیے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی لیکن وہ جو عزم کر چکے تھے اسے پورا کئے بغیر نہ رہے اور اسے اس طرح پورا کیا گویا یہ سب کچھ اجنبیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے - انہیں اندازہ تھا کہ اگر دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو انہیں کن اذیتوں سے سابقہ پڑے گا...
... وہ بڑی بری حالت میں تھے لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا انہیں ایک کم تر درجے کا گناہ معلوم ہوا

شہر تباہ کر دیا گیا ، ہیکل کو آگ لگا دی گئی تو سو بچاسی دیہات برباد ہوئے ۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ دس لاکھ یہودی اس جنگ میں تباہ ہوئے ، بہت سے قیدی بنا لئے گئے اور انہیں ررم لے جایا گیا ۔ اس سے بیشتر اشوری اور کالدانی ، یہودیوں کو جا بجا منتشر کر چکے تھے ۔ اس انتشار کی تاریخ میں ایک روسی باب کا اضافہ ہوا "

ابن خلدون نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے :

" اس اثنا میں طیطش (طیطوس) رومی نے بیت المقدس فتح کر کے بے شمار مال غنیمت اور لاتعداد یہودی قیدیوں کو روما میں اپنے باپ کے پاس بھیجا "۔

ابن کریون کہتا ہے :

" اس حادثہ میں چھ لاکھ یہودی مارے گئے اور تقریباً ایک لاکھ گرفتار کر لئے گئے ۔ رومیوں نے ان قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا ۔ بیت المقدس سے روم آتے ہوئے راہ میں یہودیوں کو جیتے جی درندوں کے سامنے ڈال دیتے تھے بعض کو بورے میں باندھ کر شکاری کتوں کے سامنے پھینک دیتے تھے اور وہ انہیں پھاڑ ڈالتے تھے ۔ جنہیں روما لایا گیا تھا ان میں سے بعض پر روسی بچے فنون جنگ کی تعلیم کے دوران میں اپنا ہاتھ صاف کرتے تھے

یہ واقعہ بنائے بیت المقدس کے گیارہ سو سالھ سال بعد ہوا "

القصہ ایران کی حکومت بھی اس وقت کمزور ہو چکی تھی اور ان کے

مشرقی مقبوضات کے نظم و نسق میں ضعف آچکا تھا جیسا کہ سید عبدالجبار شاہ اپنی تصنیف " بنی اسرائیل یا ملت الافغنہ " میں تاریخ بحث نصر قدیم کے حوالے سے لکھتے ہیں ؛

" شہنشاہ تاتار نے ایک خط میں قسطنطنیہ (اور شام) کے شہنشاہ ایکس کام نی من (کیلی نے من) کو اپنے ملک تاتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس دریائے آمو (جیحون) کے پار بنی اسرائیل کے دس قبیلے رہتے ہیں جو اگرچہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ ہماری رعیت اور غلام ہیں ۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسرائیلیوں کے دس اور یہودا کے دو قبائل نے نینوا اور بابل کے حکمرانوں سے بہت تکالیف برداشت کیں ان قبائل کی بڑی تعداد کو قیدی بنا کر خراسان اور ایران کے مختلف مقامات پر آباد کیا گیا ۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کی نشاندہی اور مختصر سی تشریح کر دی جائے ۔

یہ وہی لوگ تھے جو بعد میں ساسانیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور ایک عرصہ کے بعد تاتاریوں کے حملوں اور ان کی یلغاروں کی وجہ سے دوبارہ نقل مکانی پر مجبور ہوئے اور اپنے تحفظ کے لئے اپنے ہم نسل لوگوں کے ساتھ کوہ قفس ، غور ، غرجستان اور قوہستان میں آباد ہو گئے ۔ اس وقت صرف یہی ایک علاقہ تھا جسے محفوظ سمجھا جا سکتا تھا ۔ یہ سب لوگ یہاں آ کر آباد ہو گئے اور اسلام قبول کرنے تک یہیں آباد رہے فتوح البلدان جلد دوئم اس علاقے کے متعلق لکھتا ہے ۔

جنگ کے خیال سے نہیں صرف دیکھنے کے واسطے عربوں نے

دشت پشت کی راہ لی ان میں سے بہتیرے بھوک اور پیاس سے
ہلاک ہوگئے مجبوراً واپس لوٹے اور کابل کے طرف بڑھے۔

خراسان

قدیم فارسی زبان میں خراسان کے معنی مشرقی زمین کے ہیں۔ زمانہ وسطی کے ابتدائی دور میں اس کا اطلاق اس ملک پر ہوتا تھا جس میں وہ تمام اسلامی صوبے شامل تھے جو بادیہ ایران کے مشرق سے شروع ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک واقع ہوتے تھے۔ خراسان کے حدود شمال مشرق میں تمام ممالک ماوراء النہر (دریائے جیحون کے اس پار) اور جنوب میں سجستان اور قوہستان شامل ہوجاتا تھا وسطی ایشا کی طرف خراسان کی سرحد دشت چین اور ہندوستان کی طرف ہندوکش کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

عربوں کے زمانہ وسطی میں خراسان کو آسانی کی غرض سے چار ربعوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ چاروں ربعے چار بڑے شہروں کے نام پر تھے۔ جو مختلف زمانوں میں خراسان کے دارالحکومت بھی رہے تھے یہ چاروں ربعے نیشاپور، مروے، ہرات اور بلخ تھے۔

ہرات کے متعلق زبدۃ الاخبار عبدالرحمن قاسمی تاریخ قدیم ہرات میں ابوالمعاس معمری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ:

خراسان میں بہترین مقام ہرات ہے اور ہرات پر ستر انبیا علیہم السلام نے دعائے خیر کیا ہے۔

دریائے جیحون فارسی بولنے والی قوموں اور ترکوں کے درمیان یعنی ایران اور توران کے مابین حد فاصل تھا۔ عرب ان تمام لوگوں

کو ترک کہتے تھے جو غیر ایرانی تھے اور دریائے جیحون کے شمال مشرق میں رہتے تھے ۔ اس دریا اس کے پار اس نام کے علاوہ اس ملک کو ہیتل بھی کہتے تھے۔ ہیتل ایک قوم تھی جو پانچویں صدی عیسوی میں سلطان ساسان کی شدت سے دشمن رہی ۔ انگریز ان کو سفید ہن کہتے تھے ۔ ان کا تعلق تاتاری نسل سے تھا - کامل ابن اثیر نے لکھا ہے کہ :

ہیاطلہ (ہیتل) تبت اور ترک باشندے تھے ۔

جیحون اور سیحون دریاؤں کے نام عربوں نے یہودیوں سے سن کر اختیار کئے تھے جو شام میں انہی ناموں سے موجود تھے ۔ ربعہ نیشاپور میں ایک علاقہ شامات تھا ۔ یعنی شام والوں کی مسکن ، اہل ایران اسے طاق آب کہتے ہیں ۔ یہ علاقہ بہت زرخیز تھا سروے کے قریبی علاقہ ہرمزفرہ شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر باشان (بسان) شہر واقع تھا ، اسی نام کا ایک علاقہ شام میں دریائے اردن کے مشرق میں واقعے تھا جس کی نسبت یہ نام پڑ گیا۔

بلخ خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کے سات دروازے تھے۔ ان میں سے ایک باب کا نام باب ہندوان تھا اور ایک کا نام باب الیہود تھا یہاں پر حزقیل نبی کی قبر ہے جو وہاں آباد جلا وطن اسرائیلی قیدیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے تھے ۔ انہوں نے تمام عمر وہیں بسر کی اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے ۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے :

یہاں پر حضرت حزقیل نبی کا مزار ہے ۔ اس پر ایک قبہ بنا ہوا ہے جس کی ہم نے زیارت کی ۔

ایک اور نبی کے متعلق جغرافیہ خلافت مشرقی میں درج ہے؛

ماوا کا شہر جو ہمدان اور مروے کے وسط میں خراسان والی شاہراہ پر واقع تھا ۔ اس کے چار میل مغرب میں حضرت سماؤل نبی کا مزار تھا ۔

مولف لب‌لباب لکھتا ہے:

"کیقباد (کمبوچہ پسر خورس ، کورش ، سائرس) کے زمانے میں بلخ اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کے انبیا' حزقیل الیاس ، اور شماؤل علیہم‌السلام بیک وقت موجود تھے ۔

الیاس نبی جو غازی پیغمبر سے مشہور ہے ، باجوڑ کے جنوب میں علاقہ اتمان خیل کے رنگ برنگ میں دفن ہے جو بہت مشہور ہے

دارالحمکومت بلخ کو چھوڑ کر یہ ربعہ مغرب میں جوزجان اور مشرق میں طخارستان کے دو بڑے علاقوں میں منقسم تھا ۔ جوزجان یا جوزان ربعہ بلخ کا مغربی علاقہ تھا جس میں سے مروےروز سے جانے والی سڑک گزرتی تھی ۔ جوزجان کا تمام علاقہ نہایت زرخیز تھا ۔ مروے روز سے تین منزل کے فاصلے پر بلخ کی طرف طالقان نامی شہر تھا ۔ پہاڑوں میں جوزوان کا شہر تھا ۔ جہاں علاقہ جوزان کا حاکم گرمی کے موسم میں رہا کرتا تھا ۔

شہر میمنہ جو طالقان سے دو منزل آگے بلخ جانے والی سڑک پر تھا اب بھی ایک با رونق شہر ہے ۔ عہد وسطی کے ابتدائی زمانہ میں یہ شہر الیہودان یا الیہودیہ کہلاتا تھا اور جوزجان کا صدر مقام سمجھا جاتا تھا ۔ یاقوت مورخ نے اس کا نام جہودالکبریٰ لکھا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ :

اس میں پہلے یہودی آباد کئے گئے تھے ۔ جنہیں بخت نصر نے

بیت المقدس سے منتقل کیا تھا ۔ بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے میمنہ (مبارک شہر) کر دیا گیا ۔

جغرافیہ خلافت مشرقی میں جی لی اسٹرینج نے بھی اسی طرح میمنہ کا ذکر کرتے ہوئے آگے اصفہان کے بارے میں لکھا ہے کہ :

" یہاں پہلو بہ پہلو دو شہر آباد تھے ۔ مشرق میں " جیے " تھا جس کی فصیل تھی اور فصیل پر سو برج تھے اور مغرب میں الیہودیہ یعنی یہودیوں کا شہر جو " جیے " سے دگنا بڑا تھا الیہودیہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ نام یہودیوں کی وجہ سے پڑا تھا ۔ جو یہاں قدیم بابل کے بادشاہ بخت نصر کے زمانے میں آباد کئے گئے تھے ۔ الیہودیہ اور جیے کی آب و ہوا بیت المقدس کی سی تھی "

الغرض علاقہ جوزان یا جوزجان کے بڑے بڑے شہروں میں شہر فریاب زمانہ وسطی میں بڑے درجے کا شہر تھا مگر اب اس کا وجود باقی نہیں رہا اس کی جگہ آجکل جو شہر آباد ہے اسے خیرآباد کہا جاتا ہے ۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق الیہودیہ اور فاریاب کے درمیان میں موسان (موسیٰ یان) نامی شہر آباد تھا جو تقریباً الیہودیہ کے برابر تھا ۔ اب اسے ندیان کہتے ہیں ۔ اسی پہاڑی علاقے میں سسان نام کا ایک چھوٹا سا شہر بھی تھا ۔ نیز ایک اور شہر برکان یا شبوغان تھا جو اب تک موجود ہے ۔ یہ شہر علاقہ جوزجان کا مرکزی شہر تھا اور جوزجان کا حاکم یہاں رہتا تھا الیہودیہ یا میمنہ اس کا بعد دارالحکومت بنا اس کے جنوب میں ایک دن کی راہ پر اور اتنے ہی فاصلے پر الیہودیہ سے مشرق کی جانب انبار نام کا ایک شہر تھا چونکہ عراق والے انبار

کے جلا وطن یہودی یہاں آباد ہو چکے تھے اس لئے یہ نام پڑ گیا تھا جسے اب سرپل کہتے ہیں - واضح رہے کہ انبار نامی ایک گاؤں علاقہ باجوڑ میں اور دوسرا تحصیل صوابی میں قوم افغان کے مسکن ہیں - شرح طبقات ناصری میں عبدالحی حبیبی لکھتا ہے!

جوزان (جوزجان) کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جوزجان ایک مشہور علاقہ تھا جو ربع بلخ کا مغربی حصہ تھا اور دریائے آمو تک پھیلا ہوا تھا - جنوب میں دریائے ہرمند ، مشرق میں بامیان اور حدود غزنی تک چلا گیا تھا اور مغرب میں ہرات اور دریائے مرغاب اس کے متصل تھے - اس علاقے میں میمنہ جس کا پہلا نام الیہودیہ تھا اور انبار جس کا موجودہ نام سرپل ہے یہ علاقہ ۳۳ھ میں احنف بن قیس نے فتح کیا -

یہ وہی جوزان ہے جس کا ذکر کتاب مقدس (تورات) میں اسرائیلیوں کی جلا وطنی اور یہاں بسانے کے سلسلے میں ہوا ہے -

القصہ ! ہر قوم جہاں جہاں آباد ہوتی ہے اور کچھ عرصہ بعد جب وہ دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے تو وہاں کچھ نشان ضرور چھوڑ جاتی ہے - مثال کے طور پر بدھ مت ، آرین اور ہندو اقوام نے جہاں جہاں بود و باش اختیار کی تھی آثار قدیمہ سے ان کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں - اسی طرح افغان قوم نے بھی اپنے نشانات چھوڑے ہیں جن کا ذکر آئندہ سطور میں آ رہا ہے -

ان علاقوں میں آباد ہونے کے بعد ان کو پختون اور افغان کے نام سے پکارا جانے لگا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے بنی اسرائیل کے دس قبیلے جن کو نینوا کے بادشاہ نے خراسان کی طرف بھیجا تھا کچھ

عرصہ بعد شاہ نینوا کے لشکر نے بیت المقدس پر چڑھائی کی اس نے بادشاہ یہودا کو باجگزار بنا لیا اور تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ یہودا کے دونوں قبیلوں سے دو لاکھ ایک سو پچاس قیدی بنا کر اسرائیل کے ان دس قبیلوں کے پیچھے روانہ کیا کتاب مقدس کے باب یرمیاہ میں نصیحت بنام موآب سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قیدیوں میں بہت زیادہ تعداد بنی بخت موآب کی تھی وجہ یہ کہ ان کا علاقہ موجودہ اردن میں دریائے اردن سے جانب مشرق تھا اشوریوں کا سامنا اور مقابلہ پہلے انہی سے ہونا تھا کیونکہ یرو شلم پہنچنے میں بنی بخت ہی راستے میں مانع تھے۔ اور اشوریوں کا راستہ صرف یہی تھا جس کو پار کر کے وہ یروشلم پہنچتے بنی بخت نے سخت مقابلہ کیا ہوگا مگر شکست کھا کر قیدی بنا لئے گئے جو قید و بند اور مرنے سے بچے ہونگے وہ مغرب کی طرف دریائے اردن پار کر کے یرو شلم پہنچے ہونگے کتاب مقدس کے باب یرمیاہ میں درج ہے حضرت یرمیاہ اسرائیلی حکومت کے خاتمے کے بعد یہودا میں نبی مبعوث ہوئے - وہ بنیامین اور بنی یہودا کے دونوں قبیلوں کی ذیلی شاخوں تک باری باری پہنچے اور نصیحتیں کی اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی - بادشاہ یہودا کو بھی نصیحت کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا - یہاں پر صرف بنو بخت موآب کے متعلق حضرت یرمیاہ نبی کی پیشنگوئی کا اقتباس ذیل میں درج ہے موآب کی بابت اللہ پاک یوں فرماتا ہے ؛

اب موآب کی تعریف نہ ہوگی موآب برباد ہوگا اس کے بچوں کے نوحہ کی آواز سنائی دیتی ہے -

غارت گر ہر ایک شہر پر آئیگا - موآب کو پر لگا دو تا کہ اُڑ جائے کیونکہ اس کے شہر اجاڑ ہونگے - ان میں کوئی بسنے والا نہ ہوگا -

موآب ابتدا ہی سے آرام سے رہا ہے نہ تکلیف پہنچی نہ
اسیری میں گیا اب یہ بد مست اور نافرمان ہوئے ہیں خدا تعالیٰ
ان پر جابر حملہ آور بھیجینگے تاکہ ان کو چکنا چور کریں ۔
جس طرح تمہارے عزیز سلطنت اسرائیلیہ کو اپنے اوپر
بھروسہ تھا رسوا اور تباہ ہوا تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم پہلوان
ہیں اور جنگ کے لئے زبردست سورما ہیں لیکن سن لو موآب
غارت اور اس کے شہروں کا دھواں اٹھیگا ۔ اور اس کے چیدہ
جوان قتل ہونے کو ہیں اور نزدیک ہے کہ موآب پر آفت آئے ۔
اردگرد والو سب اس پر افسوس کرو اور تم سب جو اس
کے نام سے واقف ہو کہو کہ یہ موٹا عصا اور خوبصورت ڈنڈا
کیونکر ٹوٹ گیا ۔
موآب کا سینگ کاٹا گیا اور اس کا بازو توڑا گیا ۔ کیونکہ
یہ نافرمان ہوئے موآب اپنی قے میں لوٹیگا اور مسخرہ بنے گا کیا
اسرائیل (اسرائیلی سلطنت) تیرے آگے مسخرہ نہ تھا ۔
اے موآب کے بشندو شہروں کو چھوڑ کر چٹانوں پر جا
بسوگے اور کبوتر کے مانند بنوگے جو گہرے غار کے منہ کے
کنارے پر آشیانہ بناتا ہے ۔
موآب کے سب گھروں کی چھتوں پر اور اس کے بازاروں
میں بڑا ماتم ہوگا کیونکہ میں نے موآب کو اس برتن
کی مانند جو پسند نہ آئے توڑا ہے ۔ وہ واویلا کرینگے اور
کہینگے کہ اس نے کیسی شکست کھائی ۔ موآب نے شرم کے
مارے کیونکر اپنی پیٹھ پھیری ۔ پس موآب سے ارد گرد والوں
کے لئے ہنسی اور خوف کا باعث ہوگا ۔ کیونکہ دشمن عقاب کی
مانند اڑیگا اور موآب کے خلاف بازو پھیلائے گا وہاں کے شہر

اور قلعے لئے جائینگے اور اس دن موآب کے بہادروں کے دل زچہ کے دل کی طرح ہونگے- اور موآب ہلاک کیا جائے گا ۔ اس لئے کہ خدا سے باغی ہوئے -

اے ساکنان موآب جو کوئی دہشت سے بھاگے گڑھے میں گریگا ۔ اور جو گڑھے سے نکلے دام میں پھنسیگا ۔

ہائے تجھ پر اے موآب کموس کے (اشوری) لوگ ہلاک ہوئے کیونکہ تیرے بیٹوں کو اسیر کر کے لے گئے اور تیری بیٹیاں بھی اسیر ہوئیں ۔

یرمیاہ نبی نے جو نصیحت فرمائی تھی ، اس پر کان نہ دھرا گیا ان کی پیشنگوئیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں ۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ بعد اشوریوں کی فوج سیغرب کی امارت میں یہودیوں پر چڑھ آئی وہ جب موآب ۔ (شرق اردن) سے فارغ ہوا تو یروشلم پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ وہاں کے یہودیوں نے اپنے نبی کے ذریعہ خدا سے معافیاں مانگیں زاری کی اور توبہ کی جس کے نتیجے میں خدا نے معاف کر دیا اور دشمن پر ایسا مرض لایا کہ ایک رات میں دشمن کے ایک لاکھ پچاسی ہزار لشکری مر گئے یروشلم دشمن سے محفوظ رہا لیکن ارد گرد کا علاقہ برباد ہو گیا ۔ یہودا کے بادشاہ حزقیاہ کو تخت پر قبضہ جمانے کی اجازت مل گئی لیکن اسے تمام بقایا خراج ادا کرنا پڑا ۔

سخیرب واپس ہو گیا ۔ لیکن موآب (شرق اردن) میں بمطابق پیشینگوئی یرمیاہ نبی " وہ سب کچھ ہوا جن کے متلق کہا گیا تھا اور سخیرب کے دعوے کے مطابق یہاں سے دو لاکھ ایک سو پچاس یہودیوں کو گرفتار کر کے یروشلم پہنچنے سے قبل ان کو نینوا کی

طرف روانہ کیا تھا ۔ پھر ان قیدیوں کو سلطنت اسرائیلہ کے اسیروں کے پیچھے مشرق کو روانہ کیا سخیرب کے حملے کا اثر یہ ہوا کہ یہودا اور بھی کمزور ہو گیا اور اس کی قوت مزید گھٹ گئی بنی پخت موآب کے متعلق کتاب مقدس باب تواریخ سے اقتباس ۔

بنی پخت موآب طاقت اور اقتدار بھی رکھتا تھا ۔ حضرت داؤد کے عہد حکومت میں ان کے مورثیان اعلیٰ ، جو یوآب ، یوشع ، ابیشے اور عسائیل تھے سب حکومت پر حاوی تھے اور یوآب وغیرہ کے مشورہ ہی سے سب کچھ ہوتا بلکہ بعض اوقات تو حضرت داؤد نے شکوہ کی صورت میں ان کی زبردستی اور بالادستی اور سر تیزی کا اظہار بھی فرمایا ہے اور حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں بھی انہی کا زیادہ اثر تھا ۔ دونوں زمانوں میں پوری فوج بھی ان ہی کی سر پرستی میں تھی

باب سموئل سے ظاہر ہے کہ بنی پخت کے مورثیان اعلیٰ "یوآب ، ابیشے ، اور عسائیل ، حضرت داؤد کی بڑی بہن ضرویا کے بیٹے تھے " بابل سے آنے کے بعد بیت المقدس کو نئے سرے سے بنانے میں بھی انہی لوگوں کی اولاد کا بڑا ہاتھ تھا ۔ واضح رہے کہ اشوریوں کے بعد بخت نصر یروشلم سے جو لوگ قیدی بنا کر لائے تھے انہی میں یہ لوگ بھی تھے ۔ چنانچہ کتاب مقدس باب عزرا میں درج ہے ۔

سائرس (اخویرس) شاہ ایران کے فرمان سے قیدیوں کو واپس یروشلم بھیجنے پر انہیں واپس شدہ گان میں سے صرف اس قبیلہ بنی پخت موآب کے جو یوشع اور یوآب کی اولاد میں سے ہیں دو ہزار آٹھ سو بارہ (یا اٹھارہ) افراد تھے ۔

اور دوسری دفعہ ارتخشتا بادشاہ کے وقت میں عزرا نبی

کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں جو یروشلم پہنچے تو بنی پخت موآب میں سے دو سو مرد تھے۔

آگے درج ہے کہ۔

بنی پخت موآب سے جن آٹھ آدمیوں نے غیر نسل کی عورتوں سے شادیاں کی تھیں، انہوں نے عزرا نبی کی ہدایت سے ان عورتوں کو طلاق دے کر چھوڑ دیا تھا۔

اس کے آگے درج ہے۔

بیت المقدس کی تعمیر کے دوران ملکیا بن خارم اور حسوب (سرداران) بنی پخت موآب نے دوسرے حصے اور تنوروں کے برج کی مرمت کی۔

ابن خلدون لکھتا ہے

یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا بھانجا تھا جو سوریا کے نام سے مشہور ہے وہ حضرت داؤد کا وزیر رہا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ابتدائی زمانے میں بھی وزیر رہا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ یوشع بن شارخ وزیر بنا۔

مختصر یہ کہ وہ پہلے دس اسرائیلی قبائل خراسان وغیرہ میں جہاں جہاں آباد کئے گئے تھے۔ یہ دوسرے نوواردہ یعنی بنو پخت موآب کے جلا وطن قیدی بھی ان کی بستیوں میں پہنچائے گئے۔ ان کی آپس میں ایک دوسرے سے جان پہچان ضرور تھی کیونکہ مفارقت میں اتنا وقت نہیں گزرا تھا جو ایک دوسرے کو بھول جاتے۔

پختون کی وجہ تسمیہ میرے خیال میں یہ ہے ۔

جیسے جیسے بنی پخت وغیرہ پہلے آباد شدہ اسرائیلیوں کے پاس پہنچے تو وہ لوگ ان کو بنی پخت بولتے تھے اور ایک عام آواز نکلی ہوگی کہ بنی پخت آئے - اس کا اثر یہ ہوا ہوگا کہ اپنوں کے علاوہ جو ان کو خوب جانتے تھے ، غیر نسل والوں نے بھی جب یہ آواز سنی ہوگی تو وہ بھی ان کو پخت پکارنے لگے ہونگے - چونکہ یہ سب تو ایک برادری کے لوگ تھے ۔ یہ نام پخت ان پر بھی حاوی ہوا جو پہلے آباد ہو چکے تھے ۔ صرف اتنا ہوا کہ بنی پخت سے اس وقت ایک قبیلہ مراد تھا ۔ لہذا بنی کا لفظ نکال کر صرف پخت اور نسبت کے لئے ن لگا کر پختن اور وقت گزارنے پر پختون ہوا ۔ جو کل پوری قوم کا نام بن گیا اور اس سے ان کی وحدت اور یکجہتی پیدا ہوئی ۔ یہ لوگ اگرچہ منتشر حالت میں اپنی برادری کے لوگوں میں جگہ جگہ بسائے گئے اور ان کی آبادیاں بھی غیر قوموں میں شامل تھیں مگر اس کے باوجود کچھ مقامات ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں کہ وہاں مشرق اردن کی وادی بنی پخت موآب کی نسبت سے یہ نام ہیں ۔ جو پختون قوم کے نشانات ہیں ۔ مثلاً نیشاپور کے جنوبی علاقہ میں پخت ، پشت ، کا علاقہ ۔ دوئم پختیا ، پکیا ، جو گردیز سے جانب مشرق واقع ہے ۔ سوئم باجوڑ میں پخت ، پشت ، کا علاقہ اور مرکزی قصبہ ہے۔

اور اس کے علاوہ پختون قوم اور پختو زبان کی ایک اہم نشانی وجہ تسمیہ خوارزم بھی ہے - زبدہ‌ولغبار اور ایک اور کتاب قلمی نسخہ ، خوارزم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں ۔

ارد شیر ساسانی شاہایران کے حکم سے یہاں اس دشت میں چار سو اسرائیلی سخت سزا دینے کے طور پر بھیجے گئے تھے ۔ خیال تھا کہ

یہ لوگ وہاں دشت و بیابان میں ذریعہ معاش نہ ہونے کی سبب مر کھپ جائیں گے ۔ مگر خلاف توقع جب کچھ عرصہ بعد جا کر دیکھا گیا تو انہوں نے پانی (جیحون) کے کنارے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں رہتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تمہارا گزارہ یہاں کیسے ہوا ۔ انہوں نے جواب دیا ، خوارزم ، جس کا مطلب ان کی زبان میں یہ تھا کہ پانی میں جو بھی چیز ملی اس کے گوشت پر وقت گزارا یعنی مچھلی کے گوشت پر ۔ خو ار زم ، (خو= گوشت ، ار= ناقص قسم ، زم= پانی) کے الفاظ قابل غور ہیں ۔

مختصر یہ کہ سارے جلا وطنوں کا قومی نام پختون ہوا اور اس نام کے تحت سارے قبیلوں نے اپنے اپنے نام ذیلی شاخوں کی شکل میں بھی قائم رکھے ۔ اور اپنے مساکن پر کوئی نسبی قبائلی نام رکھا اور کوئی شام وغیرہ کی دیہاتی آبادی کے ناموں پر موسوم ہوئے ۔ اور کوئی گزشتہ اقوام کے پرانے ناموں پر یاد ہوتے ہیں جو گزشتہ زمانہ میں یہاں سکونت پذیر رہے ہیں

افغان

بخت نصر جو قیدی بابل لایا تھا اور وہ کچھ بابل کے نواح اور بعض ایران کے ملک میں آباد کئے تھے ابتدا میں یہ لوگ موسایان اور سلیمانان کے نام سے یاد کئے جاتے تھے - کچھ مدت کے بعد افغان کے نام سے موسوم ہوئے ۔ ساسانیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جب یہ لوگ ایران کے ملک سے یہاں خراساں وغیرہ پہنچے تو انہیں افغان ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ دونوں جتھوں کے باہم ملنے پر پختون اور افغان دونوں نام اس علاقہ میں رائج ہوئے ۔

عرب اب بھی سلیمانی کہتے ہیں جیسا کہ ارمیا و برخیا علیہم السلام اور آصف وافغنہ و ملک طالوت وغیرہ وغیرہ بھی اسی قوم کے اکابر گزرے ہیں اور افغنہ بہت نامور ہستی یاد کی جاتی ہے اس وجہ سے ساری قوم کو دونوں ناموں پر اتفاق ہونا دشوار نہ تھا ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ افغان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں افغان اکابر و مشائخ اور افغان مورخین قدیم سے بتواتر اس پر متفق ہیں کہ اس قوم نے اپنا نام افغان بن ارمیا ،، بن طالوت علیہ السلام کی نسبت سے اختیار کیا ہے۔

لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الابصار

باب دوم

جیسا کہ باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل افغان (پختون) پہاڑوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے ۔ روایت ہے کہ سرور کونین حضرت محمد ؐ کے زمانے میں حضرت خالد کی طرف سے افغانوں کو پیغام ملا ۔ کیونکہ ان کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے ۔ اس پر افغانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور قیس کی سرکردگی میں جو اس قبیلہ کے بزرگ ترین آدمیوں میں سے تھے ، ایک وفد سر برآوردہ اشخاص کا مدینہ منورہ بھیجا ۔ خالد کی وساطت سے رسول کریم ؐ سے ملاقات کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ رسول کریم ؐ نے انہیں اور ان کی قوم کو دعا دی اور ہدایت کی کہ وہ واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کریں ۔ نیز قیس کا نام عبدالرشید رکھا ۔ یہ لوگ خوش خوش واپس آئے اور اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے ۔ رفتہ رفتہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے ۔ قیس نے ۴۰ھ میں ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ وصلی کے علاوہ اپنے پیچھے اصلی اولاد بھی چھوڑی ۔ لیکن ہر افغان ان کا وارث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ۔

یہ چونکہ اہل کتاب تھے ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر بھی ان کا ایک دفد یروشلم گیا تھا ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے

مبعوث ہونے کے بعد بعضوں نے ان کے دین کو بھی قبول کر لیا تھا ۔ جس کی وجہ سے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت محمد ؐ نبی آخرالزمان آئیں گے ۔

چنانچہ دلد کے وہاں پہنچنے پر جب ان پر حقیقت واضح ہو گئی تو رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہوئے گئے ۔ سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو ان کا مشرف بہ اسلام ہونا وقت کا تقاضا تھا اس لئے کہ یہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے ۔ مغرب کی طرف ساسانیوں کی حکومت تھی جو ان کے سخت دشمن تھے اور ان ہی کے ظلم و ستم کی بدولت وہ ایران سے نکل کر یہاں پہاڑیوں میں رہنے پر مجبور ہوئے تھے ۔ مشرق اور شمال کی طرف زابلستان ، سیستان اور کابل تک تاتاری آرین مذہب اور نسل کے لوگ آباد تھے جن کی طاقتور حکومتیں قائم تھیں اور جنوب کی طرف مکران کا علاقہ تھا جس میں بلوچ قوم آباد تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ رسول کریم ؐ کے مبعوث ہونے کی خبر سنتے ہی یہ اس طرف مائل ہو گئے اور ان میں ایک نئی زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے ۔ چونکہ وہ علاقہ جہاں یہ لوگ رہتے تھے ۔ کافی وسیع تھا ۔ اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ ان سب کے اسلام قبول کرنے میں کافی وقت صرف ہوا ہوگا ۔

حضرت عمر کی خلافت کے دوران میں ابوموسیٰ نے خوزستان فارس اور مکران پر حملے جاری رکھے ۔ جس وقت وہ سلوس پہنچے تو اہل سلوس قلعہ بند ہو گئے ۔ ابو موسیٰ نے ان کا محاصرہ کیا جو کئی دن تک جاری رہا ۔ جب اہل سلوس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہا تو انہوں نے امان چاہی اور ان کے مرزبان نے درخواست کی کہ ان میں سے ۸۰ آدمیوں کو امان دی جائے تو وہ شہر کا دروازہ کھول دے گا اور حکم تسلیم کر لے گا ۔ ابو موسیٰ

نے اس کی درخواست منظور کی - اس نے ۸۰ آدمی چن لئے - مگر اپنے تئیں ان میں شامل نہ کیا - جن لوگوں کو امان دی گئی وہ امان میں رہے - مرزبان کو قتل کر دیا گیا - ابو موسیٰ نے ان کے قلعے میں ایک مقام دیکھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا - پوچھا یہ کیا ہے ؟ بتایا گیا کہ دانیال نبی کی لاش ہے حضرت دانیال کو بخت نصر بیت المقدس سے قیدیوں کے ہمراہ لایا تھا - اور سلوس میں معہ اہل خاندان کے نظر بند کر دیا تھا اور انہوں نے یہیں وفات پائی - تبرک کے طور سے لاش کو محفوظ رکھا تھا - ابوموسیٰ[رض] نے یہ قصہ حضرت عمر[رض] کو لکھا - جواب آیا کہ کفن دو اور دفن کر دو - چنانچہ انہوں نے دانیال کو دریائے کرخہ کے کنارے دفن کر دیا - اور آگے بڑھے - فارس فتح کیا اور کرمان کے آخر میں کوہ قفس پہنچ گئے - یہاں ان کا مقابلہ ایرانی اور بلوچ قوم سے ہوا - کوہ قفس میں اس وقت خشی افغان (پختون) قبائل آباد تھے - جنہوں نے ان کی اچھی طرح آؤ بھگت کی اور امداد کی - اسلامی لشکر کے پاس راشن کی کمی تھی - انہوں نے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ذبح کرنے کے لئے پیش کیں - اسلامی لشکر کے سربراہ نے قیمت ادا کرنی چاہی - اور اس سلسلہ میں حضرت عمر[رض] کو لکھا - کہ بخت (پخت) کے اونٹ ہمارے اونٹوں سے زیادہ موٹے ہیں - ان کی قیمت کیا ادا کی جائے ؟ جواب ملا کہ قیمت گوشت کے تناسب سے ادا کی جانی چاہئے - چنانچہ اس تناسب سے قیمت ادا کی گئی - بخت سے مراد یہاں پخت (پختون) ہیں - تاریخ طبری نے بھی یہ ذکر کیا ہے -

اس کے بعد اسلامی لشکروں کا کافروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا - جس میں یہ ان کی امداد کرتے تھے - چنانچہ جب احنف بن قیس خراسان کے امیر مقرر ہوئے تو صغانیہ کے بادشاہ کے

مقابلہ میں ان کے ساتھ ایک ہزار افغانی اور چار ہزار عرب سپاہی تھے۔

جغرافیہ خلافت مشرق نے تشریح کی ہے ۔ کہ جیرفت (کرمان) کے جنوب مشرق میں وہ کوہستانی علاقہ تھا جسے جبل القفص کہتے تھے ۔ چوتھی صدی ہجری میں اس کے بعید حصوں میں پہاڑی لوگ آباد تھے ۔ اور بلوص (بلوچ) کے قبیلے اس علاقے کی مشرقی سرحدوں پر جسے بادہ ایران کا جنوبی حصہ سمجھنا چاہئے آوارہ گرد رہتے تھے ۔ اس دور افتادہ علاقہ کے ایک حصے کو اخواش یعنی قبائل خواش (خاشی قبائل) کا وطن کہتے تھے ۔ یہ قبیلے زیادہ تر شتربان تھے ۔ اور ایک وادی میں رہتے تھے ۔ یہاں گرمی کی وجہ سے نیشکر کی کاشت ہوتی تھی ۔ جو سجستان اور خراسان کو دساور کی جاتی تھی ۔ یہ وادی اس پہاڑی ملک کا ایک ٹکڑا تھا ۔ جو بادہ ایران کے جنوبی سرے اور مکران کے درمیان تک گیا تھا ۔ اس پہاڑی ملک میں سات پہاڑ الگ الگ تھے ۔ بیان ہوا ہے کہ ہر پہاڑ کا سردار جدا جدا تھا ۔ جو اس پر حکمران تھا ۔ ان پہاڑی لوگوں کے پاس اس زمانے میں گھوڑے نہ تھے ۔ عام طور پر وہ کرد جیسے سمجھے جاتے تھے ۔ کیونکہ وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور مویشیوں کے مالک تھے ۔ بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے اور ان کے علاقہ میں شہر نہ تھے ۔ اسی پہاڑی علاقہ کے جنوبی حصہ میں کھجور کے درخت خوب پھلتے پھولتے تھے اسی علاقہ میں ایک اور شہر منوقان یا منوجان جو جیرفت سے پچاس میل جنوب میں واقع تھا ۔ اس شہر کے ایک حصے کا نام کوہیں ، اور دوسرے کا نام زامان (زمن ، زمند) تھا اور ایک قلعہ جو اب تک باقی ہے ان دونوں کے بیچ میں تھا ، اور اسی قلعہ میں ایک مسجد تھی جو سیان کہلاتی تھی ۔ معلوم رہے کہ زامن ۔ زمندافغان ، ایک قبیلہ ہے ۔"

آگے لکھتا ہے:

جوئے سلیمان کا آباد و معمور شہر ریگان سے ایک مرحلہ مغرب میں واقع تھا اس شہر کی زرخیز اراضی ایک ندی سے سیراب ہوتی تھی ، جو شہر میں سے گزرتی تھی ۔ شہر کے عین وسط میں ایک مسجد اور قلعہ تھا مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جیرفت کے اعمال میں شامل تھا۔ "

ابن حوکل ایک اور جگہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کرمان سے سجستان کے دارالحکومت زرنج کو جانے والی سڑک کے کنارے بالکل بیچ کی منزل پر بادیہ کا تنگ ترین حصہ ایک نخلستان تھا یہاں ایک مختصر سی وادی ہے ۔ جس میں چشمے ہیں ایرانی اسے نصرت آباد کہتے تھے ۔ اور بلوچی اسے اسپی یا اسفی کہتے تھے ۔ اس مقام کا ایک نام اسپیذا بھی پڑھنے میں آیا ہے یہ اسپی ، اسفی اور اسپیذا ایک ہی نام ہے یعنی ایسفزی ۔ مقدسی نے اس مقام کو علاقہ سجستان میں شمار کیا ہے ۔ ابن حوکل نے مقام مذکورہ صوبہ کرمان کے متعلق بتایا ہے ۔ اس علاقے میں بھی ایک شہر تھا ۔ اس کی آبادی بہت تھی اور یہاں قابل زراعت زمین بھی بہت تھی جو نہروں (قنی) سے سیراب ہوتی تھی ۔ لیکن شہر کے گرد مکانات کے بالکل قریب تک صحرائے بے آب آیا ہوا تھا ۔

سید صباح الدین مولف ، ہندوستان کا عہد وسطی ، لکھتے ہیں :

" ۶۴۴ عیسوی میں حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت عربوں نے پورا ایران ، ہرات تک تسخیر کر لیا تھا ۔ اس وقت مکران کے پہاڑی علاقوں میں افغان اور بلوچ آباد تھے ان پر بھی عربوں کا حملہ ہوا ۔ "

الغرض جب رفتہ رفتہ یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان میں نئی زندگی ، نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہوا ۔ اور اسلامی لشکروں

کے ساتھ وقتاً فوقتاً شمولیت سے اسے اور بھی تقویت پہنچی ۔ جس وقت محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا تو یہ لوگ کافی تعداد میں ان کے ساتھ تھے ۔ اس سے ان کو ملتان اور سندھ کے علاقے دیکھنے کا موقع ملا ۔ جو ان کی صلاحیت اور بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوا ۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی مالی حالت بھی اچھی ہوتی گئی ۔ جس سے ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اپنا اپنا سردار منتخب کرنے کا فیصلہ کیا ۔ جن میں غور کی امارت بہ نسبت اوروں کے زیادہ مضبوط تھی ۔ روایت ہے کہ اس دوران میں ان کو اپنے شجرہ ہائے نسب کا خیال پیدا ہوا اور اس ضمن میں انہوں نے اپنی تنظیم کی ۔ اور اپنے آپ کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ۔ سڑابنی ۔ غورغشتی ، بتنی (بٹنی) اور کرلانی ۔ ان میں پہلے تین قبیلے زیادہ تعداد والے تھے جبکہ کرلانی تعداد میں کم تھے ۔ چار گروہوں میں تقسیم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اشوری دو جتھے سلطنت اسرائیلی اور یہودا کے لائے تھے ۔ اور بابلی بھی دو جتھے لائے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اس یادگار کو قائم رکھنے کی خاطر گروہوں کی تقسیم بھی اسی لحاظ سے کی ۔ شام و فلسطین سے جس جس طرح نکل کر یہ لوگ آئے تھے ۔ اس حساب سے ان کے چار گروہ بنتے چلے گئے تھے ۔ اور پھر ہر قبیلے کے ساتھ اس کی ذیلی شاخیں ۔سینکڑوں تک پہنچتی ہیں ۔ تنظیم نو کے تحت جب انہوں نے چار گروہ بنائے ۔ تو اپنی قومی وحدت اور سیاسی تدبر کو جس میں ان کے معاشی اور اقتصادی پہلو زیر غور تھے ، ان کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے سامنے اپنے اسلاف میں سے اپنا ایک مورث اعلیٰ اور ایک مرکزی شخصیت مقرر کرنے کا سوال پیش آیا ۔

ایک ایسی قوم جو سینکڑوں سال سے جلا وطنی قید و بند اور دربدر

منتشر حالت میں ٹھوکریں کھا رہی تھی - انھیں باقاعدہ اپنے شجرہ ھائے نسب کا کیا علم ہو سکتا تھا - یہ ان کا ایک کارنامہ عظیم ہے۔ کہ وہ تنظیم نو کے تحت ایک ہی نام پر اکٹھا ہونے پر آمادہ ہوئے۔اسکی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے قریب ہو گئے، ناآشنائی ختم ہوئی، محبت نے جنم لیا اور اپنی معاشی ترقی اور اقتصادی تحفظ کے لئے بیک آواز کمر بستہ ہو گئے - جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لوگ خراسان اور وادی دریائے سندھ کے علاقوں میں جہاں سے بہت ہی کس مپرسی کی حالت میں نکل جانے پر مجبور کئے گئے تھے - اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخرو کیا - اور اسلام کی برکت اور یکجہتی کی بدولت انہوں نے وہ علاقے واپس لے لئے - ہندؤوں کو وہاں سے نکال کر قابض ہوئے اور پنجاب و ہندوستان بلکہ بنگال و مدراس پر سینکڑوں سال حکومت کی - ان میں بڑے بڑے اولیا' علما' اور مشائخ پیدا ہوئے - جنھوں نے تمام ہندوستان میں اسلام کو پھیلایا - اور دین اسلام کی پوری خدمت کی - اور ان کے مزارات اب بھی جگہ بجگہ زائرین کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں -

کہتے ہیں کہ کافی غور و خوض کے بعد باہمی صلاح و مشورہ سے سب نے بیک آواز قیس کو اپنا مورث اعلیٰ مقرر کیا اور وہیں سے ان کے شجرہ ہائے نسب کی بنیاد پڑی - اس سے اتفاق و مضبوطی پیدا ہوئی اور اسے خاندانی علم قرار دیا -

دوسری جانب مسلمانان عرب نے ہندو، آریہ اور بدھ مت کو جنگی چھیڑ چھاڑ سے کافی کمزور کر دیا تھا - وہ ان پر لشکر کشی کرتے اور فتح حاصل کر کے ان کو اپنا باجگزار بنا لیتے تھے - کچھ مدت بعد پھر بغاوت ہوتی اور وہ لشکر کشی کر کے پھر ان پر فتح حاصل کر لیتے یہ سلسلہ جاری رہا -

ادھر افغانوں کو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور مشرق جانب توجہ کی ۔ اور میدانی علاقہ میں اپنی نوآبادیات قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ غوریوں کی ریاست مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی ۔ کچھ عرصہ بعد شیخ حمید لودی افغان جو لوری خاندان سے تعلق رکھتا تھا برسر اقتدار آیا ۔ اور اس نے ہندوؤں کا مقابلہ کیا چنانچہ غیر افغان مورخین فرشتہ اور ٹاڈ راجستان یہ حالات یوں بیان کرتے ہیں :۔

''حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ بن عامر کی سر کردگی سے ۳۱ ھ میں کرمان کی طرف سے اور احنف بن قیس نے سیستان اور قوہستان وغیرہ اور نیشاپور پر قبضہ کیا ۔ ان لوگوں (افغانوں) نے مسلمانوں سے موافقت کی ۔ نیز ہرات ، بادغیس ، غور ، غرجستان ، مروے ، طالقان اور بلخ بھی مسلمانوں کے تصرف میں آئے ۔ اور قیس بن ہیشم خراسان میں اور احنف بن قیس مروے ، طالقان اور نیشاپور میں اور خالد بن عبداللہ ہرات ، غور اور غرجستان میں والی ہوئے ۔ خالد بن عبداللہ معزولی کے بعد افغانوں کے ساتھ کوہ سلیمان میں متوطن ہوئے تھے ۔ اور اپنی بیٹی ایک معتبر افغان کو جو شرف اسلام سے مشرف ہوا تھا ، نکاح میں دیلی تھی ۔ القصہ قوم افغانان کا گروہ زراعت اور تحصیل فائدہ معاش میں مشغول ہوا ۔ اور اسلام کے سبب امن و سکون نصیب ہوا ۔ گائے ، گھوڑے ، بکری وغیرہ ہر چیز بڑھ گئی ۔ اور جو اہل اسلام محمد بن قاسم کے ساتھ آ کر ملتان میں متوطن ہوئے تھے ۔ ان سے رابطہ آشنائی رفت و آمد و تعلق بنایا جب ان کی طاقت مزید بڑھ گئی ۔ اور افغان کی اولاد کثرت سے بڑھ گئی ۔ تو ۱۴۳ ھ میں قوہستان اور غرجستان وغیرہ اپنے علاقوں سے نکل کر ہندوؤں کے مقبوضات کے تصرف پر کمر باندھی ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ بعد میں لاہور کے راجہ نے افغانوں پر لشکر کشی کی ۔

جو برہمن ہندو کے پال خاندان سے تھا ۔ اور اس کا نام جے پال تھا ۔ اس ضمن میں راجہ جے پال کا ذکر آیا تو مناسب ہے کہ چند لفظوں میں تعارف کرا دیا جائے ۔ اس کے باپ کا نام است پال (ست پال) تھا اور بیٹے کا نام انند پال ۔

مشرق میں کشمیر سے ملتان تک اور شمال مغرب میں چترال اور لمغان سے کوہ سلیمان تک خود مختار حکمران تھا بلکہ کابل و قندھار بھی اس کے زیر اثر تھے اور بہت سے ہندو رائے اور راجے اس کے حکم بردار تھے ۔ دارالحکومت لاہور تھا جو پشاور سے جانب مشرق پچاس میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ سے جانب مغرب واقع تھا اور راجہ کے رہائشی مکانات اور قلعہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ہند (وے ہند ۔ ہنڈ) کے مقام پر تھا جو دریائے سندھ پر قلعہ اٹک سے سولہ میل شمال کی طرف واقع تھا اور ہند سے جانب شمال مغرب چھ میل کے فاصلہ پر دارالحکومت لاہور واقع تھا ۔ ان دونوں مقامات کے درمیان ایک بڑا شہر ,, اریانا ،، آباد تھا ۔ یہ تینوں ایک دوسرے سے ایسے لگے ہوئے تھے کہ ایک شہر دکھائی دے رہا تھا ۔ مقامات مذکورہ کے اب تک یہاں نہ صرف آثار موجود ہیں بلکہ یہ اس وقت بھی سکونتی قصبے ہیں جن پر قبیلہ اباخیل یوسف زئی ساکنان و قابضان ہیں اور انہی پرانے ناموں سے یہ اب بھی موسوم ہیں ۔

واضح رہے کہ اس زمانے میں پنجاب کا لاہور نہ تھا بلکہ اس وقت پنجاب کا مرکزی مقام سیالکوٹ تھا ۔ پنجاب کا لاہور بعد میں ایک چھوٹے سے گاؤں دریائے راوی کے کنارے ,, کوھار ،، نے لاہور کے نام سے شہرت پائی ۔ یہ بھی معلوم رہے کہ یہاں ہند۔و لاہور کے قرب و جوار میں کالنجر ۔ کانگڑ ۔ نگرائی (نگرکوٹ) ۔ بھڑوچ ۔ ٹانڈہ مہابن ۔ ڈیلور (ڈیلی) گوپائی ۔ اجمیر ، متھرا وغیرہ شہروں کے آثار

قدیمہ انہی ناموں سے موسوم اور ویران موجود ہیں ۔ لہذا جب بھی لاہور کا ذکر سامنے آئے تو احتیاط سے کام لینا چاہئے ۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ دسمبر ۱۹۵۹ء کی بات ہے ۔ سلطان محمود غزنوی کے غلام ایاز کی قبر نواں کلی ترلاندی اور کالو خان کے درمیان صوابی مردان سڑک کے جنوبی کنارے پر ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے ۔ اور یہ مقام لاہور سے پندرہ میل شمال کی طرف ہے۔ ایاز کی قبر عوام میں مشہور ہونے کے علاوہ ایک قلمی نسخہ میں جو اس زمانے کے ایک ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو خود اس موقع پر موجود تھا ۔ سلطان غزنوی اور جےپال کی جنگوں کا ذکر با تفصیل موجود ہے ۔ لکھا ہے کہ جنگ بھڑوچ سدوم (ضلع مردان) میں فتح پانے کے بعد سلطان نے وہاں مرکز بنایا جہاں ایاز کی قبر موجود ہے اور یہیں ایاز اپنی طبعی موت مرا ۔ اور موضع ترلاندی سے شمال میں عام راستے کے کنارے اونچی جگہ پر دفن کیا گیا ۔

یہ قلمی کتاب جناب عبدالقادر استاد کے پاس موجود تھی ۔ یہ شمس‌الدین ماسٹر کے بڑے بھائی اور موضع حمزہ کوٹ تہہ سدوم ضلع مردان علاقہ پشاور کے رہنے والے ہیں ۔ اور میں نے خود اپنی تسلی کے لئے حمزہ کوٹ جاکر عبدالقادر استاد سے ملاقات کی اور ہر قسم کا اطمینان اس بارے میں حاصل کر لیا ۔ اس کے بعد میں نے یہ تمام حالات اللہ بخش یوسفی مرحوم کو بھیج دئے تھے جو انہوں نے اپنی تاریخ یوسف زئی افغان میں درج کئے ۔ کچھ عرصہ بعد مجھے یوسفی صاحب مرحوم کا کراچی سے خط ملا جس میں کافی پریشانی کے ساتھ لکھا تھا کہ ایاز کی قبر تو لاہور (پنجاب) کے رنگ محل میں موجود ہے اور ایک پارٹی اس پر فلم بنا رہی ہے وغیرہ ۔ میں نے پھر

سے اپنی مزید تسلی کرائی اور ایک دوست سردار خان سوضع نتوبہ کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہوا رنگ محل جا کر ایک خانقاہ میں مسجد اور اس کے صحن میں ایک قبر دیکھی اور اوپر دروازے پر کتبہ یوں لکھا ہوا تھا۔ ، ملک ایاز غلام سلطان محمود غزنوی ، اندر جا کر زیارت کی۔ باہر اسی خانقاہ کی کچھ دکانیں ہیں انہیں میں دروازے سے شمال کی طرف متصل ایک صراف کی دکان تھی۔ میں نے اور میرے ساتھی نے دکاندار کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھنا شروع کیا۔ کہ بھائی یہ کتبہ کیسا لکھا گیا ہے اور یہ قبر کس کی ہے ؟ اس نے تعجب سے کہا جب تم نے کتبہ پڑھ لیا تو پوچھنے کی کیا بات ہے ؟ میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ کتبہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی اور ایاز کے وقت میں یہ لاہور تو پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور انہوں نے تو اس لاہور کو دیکھا ہی نہیں تو ایاز یہاں کیسے پہنچا اور اس کی قبر یہاں کیسے بنی ۔ وہ میری اس بات سے زیادہ خفا ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی خانقاہ کی انجمن کا سکرٹری (ناظم) ہے ۔ میں اس کو نرم کرتا رہا اور سمجھاتا رہا کہ بھائی یہاں ملک ایاز ایک گورنر گزرا ہے جو آپ کے موجودہ گورنر امیر محمد خان جیسا زبردست اور سخت آدمی تھا۔ رضیہ سلطانہ اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ایک وفد ساتھ لے کر دھلی سے لاہور آئی تھی اور وہ بڑی منت سماجت سے راضی ہوا تھا اور رضیہ نے لاہور کے علاوہ ملتان کی گورنری بھی اس کے حوالہ کی تھی اور یہ نیک اور بزرگ شخص تھا۔ مختصراً یہ کہ میں نے ملک ایاز کی بہت تعریفیں کیں ۔ بات راست آئی اور ہم کو دکان میں بیٹھنے کے لئے کہا اور چائے منگوائی پھر قصہ یوں شروع کیا میں تعجب سے سنتا رہا ۔ بیان کیا کہ پاکستان بن جانے کے وقت میں فسادات کے دوران میں یہاں ہندوؤں کے اس اونچے

مکان کو گرایا گیا تو اس کے ملبے سے اصل کتبہ گر کر ٹوٹ گیا جس پر صرف "ملک ایاز" لکھا ہوا تھا — سکرٹری نے صاف اقرار کیا اور اس نے یہ تسلیم کیا کہ اصل کتبہ میں غلام ایاز سلطان محمود غزنوی نہ تھا بلکہ ہم نے جب دروازہ دوبارہ بنایا تو میں نے خود از سر نو کتبہ تیار کر کے اس پر اپنے خیال سے اس طرح لکھا۔ کیونکہ میرے خیال میں صرف وہی ایاز تھا جو سلطان محمود غزنوی کا غلام تھا اور ملک ساتھ اس لئے لکھا کہ پہلے کتبہ میں موجود تھا - میں نے التماس کی کہ یہ کتبہ نکال کر وہ اصل کتبہ کی طرح دوسرا لگا دیں ورنہ اس غلط کام سے تو ساری تاریخ غلط ہو جائے گی - اس نے کہا کہ تم ایک خط لکھ کر مجھے دے دو اور میں انجمن کا سکرٹری ہوں اراکین انجمن کا اجلاس بلا کر اس غلطی کا ازالہ کیا جائے گا وہاں سے واپس آ کر یوسفی صاحب کو کراچی خط روانہ کیا کچھ عرصہ بعد جب میں دوبارہ کسی اپنے کام سے لاہور گیا تو رنگ محل جا کر دیکھا کہ وہی غلط کتبہ بدستور لگا ہوا تھا۔ میں نے دکاندار سے ملاقات کی اس نے خاطر مدارات کی اور معذرت ظاہر کر کے کہا کہ حکومت پاکستان نے اس خانقاہ کو محکمہ اوقاف کے حوالہ کیا ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا اور یہ جرم جو میں نے کیا ہے اس پر سخت نادم ہوں"۔ مجھے بھی انتہائی افسوس ہوا ہم نے وہاں سے اٹھ کر محکمہ اوقاف کے دفتروں میں جا کر دوڑ دھوپ اور کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ہمارا مذاق اڑایا گیا۔ اس قسم کی غلطیوں سے بعض اوقات سمجھدار لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ لاہور اور جے پال کے سلسلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب ابو ریحان البیرونی کی تحریر جو انند پال کے خط کے بارے میں ہے، نیز اس خاندان کا تعارف کرا دوں۔

"منجملہ ان راجگان (کوشانی) کے ایک کنک (کنشک) جس کی طرف برشاور (پشاور) کی بہار یعنی بدھ مت کی خانقاہ منسوب ہے اور کنک چیت کہلاتی ہے ۔ اس سلسلے کا آخری راجہ لگتور مان (ساکا) تھا ۔ اس کے وزیر کی جو ایک کلر برہمن تھا زمانے نے موافقت کی اور اس کو اتفاقاً اتنے دفینے (خزانے) مل گئے جن سے اس کو بہت مدد ملی اور طاقتور ہو گیا ۔ اسی کے ساتھ دولت نے اس کے آقا سے منہ پھیرا اس لئے کہ زمانہ قدیم سے اس کے گھر میں (یہ تحریک) چلی آتی تھی ۔ راجہ لگتور مان کے اخلاق و عادات بگڑ گئے اور وہ برے کام کرنے لگا ۔ وزیر کے پاس اس کی بہت سی شکائتیں پہنچیں اور اس نے سزا کے لئے راجہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا پھر برہمن وزیر کو خود اپنی بادشاہت کا مزا ملا ۔ اس کا ذریعہ یعنی مال اس کے پاس موجود تھا وہ ملک (سلطنت) پر قابض ہو گیا ۔

اس کے بعد برہمنوں نے بادشاہت کی (جن میں کلر کے بعد) پہلا راجہ سامندر تھا پھر کمکو ہوا اس کے بعد بھیم راجہ ہوا پھر است پال اس کے بعد جے پال اس کے بعد انند پال پھر (جے پال ثانی) اس کے بعد تروچن پال ہوا جو ۴۱۲ ھ میں قتل کیا گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھیم پال بادشاہ ہوا ۔ اس خاندان کا یہ آخری بادشاہ تھا ۔ اور ان کے مرنے کے بعد ہند (وے ہند = ہنڈ) اور لاہور (الاہوار) یعنی ہندی لاہوری بادشاہت کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔ اور اس خاندان میں کوئی آگ سلگانے والا بھی باقی نہیں رہا ۔ اس خاندان کے لوگ وسعت ملک و دولت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے شریفانہ اخلاق اور احسان و سلوک کرنے کے دلدادہ تھے ۔ ہم کو انند پال کا خط سلطان محمود غزنوی کے نام اس وقت کا جب کہ دونوں کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے ، بہت پسند آیا ۔ اس نے محمود غزنوی کو لکھا تھا کہ " ہم

نے سنا ہے کہ ترکوں نے آپ کے مقابلے میں بغاوت کی ہے اور خراسان میں پھیل گئے ہیں ۔ اگر آپ منظور کریں تو پانچ ہزار سوار اور اس سے دوگنا (دس ہزار) پیادے اور ایک سو ہاتھی کے ساتھ ہم خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اگر فرمائیے تو اپنے بیٹے کو اس سے دوگونہ تعداد کے ساتھ روانہ کریں۔ میری اس پیشکش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم آپ کو اس ذریعہ سے خوش کریں ۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم آپ سے شکست کھا چکے اور یہ نہیں چاہتے کہ آپ پر میرے سوا دوسرا کوئی غالب آجائے" ۔ یہ تو راجہ جے پال اور ان کے خاندان کا بیان اور تعارف ہوا ۔ اب اپنے شروع مضمون کو واپس آتا ہوں ۔ الغرض راجہ جے پال کے ساتھ افغانوں کی جنگ و جدل اور مقابلوں نے کافی شدت اختیار کر لی ۔ اور اس چھیڑ خانی میں کافی عرصہ گزر گیا ۔ اور اخیر میں افغانوں کی قیادت شیخ حمید لودی نے سنبھالی ۔

سخت مقابلہ ہوا اور کئی لڑائیاں ہوئیں ۔ اور اسی طرح پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں پشاور اور کرمان کے درمیان ہوئیں اور افغانوں کی امداد کے لئے دیگر مسلمان آگئے تھے ۔ اور لاہور کے راجہ نے بھی کافی زور لگایا تھا ۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑوں کی گکڑ قوم سے جو اس وقت کافر تھی راجہ لاہور کی مخالفت پیدا ہو گئی اور گکڑ کافروں نے قرب و جوار کے سبب سے افغانوں کی مخالفت چھوڑ دی ۔ راجہ نے افغانوں سے صلح کی ۔ اور چند مواضعات افغانوں کے لئے چھوڑ دئے ۔ اور افغانوں نے کوہستان پشاور میں ایک حصار تیار کر کے خیبر نام رکھا تا کہ سامانی الپتگین و سبکتگین کے حملوں سے راستہ محفوظ رہے۔ افغان ولایت یعنی سلسلہ کوہ سلیمان پر مسلط ہوئے ۔ اور ولایت لاہور خیبر کے سبب سے محفوظ رہا ۔ راجہ جے پال نے بھاٹیہ (قوم بھٹی) کے راجہ سے جو جے پال کے ماتحت تھا ۔ مشورہ کر کے یہ طے کیا

کہ شیخ حمید کی جو کہ افغانوں کے درمیان صاحب اقتدار شخص ہے۔ امارت تسلیم کرلی جائے ۔ چنانچہ شیخ حمید نے ولایت لمغان اور ملتان کے نظم و نسق کو اپنے ذمہ لے لیا ۔ اور ہر علاقہ مذکور میں اپنی طرف سے حاکم مقسرر کئے ۔ اس تاریخ سے افغانوں نے مسند امارت پر قدم رکھا ۔ اور صاحب جاہ و اقتدار ہوگئے ۔ کافی عرصہ گزرا خیبر سے مغرب کی طرف حکومت کی تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔ حتی کہ حکومت غزنی کی وراثت ساسانی الپتگین کو پہنچی ۔ سبکتگین اس کا سپہ سالار تھا اور اکثر اوقات لمغان اور دیگر افغان مقبوضات پر تاخت لاکر لوگوں کو اسیر کرتا تھا اور تباہی مچا کر افغانوں کو تنگ کرتا تھا ۔ جب الپتگین فوت ہوا ۔ اور سبکتگین اس کا قائم مقام ہوا ۔ اور شیخ حمید نے اختلافات میں صلاح و فلاح نہ دیکھی تو اس کو پیغام دیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اسلام کی شرکت کے سبب سے نہایت یک جہتی ہے اور کافروں کے مقابلے میں ایکجان ہونا بہتر ہے ۔ سبکتگین نے شیخ حمید کی تجویز کو پسند کر کے منظور کیا - اور جے پال کی شکست کے بعد ہمدردی تمام سے پیش آیا ۔ اور ملتان کی جاگیر شیخ حمید کے نام مقرر رکھی اور بحال سابق رہنے دینے کا وعدہ کیا۔ افغانوں اور سبکتگین کے درمیان تعلقات معمول پر آئے اور اچھے رہے ۔ شیخ حمید کے بعد اس کا لڑکا نصیر ملتان میں حکمران رہا ۔ اور نصیر کے بعد اس کا لڑکا ابوالفتح داؤد ملتان کا حکمران ہوا ۔ اور ملتان میں بکثرت افغان آباد ہوگئے تھے ۔ سلطان محمود نے اپنے باپ سبکتگین کے خلاف عمل کیا اور افغانوں کے قبائل کو مقہور اور معزول کر کے ان میں سے سرکشوں (بہادروں) کو تیغ کے گھاٹ اتارا ۔

سلطان محمود کے زمانے میں افغانوں کی کاروائیاں تاریخ کے صفحوں پر زیادہ تر نمایاں ہونے لگی تھیں ۔ مشرقی مصنف لکھتے ہیں کہ

گو اس سلطان کو ان لوگوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں کرنے کے مواقعے پیش آتے رہے ۔ تا ہم یہ ان کی فوجی خدمات کی بہت قدر کرتا تھا ۔ چنانچہ ہندوستان کی فتوحات کا بڑا حصہ ان لوگوں (افغانوں) کی شجاعت و جوانمردی کے باعث اس کو نصیب ہوا تھا ۔

شیخ حمید کے ابتدائی دور میں افغان قوم کو پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقے پر قبضہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا ۔ لیکن محمود غزنوی کی مداخلت کے سبب اس کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی پھر غوریوں کے وقت میں انہیں پہاڑوں سے نکلنے کا دوبارہ موقع ملا اور وہ اپنے اپنے سامنے والے علاقے پر قابض ہوگئے ۔ خاشی قبائل اور غوریا خیل کوہ قفص سے اتر کر غوریا خیل ، ارگنداب ، ترنک ، مقر اور قرہ باغ پر قابض ہوگئے ۔ جو قندہار سے جنوب مغرب کے کونے پر واقع ہے ۔ اور زمن (زمند) قبائل زمنیداور پر قابض ہوگئے ۔ خاشی قبائل دریائے نیشک پر جس کا بعد میں نام بھی دریائے خاشی ہوا قابض ہوگئے ۔ یہ علاقہ بھی لیشکے کا علاقہ کہلاتا تھا ۔ اور اس کا صدر مقام گڑکو یہ تھا ۔ شمال کی جانب گگیانی ترکانی اور جنوب کی طرف جہاں دونوں دریاؤں کا دوآبہ ہے ۔ اور علاقہ نوشکی کے نام سے مشہور ہے اس پر یوسفزئی قابض ہوگئے ۔

کوہ قفص کی تشریح یوں ہے کہ قفص کے معنی ہیں قید خانہ یا پنجرہ ۔ قیدخانہ اس لئے تھا کہ یہ لوگ قید کی صورت میں دنیا سے الگ تھلگ سینکڑوں سال رہے ۔ ادھر ادھر جانا ان کے لئے محال تھا ۔ پنجرہ اس لئے کہ جس طرح پنجرہ میں کوئی پرندہ بند کر دیا جائے ۔ تو وہ موذی جانوروں کے استیصال سے بچ جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے جیسے وہ قید و بند میں رہے اس کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی رہے ۔

جغرافیہ خلافت مشرقی، خاش اور گڑکویہ کی تشریح یوں کرتا ہے :-

''دریائے خاش علاقہ غور کے پہاڑوں سے نکل کر دریائے فرہ اور ہلمند کے

بیچ سے گزرتا ہوا جہیل زرہ میں گرتا ہے ابن ہوکل نے اس دریا کا نام نہر نیشک لکھا ہے نیشک اس معمور مقام کا نام تھا ۔ جو زرنج کے بالکل مشرق میں واقع تھا ۔ خواش اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر تھا ۔ اور یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں ۔ وہ علاقہ جو دریائے خاش کے کناروں سے ملا چلا گیا تھا ۔ علاقہ نیشک کہلاتا تھا ۔ نیشک کے علاقہ کا بڑا شہر گڑکویہ تھا یہ شہر زرنج سے شمال میں ایک منزل پر تھا ۔ زرنج کے شمالی دروازے کا نام اسی شہر کے نام پر باب گڑکویہ (کاڑکے) تھا اور یہ علاقہ بہت زرخیز تھا ۔

لرغونی سری بختنی
چہ دہ یوسفزو وو کوم ملکونہ
ملک ئے نشکے ۔ مینہ ئے کاڑکے
غوریا خیل کا تراوسہ پیغورونہ

یہ وہی مقام اور علاقہ ہے جہاں سے یوسف زئی اور ان کے متعلقین کابل کی طرف چلے گئے تھے ۔

افسوس کہ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ یوسف زئی اور ان کے قریبی قبائل کے اجداد قنص کے پہاڑوں میں کب اور کہاں سے آئے تھے کہاں سے میری مراد سر زمین ایران ماوراء النہر (جیحون پار) خراسان ، زابلستان اور وادی دریائے سندھ ہے البتہ میرا یہ قیاس ہے اور زیادہ ان لوگوں کی روایت بھی ہے کہ ان لوگوں نے بخت نصر کے ہاتھوں جلا وطنی کے بعد مرحلہ میں جو شمالی ایران کے علاقہ آذر بائیجان میں واقع تھا ، منتقل ہوکر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں صدیاں گزاریں اور خوش تھے لیکن عرصہ دراز کے بعد ایک وقت ایسا آیا ہوگا کہ ان کو مجبوراً یہ علاقہ چھوڑنا پڑا اور اپنے خویش و اقارب سمیت مشرق کی جانب کوچ کر کے دریائے سیحون کے جنوب میں

فرغانہ کے نسیا زبرین میں مقیم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے مسکن مراغہ کی نسبت سے یہاں ایک چھوٹا سا شہر مرغینان کے نام سے مشہور ہوا۔ یعنی مراغہ کے لوگ، مرغینان کے بارے میں جغرافیہ خلافت مشرقی لکھتا ہے '' صوبہ فرغانہ کا وہ حصہ جو دریائے سیحون کے جنوب میں تھا علاقہ نسیا یا نسائیہ کہلاتا تھا۔ اس کا کچھ حصہ بلند تھا اور کچھ نیچا، اور اسی لحاظ سے ایک حصہ کو نسائیہ بلند اور دوسرے کو نسائیہ پست کہتے تھے۔ نسائیہ بلند، پہاڑیوں میں واقع تھا جس میں خوقند یا خواکند کا شہر تھا اور نسائیہ پست میں مرغینان کا چھوٹا سا شہر تھا ''۔ قیاس غالب ہے کہ خشی قبائل کے علاوہ بتایا کند اور زمند قبائل بھی شمالی ایران سے ادھر آنے والوں میں تھے۔ کاسی قبائل تو پہلے سے یہاں آباد تھے لہذا یہ نو وارد بھی اپنے ہم نسل لوگوں کے پاس جگہ بہ جگہ آباد ہو گئے ہوں گے۔ واضح رہے کہ دونوں دریاؤں سیحون و جیحون جو اسرائیلی رکھے ہوئے نام ہیں، کے درمیانی علاقہ میں انہیں افغان قبائل کے ناموں سے پہاڑ، دریا شہر اور دیہات موسوم ہوئے مثلاً نہر کاسان، زامین (زمند) کا بڑا شہر کاسی غر (کاشغر) کش کا شہر۔ کسانیہ یا کشانی جو صوبہ سغد کا سب سے زیادہ آباد شہر تھا۔ شاؤغر دریائے سیحون کے کنارے واقع تھا اور یہاں قریب متصل ایک مقام کا نام یسی تھا جو حضرت داؤد کے والد یسی کے نام سے موسوم تھا اور یہ مقام شاؤغر کے دامن میں واقع تھا۔ اور یسی شہر سے شمال میں ایک دن کی راہ سوران (یعنی سوری سورانی خاندان) کا ایک بڑا شہر تھا۔ اور اس کے کچھ فاصلہ پر برکی شہر تھا۔ جس میں ارمڑ کی رہائش تھی۔ سیحون کے بائیں ہاتھ خجندہ سے ایک فرسخ جنوب کی طرف ،کند، کی بستی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غوریا خیل کی کسی شاخ کی سکونت تھی۔ اور اس علاقہ میں تون

نام کا ایک شہر بھی تھا ۔ شہر خاشت اور دریائے خواش وغیرہ بہت نشانات ایسے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ وہاں رہ رہے تھے ۔ اخیر میں جب حالات خراب ہوئے ہونگے تو ان لوگوں نے وہاں سے جنوب کی طرف روانہ ہوکر جگہ بہ جگہ عارضی قیام بھی کیا ہوگا اور عرصہ دراز کے بعد غرجستان ، غور ، پشت اور کوہ قفص وغیرہ محفوظ پہاڑوں میں اپنی برادری کے لوگوں کے پاس پہنچے ہونگے۔ واللہ اعلم

الغرض جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔ کہ افغانوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ہندوؤں کو نکال کر دم لیں گے اور اس سلسلہ میں مدتوں سے ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھی ۔ کسی حد تک وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب بھی ہوگئے تھے ۔ اس وقت ان کی قیادت شیخ حمید کے ہاتھ میں تھی ۔ جو ایک بہادر قائد کے علاوہ مدبر رہنما بھی تھا ۔

جن علاقوں پر وہ قابض ہوئے ۔ گرفت مضبوط رکھی ۔ افغانوں کو قندہار کے علاقہ میں بسایا اور ان کی تنظیم کی ۔ شیخ حمید کے بعد اس کے لڑکے نصیر کے وقت میں کوئی نئی فتوحات تو نہ ہو سکیں البتہ اس نے اپنے باپ کے مقبوضات کو قائم رکھا ۔ اس کے بعد نصیر کا لڑکا ابوالفتح داؤد ملتان میں حکمران رہا ۔ اور قندہار غور وغیرہ پر امیر محمد سوری افغان حکمران تھا ۔ ان کے دور حکومت میں سلطان محمود غزنوی نے سر اٹھایا ۔ اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے قبل افغانوں سے چھیڑ چھاڑ ہوئی ۔ جس کے نتیجے میں افغانوں کو ہندوؤں کے انخلا میں رکاوٹ پڑی اس میں کافی عرصہ گزرا ۔ سلطان محمود نے خراسان کا تمام علاقہ فتح کیا دریائے سندھ باجوڑ سب علاقہ اس کے قبضے میں تھا مگر ہندو اپنی اپنی جگہ پر بطور اس کی رعایا کے مسلط رہے ۔ اس وقت افغانوں کے مساکن کے بارے میں کتاب الہند البیرونی

(جلد اول ترجمہ سید اصغر علی انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۰۱ ع صفحہ ۲۷۷ میں) یوں درج ہے -

,, ہندوستان کے پچھم (مغرب) کے پہاڑوں میں مختلف افغانی قبیلے رہتے ہیں جن کا سلسلہ ملک سندھ کے قریب ختم ہوتا ہے ،،

محمد غوری کے دور حکومت میں افغانوں کا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہندو جو اس وقت غور سے جانب مغرب ڈیرہ اسماعیل خان تک اور جانب شمال کل علاقہ خراسان ، باجوڑ ، دیر ، سوات ، وادی دریائے سند گندارا یعنی علاقہ پشاور ، کوہاٹ بنوں میں مسلط تھے ان کو نکال کر ان کی جگہ افغانوں کو بسایا جائے تا کہ پنجاب و ہندوستان پر پیش قدمی کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو اور کمک با آسانی پہنچ سکے ۔ کیونکہ پہلے ہندوؤں نے بہرام غزنوی کی حمایت میں غوریوں سے بمقام غور و غزنی سخت مقابلہ کیا تھا مگر شکست کھائی تھی ۔

چنانچہ اس ارادے کی تکمیل کے زیر نظر غوریوں نے ۵۷۵ ھ میں پشاور کے علاقہ پر قبضہ کیا ۔ اور دو تین جتھے اشنغر کے مقام پر جہاں ہندوؤں کا ایک پرانا قلعہ تھا ، لے جا کر بسانے اور نو آبادیات قائم کرنے کا آغاز کیا ۔ اس افتتاح پر کافی خوشیاں منائی گئیں ، چراغاں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگی گئیں کہ رب‌الکریم نے انہیں اپنا ملک واپس دیا ۔ اس سلسلے میں تاریخ خانجہانی و مخزن افغانی میں درج ہے ۔

,, سلطان شہاب‌الدین (محمد غوری) ایں جماعت افغاناں را در کوہستان روہ و کوہ سلیمان و اشنغر و سواد و باجور از حدود کابل تا دریائے نیلاب (سندھ) و از نواحی قندھار تا سرحد ملتان آبادان ساخت ۔ و روہ عبارت است از کوہ مخصوص کہ

ابتدائے طول آں از سواد (سوات) و باجور تا قصبہ سیوی از توابع بھکر ، و با عتبار عرض از حسن ابدال (سرگلہ) تا کابل و قندھار درحدود ایں کوہ واقع است ۔ وکوہ سلیمان وکوہ اشنغر در مابین ایں کوہ است و شہری کہ درکوہستان بعد از در آمدن ایشاں آبادان کردہ شد اشنغر بود ،،

اور اس بارے میں تاریخ شروانی نامہ کے مصنف عباس خان شیروانی لکھتا ہے کہ ۔

،، بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں غزنویوں کے جانشین سلطان شہاب‌الدین محمد غوری نے سیاسی وجوہ اور ملک کے مفاد کی بنا پر قندھار سے لے کر ملتان تک پٹھانوں کو بسایا ۔،،

یہاں سے محمد غوری نے پنجاب کی طرف پیش قدمی کی ۔ اس پیش قدمی اور پشاور کے علاقہ پر قبضہ کے دوران میں ہندو اپنے اپنے مسکنوں سے نکل کر دریائے سندھ عبور کرتے گئے۔ اور اپنے مسکن اور بت وغیرہ جن کو وہ پوجتے تھے۔ بطور یادگار یہیں چھوڑ گئے جو اب تک آثار قدیمہ کی زینت بنے ہوئے ہیں ۔ ان آرین قبائل میں ۳۶ قبیلے وہ تھے جو اپنے آپ کو راجپوت کہتے تھے ۔ اور ۸۵ قبیلے اور تھے جو مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے تھے ۔ ان کے کئی گاؤں اب بھی انہی ناموں سے موسوم ہیں مثلاً بھٹی کوٹ ، بلو گرام ۔ نو گرام ، ڈنڈی کوٹ ، کوہالی ، سنتاپور ، است گرام ، سونی گرام ، متھرا ۔ اجمیر اور ڈیلی وغیرہ وغیرہ ۔

افغانوں کا یہ منصوبہ نہایت کامیاب رہا ۔ اور محمد غوری کے زیر قیادت وہ پنجاب پر قابض ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور آسام بنگال تک جا پہنچے ۔

ٹاڈ راجستان سے جو ہندوؤں کی ایک تاریخ ہے ، کچھ اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں :—

جیسلمیر کے بھٹی قوم کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ زابلستان وغیرہ سے بھاگے ۔ تو اس نے دریائے سندھ پر قوم تک کو مغلوب کر کے ممالک مقبوضہ پر پایہ تسلط جمایا ۔ اور سالباہنپور (سیالکوٹ) کو دارالحکومت بنایا ۔

جٹ قوم کی قدیم تاریخ کا کچھ لب لباب معرض تحریر میں آچکا ہے ۔ اب ہمیں کچھ لکھنا ہے تو یہ کہ جیٹی بزرگ اعظم کا دارالحکومت جیحون پر تھا ۔ اس قوم کے پسماندوں نے اس حکومت اور اپنی قوم کے نام و لقب کو خسرو شاہ (غزنی کا آخری بادشاہ) کے زمانے تک برقرار رکھا ۔ جٹ قوم کی تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ دریائے سندھ کے غربی حصہ سے وارد ہوئی ہے ۔ اور اس کی مورث اعلیٰ جادو قوم تھی جس کی پرانی تاریخوں سے یہ بات متشرح ہے کہ وہ زابلستان وغیرہ سے آئی ہے ۔ خلاف توقع نہیں ۔

ڈیگونگسن مورخ اصل تاریخوں کے حوالہ سے ناقل ہے کہ قوم یوچی المعروف جٹ پانچویں اور چھٹی صدیوں میں پنجاب پر تسلط ہوئی ۔

بزرگان راجپوت نے سکندر کے زمانے میں اس رسم کی پابندی کی کہ وہ اپنی افواج کے آگے آگے بلدیوجی کا بت لئے ہوئے میدان کارزار گرم کرتے تھے ۔ آرین سوانح نگار رقمطراز ہے کہ نرغہ سکندر کے زمانے میں دریائے سندھ کی قومیں بھی جھنڈوں کا استعمال کرتی تھیں ۔ اور جس وقت ماتحتوں کو حکومت دی جاتی تھی تو ایک جھنڈا بھی عطا کیا جاتا تھا جب سکندر نے اقوام سندھ کو مغلوب کیا تو بحیرہ کیسپین کے اقطاع قدیم شاہی خاندان کے پسماندگان میں منقسم کر دیئے جس کی وجہ سےوہ سکندر کے حلقہ اطاعت میں رہے وقت جنگ امداد کا عہد و پیمان کیا ۔ سکندر نے مطیع و فرمانروا گروہوں کو اپنے ہاتھ سے جھنڈے دے

کر اسی دستور پر عمل کیا جو ان کے یہاں زمانہ قدیم سے رواج پذیر تھا۔

سن ہجری کی پہلی صدی میں مسلمانوں نے راجپوتوں پر خونخوار حملہ کیا۔ حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہندو فوج مکران پر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی کے بعد کوہ پامیر سے روشنی پھیلتے پھیلتے اس سر زمین پر پھیل گئی جو دریائے گنگا و جمنا پر آباد و معمور تھی جس کے سینکڑوں برس بعد یدہشٹر کے اورنگ حکومت پر شاہان اسلام نے قدم رکھا۔

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ راجپوت قوم کی اکثر شاخیں ایشیا کے قطعہ بلند اور جیحون و سیحون کے کناروں ہی سے نقل مکانی کر کے راجپوتانہ میں سر سبز و شاداب ہوئی ہیں۔

سیتھیا (سیتھین) قوم کے بہادر سلطنت پارتھیا کی اس نو آبادی کے باشندے تھے جن کی حکومت دوسری صدی عیسوی میں دریائے سندھ پر واقع تھی۔

آرین مورخ دوسری صدی عیسوی میں گزرا ہے لکھتا ہے کہ سفید رنگ کے ہن لوگ اپنے تاجدار وقت گولاس کے لشکر میں شامل تھے اور یہ وہ فرمانروا تھا جس کی حکومت دریائے سندھ کے ساحل پر واقع تھی۔ کیرلی گڑھ کی سیہات قوم ایک شمالی قوم ہے۔ جس کی سکونت دریائے سندھ کے اطراف میں تھی۔ گو مورخین حال اس کے حالات سے بالکل لا علم ہیں مگر بتھی قوم کی قدیم تاریخ میں ان مقبوضات کا بارہا ذکر ہے جو انہوں نے دریائے ہیفس کے دونوں ساحلوں پر وسیع کئے تھے۔ چونکہ قوم بھٹی اور سیہات کے باہمی تعلقات شادی کا بالتواتر تذکرہ دیکھا گیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ وہ بھی راجپوت ہی ہوں گے۔ اس قوم کی سکونت سوات میں تھی جو صوبہ

اشنغر کی ایک قسمت ہے اور جہاں سکندر کے عہد کی قوم اساکانی بود و باش رکھتی تھی ۔ قوم سیہات بھی جس نے کمان والے چتوڑ کی اعانت کی تھی غالباً اس اساکانی فرقے ہی کی ایک شاخ ہے ۔ جس نے سکندر سے مقابلہ کیا تھا ۔ اس اساکانی قوم کی بود و باش کوہ جوت سے دریائے سندھ تک تھی ۔

۷۲۹ ع میں جب قوم بھٹی کا فرمانروا راوتنو حسین شاہ (غوری سے) شکست کھا کر دریائے ستلج کے پار فرار ہوا تھا تو اس لشکر میں سیہات ، بارہہ ، جودی ، جوتیا اور بوٹا قوم کے سپاہی شامل تھے ۔

قوم بھٹی نے زابلستان سے خارج البلد ہوئے پر پنجاب کو یکے بعد دیگرے اپنا دارالقرار بنایا ۔

چنانچہ راجپوتوں اور سکنڈے نیویا کی قدیم اقوام کے طریقہ سے دریائے آکس جیحون کی قوم جیٹی کے اصول و رسوم کی مشابہت اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا سر چشمہ ایک ہی ہے اور ان کا تعلق سیتھیا سے ہے جہاں تہذیب کی بنیاد پڑی تھی ۔ اقوام قدیم آسی ویٹ عرف جاٹ کا اسہالہ کے مندر میں تہور کے اسپ سفید سے فال لینی کرنا مذہبی خیالات کی مطابقت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔ اور ان کی اولاد اب بھی آواز اسپ سے اچھے برے شگون لیتی ہے ۔

فرقوں کے نام کہیتھی ۔ راجپالی ، موسلا ، سریاسپا ۔ اسواریہ مدبینا کر، کیمیری سلارا وہیما وغیرہ۔

اپنے مندروں کا ذکر کرتے ہوئے کہ افسوس اب ان پتھروں سے قدیم حالات دریافت نہیں ہو سکتے وجہ یہ کہ تمام منقوش پتھر ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں اور انہیں پتھروں سے اولاد اسمعیل یعنی پہاڑی پٹھانوں نے چولھوں کا کام لیا ہے ۔''

مرہٹہ یا قوم گوجر کے متعلق ابوظفر مولف تاریخ گجرات اور

ڈاکٹر بھگوان لال کے تاثرات : پانچویں صدی عیسوی میں گوجر قوم ہندوستان آئی ۔ دراصل یہ قوم کوہستان یعنی پہاڑوں کی رہنے والی ہے جو مملکت ایران کے دریائے سندھ کے مغربی پہاڑوں سے بحالت مجبوری نکل کر پہلے پنجاب پر قابض رہی اور بعد میں راجپوتانہ ، مارواڑ ، مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پونہ اور دکن کے دوسرے علاقوں میں اپنی زبردست سلطنت قائم کی۔ جنوبی مغربی ہند کی راجدہانیاں بھلمان، اجین ، ولبھی پور ، اور کلیانی تھیں ۵۰۰ع میں بودھوں اور برہمنوں کے درمیان سخت جنگ شروع تھی ان دونوں نے گوجر فاتحوں کو اپنے میں جذب کرنا چاہا مگر یہ فاتح بدھ مذہب کے قائل نہ تھے۔ برہمنوں نے اپنے مذہب میں ان کو شامل کر لیا ۔ اگنی دیوتا سے آبو پہاڑ پر پوتر (پاک) کیا پھر ان کو راجپوت کا لقب دے کر ان کی ذات بنا دی ۔ اس سے ہندو قوم کو یہ فائدہ ہوا کہ ان فاتح اور حکمرانوں کے ذریعہ بدھ مذہب کو ہند سے نکال کر پھر اپنے برہمن مذہب کا پرچار کیا اور اس کو بر سر عروج لائے۔ ابتدا میں مالوہ ان کا مرکز تھا پھر خاص گجرات میں ان کی راجدہانی نادوت اور بھروچ رہی ۔ دود (ڈوڈ) اور جے بھٹ ان کے زبردست بادشاہ گزرے ہیں ۔ ان کی باسٹھ ذاتیں ہیں لیکن چار ذاتیں بڑی مشہور ہیں : چالوکیہ، پارمار ، (پرمار) چوہان ، پری ہار ۔ بہرحال جب گوجر قوم ہندوستان فتح کر کے آبو ہوتی ہوئی اس ملک میں آئی تو انہوں نے اپنے جنوبی مقبوضات کے تین حصے کئے ۔ سب سے بڑے حصہ کا نام مہاراٹھ اور دوسرے کا گوجرراٹھ اور تیسرے کا سوراٹھ رکھا ۔ جس کو آج کل (علی الترتیب) مہاراشٹر یعنی مرہٹہ دیس ، گجرات اور سورٹھ (سورت) کاٹھیاواڑ بولتے ہیں ۔ ۸۰۰ع کے مسلمان اس کو جزر بولتے تھے جو گوجر کا معرب ہے اور گجر مخفف ہے گوجر کا ۔ پھر ہندوستان کے افغان فاتحوں نے گوجرراٹھ سے گجرات بنا دیا اور یہی نام اس وقت معروف و مشہور ہے ۔

افغانوں کی نسل

واضح ہو کہ سابقہ ہندو مورخین جو اس آخر زمانہ کی گندی سیاست سے پاک تھے ، بڑی بے باکی اور سچائی سے اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ افغان سامی الاصل ، نسل ابراہیمی اور علیحدہ مستقل قوم ہے ۔ صفائی اور دلاوری سے یہ بھی مانتے ہیں کہ دریائے سندھ کے مغربی علاقوں سے ان کا مکمل اخراج ہوا اور مشرق کی طرف ہندوستان آئے ۔ البتہ اپنے مندروں کے منقوش پتھروں پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "انہی پتھروں سے اولاد اسمعیل یعنی پہاڑی پٹھانوں نے چولھوں کا کام لیا ہے ۔"

اس سلسلے میں ایک اور ہندو مورخ لالہ ہتورام مولف تاریخ بلوچستان نے قوم افغان کے اس نظریہ کی تائید کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں ، مولف نے افغانوں کے حالات لکھنے کے علاوہ ان کے شجرہ ہائے نسب بھی اپنی کتاب میں درج کئے ہیں جن کا سلسلہ نسب حضرت یعقوب[ؑ] تک پہنچایا ہے ۔ اور آخر میں اس بحث کی وضاحت میں لکھتا ہے کہ ۔" پرانے نشانات سے پایا جاتا ہے کہ اس ملک پر کسی زمانہ میں اقوام یہودی یا ایسی قوم رہ چکی ہے جو نہ ہندو تھی نہ مسلمان تھی ۔ ان کے قبرستان اور تحریر برسنگ ہائے قبرستان وغیرہ نشانات ایسے ہیں جو موجودہ زمانے کے مذاہب و رواج سے بالکل الگ ہیں ۔"

افسوس کہ مولف نے مقام کی نشاندہی نہیں کی ہے ورنہ میں خود اس تحقیق کے لئے جاتا ۔ معلوم رہے سندھ اور بلوچستان میں شام کے قدیم نام جہاں بنی اسرائیل آباد تھے مثلاً صہیون سیوئی ، سند ، دبیل ، زوب (زاب) وغیرہ سے بھی اقوام یہود کی قدیم رہائش گاہیں یہاں یقینی معلوم ہوتی ہیں اور یہ نام ان قبروں کے متعلق مولف کے بیان کو صحیح

قرار دینے کے لئے کافی وزن رکھتے ہیں اور زوب سے شمال کی طرف بنوں کے قریب کرم اور کرک بھی مشہور اسرائیلی نام ہیں -

پہاڑی پٹھان

ایک سیاح مسمی بنیمین جو تطیلہ کا رہنے والا ہسپانوی یہودی تھا اور اس کو تاریخی حقائق کا زیادہ اندازہ تھا ، قریب قریب ۱۱۳۵ عیسوی میں علاقہ جات ،پشت ، غرجستان ، قوہستان ، غور ، وغیرہ میں ان پہاڑی پٹھانوں کے پاس (جو یہاں رہتے تھے) آیا تھا اور کافی وقت گزارنے اور تحقیق کے بعد اس نے لکھا کہ " نیشا پور یعنی مشرقی ایران کے پہاڑوں میں جو یہودی (لوگ) رہتے ہیں وہ ابتدائی جلاوطنوں کی اولاد ہیں "

بنیمین کا مقصد یہودی سے مراد نسل یہودا اور عبرانی قوم ہے نہ کہ مذہب یہود - کیونکہ اس وقت جب وہ آیا تھا یہ لوگ مسلمان تھے اور دین محمدی پر قائم ہو چکے تھے اور اپنے آپ کو نسلاً بنی اسرائیل اور جہت دین سے مسلمان کہتے تھے جیسا کہ اجداد سے بہ تواتر چلا آ رہا ہے -

ابتدا میں لفظ یہودی کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودا قبیلے یا یہودا کی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے - پھر یہ لفظ ان عبرانیوں کے لئے بولا جانے لگا جو اسیری سے واپس وطن پہنچ گئے تھے آخر میں پوری عبرانی قوم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا اب اسرائیلی سے مراد وہ شخص ہے جو اسرائیل (یعقوب[ؑ]) کی اولاد میں سے ہو اور اسی بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے ، اعلام القرآن کے مصنف مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ " اسرائیل دوسرا نام حضرت

یعقوبؑ کا ہے آپ کے بارہ فرزندوں سے جو نسل آگے کو چلی ، وہی بنی اسرائیل کہلائی ۔ ایک مذہبی (دینی) نسل کے اعتبار سے تاریخ میں اس کی عظیم الشان اہمیت ہے توحید کی علمبردار بہ بحیثیت ایک قوم و نسل کے بھی ایک مدت تک دنیا میں رہی ہے اور سو دو سو سال تک نہیں ، تقریباً دو ہزار سال تک اس نسل کے اندر انبیاء و مرسلین پیدا ہوتے رہے ، اور دنیاوی عروج بھی ایسے صدیوں تک حاصل رہا ۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ جیسے عظیم الشان بادشاہ اور یوسفؑ جیسے عظیم المرتبت وزیر سلطنت اسی قوم سے اٹھے "۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ بنی اسرائیل یعنی یعقوب کی اولاد مؤحد اور مسلم اور اپنے باپ دادا کے دین پر تھے اس لئے قرآن مجید نے حضرت یعقوبؑ کی زبانی کہا ہے ۔

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت
اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی ط
قالــوا نعبد الھک و الہ آبــائک
ابــراہیـم و اسماعــیل و اســحاق
الھا وا حداً و نحــن لہ مسلمــون

(ترجمہ) " کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آ پہنچا اس نے اپنی اولاد سے کہا ، میرے بعد تم کس کی پرستش کرو گے ؟ انہوں نے جواب دیا ہم تیرے اور تیرے باپ ابراہیم ، اسماعیل ، اور اسحاق کے ایک خدا کی پرستش کریں گے اور ہم تو اسی واحد اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رہیں گے "۔

تاریخ افغانان اور تاریخ خان جہان لودی و مخزن افغانی نے زمانہ قدیم کے ان تمام مشائخ و اولیائے کرام کا ذکر اپنی تصانیف میں بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے

اپنے وقت میں اپنے آپ کو افغان اور قوم افغان کو بنی اسرائیل کہا ہے ۔ اور ابھی تک ان کے گفتار و کردار سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی وقت قوم افغان کے بنی اسرائیل ہونے سے انکار کیا ہو ۔ ذیل میں ہم ان مشائخ و اولیائے کرام کے اسمائے گرامی درج کرتے ہیں :-

۱ خوجہ قطب الدین بختیار کاکی سڑبنی ۲ شیخ خواجہ یحییٰ بختیار سڑبنی
۳ شیخ علی ونکر بختیار ۴ شیخ پائی بے سدانی
۵ شیخ اسمعیل سڑبنی ۶ میر شیرانی
۷ شیخ پیر وتو خویشکی سڑبنی ۸ شیخ متہ کاسی
۹ شیخ ابو سعید سربانی خویشکی سڑبنی ۱۰ شاہ محمود جلوانی
۱۱ شاہ عبد الرحمن بختیار سڑبنی ۱۲ شاہ ابا بکر بختیار سڑبنی
۱۳ شاہ گدا ولد شاہ ابا بکر بختیار سڑبنی ۱۴ شیخ حامد ولد شیخ گدا بختیار سڑبنی
۱۵ شیخ ثابت بڑیس سڑبنی ۱۶ شیخ الیاس بڑیس سڑبنی
۱۷ شیخ مانکی شاہ باز بڑیس سڑبنی ۱۸ شیخ متی خلیل سڑبنی
۱۹ شیخ شہاب بختیار سڑبنی ۲۰ شیخ عارف ترین ابدالی
۲۱ شیخ حسن کاسی ۲۲ شیخ کدو سڑبنی
۲۳ شیخ بدین بختیار سڑبنی ۲۴ شاہ بختیار سڑبنی
۲۵ شیخ ملک خرسیں سڑبنی ۲۶ میاں قاسم خلیل سڑبنی
۲۷ حاجی ککن خویشکی سڑبنی ۲۸ شیخ بتہ بٹنی
۲۹ شیخ احمد لوحانی ۳۰ شیخ عبدالنبی بٹنی
۳۱ ملا خضر بٹنی ۳۲ شیخ احمد مروانی
۳۳ شیخ سلیمان دانا مروانی ۳۴ شیخ ملہی قتال مروانی

۳۵ شیخ صدر جہان سروانی ۳۶ شیخ محمود سروانی
۳۷ شیخ یحییٰ شہید باہی نیازی ۳۸ شیخ خضر سروانی
۳۹ شیخ مچن نیازی ۴۰ شیخ الیاس زمریانی ولد شون بٹنی
۴۱ ملا علی بٹنی ۴۲ شیخ علی سرمست بٹنی
۴۳ شیخ علی سرور لودی ۴۴ شیخ بایزید سروانی
۴۵ حاجی عبداللہ سروانی ۴۶ خواجہ خضر کاکڑ
۴۷ شیخ خدو ولد یونس ناغر ۴۸ شیخ حسن افغان دادی
۴۹ شیخ جمال کاکڑ ۵۰ شیخ ابو اسحاق دادی
۵۰ خواجہ کبیری ترین ۵۲ شیخ ارمیا ترین
۵۳ شیخ بدک ترین ۵۴ شاہ علی ترین
۵۵ شیخ احمد بنی ۵۶ ملک آدم کاکڑ
۵۷ شیخ محمد شون غرغشتی ۵۸ شیخ حمزہ بن ملک آدم کاکڑ
۵۹ شیخ نیکنام دادی ۶۰ شیخ مونا ناغر
۶۱ شیخ عیسیٰ مشوانی

اس سے بعد زمانہ جدید کے چند ایک مشائخ و بزرگان کا حوالہ دینا بھی خارج از بحث نہ ہوگا جو اس بات سے متفق تھے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں ۔

۱- شیخ ملی ۔ جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ ان کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی نے جلی حروف میں کیا ہے ۔ اور کتاب یوسف زئی افغان طبع چہارم ۱۹۷۳ء نے ان کی کارکردگی کو عوام الناس کے سامنے رکھ دیا ہے ۔ انہوں نے افغان قوم کے شجرہ ہائے نسب قوم کے صلاح و مشورہ سے مرتب کئے جس کا سلسلہ حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم تک پہنچتا تھا ۔ اور انہی شجروں پر افغان قوم میں مفتوحہ ملک کو تقسیم کیا گیا ۔ جب انگریز آیا اور اس

علاقہ پر اس نے قبضہ کیا تو ۱۸۷۰ ء میں اس نے ملک کا بند و بست کرنا چاہا تو اس سلسلہ میں قوم کے ہر طبقہ کے معمر اشخاص اور جرگوں سے پوچھ گچھ کی گئی۔ تو انہوں نے وہی شجرے پیش کئے جو شیخ ملی نے مرتب کئے تھے - اور جن پر اس وقت تقریباً چار صدیاں گزر چکی تھیں - تا ہم قوم میں سے کسی شخص نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا بلکہ ہر قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخ نے اس کی تصدیق کی - تاریخ پشاور کا مصنف رقمطراز ہے کہ قوم کے سامنے حکومت کی طرف سے دیگر مرتب کردہ شجرے بھی پیش کئے گئے تھے۔ مگر انہوں نے انکو ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس اپنے شجرے موجود ہیں جو شیخ ملی نے مرتب کئے تھے - ہم انہیں پر عمل پیرا ہوں گے - چنانچہ حکومت نے ان کے شجروں کو تسلیم کیا - اور بندوبست کا کام اسی بنیاد پر مکمل ہوا۔

اس میں خشی (خخی) قبائل اور غوریاخیل کے بیانات اب بھی محفوظ ہیں - اور یہ شجرے اور ان کے مطابق تقسیم اراضی کا ریکارڈ اب بھی محکمہ مال میں ہر تحصیل ہر ضلع میں محفوظ چلا آ رہا ہے -

خشی قبائل اور غوریاخیل کی آئندہ نسلوں کے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ سڑا بنی اسرائیلی ہیں -

ریاستہائے سوات دیر و باجوڑ میں جہاں انگریز نہ پہنچ سکا تھا۔ ان لوگوں نے بھی اسی تقسیم پر اکتفا کیا اور وہی اراضی ان کے قبضہ میں رہی جو انہیں شیخ ملی شجرہ نسب کے مطابق تقسیم میں دے چکے تھے - اور ابھی تک وہ اس تقسیم پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

شیخ ملی نے شجرہ نسب سڑا بنی کا اسرائیل (یعقوب) سے جا ملایا تھا - پھر تقسیم انہوں نے جس طرح کی وہ عین اس کے مطابق تھی جو باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے میدان موآب میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وصیت کی تھی - اور پھر یشوع

بن نون نے اس کو عملی جامہ پہنایا تھا اور حضرت موسیٰؑ کی وصیت کے مطابق ملک تقسیم کر دیا تھا ۔ چونکہ شیخ ملی بھی بنی اسرائیل سے تھے اور ان کو افغان قوم میں ایک بلند مقام حاصل تھا لہذا انہوں نے بھی موسیٰؑ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ملک کو تقسیم کیا ۔ اور مذہبی پیشوایان کو بھی اسی طرح سیریاں دلا دیں ۔

۲ ـ اخوند درویزہ نے اپنی تصنیف تذکرہ میں اس بارے میں ایک سیرحاصل بحث کی ہے اور بڑے دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں ۔ آپ سید علی ترمذی المعروف پیر بابا کے مرید تھے ۔ یہ کتاب ان کے ایماء سے مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں لکھی گئی تھی ، انہوں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا ہے ۔ آپ مدتوں بایزید انصاری کے ساتھ اختلاف سے رہے اور کئی مناظرے و مقابلے کئے۔ بایزید انصاری اور ان کے کئی رفقاء افغان قوم کے بزرگوں میں سے تھے۔ مگر کبھی بھی ان میں اس بات پر اختلاف نہیں ہوا ۔ شجرہ نسب پر انہوں نے نہ برا مانا اور نہ ہی اس سے انکار کیا ۔ اس ضمن میں ان کی خاموشی جبکہ دوسرے ہر پہلو پر وہ مناظرے کرتے تھے ۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس بات سے پورا اتفاق تھا ۔

۳ ـ عبدالرحمن بابا اور خوشحال خان خٹک جو دونوں افغان قوم کے مشاہیر تھے انہوں نے بھی اس نظریے کے ساتھ کہ افغان بنی اسرائیل ہیں اتفاق کیا ہے ۔

۴ ـ شاہ افغانستان امیرعبدالرحمن خان کتاب دبدبہ امیری میں لکھتے ہیں : "میرے بچپن سے اب تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس روز کسی نہ کسی ملک و قوم کی تاریخ میں نے خود نہ پڑھی ہو یا مجھے پڑھ کر نہ سنائی گئی ہو" ـ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

" کل افغان سنی مسلمان ہیں اور موٴرخین افغان کے بیان کے موافق اسرائیل کی نسل سے ہیں ۔ ان کا نام افغان لفظ افغنہ سے مشتق ہے ۔"

اور اپنی سوانح عمری ,, تاج التواریخ ,, میں پھر لکھتے ہیں ۔

,,لہذا چند فقرہ را مختصراً بیان مینمایم تمام اہالے افاغنہ مسلمان سنی مذہب بے باشند و بہ موجب کتب تواریخے افغانستان اینہا اصلاً ازطائفہ بنی اسرائیل می‌باشند و اسم افغان را از لفظ افغانہ گرفتہ اند ۔ چوں نسب بعضے از آنہا بافغانہ کہ سپہ سالار حضرت سلیمان ؑ بود میر سد و نسب بعضے دیگر از آنہا بارسیا پسر شلموئی پیغمبر می رسد ۔"

افغان مشاہیر اپنے آل یعقوب یعنی بنی اسرائیل میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کا نسبتی نام اپنے ناموں کے ساتھ لکھتے چلے آ رہے ہیں ۔ کتاب یوسف زئی افغان اور کتاب آثار سے اس سلسلے میں کچھ مثالیں بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں ۔

شیخ عبدالواحد افغان مزارعانی بلگرامی کے نام سے ایک صوفی عالم گزرے ہیں جنھوں نے "سبع سنابل" کے نام سے ایک کتاب ۹۶۹ھ میں تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنا طریقت کا شجرہ یوں بیان کیا ہے :

عبدالواحد بن ابراہیم افغان بلگرامی از مخدوم شیخ حسین افغان بنی اسرائیلی از شیخ عبدالصمد المعروف بہ شیخ صفی ۔ "

اخوند حافظ محمد شعیب (متوفی ۱۲۳۲ ھ) المعروف بابا جی صاحب تور ڈھیری (ضلع مردان) جو کہ حضرت اخوند حافظ ملا محمد خان ابن ملا دور خان محمد زئی کے مرید تھے ۔ آپ نے مراۃالاولیاء کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ۔

"ایں فقیر حقیر خاک پائے کبیر و صغیر (محمد شعیب)

غفران اللہ تعالیٰ عنہ دست بر دامن گنج انوار و مخزن اسرار، پیشوائے شریعت و رہنمائے حقیقت و مخزن معرفت، بحر عرفان، حافظ قرآن حضرت، محمد، بنی اسرائیلی سڑبنی قدس اللہ سرہ۔ وفات حضرت ایشان در ماہ ربیع الثانی شب پنجشنبہ بیست و ششم ماہ مذکور وقت نماز خفتن سال ہزار و دو صد و شش ھجری (۱۲۰۶ ھ) بود و قبر مبارک درکلہ ڈیر است و آں موضع است از توابع عمر زئی و عمر زئی دہ است از دہ ہائے اشنغر (پشاور)۔

اخوند حافظ ملا محمد خان بن ملا دور خان افغان محمد زئی جو ایک جلیل القدر بزرگ ہونے کے علاوہ محقق، عالم، سربراہ قبیلہ، اور مصنف بھی تھے انہوں نے اپنی تالیفات میں اپنا نام محمد بنی اسرائیلی سڑبنی لکھا ہے۔

قصور مضافات لاہور (پنجاب) میں ایک تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں افاغنہ کی ایک شاخ "خویشگی قبیلہ" زمانہ قدیم سے آباد ہے اس قبیلہ میں ارباب علم و فضل اور امرا و رؤسا ہوئے ہیں اور انہی کے سبب یہ بستی علم و عرفان کا مرکز رہی ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ عبداللہ خویشگی قصوری تھے جو فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے عبدی ان کا تخلص تھا اور کثیر التصانیف مصنف تھے ان کی ایک کتاب اخبارالاولیاء من لسان الاصفیاء (۱۰۷۷ھ) ہے۔ اس میں ایک سو ساٹھ افغان مشائخ کے تراجم ہیں۔ یہ مشائخ اپنے آپ کو افغان اسرائیلی کہتے تھے اور ان میں سے بعض اپنے ناموں کے ساتھ تعارف کے لئے افغان اسرائیلی لکھا بھی کرتے تھے۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اس کے باب چہارم کا عنوان بطور نمونہ پیش کرتا ہوں جس سے مصنف کی کارکردگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عنوان یہ ہے:

" در بیان نسب افغانان و سبب آمدن از بیت المقدس درہند "

اس نے کافی دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ افغان وہی اسرائیلی ہیں جو شام و فلسطین سے جلا وطن ہو کر یہاں مشرق میں آباد ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی مصنف "تاریخ ہزارہ" ایبٹ آباد میرے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "مجھے ذاتی طور پر تاریخ و مذہب سے رغبت ہے اور پٹھان ہونے کی وجہ سے پٹھان قوم کی تاریخ سے بھی خاص انس اور فخر ہے۔ فطری قومی انا اور تاریخ کے واقعات کے مطالعہ سے میں نے ایک نظریہ اپنا لیا ہے، اس قوم کو خدا نے علم سیاست، انداز شجاعت اور سخاوت سے نوازا اور یہی لوازمات حکومت ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل ہیں اور خدا نے ان کو اقوام عالم پر برتری عنایت فرمائی قرآن اس پر شاہد ہے۔"

نواب سر صاحب زادہ عبدالقیوم جن کی فراست کسی سے پوشیدہ نہیں ان کا بھی یہی خیال تھا کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

عبدالسلام خان عمر خیل روہیلہ اپنی تصنیف " نسب افاغنہ " میں اور حافظ رحمت خان روہیلہ اپنی تصنیف " خلاصۃالانساب " میں کافی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ قوم افغان بنی اسرائیل ہیں۔

نواب محمد اکبر خان رئیس یوسف زئی ہوتی، جن کی لائبریری لاثانی حیثیت رکھتی تھی اور نسب کے بارے میں وہ بہت سخت تحقیق کرنے والے شخص تھے اور اس بارے میں کافی معلومات بھی رکھتے تھے ان کا بھی یہی عقیدہ تھا بلکہ کبھی کبھی بھری مجلس میں قسم کھاتے تھے کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

آخر میں حضرت میاں عمر چمکنی کے بیان پر اس باب نسب کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت میاں عمر جو ۱۰۸۵ھ میں سرزمین پنجاب میں دریائے راوی کے کنارے پر واقع قصبہ فرید آباد میں محمد

ابراہیم کے گھر پیدا ہوئے ۔ نسلاً شمال مغربی سرحدی صوبہ کے آزاد علاقہ باجوڑ کے قبیلہ موسی خیل ترکانی سے تعلق رکھتے تھے ۔ فرید آباد میں جب ان کے والد ماجد فوت ہوئے تو وہ اپنے نانا ملک محمد سعید کے ساتھ موضع چمکنی آکر مقیم ہو گئے ۱۱۹۰ ھ میں موضع چمکنی پشاور میں وفات پائی یہیں پر آپ کا مزار ہے ۔ اور اسی مناسبت سے میاں عمر چمکنی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ۔

آپ بہت بڑے عالم ۔ مدبر ۔ مورخ اور مصنف تھے ۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں ۔ اور تمام قوم پختون کے پیر اور قائد مانے جاتے تھے ۔ قوم کی طرف سے ان کو غوث الافغان کا خطاب ملا تھا ۔ قوم اور دین کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے ۔ اور اسی طرح پشتو زبان کی بھی ، یہ ان ہی کی شخصیت اور تدبر تھا کہ ہندوستان میں مرہٹوں کو شکست کھانی پڑی ۔ احمد شاہ ابدالی ان کے بہت معتقد تھے ۔ اور ان کی سلطنت کے مضبوط ہونے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا ۔ انہی کے مشورہ سے احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں پر فوج کشی کی تھی ۔ غوریا خیل اور خشی قبائل کے سرداروں کو معہ ان کے جوانوں کے ، احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل کر کے پانی پت کی لڑائی میں بھجوایا ۔ جس سے احمد شاہ کی فوج کی ہمت اور شجاعت میں اضافہ ہوا ۔ اس کے علاوہ جو یوسف زئی افغان روہیلکھنڈ (ہندوستان) میں تھے ۔ اور ان کی وہاں سلطنت تھی ۔ اور فرمانروا وہاں کے حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ تھے ان کے ساتھ میاں عمر نے رابطہ قائم کیا ۔ اور وہاں سے تقریباً چالیس ہزار افغان نجیب الدولہ کی سرکردگی میں احمد شاہ ابدالی سے آ ملے ۔ اور ان کی فوج میں شامل ہو گئے ۔ مرہٹوں کا بڑا زور تھا ۔ تمام پنجاب اور ہندوستان پر وہ قابض تھے ۔ پانی پت کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا ۔ بڑی خونریز لڑائی

ہوئی ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً تین لاکھ مرہٹے کام آئے اور باقی بھاگ گئے ۔

احمد شاہ ابدالی جب کبھی پشاور آتے تھے تو چمکنی ضرور باریابی کے لئے تشریف لے جاتے تھے ۔ اور ہر اقدام سے پہلے ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے ۔

پانی پت کی فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی افغانوں کی شجاعت کا لوہا مان چکے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے میاں عمر کے مشورہ سے افغان کے نام پر اس علاقے کا نام افغانستان رکھا جسے کبھی خراسان سجستان اور زابلستان کہتے تھے ۔ اور یوں افغانستان معرض وجود میں آیا ۔

اب بھی خدا کے فضل و کرم سے وہ نام موجود ہے اور حکمران بھی افغان ہی ہے مگر افسوس کہ وہ حدود جو احمد شاہ ابدالی قائم کر گئے تھے وہ امیر شیر علی خان اور عبدالرحمن خان شاہ افغانستان کے دور حکومت میں بوجہ باہمی اختلافات کے نہ رہے ۔ شمال کی طرف سے روس اور جنوب مشرق کی طرف انگریزوں نے کچھ علاقوں پر قبضہ کیا ۔ اس پر عبدالرحمن خان نے اپنی کتاب " دبدبہ امیری " میں افسوس کا اظہار کیا ہے ۔

اب یہاں نسب کے بارے میں حضرت میاں عمر صاحب چمکنی کے چند قوال کتاب " یوسف زئی افغان" طبع چہارم ۱۹۷۲ء ضمیمہ نمبر ۱ سے پیش کئے جاتے ہیں :

آپ کی تالیفات میں سے شمائل النبی بر زبان پشتو کو خاص شہرت حاصل رہی ہے ۔ اس کتاب کا وہ قلمی نسخہ جو ۱۱۷۲ ھ کا تحریر کردہ ہے اور اس وقت پشاور شہر میں محلہ بالاسانی جناب سید فضل ہمدانی بنوری مرحوم کے مدرسہ رفیع الاسلام کے کتب خانہ میں موجود

ہے ۔ اس میں حضرت میاں عمر چمکنی فرماتے ہیں :۔

" محمد عمر ابن ابراہیم بنی اسرائیلی سڑہ ہنی شمائل راوڑ
پہ پښتوژبہ چہ طالبان ئے پہ لوست شی خوشحال"

ترجمہ : محمد عمر ابن ابراہیم اسرائیلی سڑہ ہنی نے شمائل النبی ، پشتو زبان میں تحریر کی تا کہ طالب علم اس کے پڑھنے سے خوشحال ہوں

ان کی ایک اور کتاب خلاصہ کیدانی افغانی (جو اس وقت میرے پاس ہے اور مجھے جناب عبدالحلیم اثر نے دی ہے) اس میں انہوں نے اپنے آپ کو پختون اور افغان دونوں ناموں سے یاد کیا ہے اور اپنا شجرہ نسب یہودا ابن یعقوب[۴] سے جا ملایا ہے ۔

تیسری کتاب کا پورا نام المعالی شرح آمالی ہے ۔ یہ کتاب میاں عمر نے ۱۱۵۸ ع مطابق ۱۷۴۵ء میں تالیف کی ہے ۔ اور یہ اگرچہ علم عقائد سے تعلق رکھتی ہے ۔ تا ہم درمیان میں جگہ جگہ تاریخی مضامین بھی درج کیے گئے ہیں ۔ مثال کے طور پر دیباچہ میں اپنے حالات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" پس یہ فقیر محمد عمر ابن محمد ابراہیم محمدی مشرب ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جہت نسب سے مشہور افغان سے ہے ۔ اور واقعات اور حقیقت میں افغان ہونے کے علاوہ اپنی طرف کسی دوسرے قسم کی نسبت کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا ۔ لیکن چونکہ اپنے نسب سے انکار کرنے پر وعید یعنی سزا کا حکم وارد ہے اس وجہ سے جو بات کہ نفس الامر میں سچی ہے لکھی جاتی ہے ۔

میرے والد ماجد جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ۔ اس کا نام ابراہیم ہے نسب سے افغان ہے ۔ اور افغان مذکور ملک طالوت کی اولاد میں سے اور ملک طالوت بنی اسرائیل میں سے ہے اور اسرائیل

ایک نام ہے جو عبارت ہے مہتر یعقوب ؑ سے جو اسحاق ؑ کا فرزند ہے اور اسحاق ؑ حضرت ابراہیم ؑ کے فرزند ہیں علیہم السلام،

گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ افغان قوم کے مشائخ ، علماءؒ، و امراء عوام و خواص، مرد و زن ، بادشاہ ، بزرگان دین ، فقیر، نواب سب اس پر متفق چلے آ رہے ہیں کہ افغان نسل ابراہیمی اور بنی اسرائیلی ہیں لہذا اس فیصلے کے خلاف کسی غیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں تاویل کرے ۔ اپنے آباؤ اجداد کے متعلق ان کی اولاد کا کہنا زیادہ معتبر ہوتا ہے بہ نسبت غیروں کے ۔ اور ان لوگوں کو جو بزرگان دین کے مذکورہ عقیدے اور رائے کے خلاف سوچتے ہیں ان کو چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سبق حاصل کریں جو ذیل میں درج ہے ۔

ابن خلدون لکھتا ہے " کہ جس زمانہ میں عرب کے وفود اسلام لانے کے لئے نبی کریم ؐ کے پاس آتے تھے تو عرب کے شاہی خاندان کا ایک وفد کندہ سے آیا اس کے سردار اشعث نے اثنا ؑ کلام میں آپ سے عرض کیا ، ہم لوگ آکل المرار کی اولاد ہیں اور آپ بھی آکل المرار کے لڑکے ہیں یعنی ہم اور آپ ایک خاندان کے ہیں ۔ آنحضرت ؐ نے یہ کلام سن کر ہنس کر فرمایا ، نہیں ! ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ، نہ تو ہم اپنی ماں پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کرتے ہیں ۔"

الغرض کافی تحقیق کے بعد میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آج کل کے نوجوان جو نسل افغان سے متعلق ہیں ان کو بھی اپنے اجداد کے اقوال و اعمال اور معلومات پر یقین کامل رکھنا چاہیے کیونکہ نسب کے بارے میں ان کی معلومات کی نسبت ان کے بزرگ زیادہ حقیقت خلوص، اور سمجھداری پر تھے وہ اپنی اصل نسل خوب جانتے تھے اور جیسا کہ ہم ان کے وارث ہیں تو ہمیں اپنے مورث اعلیٰ کی اس وراثت پر جو نسب

کے بارے میں ہے ، اس پر بغیر شک و شبہ مضبوطی سے قائم رہنا چاہئیے۔ سیاست کے لئے دوسرے حربے بھی بہت ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ افغان اور پختون سب ایک ہی قوم اور سامی النسل ہیں اور حضرت ابراہیم[ع] کی اولاد میں سے ہیں۔ اگر وہ اپنا شجرہ نسب قیس سے آگے نہیں لے جا سکتے تو اس میں عیب کی کوئی بات نہیں۔ دنیا کی کوئی قوم بھی اپنا شجرہ پوری طرح نہیں بیان کر سکتی۔

زبان

اس قوم کی زبان پختو (پشتو) ہے اور بعض اسے افغانی بھی کہتے ہیں اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ زبان وہ اپنے ساتھ لائے تھے یا یہاں آ کر بنائی - بہر حال قرآئن سے معلوم ہوتا ہے - کہ یہ زبان صرف افغان قوم ہی استعمال کرتی چلی آ رہی ہے گو کہ اور بھی کئی قومیں یہاں آباد تھیں اس قوم کو ملک شام اور اس کے مضافات کو چھوڑے ہوئے ۲۷۰۰ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اتنے طویل عرصہ کے دوران میں بہت تحقیق کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ زبان کسی اور قوم نے بھی استعمال کی ہو - کیونکہ پہلے پہل جب یہ لوگ یہاں آئے تو اس وقت دیگر اقوام مثلاً آرین کے مختلف قبائل میڈی منگولین اور تاتارین وغیرہ پہلے سے آباد تھے - محققین نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ عبرانی زبان بھی بہت حد تک یہ لوگ بھلا بیٹھے تھے جیسے شام کے مورخ فلپ۔ کے۔ حتی لکھتے ہیں :-

" وہ یہودی جو بابل سے یروشلم آئے تھے ۔ زربابل[ؑ] اور نحمیا[ؑ] کے ماتحت یہودی ایک خاص درجہ خود اختیاری سے مستفید رہے - لیکن عبرانی زبان صرف اسی وجہ سے ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ جلا وطن

ہو گئے تو ہے اور انہیں یعنی غیر وطن میں رہنا پڑا تھا جہاں کی بولی دوسری تھی ۔ بلکہ یہود (کے وطن) میں بھی یہ زبان ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ آرامی زبان نے لے لی تھی ۔ عبرانی کی حیثیت محض ایک مقدس زبان کی رہ گئی تھی ۔ اور یہوری خود سرکاری خط و کتابت میں آرامی زبان ہی استعمال کرتے تھے عبرانی اگرچہ مر گئی تھی ۔ لیکن اس نے بہت سی مہذب زبانوں کے لئے الفاظ کی ایک قیمتی میرث چھوڑی ۔ انگریزی زبان میں جو نام بہت عام ہیں ۔ مثلاً جان ، جوزف ، پال ، میری ، یہ سب عبرانی الاصل ہیں''۔ اس کے علاوہ انگریزی میں سگنل اور ویلڈنگ جو عبرانی اور پختو زبان کے سنگل اور ویلی کے مرادف ہیں بھی موجود ہیں۔

اس کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے کچھ الفاظ عبرانی کچھ آس پاس کی پڑوسی آرامی ، سریانی زبانوں سے اور کچھ اپنی طرف سے لگا کر اپنے لئے ایک دوسرے کو سمجھانے کی خاطر وہاں شام میں اس زبان کی بنیاد ڈالی ہو ۔کیونکہ عبرانی بھلانے سے ان کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ گزر اوقات کے لئے کوئی زبان اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت جو زبان اختیار کی اس کا نام پختو ہوا۔ پختو کا لفظ اس سے بھی مشابہت رکھتا ہے کہ وادی پخت سوآب شرق اردن شام میں جو قبیلہ رہائش پزیر تھا وہ بنی پخت تھا ۔ اور پخت سے پختون اور پختو کا ہونا قرین قیاس ہے۔ جب سے یہ لوگ اس علاقہ میں آئے ہیں تو اسی وقت سے انہوں نے اپنی الگ قومیت قائم رکھی ہے اور اپنی زبان پختو کو محفوظ رکھا ہے اگرچہ دوسری اقوام کے ساتھ کافی حد تک مشترک رہ چکے ہیں ۔ ان کے ساتھ معاملات اور روزگار رکھنا لازمی تھا اس لئے انہی کی زبان میں ان سے بات چیت کرنے پر مجبور تھے ۔ زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد ظاہری شکل و شباہت اور لباس ان کا ایک جیسا

ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کی شناخت ہی صرف ان کی اپنی زبان پختو ہی سے ہوتی تھی ۔ جیسا کہ مغلوں کے دور میں جب ہمایون اور شیرشاہ سوری کی آپس میں جھڑپیں ہوئیں اس وقت کے حالات اخوند درویزہ اپنی تصنیف ''تذکرہ میں سید علی ترمذی المعروف پیربابا'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے خود دیکھا کہ ہمایون جب ہندوستان سے شیرشاہ سوری سے شکست کھا کر پسپا ہوا ۔ تو شیرشاہ سوری اس کے تعاقب میں تھا ۔ تو ان کے لشکر کے سپاہی دوسرے کو صرف زبان ہی سے پہچانتے تھے ۔ جو پختو نہیں بول سکتا تھا اسے مغل بادشاہ کا سپاہی تصور کیا جاتا تھا ۔ اور اسے پکڑ لیتے تھے کیونکہ خدوخال اور شکل و شباہت اور لباس ان کے ایک ہی جیسے تھے ۔ اور وہ ایک ہی ملک خراسان کے رہنے والے تھے ۔ لیکن پختون نہ تھے ۔ غیر پختون کو پشتو نہیں آتی تھی ۔

اس سلسلے میں ایک اور مثال پیش خدمت ہے تاکہ سب پر واضح ہو جائے کہ ۱۸۵۷ ء کے بعد تک بھی پورے ہندوستان میں پٹھانوں کی اپنی گھریلو زبان پشتو ہی تھی ۔ جس کا ثبوت سر سید احمد خان کے سوانح حیات سے ظاہر ہے ۔ وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں بجنور میں تحصیل‌داری کے عہدے پر فائز تھے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ ''جب میں بجنور میں تحصیل‌دار تھا تو غدر کے ایام میں نجیب آباد سے پٹھان لوگ آئے جن کا سرگروہ کلوخان کا بیٹا تھا جو نجیب‌الدولہ کا نواسا ہے ۔ یہ لوگ بجنور کے ایک باغ میں جمع تھے اور آپس میں مشورہ کر رہے تھے لیکن ان کی گفتگو کوئی نہیں سمجھا کہ یہ کیا ارادہ رکھتے ہیں ۔ کیونکہ ہندوستانی پٹھان آپس میں اپنی ہی زبان پشتو میں گفتگو کر رہے تھے ۔ انہوں نے رات کے آخری حصے میں انگریزوں پر حملہ کر دیا ۔

اسی طرح تاریخ مگدھ کا مصنف بھی لکھتا ہے کہ بہار،

اڑیسہ ، اور بنگال ، میں افغان اپنے آپس میں پشتو استعمال کرتے تھے اور ان کے ہاں اپنی پشتو زبان محفوظ تھی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ زبان افغان قوم نے دوسری قوموں سے سیکھی تو ضروری تھا کہ وہ دوسری قومیں بھی اس زبان پر حاوی ہوتیں۔ کیونکہ وہ ان کے ساتھ ایک ہی سر زمین پر رہتے تھے

پختو کو اس قوم کی صرف زبان ہی کا نہیں بلکہ اسے اس قوم کے آئین کا درجہ بھی حاصل ہے ۔ اور وہ اسے بطور اپنے قانون، عزت و احترام اور قومی آزادی کے خاطر بھی استعمال کرتے رہے ہیں ۔ اب بھی افغان قوم کے لوگ کسی دیرینہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں ۔ کہ پختو (آزادی) کے وقت میں یہ کام ہوا ۔ اور غیرت کے مقام پر خصوصاً کہتے ہیں کہ یہ کیا پختو ہے وغیرہ وغیرہ ۔

یہ قوم قائم بھی اسی قانون پر ہے ۔ چنانچہ اس کے احترام و بقا کی خاطر جب یہ ہندوستان پر قابض ہوئے ۔ اور وہاں اپنی سلطنتیں قائم کیں تو جب تک وہ اپنی زبان کی قدر کرتے رہے اور اس پر قائم رہے ۔ اس وقت تک ان میں برتری کا جزبہ اور احساس بھی موجود رہا اور جب انگریز کے آنے کے بعد انہوں نے اپنی زبان کو بھلا دیا تو گویا تمام سرمایا ہی لٹ گیا اور یہ ایسے احساس کمتری میں مبتلا ہوئے کہ رہی سہی حکومتیں ختم ہوگئیں اور یہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ۔

پٹھانوں کی عام زندگی

اس ضمن میں یوسف زئی افغان طبع چہارم (۱۹۷۳ء) سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں :-

"پٹھانوں کی اخلاقی طاقت ، اس کی سپاہیانہ بہادری اور سیاسی معاملات میں اس کی تیز فہمی ہی نے اس کے اجداد کو اپنے وطن سے دور حاکمانہ اختیارات عطا کئے تھے"۔ (سراولف کیرو)

افغان یا پٹھان اپنی عام زندگی میں سادگی پسند اور جفا کش دکھائی دیتا ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے ایسے ماحول ہی ایسا عطا کیا جس میں محنت و مشقت اور جفا کشی کے سوا گزر ہی مشکل ہے ۔ اس کی پیدائش ۔ اس کی طفولیت اور اس کا عہد شباب انہی سنگلاخ پہاڑیوں میں گزرتا ہے ۔ پیدائش کے وقت سے ہی ہوئے آزادی اس کے دماغ کو معطر رکھتی ہے ۔ اور جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے آپ کو آزاد فضا میں آزاد شہری کی حیثیت سے دیکھ کر فطرتاً اپنی آزادی کے قیام و بقا کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے ۔ وہ آزادی کے قصے کہانیاں سنتا ہے ۔ قومی روایات اور تاریخی واقعات سے بہرہ افروز ہوتا ہے ۔ اور اپنے بزرگوں کے زبانی گذشتہ ادوار کے حالات سن کر گرد و پیش کی واقفیت حاصل کر لیتا ہے ۔ اسے اپنے حجرہ میں بتایا جاتا ہے ۔ کہ آزادی وطن یا آزادی قبیلہ یا آزادی خاندان کے لئے اس کے والدین یا متعلقین یا اجداد کس طرح قربانی دے چکے ہیں ، تو اس میں بھی وہی جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ وہ بھی تحفظ آزادی اور ننگ و ناموس کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت مسلح رکھنے کی فکر کرتا ہے ۔ اور جب بچپن ہی سے کہ ابھی کوئی شعور نہیں ہوتا اس کی مامتا بھری ماں اسے لوری میں یہ تلقین کرتی ہے :۔

اللہ ھو شہ اللہ ھو خما جانہ اللہ ھو
پسلارد تلے دے پہ جنگ
ښه تیره توره پہ سنگ
سر پہ ورکا نہ دے پہ ننگ

پہ وطن راغے فرنگ
اللہ هو شہ ، اللہ هو..............
تہ نواسے ئے دہ خالد
او غوری ئہ دے والد
ولے زڑہ لرے جامہ
ترجمہ اللہ هو شہ ، اللہ هو ....
اللہ ہو - اللہ ہو ۔ میری جان اللہ ہو
تمہارا باپ جنگ کرنے گیا ہے
عمدہ تیز شمشیر لٹکائے ہوئے
اپنے ناموس کو بچانے کے لئے سر دیدیگا
وطن پر فرنگی چڑھ آئے ہیں
اللہ ہو ....اللہ ہو ....
تم خالد کے پوتے ہو
اور تم غوری کے بیٹے ہو
پھر دل کیوں گھبرائے
اللہ ہو .... اللہ ہو ....

تو ظاہر ہے کہ ہوش سنبھالنے پر بھی اسی قسم کے خیالات سننے کا موقع ملتا ہوگا ۔ وہ عہد طفولیت سے ہی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف اور دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو کر دوڑ دھوپ کا آغاز کرتا ہے ۔ تو اس کی دلچسپی تیزی سے پہاڑیوں کے نشیب و فراز کو عبور کرنے اور پتھروں سے نشانہ بازی شروع کر دینے پر مرکوز ہو جاتی ہے ۔

رفتہ رفتہ عمر کی منزلیں طے کرنے پر اس کے ہاتھ کا چلا ہوا کوئی پتھر خالی نہیں جاتا ۔ اور وہ اپنے ہم عمر رفقاء میں اس نشانہ

بازی کے مقابلہ کو مسلسل اور لگاتار جاری رکھتا ہے وہ بچپن ہی سے اپنے عزم و ارادہ پر پورے استقلال سے قائم رہتا ہے ۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قبائل کا یہ ننھا منا بچہ کہ ابھی جوانی کی بہاروں تک نہیں پہنچا ۔ کسی کے تعاقب میں دوڑتا ہے ۔ اپنی کمزور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے اسے پکڑ نہیں پاتا اور تھک کر رک جاتا ہے تو بھی ہمت نہیں ہارتا ، پتھر اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا ہے ۔ جب اس سے بھی کام نہ چلے ۔ اور جس کا پیچھا کیا جا رہا ہے وہ آنکھوں سے دور نکل جائے تو پھر وہ دو چار صلواتیں ہی سنا دیتا ہے ۔

پروفیسر لالہ عبدالرحیم (اسلامیہ کالج پشاور) کن مختصر اور جامع الفاظ میں فرماتے ہیں کہ :۔

''پٹھانوں کی امتیازی صفات ، غیرت ، سخاوت ، جسارت اور جوانمردی اور حیا ہیں ۔ یہ صفات کسی مجاہد قوم کی ہی ہو سکتی ہیں اور پٹھان ہمیشہ مجاہد رہا ہے ۔ اور اس نے شمشیر سے ہی خدمات اسلام سر انجام دی ہیں'' ۔

الفنسٹن جیسا متعصب مصنف بھی اس سلسلہ میں یوں اظہار خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ :۔

''پٹھانوں کا اپنے ملک میں ان لوگوں سے سلوک جنھیں وہ کافر سمجھتے ہیں ، قابل تعریف ہے ۔ بت پرستوں سے ان کی نفرت کو ہر شخص جانتا ہے ۔ لیکن اس نفرت کے باوجود ان کے علاقہ میں ہندوؤں کو اپنی رسومات ادا کرنے کی پوری آزادی ہے اور ان کی عبادت گاہوں کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچائی جاتی''۔

جنگ و جدل اور خطرات میں ہر وقت گھرے رہنے کے باوجود پٹھان حد درجہ کا مہمان نواز ہے ۔ اس کے دروازے اپنے پرائے ، دوست دشمن ، مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے ہر وقت کھلے دکھائی

دیتے ہیں ۔ ان کے حجروں میں جو شخص داخل ہو جائے وہ اسے قانون ملک کے مطابق عزت و احترام سے جگہ دے کر اس کی رہائش اور خورد و نوش کا انتظام کرتے ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ اس کا تحفظ بھی ان کا اولین فرض ہوتا ہے ۔ مہمان کی آمد پر علیک سلیک کے بعد عام طور پر اس کے سامنے چلم پیش کی جاتی ہے ۔ البتہ جن علاقوں میں پانی کمیاب ہے اور باشندے میلوں کے سفر کے بعد لاتے ہیں ۔ وہاں سب سے پہلے پانی کا جام حاضر کیا جاتا ہے ۔ کیونکہ اسے وہ اپنی عزیز ترین چیز سمجھتے ہیں ۔ افغانوں کے علاقہ میں اپنا بستر ساتھ لے کر سفر کرنے کا رواج نہیں حجروں میں مہمانوں کے لئے کافی تعداد میں بستر موجود رہتے ہیں ۔ اور جہاں ایسا انتظام نہ ہو ، وہاں کمبل وغیرہ مہیا کئے جاتے ہیں ۔ پٹھان عام طور پر اپنے پاس ایک چادر رکھتا ہے ۔ جس سے وہ اوڑھنے ، بچھونے ، ٹاول ، چھتری اور جائے نماز کا کام بھی لیتا ہے ۔ جو لوگ تمباکو پینے کے عادی ہوں وہ اکثر چادر کے ایک کونے میں یا علیحدہ چھوٹی سی تھیلی مین تمباکو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں ۔ تا کہ ضرورت کے وقت کام آ سکے ۔

افغانوں کے کھیل بھی عام طور پر ایسے ہی تھے کہ جن سے ان کی سپاہیانہ قابلیت کو اجاگر کرنے کا موقع ملتا تھا چنانچہ ان کا ایک مشہور کھیل ٹغنہ یوں کھیلا جاتا ہے کہ وہ ایک بت بنا کر کھڑا کردیتے ہیں اس کے سر پر اندازاً کوئی دو انچ قطر کی گول لکڑی کاٹکڑا مع حلقہ کے رکھ دیا جاتا ہے جسے وہ اپنی اصطلاح میں کواڑہ کہتے ہیں نوجوان دو پارٹیوں میں تقسیم ہو کر مذکورہ لکڑی کے ٹکڑے پر کا جو ٹکئی کہلاتا ہے تیر و کمان سے نشانہ باندھتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ نشانہ ٹھیک ٹکئی پر لگے جو بت کے پیشانی پرلگا رہتا ہے ۔

ہے ۔ یہ تیر اندازی یا نشانہ بازی اور یہ بت ماری اسی جذبہ کے تحت ہوتا تھا کہ یہ کھیل کافروں کے خلاف تیاری کرنے اور تیر اندازی سیکھنے کا ذریعہ تھا ۔ جیسا کہ انگریز یہاں چاند ماری کرتے تھے ۔ اسی قسم کا ایک کھیل نیزہ بازی کا تھا ۔ اس میں شاندار مقابلے ہوتے تھے ان کی جنگوں میں سواروں کو خاص اہمیت حاصل رہی اور قومی لشکر میں سواروں کا موجود ہونا قومی ضروریات سے تھا ۔ اس کھیل سے نوجوانوں کا ہاتھ مضبوط ہوتا اور اسی طرح گھوڑا بھی میدان جنگ میں دشمن کو مارنے کے لئے عادی ہو جاتا ۔ یہ دونوں مذکورہ کھیل جنگی تربیت کا ذریعہ تھے اور نوجوان اس میں مہارت حاصل کر لیتے تھے تا کہ اصلی جنگی میدان کے لئے تیار ہو جائے ۔ اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جگہ بہ جگہ موجود ہے یہ کھیل ، نیزہ بازی اور سخہ یعنی تیر اندازی خصوصاً علاقہ یوسفزئی میں جگہ بہ جگہ اب بھی جاری ہیں ۔

خط و خال

افغان بدن سے مضبوط جسم سے ہیبت ناک اور رعبدار ہے اور چست و چابک ہے سمجھداری میں بے مثل ہے شہروں میں رہنے والے دیہاتی یا پہاڑوں میں بسنے والوں میں کوئی فرق نہیں دنیا کی سیاست سے با خبر ہوتے ہیں ۔ دلاور ، نڈر اور نشانہ باز ہیں اور مرد و زن خوبصورتی میں لاثانی ہیں اور کیوں نہ ہو کہ حضرت یعقوب[۴] کی نسل سے ہیں جیسا کہ خوشحال خان خٹک کہتے ہیں ۔

" پــہ خـانـست پـانـدے ئـــے ختمـدا وینا دہ "

" چــہ پــہ اصـــل د یعقوب قـــوم و ، " قبار ،، دی "

خاندان غوری

منہاج سراج جوز جانی نے اپنی تالیف طبقات ناصری جو اس نے ۶۵۸ھ میں لکھی ہے غوری خاندان کو ضحاک تازی کے نسل سے ظاہر کیا ہے چونکہ مولف کے خاندان غزنوی کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے ۔ اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اس بیان کو سیاسی رنگ دے کر خاندان غزنوی کے انتقامی اثرات کے تحت مواد جمع کر کے تاریخ کی غلط بنیاد ڈالی ۔ اور چونکہ اس سے پہلے اس ضمن میں کوئی کتاب نہیں چھپی ۔ جس سے صحیح حالات کا علم بعد کے مورخین کو ہوتا ۔ لہذا افغان قوم کے مورخین تک نے اس پر کچھ غور نہیں کیا ۔ منہاج سراج نے حوالہ تاریخ مبارک شاہ کا دیا ہے ۔ تحقیق کرنے پر یحیٰی بن عبداللہ سرہندی سامنے آتا ہے جس نے تاریخ مبارک شاہی لکھی ہے مگر اس میں ضحاک تازی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔ البتہ عبدالحئی حبیبی نے طبقات ناصری پر حواشی قلم بند کئے ہیں ۔ اس نے منہاج سراج جوز جانی کا تعارف جس رنگ میں پیش کیا ہے وہ قابل دید ہے ۔ اس نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ وہ کون تھا اور خاندان غزنوی کے ساتھ اس کے رشتہ داری کے کیا تعلقات تھے۔ نیز حبیبی نے اس بات کی تردید کی ہے ۔ کہ غوری ضحاک تازی کی نسل سے ہیں ۔ معلوم رہے کہ افغانوں میں ساہاک سہاک سہاک ضحاک نام بہت ہیں جو اضحاق اسحاق سے مخفف ہیں ابتدائی دور اسلام میں دنیائے عرب میں بھی ضحاک نام کے بہت آدمی گزرے ہیں ۔ مثلاً ضحاک بن قیس الفہری ، ضحاک بن علوان وغیرہ ۔

ابو زہرہ مصری لکھتا ہے کہ :-

" خراسان میں خلیفہ ہشام بن عبدالمالک کے وقت ایک نام

الضحاک بن مزاحم گزرا ہے - جو فقیہ اہل خراسان تھے
فتوح البلدان میں بھی اس کے متعلق یوں لکھا ہے کہ ضحاک
بن مزاحم صاحب تفسیر ان مسلمانوں کے ساتھ تھے - جو
سمرقند میں فاتح کی شکل میں داخل ہوئے -

افغانستان میں ایک قصبہ اب بھی ضحاک کے نام سے موجود
ہے اغلب ہے کہ یہ نام انہی کے نام سے ہو کیونکہ وہ خراسان کے
رہنے والے تھے -

افغان قوم نے ہمیشہ غوریوں کو افغان ہی سمجھا ہے اور غوری
خود بھی اپنی نسل کو افغان ہی کہتے چلے آئے ہیں - جیسا کہ شیرشاہ
نے اپنے آپ کو افغان ہی کہا ہے -

ابن بطوطہ جس کی حیثیت ایک سیاح کی تھی اور دوسرے ملک
کا باشندہ تھا - اس نے غوری خاندان والوں کے ساتھ ہرات میں کافی وقت
گزارا - ان کے قاضیوں اور مشائخ سے تبادلہ خیال کیا - اپنے سفر نامہ
جلد اول مولفہ ۷۴۷ھ میں لکھتا ہے -

'' کہ یہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ ہیں - جنہیں الغوریہ کہتے ہیں -
اور یہ لوگ غورالشام کی طرف منسوب ہیں - اور ان کی اصل
بھی اس سے ہے ''-

معلوم رہے کہ شام کے علاقہ شرق اردن میں وادی غور ایک
علاقہ ہے جہاں سے ابتدا میں یہ لوگ جو بنی اسرائیل کی ایک شاخ
تھی جلاوطن ہو کر آئے تھے- اور وہاں غوریا کے نام سے ایک اسرائیلی
پیغمبر بھی گزرا ہے جس کی نسبت سے یہ وادی ہے -

ابن خلدون نے حصہ اول ابتدائی حصہ میں انبیاؑ کے متعلق لکھا ہے
کہ یہوشع - غوریا - اموص - اشعیا - اور یونس بن متی علیہم السلام
بنی اسرائیل کے ایک وقت کے انبیاؑ تھے -

کتاب پٹہ خزانہ تاریخ سوری کے حوالہ سے سلاطین غور کو سہاک کی اولاد سے بتاتے ہیں نہ کہ ضحاک تازی' منہاج سراج مذکور نے سہاک سے ضحاک لکھ کر ایک افسانوی شخصیت ضحاک تازی سے ان کو منسلک کرنے کی کوشش کی ہے جو قطعاً غلط اور بے بنیاد اور افغانوں کی روایات کے خلاف ہے ۔ بلکہ جو نام ابن خلدون نے پانچ انبیاء علیہم السلام کے بیان کئے ہیں۔ ان میں ایک نبی کا نام غوربا ہے لہذا سلاطین غور کے متعلق یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسبت انہی غوربا کی طرف ہے الغرور کی وادی بھی غوربا نبی کی نسبت سے ہے اورنسب بھی۔ اور بھی سب کچھ ابن بطوطہ نے غوریا خاندان کے سلطان اور قاضیوں اور مشائخ سے سن کر اپنی رائے قائم کی تھی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ غوری نسل ضحاک نہیں بلکہ از نسل سہاک بادشاہ جو یعقوب کی نسل سے تھا ۔

مصنف پٹہ خزانہ ، تاریخ سوری کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ۔

" یہ (غوری) امراء عرصہ دراز سے علاقہ غور ، بالشتان اور بست میں آباد تھے ۔ اور یہ لوگ " سور " نامی اس خاندان سے ہیں جو سہاک کی نسل سے تھا "

مصنف تاریخ پٹہ خزانہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس خاندان کی مادری زبان پشتو تھی اور ان میں پشتو زبان کے شعراء بھی موجود تھے۔ اس نے اپنی تاریخ میں محمد سوری کے ' سلطان محمد غزنوی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مرنے پر شیخ اسعد سوری کا ایک مرثیہ بھی درج کیا ہے ۔ شیخ اسعد اس کا قریبی رشتہ‌دار تھا اور اس جنگ میں اس کے ساتھ شریک تھا ۔ متذکرہ بالا مرثیہ تاریخ پٹہ خزانہ میں یوں درج ہے ۔ واضح رہے کہ یہ مرثیہ ایک ہزار سال پہلے کا ہے ۔

نه له هـرچه بیـا راغی کاروان دا مشکـو
نـه را دروی غـورتـه بیا جـوبی دا شـار
دا پـه شهٔ چه ، پـه مد ، ولاړ لـه نـرپه
پـه ویـرنه ئے سو غـور ډېل سوکـوار
ته په ننګه وے ولاړ په ننګ کښې سر سوے
هم پـرے ننګه وی په ننګه کا ځان جار
که سوری دے په تګ وبر کاندے وېرمن سول
هـم به وياړی ستا پـه نوم ستا به ګبار
په جنت کښې دے وے تون زمونګ واکمنه
هـم په تا دے وی ډېر لورے دا غفـار

ولیم اے ڈیوٹ لکھتا ہے ۔

ہندوستان میں پہلی اسلامی حکومت محمد بن قاسم نے قائم کی ، لیکن وہ اس وسیع ملک کے صرف ایک ہی گوشے تک محدود رہی۔ محمود غزنوی آندہی کی طرح دور دور پھر کر نکلا ، لیکن لاہور کے سوا کوئی حصہ اس کی سلطنت میں شامل نہ ہوا۔ جس شخص نے ہندوستان کے قلب میں تخت سلطنت بچھایا اور پورے براعظم کی فضا میں اسلامی پرچم اڑانے کا موقع پیدا کیا وہ سلطان شہاب‌الدین محمد غوری تھا ۔

کتاب آئینہ حقیقت نما میں درج ہے۔

" شنسب بن حربق جو علاقہ غور کا رئیس تھا حضرت علی کے زمانہ میں مسلمان ہوا ۔ اس کی اولاد افاغنہ شنسبی کہلائی۔ انھیں میں لودی۔سوری وغیرہ افغان شامل ہیں محمد بن سوری اسی شنسب کی اولاد سے تھا اور اس کی چھٹیں پشت میں سیف‌الدین محمد سوری پہلا غوری

بادشاہ بنا جس کے بعد علاؤالدین حسین جہاں سوز اور شہاب الدین محمد غوری وغیرہ بادشاہ بنے" ۔

تاریخ افغانستان (پختو) مصنف احمد جان صفحہ ۸۷ پر غوری خاندان کے متعلق لکھتا ہے ۔

" غوری خاندان کے شجرہ نسب پر مونٹسٹوارٹ الفنسٹن ، ڈی جنگسر ، پروفیسر ڈارن اور دوسرے قابل ترین مورخین نے بحث کر کے ان کی غالب اور مضبوط رائے اس طرف ہے کہ غوری خاندان کی اصل و نسل پختون ہی ہے ۔"

پھر صفحہ ۹۵ پر یوں درج ہے

" چنگیز مغل کے مرنے کے بعد جس کی موت ۱۲۲۷ع میں واقع ہوئی ، کچھ عرصہ بعد افغانوں کی ایک نئی سلطنت غزنی میں قائم ہوئی ۔ اور اس سلطنت کے حکمران بھی غوری خاندان والے تھے ۔ اس کا پہلا بادشاہ شمس الدین غوری اور اس کے بعد رکن الدین بادشاہ بنا اور اس کے بعد فخرالدین' لیکن یہ تینوں بادشاہ مغلوں کے زیر اثر تھے اور ان کے چہارم بادشاہ غیاث الدین غوری خود مختار بادشاہ بنا اور اس کے بعد سب بادشاہان یعنی شمس الدین ، ملک حافظ معزالدین سلطان حسین ، اور غیاث الدین غوری (ثانی) آزاد اور خود مختار بادشاہ تھے ۔ لیکن آخری بادشاہ سلطان غیاث الدین غوری کے زمانہ میں افغانستان کی آزادی اور بادشاہی دونوں بے موقع ختم ہوئیں ۔ یعنی تیمورلنگ کے ہاتھوں ۱۳۸۶ع میں ۔"

واضح رہے کہ ابن بطوطہ انہی غوری سلطنت کے زمانہ میں ان کے ہاں ہرات وغیرہ میں آیا تھا اور نسب کے بارے میں اس نے انہیں سے دریافت کیا تھا ۔

الغرض تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ خاندان غوری خود افغانی خاندان تھا ۔ عہد مغلیہ سے پہلے کی اسلامی حکومت کو مورخین نے دور افغانیہ کے نام سے یاد کیا ہے ۔ کیونکہ ہندوستان کو افغانوں ہی نے فتح کیا اور افغانوں ہی کی قوم سلطنت اسلامیہ کی اصل طاقت تھی ۔

خاندان خلجی (خلجی ۔ غلزئی ۔ غرجی)

ان کو غیر افغانی مورخین نے ترکی النسل کہا ہے حالانکہ یہ افغان قوم کا ایک مشہور قبیلہ ہے ۔ چند ایک اقتباسات مستند مورخین کے پیش کئے جاتے ہیں ۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خاندان خلجی جس کو غلجی ، غلزئی ، غرجی ، بھی کہتے ہیں افغان نسل سے تعلق رکھتی ہے ۔

"تاریخ طبقات محمود شاہی کے مصنف شہاب الدین حکیم کرمانی جونپوری نے سلطان جلال الدین اور سلطان محمود افغان خلجی حکمران مالوہ کو چنگیز خان کے داماد قالج خان کی اولاد بتایا ہے ۔ اور اس بارہ میں ایک طویل قصہ بھی نقل کیا ہے ۔

عبدالقادر بدایونی مصنف منتخب التواریخ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ غلط معلوم ہوتا ہے ۔ قالج اور خلج میں کوئی مناسبت نہیں ۔ اور قالج ترکی زبان کا لفظ ہی نہیں ۔ اگر ہو بھی تو اس لفظ کے معنی تلوار کے ہوں گے "۔

سلطان شہاب الدین محمد غوری کے سلسلہ امراء میں ایک اور شخص محمد بختیار غوری جو خلجی کے نام سے مشہور ہے، بھی تھا۔ جو بلاد غور کے اکابرین میں سے تھا وہ جملہ اوصاف حمیدہ کا مالک تھا ۔

سلطان محمود غوری کے دور حکومت میں سلطان قطب الدین ایبک کے ہمراہ لاہور رہا ۔ جہاں سے اسے اودھ کی مہم سونپی گئی اس نے فتح حاصل کی اور بہار و منیر کی جانب بڑھا اور اسے بھی مسخر کر لیا ۔ یہ پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے بنگال پر چڑھائی کی اور ہندو کی حکومت کا خاتمہ کیا ان فتوحات میں سلطان نے اسے شاہی خلعت سے نوازا ۔" تاریخ سلاطین دہلی ۔ احکم التواریخ تزک بابری وغیرہ سبوں نے خلجی کو افغان قبیلہ ہی کہا ہے ۔

آئین اکبری میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے ۔:

" محمد بختیار خلجی پہلا مسلمان حکمران تھا ۔ جس نے بنگال پر چڑھائی کی ۔ اور ہندو راجہ بنگال کا تختہ الٹ دیا ۔ لکھنوتی کو اپنا پایہ تخت بنایا ۔ اس کے بعد سے ہی بنگال کی سر زمین دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے تحت رہی ۔"

"سلطان جلال الدین (خلجی) کا اصلی نام ملک فیروز اور خطاب شائستہ خان تھا (کیقباد کے مفلوج ہو جانے اور مرنے کے بعد انتشار کے سبب سے) کیکاؤس کو قتل کرنے کے بعد وہ ملک چھجو خان کے اتفاق و تائید سے تخت پر بیٹھا ۔"

تاریخ واقعات ہند ، خلجی کے متعلق لکھتا ہے ۔ کہ

جلال الدین خلجی ۱۲۸۸ ع میں بادشاہ بنا ، پٹھان ، سادہ مزاج اور رحم دل تھا ۱۲۹۵ ع میں فوت ہوا اور اس کے جگہ اس کا بھتیجا علاؤالدین عظیم الشان بادشاہ ہوا سارے ہندوستان کو قبضہ میں کیا ۱۳۱۶ع میں فوت ہوا اور اس کی جگہ قطب الدین مبارک شاہ خلجی بادشاہ ہوا ۔

اس خاندان کی تشریح یوں ہے کہ یہ قبیلہ دشت لوط کے مشرق جانب آباد تھا ۔ جسے غرجستان غور کہتے ہیں ۔ اس کا حال

پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔ اب یہ مشہور افغان قبیلہ قندھار میں اور شمال کی طرف قلات غلزئی میں پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب پہاڑوں تک پھیلا ہوا ہے۔ غوریوں کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس قبیلہ میں مشہور لوگ پیدا ہوئے مثال کے طور پر نادر شاہ سے قبل میر ویس غلزئی محمود و اشرف خان کے نام قابل ذکر ہیں ۔ جنہوں نے اصفہان ، شیراز کرمان بلکہ سب ایران و فارس پر قبضہ کیا اور اس پر سات سال اور اکیس دن تک حکومت کی ۔ غلزئی بٹنی افغان قبیلے کی ذیلی شاخ ہے امام ابو حنیفہ صاحب کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے ۔

قبیلہ ایبک

محمد غوری کے جرنیلوں میں قطب الدین ایبک کو بھی غیر افغان مورخین نے ترکی النسل کہا ہے حالانکہ افغانوں میں ایبک اور یوبک دو قبیلے ہیں ۔ تاریخ خان جہان لودی جلد دوم نے ان کا شجرہ یوں مرتب کر کے شائع کیا ہے :-

'' افغان قبیلہ سروانی میں سوتی کے تین بیٹے ہیں یوبک ۔ ایبک اور ابوالفرح ۔

ابوالفرح کی اولاد بڑھتی گئی اور یوبک و ایبک کی اولاد بہت کم یعنی نہ ہونے کے برابر ہے یہ قبیلہ بٹنی کی ایک شاخ ہے ۔''

معلوم رہے کہ غربت اور لاچاری کے سبب نسب اور نسل کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ زبان اور وطن کی تبدیلی سے نسب پر کوئی فرق پڑ سکتا ہے ۔

خاندان تغلق

ان کے متعلق بھی غیر افغان مورخین نے غلط بیانی سے کام لے کر ان کو ترکی النسل کہا ہے۔ مثلاً شیخ رکن الدین قریشی ملتانی کہتا ہے :- "تغلق قوم سے ترک قرونہ تھا۔ یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے ہیں۔"

اکثر مورخین نے اس کی اس غلط بیانی سے دھوکا کھایا ہے۔ لیکن معلوم رہے کہ ان کا مسکن زوب کا علاقہ کوہ سلیمان ہے ان کا پہلا مشہور آدمی ملک غازی الدین خان تھا۔ جو ملتان کا گورنر رہا جب دھلی کا نظام خراب ہوا۔ تو سب افغان امرا نے اسے بلا کر دھلی کے تخت پر بٹھایا۔ اور یوں تغلق خاندان کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت پر بیٹھا۔ تغلق افغان قوم کا ایک قبیلہ ہے جو تغرک۔ تغرق بھی لکھا گیا ہے۔

تاریخ خان جہاں لودی جلد دوم نے اس کا شجرہ یوں مرتب کیا ہے۔ تغرق (تغلق) بن کاکڑ بن دانی بن غرغشتی۔

تغرق (تغلق) کے چار بیٹوں کے نام چار خیل ہونگے جیسے تاریخ خورشید جہاں نے یوں مرتب کیا ہے۔

یونس خیل، سالار خیل، سودان، سرن

دکن کا بہمن خاندان

محمد تغلق کے زمانہ میں کچھ افغان اس سے ناراض ہو کر دکن چلے گئے۔ اور بالاتفاق حسن خان افغان بہمنی کو اپنا بادشاہ بنایا۔ بہمن ایک افغان قبیلہ ہے جو بٹنی کی ذیلی شاخ دوتانی اور اس

سے بہمنی شاخ ہے ۔ اس خاندان نے ایک سو اسی برس حکومت کی ۔
چاند بی بی بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی ۔

ان کے متعلق بھی غیر افغان مورخین نے غلط بیانی سے کام لیا ہے ۔ حالانکہ اس خاندان کی بنیاد حسن خان (المعروف ظفر خان) افغان نے ڈالی تھی جو بٹنی قبیلہ کے ذیلی شاخ بہمن سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور خاندان بہمنی سے مشہور ہوا ۔

تاریخ خان جہاں لودی نے ان کا شجرہ یوں مرتب کیا ہے ۔

بہمن بن دوتانی بن ابراہیم بن اشبون (اشپو) بن بٹنی۔ بہمن کے پانچ بیٹے جن سے پانچ خیل اپنے اپنے نام سے ہوئے ۔

باغی ۔ تنکرلانی - ابوالفرح ۔ لشکری ۔ یوسف ، تاریخ خورشید جہاں نے بھی اس کی تائید کی ہے ۔

ایسے اور کئی افغان قبیلے بھی ہیں جن کو غیر افغان مورخین نے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے مگر طوالت کی خاطر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

امام ابو حنیفہ رح

امام اعظم ابوحنیفہ کے کارنامے سب مسلمان جانتے ہیں اور ان کے معتقد ہیں ۔ ان کے نسب پر بے شمار مورخین نے تحقیق کی ہے ۔ خصوصاً سید سلیمان ندوی - محمد ابوزہرہ مصری ۔ علامہ شبلی نعمانی رئیس احمد جعفری ، مشکواۃ شریف کے مصنف شیخ ولی الدین ابی عبداللہ اور نفحتہ العرب کے مصنف مولانا اعزاز علی وغیرہ

ان کی سن ولادت ۸۰ ھ ہے اور اس پرجملہ مورخین و محققین کا اتفاق ہے ۔ محمد ابو زہرہ لکھتا ہے :-

" امام اعظم کے والد ثابت بن زوطی فارسی تھے ۔ اس بنا پر آپ نسباً فارسی ہیں ۔ ان کے دادا کابل کے باشندہ تھے جو اس دیار کے مفتوح ہونے پر قید ہو کر آئے ۔ اور بنی تیم بن ثعلبہ کے کسی خاندان کے غلام بن گئے ۔ پھر آزاد ہو گئے مگر نسبت ولاء کے لحاظ سے تیمی کہلاتے رہے ۔

یہ روایت امام اعظم کے پوتے عمر بن حماد بن حنیفہ نے کی ہے ۔ لیکن انہی عمر کے بھائی اسمعیل نے کہا ہے ۔کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہیں ۔ وہ کہتے ہیں بخدا ہمارا خاندان کبھی غلام نہیں رہا ۔

مذکورہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کا نسب نامہ بیان کرنے میں ان کے دونوں پوتے مختلف ہیں ۔ اگرچہ یہ اختلاف ظاہری ہے ۔

عمر کے بیان کے مطابق ثابت کے والد کا نام زوطی ہے اور اسمعیل کےقول کے مطابق نعمان ہے ۔ عمر ان کے قید ہونے اور غلام ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں اور اسمعیل کلیتاً غلامی کی نفی کرتے ہیں ۔

ہمارے نزدیک ان ہر دو روایات کے مابین وجہ تطبیق یہ ہے ۔ کہ زوطی یا نعمان ان شہروں کے فتح ہونے کے بعد غلام بنائے گئے ۔ مگر انہیں از راہ احسان رہا کیا گیا ۔ جیسا کہ مسلمانوں نے بعض مفتوحہ علاقوں کے سربرآوردہ اشخاص کے حفظ ناموس نیز اسلامی سماحت کا ثبوت دینے اور ان کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل کی غرض سے اس دور میں بارہا کیا ۔

ثقہ اور محقق علماء کی روایات کے مطابق امام اعظم فارسی تھے عرب یا بابلی نہیں تھے ۔"

رئیس احمد جعفری کہتے ہیں :-

" امام ابو حنیفہ کا فارسی الاصل ہونا اس قدر مشہور ہے کہ تمام ثقہ مورخین اس پر متفق ہیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام بابلی تھے۔ چنانچہ خطیب تاریخ بغداد لکھتے ہیں "امام ابو حنیفہ اہل بابل سے تھے" اور کبھی کبھی کہتے ہیں " بابلی کا قول یہ ہے"

بعض متعصب احناف نے دعویٰ کیا ہے کہ امام عربی نژاد تھے ۔ اور کہا ہے کہ زوطی بن یحییٰ ان زید بن اسد کی اولاد سے تھے ۔ اور بعض کا قول ہے کہ ارشد الانصاری کے بیٹے تھے ۔ مگر یہ سراسر غلط ہے ۔ کیونکہ یہ مشہور ہے ۔ کہ امام اعظم فارسی نژاد تھے اور شرفاً فارس کی طرف منسوب ۔ ان کے جد اول بابل کے رہنے والے تھے ۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے ۔

امام صاحب کے والد کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے بعض نے ترمذ بعض نے نسا اور بعض نے انبار لکھا ہے ۔ مگر صحیح یہ ہے ۔ کہ وہ ان سب مقامات پر رہائش پزیر رہے ہیں ۔ آخر کار انبار(سرہل) میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔

اس بنا پر بعض نے امام ابو حنیفہ کا زاد بوم بھی انبار کو ہی قرار دیا ہے ۔ لیکن علماء کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ امام کا مقام پیدائش کوفہ ہے ۔ اور یہی ان کے والد کی آخری رہائش گاہ تھی ۔ امام کے والد کو حضرت علی کا شرف ملاقات حاصل تھا ۔ اور حضرت علیؓ نے برکت کی دعا کی تھی"۔

سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے :—

" امام صاحب کے جد زوطی بن ماہ بمقام انبار (سرہل) کابل کے علاقہ میں شاہ کابل کی لڑائی کے دوران گرفتار ہوگے ۔ بنی تیم کے قبیلے کے ہاتھ آگے اور وہ ان کو کوفہ لے گئے۔ اور وہیں ان کا مسکن رہا ۔ وہاں ان

کا بیٹا ثابت تولد ہوا اور ان سے امام ابو حنیفہ پیدا ہوا ۔ امام اعظم عجمی ہیں اور کابل کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں ۔

'' نعمان نام ابوحنیفہ کنیت امام اعظم لقب شجرہ نسب یہ ہے ۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ یہ امر جیسا کہ ناموں کی ترتیب سے ظاہر ہے ۔ عموماً مسلّم ہے ۔ کہ امام اعظم عجمی النسل تھے ۔ البتہ اس میں اختلاف ہے ۔ کہ کس نسل سے تھے ۔ اور عرب میں کیوں کر آئے '' ۔ مشکوٰۃ شریف اور لفحاۃ العرب دونوں کا بیان یہ ہے کہ امام اعظم اہل کابل سے تھا ۔

ایسی کئی اور تحریریں مختلف مورخین کی موجود ہیں ۔ مگر طوالت کی خاطر انہی پر اکتفا کی جاتی ہے ۔ اور اپنی رائے کا اظہار کیا جا رہا ہے ۔

امام اعظم ان سب اوصاف کے ساتھ کہ وہ بابلی ۔ عجمی ۔ فارسی مرزبان ۔ ایرانی اور کابلی تھے ۔ وہ افغان نژاد بھی تھے ۔ جن کا نسبی تعلق قبیلہ غلزئی کی ذیلی شاخ ماہی خیل یا ماہلہ سے تھا ۔ اور ان کا والد ثابت بن زوطے بن ماہ تھا ۔ ایک صاحب نے امام صاحب کے جداعلیٰ کا نام مرزبان لکھا ہے لیکن زوطے بھی اپنے قبیلے کا رئیس تھا ۔ مرزبان نام نہیں بلکہ ایران میں رئیس کو کہتے تھے ۔

فارسی الاصل اس لیے غلط ہے کہ جس جگہ یہ گرفتار ہوئے وہ علاقہ پارسیوں کا مقبوضہ علاقہ تھا ۔ اور آخری وقت میں شاہ ایران یزد جرد بھاگ کر یہاں رہا حتیٰ کہ یہیں قتل ہوا ۔ اس وجہ سے یہاں کے رہنے والوں کو وطن کی نسبت سے فارسی یا ایرانی کہا جانے لگا ۔ جیسے ہندوستان میں کسی جگہ کا باشندہ بھی ہندوستانی کہلاتا ہے ۔ اس کو نسب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ۔ تا ہم امام اعظم کے ہونے

کا بیان کہ وہ فارسی الاصل تھے اگر ان کا مطلب وطن سے نہیں نسب سے ہے تو وہ بھی درست ہے کتاب مقدس باب گنتی میں ذکر ہے - ,, یہودا کے بیٹوں میں سے عیر ادنان تو ملک کنعان ہی میں مر گئے - اور یہودا کے اور بیٹے جن سے ان کے خاندان چلے ، یہ ہیں یعنی سیلا جس سے سیلانیوں کا خاندان چلا اور فارص سے فارصیوں کا خاندان چلا اور زراح جس سے زراحیوں کا خاندان چلا۔ فارص کے بیٹے یہ ہیں یعنی حصرون جس سے حصرونیوں کا خاندان چلا اور حمول جن سے حمولیوں کا خاندان چلا - یہ بنی یہودا کے گھرانے ہیں ان میں سے چھہتر ہزار پانچ سو آدمی گنے گئے ،، -

- افغان قوم میں غلزئی قبیلہ ایک بڑا قبیلہ ہے - جس کی ذیلی شاخ ماہی خیل (ماہلہ) ہے قندہار سے ساٹھ ستر میل شمال کو قلات غلزئی میں جو ایک بڑا شہر ہے اور اس کے گرد و نواح کے وسیع رقبے میں اب بھی ماہی خیل (ماہلہ) قبیلہ آباد ہے - اور یہی ماہی (ماہلہ) امام کے مورث اعلیٰ ہے زوطی انبار میں گرفتار ہوگئے اس انبار کو اب سرپل کہتے ہیں - جو میمنہ (الیہودیہ) اور بلخ کے درمیان ہے - امام کو بابلی اس لئے کہا جاتا ہے - کہ بابل کے پاس بھی ایک قصبہ تھا جس کا نام انبار تھا - اور جس وقت بخت نصر بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر لایا تو وہاں آباد کیا تھا - وہاں سے جب یہ لوگ ادھر آئے تو وہ انبار نام ساتھ لے آئے تھے - اور یہاں کی آبادی کا نام یہی رکھا اس لئے اگر ان کے اجداد کو بابلی کہا جائے تو بھی غلط نہ ہوگا - کیونکہ وہ اسی جگہ سے آئے تھے - اگر کابلی کہا جائے تو یہ بھی وطن کی نسبت سے صحیح ہے کیونکہ وہ علاقہ کابل کا تھا -

ماہ (ماہلہ) جو زوطی کا والد تھا - وہ بھی اصل میں ماہی ہے - اور افغان قوم اس کو یہی کہتے ہیں - لیکن اس وقت ماہلہ سے بھی یاد

کہے جاتے ہیں اب بھی اس نام کے قبیلے موجود ہیں ۔ افغان قوم کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ نام کو بگھاڑتے ہیں ۔ مثلاً ضابطہ خان سے زوطے۔ ثابت خان سے ثابتے وغیرہ اس لئے یہ نام بھی افغانوں ہی کے ہیں۔

شجرہ نسب

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ جس سے ماہلہ مالہ یا قبیلہ ماہی خیل (متی‌خیل) معرض وجود میں آیا جو قبیلہ غلزئی کی ایک شاخ ہے واضح رہے کہ اصل نام ماہ تھا اور لوبک ۔ لاوبک اس وقت رئیس قبیلہ کے لئے بولا جاتا تھا لہذا یہ سابقہ نشانی لفظ لہ مخفف ہے لوبک لاوبک سے یعنی ماہلہ مخفف از ماہ لوبک یا لاوبک یعنی رئیس قبیلہ ۔

امام اعظم کی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کو سب ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ان میں حد درجہ کی مضبوطی اور شجاعت تھی ۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کو اپنی زندگی میں کافی زحمت اٹھانی پڑی ۔ یہ صفت صرف افغان قوم میں ہی پائی جاتی ہے ۔ ان کے کردار نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں نے محسوس کیا کہ یہ ضرور افغان نسل کے ہو سکتے ہیں ۔ اسی بنا پر میں نے ان کے نسب کی تحقیق بڑی جانفشانی اور محنت سے کی ۔

یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے ۔ کہ افغان قوم نے حتی الوسع اپنی نسل کو چھپائے رکھا خدا جانے اس میں کیا مصلحت تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم نے بھی اپنا شجرہ ظاہر نہیں کیا ۔ اس کی ایک اور مثال ایک افغان بزرگ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل کی پیش کی جاتی ہے ۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ

بنی اسرائیل لکھا کرتے ۔ منتخب التواریخ میں اس کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے :-

" شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی — شیخ اسحاق کاکو (افغان) کے شاگرد رشید ہیں - ان کی زندگی مختلف کیفیتوں سے گزری ۔ انہوں نے نہایت مفید اوربلند مرتبہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں ۔ امام غزالی کی تصنیف - جواہر القرآن پر ایک شرح بھی لکھی ہے ۔

اکبراعظم نے ان کو بلا کر گفتگو کی ۔ اور ان سے پوچھا تم کس قوم کے ہو ۔ انہوں نے بر جستہ کہا۔ لکھنے والوں کی قوم سے ۔ ان کی یہ بےتکلفی بادشاہ کو بڑی پسند آئی اور رخصت کیا -" آگے چل کر لکھتا ہے ۔

"میں نے پہلی بار لاہور میں ان سے ملاقات کی تھی ۔ کسی موضوع پر ملتان کی بربادی ۔ لاہور کے آباد ہونے، سلاطین لنکاہ ، خاص طور سے سلطان حسین کا قصہ انہوں نے اس دلچسپ انداز میں بیان کیا کہ میں انکی وضاحت اور واقعات کے تجزیہ و تنقید سے حیران رہ گیا ۔ گفتگو کی یہ حلاوت اور شرینی میں نے مشکل ہی سے کسی میں پائی ۔ وہ نہایت فیاض طبع انسان تھے ۔ کوئی سائل ان کے در سے نہیں محروم جاتا تھا ۔

تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا ۔ ان کے جنازے میں چھوٹے بڑے ہزاروں آدمی شریک تھے - اور بڑی عقیدت سے کاندھا دے رہے تھے ۔"

الغرض امام اعظم ، عباسی خلیفہ کے ہدف جور اور نشانہ ستم بننے کے بعد فوت ہوئے تھے ۔ جبکہ منصور نے عہدہ قضا پیش کیا اور انہوں نے نہایت جرات کے ساتھ اسے ٹھکرا دیا -

اور بلا شبہ خود امام ابو حنیفہ[رح] کو اپنی شرافت نفس کا

احساس تھا گو اس کے ساتھ ہی اپنے شرف نفس پر اصرار کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بنی تیم کے کسی شخص نے جس کی طرف آپ بہ لحاظ ولاء کے منسوب تھے، امام صاحب سے کہا .... انت مولا ہی ، یعنی تم میرے غلام ہو ، تو امام صاحب نے جواب دیا ....یعنی بخدا میں تمہارے لئے اس سے زیادہ باعث شرف ہوں جتنے تم میرے لئے ہو ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ ان لوگوں میں نہیں تھے جو ذلت نفس گوارا کر لیتے ہیں ۔ اور یہ چیز ان کی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے ۔

رہا اہل فارس کی طرف ان کا انتساب تو اس سے نہ ان کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہو سکتی ہے اور نہ یہ چیز حصول کمالات میں مانع بن سکتی ہے ۔ کیونکہ ان کا نفس ایک غلام کا نفس نہ تھا بلکہ ایک اصیل حُر کا نفس تھا ۔

چند خصائص قومی

حقیقت یہ ہے کہ عصبیت کا مقصد اصلی مدافعت و تغلب، نسب ہی سے تکمیل پاتا ہے

رہائش اور بسنے میں خاندانی و قبائلی عصبیت (نصب داری) و حمایت جس قدر ضروری ہے ، اسی قدر دوسرے امور میں بھی اس کی ضرورت واہمیت محسوس ہوتی ہے ۔ مثلاً کسی سلطنت کی بنیاد ڈالنی اور اس کا وقار قائم کرنا ، یا کسی دعوت حق کی تبلیغ کرنا اور اس کے احکام چلانا اور شائع کرنا ۔ ان سب امور کا بروئے عمل آنا بغیر جنگ و قتال کے ممکن نہیں ۔ جب طبیعت انسانی میں خود سری و خودرائی ابتدائے فطرت سے موجود ہے تو انسان کو بغیر طاقت و زور کے کس

طرح کوئی بات حق منوائی جا سکتی ہے ۔ جنگ و قتال زور و طاقت کے استعمال میں عصبیت و حمیت ہی کی کارفرمائی ہے ۔ بغیر عصبیت و حمیت کے جزبہ کے کوئی کیوں اپنا خون بٹوئے اور آمادہ جنگ و پیکار ہو ۔ اور عصبیت ، نسبی اتحاد اور دیگر قریبی تعلقات اور دینی و مذہبی یگانیت سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور عصبیت والی قوم پر غیر قوم کا آدمی حکمرانی نہیں کر سکتا ۔ اور ان سے سلطنت نہیں نکلتی اگر ایک خاندان سے نکل جاتی ہے تو دوسرے میں پہنچ جاتی ہے ۔

یہ بات ثبوت کو پہنچی ہے کہ ریاست غلبہ سے حاصل ہوتی ہے اور غلبہ عصبیت سے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قوم پر اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ماتحت عصبیتوں سے فرمانروا کی عصبیت زیادہ اور قوی ہو ۔ کیونکہ جب امیر کی عصبیت سب کو طاقتور نظر آئی گی تو سب کی گردنیں لازمی طور سے اس کے سامنے جھکیں گی ۔ اور ان کا سر اطاعت اس کے سامنے خم ہوگا۔

عصبیت کا اصل تقاضا ، مدافعت و تغلب ، یعنی اپنوں کو غیروں سے بچانا اور دوسروں پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنا، نسب ہی سے تکمیل پاتا ہے ۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ

> چوتھی علامت نبوت کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام حسب و نسب میں اپنی قوم میں ممتاز ہوں ۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی قوم میں پیدا کرتا ہے جو اس کی حمایت و اعانت کر سکے ۔ چنانچہ ہرقل اپنے سوالات میں ابو سفیان سے یہ بھی پوچھتا ہے کہ تمہارا نبی نسب کے لحاظ سے کیسا ہے ۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ وہ ہم میں اچھے نسب سے ہے اس پر ہرکل نے کہا کہ بے شک انبیاء

علیہم السلام اپنی قوم میں اچھے نسب سے ہوتے ہیں ۔اس میں جناب باری تعالیٰ کی یہ حکمت و مصلحت ہے کہ قومی شوکت و عصبیت انبیاء علیہم السلام کی مدد گار ہو ۔ اور ایذائے کفار سے ان کو بچا سکے ۔ تاکہ رسالت کی ذمہ واری بھی ادا ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا مقصد بھی پورا ہو کہ دین و ملت دنیا میں پھلے پھولے "

کتاب الاغانی کے مصنف نے لکھا ہے کہ

ایک مرتبہ کسریٰ (شاہ ایران) نے نعمان (صحابی) سے دریافت کیا کہ عرب کے قبیلوں میں ایک کو دوسرے پر شرف و فضیلت حاصل ہے یا نہیں ۔ نعمان نے کہا ، ہاں ۔ کسریٰ نے کہا ۔ کس چیز سے ، نعمان نے جواب دیا کہ جس کی تین پشتوں میں ریاست (امارت) برابر رہی ہو اور پھر چوتھی پشت میں بھی ریاست باقی ہو تو ایسا گھرانہ قبیلہ کی ناک ہوتا ہے۔

آنحضرت ؐ کا فرمان ہے ۔

تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ار حامکم"

یعنی نسب کا فائدہ یہی رشتہ داری کا بندھن تو ہے جو انسان کو صلہ رحمی پر مجبور کرتا ہے اور جانبین سے جانثاری اور قربانی ظہور ہونے لگتا ہے ۔

حضرت عمر کا قول ہے ۔

تعلموا النسب ولاتکونوا کنبط السواد اذاسئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا

یعنی سر سبز مقامات میں رہنے والے عربوں کو کیا ہوا کہ شہریوں سے مل جل کر ان کے نسب گڑ بڑ ہوگئے اور نسبی تمیز اٹھ گئی ۔

معلوم رہے کہ غلبہ و اقتدار ، مدافعت و مقاومت ،(یعنی اپنوں

کو غیروں سے بچانا اور دوسروں پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنا) عصبیت ہی کے راستہ سے معرض وجود میں آتے ہیں کیونکہ عصبیت ہی کی یہ کار سازی ہے کہ وہ قوم میں غیرت و حمیت کی رگ حرکت میں لاتی ہے ۔ ایک دوسرے پر مٹنا سکھاتی ہے ۔ اور غلبہ کا پورا دار و مدار عصبیت پر ہے ۔ عصبیت کی یہ کرشمہ سازی عام مخلوق کی نظر سے اوجھل ہے ۔ انہوں نے وہ تمام حالات یکسر بھلا دئے ، جن کے تحت سلطنت و حکومت کی بنیاد پڑی تھی ۔

بعض لوگوں کا خیال اس بارے میں بالکل ہی جدا ہے اور وہ اس کو برا کہتے ہیں ۔ لیکن اس کے اچھے اور برے دو رخ ہیں ۔

برے رخ کی شریعت نے مذمت کی ہے اور اچھے رخ کی مدح سرائی ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً شریعت نے شہوت و غضب کی مذمت کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ شہوت اور غضب کا مادہ بالکل ہونا نہیں چاہئے کیونکہ بہر حال ان قویٰ کی بھی بہت جگہ ضرورت ہے مقصد اس کی مذمت سے یہ ہے کہ نا مناسب راستوں میں اور شریعت کے خلاف حکم ، ان قوائے شہوانی و غضبانی سے کام نہ لیا جائے ۔ معلوم رہے کہ کسی قوم کی خصائص سے مراد وہ چند محسوسات اور قابلیتیں ہیں جو اس قوم کے اشخاص میں پائی جاتی ہیں اور ان کی قوتوں کو ایک ہی طرف مصروف کر دیتی ہیں ۔ یہ عام مجموعہ خیالات اور محسوسات کا سال ہائے دراز میں وارثتاً پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام خصائص قومی ہے یہ وہ وراثت ہے جو ہمیں اپنے اباؤ اجداو سے ملی ہے اور جیسے ہم خود اپنے اخلاف (پسماندہ گان) کے لئے چھوڑ جانے والے ہیں ۔

دینی دعوت عصبیت کی قوت کو دوبالا کر دیتی ہے ۔ دین کا جذبہ بغض و حسد کے مادہ کی بیخ کنی کر کے انسانوں کا پورا رخ

حق و صداقت کی طرف کر دیتا ہے -

اب جب حاملین دین و پیشوایان قوم اپنی کسی غرض پر سوچ بچار کرتے ہیں تو ایک ہی نقطہ نظر ہے - کیونکہ سب کی طلب ایک ہی رخ میں ہوتی ہے اور سب کا مطلب و مقصد واحد — اور اس پر وہ مضبوطی سے جمے رہتے ہیں -

عام قوم کو جب کسی نقطہ خیال و مقصد واحد پر جمع کیا جائے - اور اس کے لئے ابھارا جائے تو اس کے لئے عصبیت لابدی ہے - اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے -

ما بعث الله نبیاً الا فی منعة من قومه - (ابن خلدون)

جب انبیاء علیہم اسلام کو ہی عصبیت کے بغیر چارہ نہیں جو لوگوں کی عادات بدلنے پر سب سے زائد قدرت رکھتے ہیں تو اوروں کا کیا پوچھنا وہ تو ضرور ہی تبدیلی عادات انسانی کے لئے عصبیت کے محتاج ہونگے - کیونکہ عصبی حمایت کے بغیر ان کی دعوت حق چل نہ سکے گی -

بہت ہی کم ایسے آدمی ہوں گے جن کی طبیعت میں صلہ رحمی کا مادہ نہ ہو - اسی مادہ کا اثر ہے کہ انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کے عزیز و اقارب کسی کے ظلم کا شکار ہو گئے ہیں یا ہلاکت و مصیبت کا لقمہ بن گئے ہیں تو اس کا خون جوش کھانے لگتا ہے اور پھر اپنے آپے میں نہیں رہتا - وہ اس کی تاب نہیں لا سکتا کہ اس کا قریبی عزیز مصیبت میں پڑا دم توڑ رہا ہو یا دشمن کے پنجہ ظلم میں پھنسا ہو اور وہ اسے خاموشی سے دیکھے - بلکہ چاہتا ہے کہ عزیز سے پہلے اپنی جان کو ہلاکت کے منہ میں دیدے - یہ انسان کی فطرت ہے جس پر وہ پیدا ہوا ہے - پھر اگر رشتہ داری بہت ہی قریب کی ہے اور خونی اتصال بہت گہرا ہے تو خیر اندیشی اور قربانی کا جذبہ

بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوگا اور اگر قرابت دور کی ہے اور تعلقات تقریباً بھول کی نذر ہو گئے ، صرف شہرت باقی ہے ، تب بھی اقربا' کی مدد کے لئے رگ حمیت حرکت میں ضرور آتی ہے گو وہ جوش و برہمی پیدا نہ ہو جو ایک زیادہ قریبی عزیز کے مبتلائے مصیبت ہونے پر ہوتی ہے - مثال کے طور پر اس ضمن میں افغان مشائخ و امرا' کے خیالات و جذبات اور نوجوان طبقہ کی جانبازی اور خصوصاً احمد شاہ ابدالی کی تڑپ اور اپنی جان کو ہلاکت کے منہ میں دینا اور سب کے خون میں گرمی پیدا ہونا ، خصوصاً اسی وقت زیادہ تیز ہو کر آپے سے باہر ہوتا جب ان کو ہندوستان سے افغانوں کی فریاد اور تباہی کی خبریں اور غیروں سے نجات دلانے کے لئے خطوط پہنچتے ہیں - اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے - لہذا بہت اختصار کے ساتھ جو ہندوستان کے سفر میں ان کو جو پیش آیا ذیل میں درج ہے -

احمد شاہ ابدالی ، میاں عمر صاحب ، اور ان کے رفیق افغان امراء و مشائخ ، انہیں مذکورہ اسباب اور وجوہات کے بنا' اس پر متفق ہو گئے کہ ہندوستان میں کافر مرہٹوں کے ہاتھوں ظلم و ستم اور قتل و غارت سے مسلمانان ہند کو جن میں افغان برادری کے لوگ بھی بکثرت آباد تھے ، نجات دلایا جائے - یہ مہم بظاہر بہت ہی مشکل تھا مگر انہوں نے خدا کا نام لے کر دین اسلام کی دعوت سے افغانوں کی عصبیت کی قوت کو تازہ اور دوبالا کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے غرض سے احمد شاہ ابدالی ، افغان فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوئے -

احمد شاہ ابدالی ایشیاء کے اولین حکمران تھے جو مختلف افغان قبائل کے مشترکہ جرگوں کے ذریعہ بالاتفاق بمقام قندھار منتخب کیا گیا اور وہ صرف بادشاہ نہیں بلکہ تمام افغان قبائل کا قائد اور پیشوا تھا - ان کی جمہوریت نوازی اور قوم کی صحیح راہنمائی اور خدمت

کرنے کے سبب اس وقت بھی پختون قوم اس کو اپنا مورث اعلیٰ تصور کرتے ہیں اور بہت عزت کے ساتھ احمد شاہ بابا کے نام سے یاد کرتے ہیں -

اور ان سے جو وراثت قوم افغان کو ملی ہے وہ بہت ہی وزن دار ہے جس کو پورے قوم پختون دائمی احسان اور نشاندہی سمجھتے ہیں - اور اللہ پاک سے دست بدعا ہیں کہ اس قوم میں پھر احمد شاہ بابا اور اور ان کے اراکین مشورت جیسے پیدا ہوں۔ آمین ثم آمین یا رب‌العالمین

احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے مقابلے کے لئے ۱۱۷۳ھ میں دریائے اٹک کو عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا اور معمولی لڑائی کے بعد مغل ادنیہ بیگ مرہٹہ گورنر سے پنجاب چھین لیا - جب وہ سہارنپور کے راستے سے دوآبہ میں آیا تو اسے ہر جگہ مرہٹہ لشکر پھیلا ہوا نظر آیا - احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ گنگا جمنا کے دوآبہ میں مقیم تھا کہ نواب نجیب‌الدولہ چھ ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل افغانی فوج کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اسی جگہ نواب دولدے خان اور حافظ رحمت خان اٹھارہ ہزار پیدل اور چار ہزار سواروں کے ساتھ آ گئے - نواب احمد خان بنگش (فرخ آباد) دو ہزار سوار اور کچھ پیدل فوج کے ساتھ آیا - ابدالی کی فوج کی مجموعی تعداد چھبیس ہزار کے لگ بھگ تھی - شاہ ولی خان ابدالی کا وزیر اعظم تھا - روہیلوں کے اس امداد سے احمد شاہ ابدالی کی طاقت دوگنا ہو گئی روہیلوں کی فوج خالص افغانوں پر مشتمل تھی - جو سخت قابل اعتبار تھے - اس فوج کے علاوہ ہر سردار کے ساتھ کچھ فالتو سپاہی بھی ہوتے تھے - فالتو سپاہیوں کی یہ فوج یتیموں کی جماعت سے مشہور تھی - یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں ہوتے - یتیموں کی فوج باقاعدہ لشکر کے عقب میں رہتی تھی - اس کا کام وقتاً فوقتاً دشمن پر چھاپا مارنا اور لوٹ مار تھی - لوٹ میں

جو کچھ ان کے ہاتھ آتا وہ انہیں کو دے دیا جاتا کیونکہ سرکار سے انہیں نہ کوئی وظیفہ نہ تنخواہ ملتی تھی ۔

ہندوستان کے باشندے مرہٹوں کے مظالم سے اس قدر تنگ آ چکے تھے ۔ کہ انہوں نے ابدالی کے دو آبہ پہنچ جانے کی کسی نے مرہٹوں کو اطلاع نہ دی ۔ وہاں قریب میں دتتا جی سندھیا کا لشکر پڑا ہوا تھا ۔ ابدالی نے اچانک اس پر حملہ کر دیا اس لڑائی میں دتتا سندھیا مارا گیا ۔ اور تین چوتھائی کے قریب اس کا لشکر تباہ ہوگیا ۔ ابدالی کی فوج نے نارنول تک بھگوڑ مرہٹوں کا تعاقب کیا یہاں اسے یہ خبر ملی کہ ایک اور مرہٹہ جرنیل ملہار راؤ ہلکر اپنے لشکر کے ساتھ سکندرہ میں مقیم ہے ۔ ابدالی نے اس وقت ایک بہت خوفناک چال چلایا ۔ اس نے کچھ نقد و جنس کشتیوں میں لد واکر دریائے گنگا کے پار اتروا دیا ۔ ادھر ملہار راؤ ہلکر کو جب خبر ہوئی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ سکندرہ سے نکلا ۔ اور مٹھی بھر افغانوں کو جو اس سامان کے ساتھ تھے مار بھگایا اور سارا سامان لوٹ لیا ۔ ابدالی نے ہلکر کی تاک میں اپنے سرداروں شاہ پسند خان اور قلندر خان کو بہت سی فوج کے ساتھ بٹھا رکھا تھا ۔ ملہار ہلکر فتح کے نشہ میں سکندرہ واپس جا رہا تھا کہ افغان برق و باد کی طرح اس پر آ پڑے ہلکر بڑی مشکل سے تین سو سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا اس کی بہت ہی فوج قتل ہوگئی ۔ اور بہت قید کر لی گئی ۔ ہلکر کا خزانہ اور دیگر سامان ابدالی کی فوج کے ہاتھ لگا ۔ اسی طرح چند روز ہی میں سندھیا اور ہلکر کا لشکر تبا ہوگیا ۔

احمد شاہ ہر روز گھوڑے پر سوار ہوکر صبح سے دوپہر تک اپنی چھاؤنی کا چکر لگایا کرتا تھا ۔ اور فوج کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتا ۔ اس اثنا میں دہلی سے حیدر خان اور گل بانو

آئے اور اس کے سامنے پیش کئے گئے ۔ ابدالی نے پوچھا کہ یہ کون ہیں ۔ تعارف کیا گیا ۔ اور حیدر خان افغان دھلی کے واقعات بالتفصیل بتائے ۔ مرہٹوں کا قبضہ اور وزیر غازی‌الدین مغل کے بادشاہ کو قتل کرنے کی داستان اور مرہٹوں کی طرف‌داروں اور ان کے لانے کے واقعات اور ظلم کی داستان سنائیں ۔ اور غازی‌الدین وزیر کے غداری اور مرہٹوں کے ساتھ پروگرام وغیرہ سے اطلاع دی ۔ حیدر خان افغان دھلی کے بادشاہ مرحوم کا خاص آدمی تھا ۔ احمد شاہ کے نام ان کا زبانی پیغام اور ہدایات بھی سنائیں ۔ ابدالی بہت ہی خفا ہوا کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑا ۔ ابدالی ذرا تیوری چڑھا کر بولا ۔ لیکن تم اتنی دیر سے کیوں آئے ۔ حیدر خان نے اپنی اور گل بانو کی گرفتاری کا ماجرہ سنایا غازی‌الدین وزیر نے ان کو لال قلعہ میں قید کئے تھا ۔ اور دھلی میں شاہ ولی‌اللہ صاحب جو شاہ جی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے ۔ اس نے ان کی رہائی اور یہاں ابدالی کے پاس بھیجنے کا انتظام کیا تھا ۔ حیدر خان سے مرہٹوں کے دھلی میں داخل ہونے اور ان کی مظالم کی خبریں سنتے ہی ابدالی کے چہرے پر جلال آگیا آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں ۔ پوچھا وہ محسن کش غازی‌الدین کہاں ہے ۔ حیدر خان نے جواب میں کہا ۔ عالی جاہ غازی‌الدین ہی تو مرہٹوں کا استقبال کر کے انہیں دلی لایا تھا اور وہیں ہے ۔ احمد شاہ نے کہا ۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہندی مسلمانوں میں اتفاق نہیں ۔ (یہ اشارہ مغلوں کو تھا) ۔ وزیر غازی‌الدین نے ہند میں افغانوں کی جو ریاستیں ہیں انہیں مرہٹوں کے ہاتھوں تباہ کرایا ۔ لیکن اس نمک حرام سے کسی نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کیے دانت ہیں ۔ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے حبیب ؐ نے ہمیں اتفاق اخوت اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے ۔ لیکن

یہاں مجھے اپنے بھائیوں میں اس کا جزبہ کہیں نظر نہیں آتا (اس وقت شجاع الدولہ کے بلانے کے لیے نجیب الدولہ کو بھیجھا تھا جو ابھی تک نہیں آیا تھا شجاع الدولہ کے نہ پہنچنے پر بھی افسوس کیا)۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ ابدالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ،، '' مولا ! میں تیرا ایک نا چیز بندہ محض تیرے نام کی برکت اور سہارے پر اپنے ہندی بھائیوں کی خدمت میں آیا ہوں۔ تجھے معلوم ہے تیرے مجاہدوں کے مقابلے میں تیرے پاک نام تیرے پاک دین اور تیرے حبیب ؐ کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں تو ہمیں ہمت اور استقلال عطا کر اور دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق عطا فرما '' سب حاضرین نے صدق دل سے آمین کہی،، اور بادشاہ نے حیدر خان اور گل بانو کو اپنے وزیر کے سپرد کر کے وہ خاصہ تناول فرمانے اپنے خیمہ میں چلا گیا ۔

مرہٹوں کے سپہ سالار بھاؤ جو دلی میں تھا احمد شاہ کے دو آبہ گنگا جمنا میں پہنچنے کی خبر مل چکی تھی لیکن برسات کی وجہ سے جمنا میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی - ایسے میں ابدالی کے لشکر کا بڑھنا نا ممکن تھا ۔ کرنال کے قرب و جوار میں افغانوں کی ایک ریاست کنج پورہ کے نام سے مشہور تھی ۔ بھاؤ کو کنج پورہ کے افغانوں کی طرف سے کھٹکا تھا ۔ اس کو معلوم تھا کہ جب ابدالی کا لشکر آگے بڑھیگا تو کنج پورہ کے افغان ضرور مرہٹوں کا راستہ روکیں گے اس لیے بھاؤ کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوا یہاں افغانوں کا ایک لشکر بیس ہزار کے لگ بھگ تھا ۔ کنج پورہ سے کچھ فاصلے پر دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا کہاں بیس ہزار اور کہاں لاکھوں کا لشکر تا ہم افغانوں نے حق مردانگی ادا کر دیا ۔ مرہٹوں کو ایسا جان توڑ کر

Qaiser Khan
University of
Malakand

مقابلہ کرنا پڑا کہ ایک بار تو بھاؤ کے بھی حواس گم ہو گئے ۔ آخر چاروں طرف سے گیر کر سب قتل ہو گئے اور مرہٹے بھی زیادہ تعداد میں قتل ہوگئے ۔ مرہٹوں نے کنج پورہ میں داخل ہو کر ہر بربت اور مظالم کا ایسا خوفناک مظاہرہ کیا جس کی مثال اور کہیں مشکل ہی سے ملے گی

ابدالی کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جیسے بھی ہو جمنا عبور کرنے کی کوئی ترکیب کریں آخر کچھ روز بعد ایک ایسا مقام مل ہی گیا جہاں سے ابدالی کی فوجیں جمنا سے پار اترنے میں کامیاب ہو گئی اسی اثنا میں دوسہرہ کا تہوار آگیا ایک کنج پورہ کی لڑائی کی فتح دوسرے تہوار کی خوشی ۔ مرہٹوں نے بڑی دھوم دھام سے مغلوں کی راج دانی دلی میں دسہرہ کا تہوار منایا ۔ دلی کے ہندوں نے بھی مسلمانوں سے الگ ہو کر اس میں حصہ لیا ۔

مغل حمکرانوں اور ان کے امراء کی خود غرضیوں اور رقابتوں کی وجہ سے مرہٹوں نے ملک میں جو اودھم مچا رکھی تھی اور جس طرح مسلمانوں کو لوٹتے اور مارتے تھے اس کا قدرتی نتیجہ لڑائی تھی جو پانی پت کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے لیکن احمد شاہ اور ان کے ساتھی خدائی عشق میں ڈوبے تھے اور نگاہیں صرف مسلمانوں کے بچانے پر لگی تھیں

ہے التفات عام سے بالا مقام عشق
دل کی نگاہ ملتفت سیم و زر نہیں

احمد شاہ ابدالی کا لشکر باغپت کے گھاٹ سے جمنا عبور کر رہا تھا کہ مرہٹہ سپہ سالار راؤ بھاؤ کو بھی خبر ملی اور اس نے اسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دیا ۔ اس وقت مرہٹہ لشکر میں ملہار ہلکر ۔ جھنکو جی سندھیا ۔ دتا جی گائیکواڑ ۔ جسونت راؤ پنواڑ ۔ سلا جیے راؤ ۔

راجہ ستر دیو ۔ بشن سنگھ وغیرہ مشہور مرہٹہ جرنیل تھے لشکر کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی ۔ اور ابدالی کے جھنڈے تلے چھیاسٹھ ہزار مجاہد تھے ان میں چھبیس ہزار تو ابدالی کے سپاہی تھے اور چالیس ہزار دوسرے روہیلے سردار اور نوابوں کے آدمی تھے جو ہندوستان سے اس کے ساتھ شامل ہوگئے تھے ۔ نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ مغل اندرون خانہ مرہٹوں سے ملا ہوا تھا ۔ لیکن ماں اور بیگم کے سمجھانے سے وہ ابدالی کے پاس پانی پت پہنچ گیا اور اپنے ساتھ صرف دو ہزار فوج اور چند توپیں لایا ۔ شجاع الدولہ کی خواہش و مرضی یہ تھی کہ وہ اس لڑائی میں غیر جانبدار رہے لیکن مصلحت وقت دیکھ کر ابدالی کے ساتھ پانی پت میں شامل ہو گیا ۔

بھاؤ جب لشکر لے کر ابدالی کے مقابلے میں نکلا تو اسے سب سے زیادہ فکر سامان خورد و نوش کا تھا ۔ تین لاکھ فوج اور ان کے مویشیوں کے لئے رسد وغیرہ کا انتظام کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا ۔ مصیبت یہ تھی کہ مرہٹوں کے جو چھوٹے چھوٹے دستے ادھر ادھر سامان حاصل کرنے جاتے ۔ لوگ ان کی خبر ابدالی کے لشکریوں کو بھی کر دیتے اور افغانا چانک قضاء مبرم کی طرح ان پر آ پڑتے ۔ دلی کے آس پاس راجہ سورج مل جاٹ کا علاقہ تھا لیکن وہ بھاؤ کی نظروں میں مشتبہ تھا ۔

ادھر احمد شاہ ابدالی جمنا سے ابھی ایک منزل ہی آگے آیا تھا کہ اسے بھاؤ کا لشکر سامنے نظر آیا ۔ مرہٹوں نے مسلمانوں کو اپنی جمیعت کو مرتب کرنے کا بھی موقع نہ دیا اور آتے ہی ,, جیے جیے بھوانی ،، اور ,, ہر ہر مہا دیو ،، کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ کر دیا ۔ ابدالی نے یہ رنگ دیکھ کر بڑی پھرتی سے سو سو مجاہدوں کے دس دستے بنا دئے اور انہیں حکم دیا کہ یکے بعد دیگرے

تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر حملہ کریں باقی لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھے ۔ مرہٹوں کی ہراول فوج وسواس راؤ ۔ ملہار راؤ دتا جی اور جھنکر جی کے ماتحت میدان میں آئی تھی ۔ مسلمان مجاہدوں کی پیہم تکبیروں کی آواز سے یہ لوگ گھبرا جاتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر کہاں سے آ نکلا ۔ جب سینا پتی بھاؤ کو یہ خبر ملی تو اس نے فوج کو حکم بھیجا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں تا کہ مسلمان ان کے تعاقب میں اپنے لشکر کے قلب سے آگے بڑھ آئیں ۔ چنانچہ مرہٹہ ہراول فوج پیچھے ہٹنے لگی ۔ احمد شاہ ابدالی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا ۔ وہ مرہٹوں کی چال فوراً سمجھ گیا اس نے اسی وقت اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی فوج کے پیچھے پیچھے آگے آگے بڑھیں ۔ مرہٹہ فوج تقریباً دو کوس پیچھے ہٹ چکی تھی ۔ اس اثنا میں شام کی آمد آمد کی وجہ سے دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر رک گئیں ۔ اور حفاظت کے لئے چوکی پہرے بٹھا دئے جب دن چڑھا تو بھاؤ نے پھر جنگی کونسل طلب کی اور آج کی لڑائی کے متعلق بہت سی تجویزیں پیش کیں ۔ لیکن چند تجربہ کار مرہٹہ افسروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ چونکہ ہمارا لشکر بہت زیادہ ہے اس لئے ہمیں آج بھی پیچھے ہٹ کر کھلے میدان میں پہنچ جانا چاہئے ۔ اگر ہمارا لشکر کھلے میدان میں پہنچ گیا تو پھر ابدالی کو چاروں طرف سے گھیر کر مار لینا آسان ہوگا ۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق مرہٹے پھر پیچھے ہٹنے لگے ۔ دن میں کئی بار آپس میں جھڑپیں بھی ہوتی رہتیں ۔ ایک طرف سے پیچھے ہٹنے اور دوسری طرف سے آگے بڑھنے کا سلسلہ متواتر پانچ روز تک جاری رہا اور آخر تقدیر دونوں لشکروں کو پانی پت کے میدان میں لے آئی پانی پت کے

اصلی میدان میں احمد شاہ ابدالی نے قیام کیا اور بھاؤ یہاں سے چار کوس پیچھے خیمہ زن ہوا ۔ اس وقت پانی پت کا شہر ابدالی کے قبضہ میں تھا جس کی اس نے پوری طرح مورچہ بندی کر لی ۔ اور مرہٹوں کے شب خون کے پیش نظر فوج کو لشکر کے چاروں طرف بیس بیس گز چوڑی خندق کھودنے کا حکم دیا ۔ مسلمانوں میں جہاد کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ سب مسلمان سردار حتٰی کہ خود احمد شاہ ابدالی اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے ۔ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے تسبیح اور درود شریف کی آواز چاروں طرف سے بلند ہو رہی تھی اور خندق تیار ہو رہی تھی ۔ مرہٹوں کو جب یہ اطلاع ملی توانہوں نے بھی اپنی چھاؤنی کے چاروں طرف خندق تیار کرا لی دونوں خندقوں میں صرف چھ کوس کا فاصلہ تھا جب تک یہ خندقیں تیار ہوتی رہیں دونوں طرف سے لڑائی بھی بند رہی ۔ لیکن تیاری کے بعد پھر ہراول دستوں میں جنگ ہونے لگی ۔ ایک طرف سے ''ہر ہر مہادیو'' اور دوسری طرف سے '' اللہ اکبر'' کے نعرے فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا کر دیتے ۔ ادھر یہ جھڑپیں ہو رہی تھیں ادھر مرہٹہ جرنیل بھاؤ نے گوبند پنڈت کو جو ایک تجربہ کار افسر تھا دس ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ وہ آس پاس کے اسلامی علاقوں کو لوٹ لے کیونکہ مسلمانوں کو انہی علاقوں سے رسد کا سامان پہنچ رہا تھا ۔ گوبند پنڈت نے مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی اس کی اس ترکیب سے مسلمانوں کو رسد ملنی بند ہو گئی ۔ ابدالی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے سردار عطائی خان کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ دو ہزار سوار لے کر فوراً جائے اور گوبند پنڈت کا سر کاٹ کر لائے ۔ چنانچہ بادشاہ کا حکم پاتے ہی

عطائی خان دو ہزار سواروں کے ساتھ لشکر سے نکلا ۔ عطائی خان نے صرف ایک رات میں چالیس میل سفر کر کے گوبند پنڈت کو جا لیا ۔ گوبند پنڈت بھی فوراً مقابلے کے لئے تیار ہوگیا لیکن مرہٹے مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے ۔ گوبند پنڈت کچھ سواروں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑ رہا تھا ۔ اس نے بھی بھاگنے کی ٹھانی لیکن بد قسمتی سے اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھا کر وہ نیچے گرا ایک مجاہد نے دوڑ کر اس کا سر کاٹ لیا اور عطائی خان کے پاس لے آیا ۔ عطائی خان نے واپسی کی راہ لی اور دوسرے ہی روز ابدالی کے قدموں پر وہ سر ڈالا ۔ بھاؤ کو جب گوبند پنڈت کے قتل اور اس کے دس ہزار سواروں کے قتل اور شکست ہونے کی خبر پہنچی تو اسے بہت افسوس اور گھبراہٹ ہوئی بھاؤ کو سب سے زیادہ لشکر کے لئے رسد پہنچانے کا فکر تھا لیکن مسلمانوں کے حملوں کی وجہ سے کسی اور جانب سے سامان آنا بالکل بند ہو چکا تھا ۔ بھاؤ نے اپنے نائب افسروں کے مشورہ سے بیس ہزار سپاہی جمنا اور گنگا کے درمیانی علاقوں میں راتوں رات ادھر ادھر سے رسد جمع کرنے کو بھیجے ۔ نصف شب کے قریب یہ فوج ایک سنسان جنگل میں آرام کرنے کے لئے رک گئی لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ موت یہاں بھی ان کی تاک میں ہے ۔ گوبند پنڈت کے واقعہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک سردار شاہ پسند خان کو پانچ ہزار سوار دے کر مرہٹوں کی ٹو میں لگا رکھا تھا تاکہ وہ کہیں سے رسد نہ لے جا سکیں ۔

شاہ پسند خان کو جب خبر ملی تو اس نے جنگل کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زور زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دئے مرہٹے گھبراہٹ کی حالم میں ہتھیار سنبھال سنبھال کر مرنے مارنے

پر تیار ہو گئے لیکن ان سے کچھ نہ ہو سکا صبح تک افغانوں نے سب کو قتل کر کے ختم کر دیا ۔ شاہ پسند خان نے مقتولوں کے سر اوپر نیچے رکھ کر ایک مینار بنا دیا ۔ ابدالی نے شاہ پسند کی درخواست پر یہ کلہ مینار خود جا کر دیکھا اور شاہ پسند خان کو خلعت عطا کیا ۔ یہ ہنگامے اور معرکہ آرائیاں جو مرہٹوں اور افغانوں میں ہو رہی تھیں اب ان کو پانچ مہینے کا عرصہ گزر گیا ۔ بہت سے مرہٹے افغانی تلواروں سے مرے مرہٹہ لشکر میں کھانے پینے کے سامان کی خوفناک قلت محسوس ہو رہی تھی اور فوج میں بھی بے دلی کے آثار پائے جاتے تھے ۔ بھاؤ کو اگر کسی پر بھروسہ تھا تو وہ نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ تھا آخر بھاؤ نے شجاع الدولہ کو ایک خط لکھا اور تمام حالات بیان کرنے پر وہ الفاظ لکھے جو اوراق تاریخ آج تک اپنے دامن میں محفوظ چلے آتے ہیں ۔ وہ الفاظ یہ تھے ۔" اب کاسہ لبریز ہو چکا ہے اور ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں ۔" یہ خط لکھ کر اس نے اپنے ایک معتبر آدمی کے ہاتھ شجاع الدولہ کو بھیج دیا ۔ یہ رات کا وقت تھا شجاع الدولہ کو جس وقت یہ خط ملا وہ اسی وقت سوار ہو کر احمد شاہ ابدالی کے خیمے پر آیا ۔ احمد شاہ مصلے پر بیٹھا اپنے خالق کو یاد کر رہا تھا شجاع الدولہ کے آنے کی اطلاع پاتے ہی باہر نکل آیا خیریت پوچھی ۔ شجاع الدولہ نے بھاؤ کا خط پیش کر دیا ۔ ابدالی بھاؤ کا خط سن کر بولا " واقعی قطرے کی بھی گنجائش نہیں " ساتھ ہی اس نے اپنے سرداروں کو تیاری کا حکم دے دیا ۔ شجاع الدولہ اس وقت بھی اس امید پہ تھا کہ جنگ نہ ہو اور صلح ہو جائے مگر احمد شاہ ابدالی نے روہیلے سردار نجیب الدولہ عنایت خان بن حافظ رحمت خان ۔ دوندے خان کے رائے کو فوقیت دی اور صلح سے انکار کر گئے ۔ روہیلے سردار صلح کے مخالف تھے وہ

سمجھتے تھے اگر صلح ہو گئی اور ابدالی ہندوستان سے واپس چلا گیا تو مرہٹے ان کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیں گے ۔ شجاع الدولہ ابھی مایوس نہیں ہوا تھا جو اسے بھاؤ کا یہ آخری خط ملا اور اس کی کوشش تھی کہ بغیر جنگ بادشاہ ہندوستان واپس ہو جائے مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی ۔ ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ ع کو صبح نکلتے ہی مرہٹوں کی چھاؤنی کی طرف سے شور و غل کی آواز آنے لگی ۔ احمد شاہ ابدالی نے اسی وقت اپنی فوج کو ترتیب دیا اور ایک دستے کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا ہو گیا ۔ مرہٹوں کے لشکر کے آگے آگے توپ خانہ تھا اس توپ خانے نے نزدیک آکر توپوں کے دہانے کھول دئیے اور توپیں آگ اگلنے لگیں ۔ مسلمانوں کے مورچہ پر خوفناک گولہ باری ہونے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کو اپنے بہت سے مورچے خالی کرنے پڑے ۔ مسلمانوں کے دائیں بائیں عنایت خان بن حافظ رحمت خان، دوندے خان ، نواب احمد خان اور نجیب الدولہ کی فوجیں تھیں اور قلب میں وزیر اعظم شاہ ولی خان اپنی فوج کے ساتھ کھڑا تھا توپخانے کی دباؤ انہی روہیلے سرداروں کی صفوں پر پڑ رہی تھی ۔

تھوڑے ہی دیر میں قریب چھ ہزار سے زیادہ افغان روہیلے شہید ہوگئے یہ حالت دیکھ کر بھاؤ اور بسواس راؤ اپنے دستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ایسا شدت کا حملہ کیا کہ روہیلوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ نواب شجاع الدولہ مغل اپنی فوج کے ساتھ ایک طرف تماشائی بن کر خاموش کھڑا تھا ۔ روہیلوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے مرہٹے اس جگہ آ نکلے جہاں وزیراعظم شاہ ولی خان کھڑا تھا ۔ مرہٹوں نے آتے ہی اس کی فوج پر حملہ کر دیا ۔ فضا پھر ایک بار ,, ہر ہر مہا دیو ,, اور ,, اللہ اکبر ،، کے نعروں سے گونجنے لگی ۔ لیکن پاسہ مرہٹوں کا ہی بھاری معلوم ہوتا تھا اچانک شاہ پسند خان وزیر اعظم کی مدد کو آگیا اور

تھوڑی دیر بعد احمد شاہ ابدالی بھی اپنے رسالے کے ساتھ آ پہنچا ان دونوں کے آجانے سے مرہٹوں کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ نجیب الدولہ جو ابھی ابھی اپنا مورچہ چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا اپنے سپاہیوں کو ادھر ادھر سے فوراً اکٹھا کر کے پھر آگے بڑھا ۔ دوسرے سردار بھی سنبھل کر اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے ۔ نجیب الدولہ کی فوج بڑی ہوشیاری اور بہادری سے بھاؤ اور بسواس راؤ کی فوج کے عقب میں آ گئی ۔ اب سامنے سے ابدالی کی فوجیں تھیں عقب میں روہیلے افغان تھے ۔ اور بھاؤ اور بسواس راؤ بیچ میں گھرے ہوئے تھے ۔ تلواروں کی جھنکار ۔ نیزوں اور بھالوں کی چمک ۔ گرزوں کی کھٹک اور توپوں بندوقوں کی کڑک ۔ ابدالی کے لشکر میں غلیل باز بھی تھے اور دونوں طرف تیر انداز بھی غلیلے اس طرح برس رہے تھے جیسے آسمان سے ژالہ باری ہو رہی ہو ۔ تیروں کی بارش میں کبھی بادل کے سامنے بھی ایک پردہ سا کھینچ جاتا ۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اور بہادروں کے نعروں سے میدان کار زار قیامت صغریٰ کا نظارہ پیش کر رہا تھا ۔ آج مرہٹے بھی مرنے مارنے پر اپنے مقام سے نکلے تھے کٹ رہے تھے مر رہے تھے تڑپ رہے تھے ۔ لیکن کیا مجال جو کسی کا پاؤں پیچھے ہٹے ۔ آج بھاؤ اور بسواس نے بھی مردانگی اور بہادری کا حق ادا کر دیا ۔ ابدالی کے ہاتھ میں ہلال نما تلوار تھی ۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس تھا اور میدان جنگ میں گھوڑا دڑاتا پھرتا ۔ اس نے حکم دے رکھا تھا خبر دار کوئی ، ہندو ، میدان سے بھاگنے نہ پائے ۔ ایک جگہ بھاؤ افغانوں کے نرغے میں گھرا ہوا تلوار چلا رہا تھا اس کے آس پاس دس پندرہ مرہٹہ سردار کٹے پڑے تھے بھاؤ بھی اپنی خون میں لہابا ہوا تھا آخر اسی طرح لڑتے لڑتے مارا گیا - اور ادھر ادھر سے وہی '' جے بھوانی '' ، ہر ہر مہادیو ، اور اللہ اکبر کے نعرے سنائی دینے لگے لیکن بھاؤ کے

مارے جانے سے مرہٹے ہمت ہار چکے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے ۔ اچانک کہیں سے آواز آئی ۔ راجکمار بھاؤ مارا گیا تو بھاگنے لگے مرہٹوں نے بری طرح شکست کھائی ۔ ابدالی کے حکم سے شہداء کی لاشوں کو جمع کر کے دو دو سو کو ایک ایک گھڑے میں دفن کر دیا گیا اور قبرستان کا نام گنج شہیدان رکھا گیا جو مرہٹہ فوج میدان جنگ میں قتل سے بچکر بھاگنے اور راہ فرار اختیار کی تو افغانوں نے دور دور تک ان کا تعاقب کیا مرہٹہ مقتولین کی لاشیں پچاس پچاس میل تک بکری پڑی تھیں ۔ تاریخ دالوں کا قول ہے کہ اس لڑائی میں ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ مرہٹہ فوج ماری گئی ۔ جب اس شکست کی خبر مہاراشٹر یعنی مرہٹہ کے ملک میں پہنچی تو کوئی مرہٹہ گھر ایسا نہیں تھا جہاں صف ماتم نہ بچھی ہو ۔ پیشوا اس لڑائی کے بعد بہت تھوڑے دنوں زندہ رہا اور بیٹے بسواس اور اپنے چچا زاد بھائی بھاؤ کے غم میں مر گیا ۔ مشہور تاریخ دان سیکار لکھتا ہے ۔

> "پانی پت کے نقصانات سے مرہٹہ طاقت پھر سر نہ اٹھا سکی اور اسی ایک شکست سے ہندوؤں کی نشاۃ ثانیہ کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں "

احمد شاہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ دلی کو اپنی سلطنت میں شامل رکھیں مگر اس نے نہ مانا اور ناجائز تصور کیا کہ میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آیا ہوں ۔ فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی دلی آیا اور شہید عالمگیر ثانی جو اپنے وزیر نمک حرام غازی الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا کے بیٹے شاہزادہ علی گوہر کی تخت نشینی کا اعلان کیا ۔ شہزادہ علی گوہر چونکہ اس وقت دلی سے دور کہیں اور جگہ مرہٹہ سے فراری تھا اس لئے اس کے بیٹے جوان بخت کو قائم مقام بادشاہ مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو سلطنت کا منتظم اور نگران بنایا اور خلعتیں دے

کر سرداران ہند کو رخصت کیا زاں بعد اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا ۔ چلتے وقت سر ہند کی صوبہ داری زین خان سہمند کر عطا کی ۔ احمد شاہ ابدالی کے آ جانے کے بعد قدرت نے مغلوں کو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کا جو ایک اور موقع دیا تھا افسوس اپنی نا اہلیت کی وجہ سے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے ۔ وہی لال قلعہ جہاں کبھی بڑے بڑے سرکشوں کی تادیب کے فرمان جاری ہوا کرتے تھے نجیب الدولہ کے مرنے کے بعد اب وہاں سے صرف شعرا٫ اور طوائفوں کے نام دعوت نامے بیجھے جاتے تھے ۔ بادشاہ مشاعروں کی صدارت کرتا اور طوائفین تہنیت کے گیت گاتیں ۔ مغلوں کی اس کمزوری سے انگریزوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور اس بد نظمی کے دوران میں انگریزوں نے بڑے صبر و استقلال سے سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی ۔

امیرالامرا٫ نواب نجیب الدولہ

نجیب خان ابن اصالت خان ابن ملک عنایت خان ، قبیلہ یوسف زئی کے ذیلی شاخ عمر خیل سے تھا ان کا خاندان روہیلوں میں باعتبار بزرگی و شرافت ممتاز تھا ۔ اصالت خان وطن میں اپنے قبیلہ کا سردار تھا اور اس کے بھائی بشارت خان گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے ۔ وہ عہد فرخ سیر میں بسلسلہ تجارت ہندوستان آ گئے ۔ یہاں کٹھیر میں اس وقت روہیلوں نے اپنی ریاست قائم کر لی تھی جو بعد میں روہیلکھنڈ مشہور ہوا اس ریاست کا بانی داؤد خان یوسف زئی تھا جس نے ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ ع میں یہاں باقاعدہ سلطنت قائم کی تھی۔ قریب کے اس علاقہ میں بشارت خان نے بلاس پور پر قبضہ کر لیا اور

اور اس کا نام اپنے نام بشارت نگر رکھا - نجیب خان ۱۱۱۵ھ میں اپنے وطن صوابی علاقہ پشاور میں پیدا ہوئے تئیس سال کی عمر میں اپنے چچا بشارت خان کے ہمراہ ہندوستان آگئے - بشارت خان کی ایک لڑکی نواب علی محمد خان رام پور کو بیاہی تھی- دوسری دختر نجیب خان سے منسوب ہوئی - ان کے بیٹے نواب ضابطہ خان کو نواب علی محمد خان کی دختر منسوب تھیں جن کے بطن سے نواب غلام قادر خان روہیلہ تھے -

نجیب خان کو نواب علی محمد خان نے آنولہ بلا کر کچھ سواروں کی سرداری پر فائز کر دیا تھا - اس اثناء میں شاہ دہلی نے نواب علی محمد خان کو سر ہند کی صوبہ داری عطا کی اس پر نجیب خان کی جانبازی سے قبضہ ہوا - نواب علی محمد خان والئی روہیلکنڈ نے اس کے معاملے میں ان کا عہدہ بڑھا دیا- نواب ضابطہ خان کی والدہ کا ۱۱۶۱ھ میں انتقال ہوا تو دوندے خان رئیس بسولی نے اپنی دختر در بیگم سے نجیب خان کی شادی کر دی اور چودہ محال ضلع بجنور کے نواب علی محمد خان سے دلوائے ، اور اپنی فوج کا ان کو رسالدار بنا دیا - اور دارا نگر کی تحصیل ان کے سپرد کی جس کو تھوڑے عرصہ میں نجیب خان نے ایک آباد قصبہ بنا دیا اور ایک درسگاہ بھی قائم کی اور علماء کو درس و تدریس کے لئے مقرر کیا سید نورالدین نے اپنی قلمی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر یوں اظہار کیا ہے

مرد صاحب جو ہر بود اگرچہ ناخواندہ مطلق ، لاکن
عقل بسیار و اقبال داشت

شاہ دہلی احمد شاہ مغل اور اس کے وزیر صفدر جنگ میں جب اختلافات پیدا ہوئے تو وزیر مذکور کو وزارت سے معزول کیا گیا اس نے سورج مل جاٹ اور صوبہ باونی کے فوجدار اندرگشائیں

ہندو کو اپنا معاون بنا کر دلی کو اپنی افواج سے محصور کر لیا اور نوابان روہیلکھنڈ کو بھی اس فوجی مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی ۔ دوسری طرف احمد شاہ مغل بادشاہ دہلی نے پریشانی کے عالم میں ان امرا کو امداد کے لیے دعوت دی ۔ لہذا اس دونوں دعوتوں پر غور کے لیے مشورہ کر رہا تھا ۔ دوندے خان اور حافظ الملک حافظ رحمت خان وزیر کی اعانت کے حق میں تھے ۔ نجیب خان نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اس کا نقائص بیان کیے اور اس میں ہندوؤں کی بالادستی کی جو بنیاد رکھی جانی مضمر تھی اسی سبب نجیب خان کی رائے سے انہوں نے بھی اتفاق کیا بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ مغل بادشاہ کا ساتھ دیا جائے مشورے کے مطابق نجیب خان ایک ہزار سوار و پیادہ فوج ہمراہ لیکر دلی رِاوانہ ہوئے راہ میں اور لوگ بھی ان کے ہمراہ ہوتے چلے گئے ۔ چنانچہ دہلی پہنچنے پر ان کے ساتھ تقریباً بیس ہزار افغانوں کا مجمع تھا ۔

دلی سے دو میل کھنڈ کے مقام پر صفدر جنگ وزیر نے مورچے لگا رکھے تھے ۔ نجیب خان نے اس کی فوج پر حملہ کیا اور شکست فاش دی - سواج مل جاٹ شکست کھا کر بھرت پور کی طرف بھاگ گیا اور گسائیں مارا گیا اور سخت شکست کھائی ۔ آخر صفدر جنگ نے بادشاہ سے معافی حاصل کر لی اور اودھ کی صوبہ داری پر چلا گیا ۔

بادشاہ نے ان کو نجیب الدولہ کا خطاب دیا اور نوبت و نقارہ مع خلعت اور نوابی کا علم (نشان) عطا کیا اور بخشی کے منصب پر فائز کیا ۔ سہار نپور کی جاگیر بھی عطا ہوئی نجیب خان وطن لوٹے - چیت سنگھ نے فساد مچا رکھا تھا اس کا استیصال کیا اور مظفرنگر قبضہ میں لائے - ۱۷۵۲ء میں تانس ندی کے کنارے اپنے نام سے نجیب آباد شہر آباد کیا

نجیب الدولہ کا عظیم ترین کارنامہ یہ تھا کہ اسی کے کوشش کے نتیجے میں شاہ ابدالی کی سرکردگی میں مسلم سرداروں نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی ۔ نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور میاں عمر چمکنی کا معتقد تھا یہ انہیں کے فیض کا اثر تھا کہ اس نے مرہٹوں کے مقابلے کا بیڑا اٹھایا ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اس سلسلہ میں میاں عمر چمکنی کے ذریعہ شاہ ابدالی کو خط لکھ کر آمادہ کیا کہ وہ اس وقت مسلمانوں کی حفاظت اسی طریقہ سے کر سکتے ہیں ۔ نجیب الدولہ نے یہ خدمت انجام دی کہ ایک طرف تو شاہ ابدالی کو سرداری قبول کرنے پر راضی کیا اور دوسری طرف ہند میں مسلم حکمرانوں اور سرداروں کو یک جہتی کی ترغیب دی ۔ نواب شجاع الدولہ والی اودھ کو تیار کرنے کے لئے وہ خود اس کے دربار میں کئی دفعہ گیا اور بہت کوشش کے بعد اس کو تیار کیا کہ اپنی فوج لیکر پانی پت آگئے ۔ جس طرح نجیب الدولہ نے مسلمانوں کو یک جا کر کے مرہٹوں کے مقابلے کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی تھی اسی طرح میدان جنگ میں اس نے اور دوسرے روہیلہ سرداروں نے بھی بہت زیادہ بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ تھا۔

پانی پت کی لڑائی ہندو پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ مرہٹوں نے ایک زبردست فوج تیار کی تھی جس کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی اور ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کر کے برصغیر میں ہندو حکومت قائم کریں اور مسلمانوں کی مکمل طور پر بیخ کنی کریں ۔ فتح پانی پت کے بعد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ امیرالامرائی کے عہدہ پر قائم رکھنے پرگئے حکومت دلی کا انتظام بڑی حد تک اسی کے سپرد کر دیا ۔ دس سال تک نجیب الدولہ نے عہد انحطاط میں نہایت بہادری اور دور اندیشی کے ساتھ سلطنت کا انتظام

کیا ۔ اس دور میں اس کا قابل ذکر کارنامہ جاٹوں کی قوت کو ختم کرنا تھا ۔ گویا کہ مغلیہ سلطنت اور اسلامی معشرہ کی تین مخالف قوتوں یعنی مرہٹوں ۔ جاٹوں اور سکھوں میں سے دو کو اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ ایک مدت تک دوبارہ سر نہ اٹھا سکے ۔

الغرض نجیب‌الدولہ نے اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو ایک مرکز پر قائم کرنے اور ان کو مضبوط بنانے میں صرف کر دی ۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر کوئی دوسری قوم حکمرانی نہ کر سکے ۔ پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے خلاف ابدالی جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کا جمع ہونا اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا ۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کی یہ کوشش باور ہوتیں ، اور ملک میں دوبارہ ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہوتی یہ اس قابل افسوس ہے کہ نجیب‌الدولہ کے عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور ۱۷۷۱ ع میں وفات پائی اور اس کے مرنے ہی مسلمانوں کے اس جنگ آزادی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ۔ ہمارے مورخین نے نجیب‌الدولہ کی شخصیت اور کارناموں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی ہے ، وہ اٹھارویں صدی کے نصف کے آخر کے قابل ترین سیاستدانوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے ۔ مزید تعارف کے لئے نجیب‌الدولہ کا شجرہ نسب اسی کتاب میں درج ہے ۔

دوندے خان حافظ رحمت خان دونوں چچا زاد بھائی تھے ، ان کی پیدائش علاقہ یوسف زئی موضع طورو کے مشرق محلہ شہامت پور میں ہوئی تھی اور ان کے والدین اور خاندان کا مسکن بھی یہیں تھا ان کی جائداد یوسف زئی منڈڑ کے ذیلی شاخ صدو زئی قبیلہ جو اس وقت یہاں سکونت رکھتا تھا کے ساتھ شامل تھی جب قبیلہ صدو زئی کا تبادلہ یہاں سے ہوا تو ان کے خاندان بھی یہاں سے ان کے ساتھ علاقہ صوابی منتقل ہوا اور شہامت پور کے بدلہ میں بطور سیری سالم موضع

ڈوڈھیر دیا گیا تھا اور اور ابتدائی بندوبست ۱۸۷۰ع کے کاغذات مال تحصیل صوابی ضلع مردان میں بھی یہ گاؤں یعنی ڈوڈھیر سالم بنام شہاب‌الدین قوم پختون بڑیس جو ان کا مورث ہے رجسٹر کاغذات مال ہوا ہے۔ اور اس وقت شہاب‌الدین کے بعض اولاد جو ہندوستان نہیں گئے یہاں سکونت پذیر اور مالکان دیہ ہیں ان کی تعداد بھی کافی ہے ان میں ایک معمر اور معتبر ملک خوبداد خان ابھی تک زندہ تھا۔ ان کی اولاد بھی ہے اور ان کے ایک گھرانہ شیخ علی کی اولاد موضع یار حسین میں لل بہرام خیل کے ساتھ شامل جائداد رہتے ہیں۔

قصہ یوں کہ احمد شاہ ابدالی نے افغان سرداران ہند اور ان کے ساتھی افغان مجاہدین کو رخصت کرنے سے قبل ان کو ایک تقریر کی۔ تقریر کچھ خاصی لمبی اور نصائح سے بھر پور تھی تقریر کے آخیر میں اس نے ایک تجویز نواب شجاع‌الدولہ کے متعلق کہی جو بالکل دور اندیشی دانائی اور اخلاص پر مبنی تھی لیکن افسوس حافظ‌الملک نے تجویز مسترد کی جس کا نتیجہ بعد میں اس کے لئے باعث موت و تباہی و بربادیٔ سلطنت روہیلہ واقع ہوا۔

احمد شاہ ابدالی کی تقریر کا آخری حصہ یہ تھا۔

> شجاع‌الدولہ بہادر جو تمہارے قبیلے میں شامل نہیں یعنی افغان نہیں ہے۔ اسے میں اپنے ہمراہ لئے جاتا ہوں اور ایک وسیع ملک جو اس کے ملک سے بہت زیادہ زرخیز اور معمور ہے اس کے نامزد کرتا ہوں۔

بادشاہ یہ تقریر کر رہا تھا اور تمام افغان سردار نہایت خاموشی کے ساتھ سر نیچے ڈالے سن رہے تھے شجاع‌الدولہ بھی سن رہا تھا۔ جب ابدالی اپنی تقریر ختم کرچکا تو حافظ‌الملک نے کھڑے ہو کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ

جہاں پناہ ، ہم میں اور نواب شجاع الدولہ میں کسی طرح خیریت نہیں ہے ۔ انہوں نے اکثر خطرناک موقعوں پر ہمیں مدد دی ہے اور بہت سے نازک مقاموں پر ہماری کومک کو پہنچے ہیں ۔ سچ بات یہ ہے کہ ان کا ہم پر اسی قدر گراں بار احسان ہے جس سے ہمارا سر نہیں اٹھ سکتا اگرچہ قبلہ عالم ، نواب صاحب کو اپنے ساتھ لے جا کر سرفراز فرمانا چاہتے ہیں لیکن ہندوستانی لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ آخر قوم افاغنہ نے باہم اتفاق کر لیا اور ایک شخص (مغل) جو ہندوستان میں باقی رہ گیا تھا اسے بھی دیکھ نہ سکے اور وطن سے باہر نکال دیا ۔ بہ ہر صورت نواب صاحب کا یہاں سے جانا ہمارے حق میں بہتر نہیں معلوم ہوتا ۔

بادشاہ نے فرمایا کہ

میں جانتا ہوں کہ تمہیں شجاع الدولہ سے کسی طرح دشمنی نہیں ہے اور وہ بھی تم سے نہایت خوش ہے لیکن تمہارے حق میں بہتر یہی تھا جو اس وقت بیان کیا گیا ۔ خیر اگر تم میری رائے کو رغبت کے کانوں سے نہیں سنتے اور نظر قبول سے نہیں دیکھتے تو میں بھی تمہیں مجبور نہیں کرتا ۔ لیکن یاد رہے کہ ایک دن اس کا برا نتیجہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے ۔

حافظ الملک کا عقیدہ سچا اور درست تھا شجاع الدولہ کو وہ مسلمان سمجھتے تھے اور ظن المومنین خیرا پر عمل پیرا تھے لیکن وہ بے ایمان تھا منافق اور دغا باز تھا ۔ چنانچہ واقعی وہی برا نتیجہ نجیب الدولہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سامنے آیا ۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کو روہیلکھنڈ پر حملے کے لئے اکسایا اور وہ آ بھی گئے

لیکن ان سے کچھ نہیں ہو سکا اور نامراد واپس ہوئے جب شجاع الدولہ مرہٹوں سے مایوس ہوا تو پھرانگریزوں سے جو اس وقت کلکتہ میں تھے رابطہ قائم کر کے حملے کے لئے تیار کیا اور شجاع الدولہ اور انگریز کی مشترک فوجوں کے ہاتھوں حافظ رحمت خان شہید ہوئے اور ملک تباہ و برباد ہوگیا اور افغانوں میں سے جو ہاتھ آیا اسے قتل کیا افغان کافی مقدار میں کمایون کے پہاڑوں اور سی پی برار کے جنگلوں میں فرار ہو گئے اور شجاع الدولہ لوٹ مار کر کے سب سامان لے گیا ۔ اور تمام شہروں پر جھاڑو پھیر دی اور انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے کے لئے متوجہ کر کے سبق سکھا دیا ۔ ان واقعات سے با تفصیل تواریخ کی کتابیں بھری ہیں میں نے مختصراً ان کتابوں سے اخذ کر کے پیش خدمت کیا ہے ۔ مثلاً

اخبار الصنادید لکھتا ہے ۔

> شجاع الدولہ نے روہیلوں کو ایسی بے رحمی اور بے حرمتی کے ساتھ پامال کیا کہ انگریزی فوج سے اس کو مدد دینے پر لندن کے ہاؤس آف کامنس اور کورٹ ڈایرکٹرز میں بھی اظہار تاسف و ملال کیا اور بنی نوع انسان کا کوئی بھی ہمدرد قیامت تک تاریخ کے اس مقام پر آئے گا تو وہ ان مظالم پر دو دو آنسو بہا جائے گا ۔

تاریخ ہند میں ایک انگریز جیمس گرینڈ لکھتا ہے ۔

> بہادر حافظ رحمت خان کی موت نے ان کے ملک کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا جو بغیر رحم کے لوٹے جاتے تھے اور اس کے بد قسمت باشندے ہر ایک طرح کے مظالم کے شکار تھے ۔

آگے جا کر لکھتا ہے کہ :

> کرنل چنمپین کہتا ہے ۔ ہمارا بر گیڈ فتح کے بعد اس افسوسناک

منظر کا ایک شاہد تھا اور ایسا منظر دیکھا جو تذکرے کے قابل نہیں۔

سلطنت روھیلکنھڈ

اب یہ بھی ضروری ہوا کہ روہیلوں کی یہاں آمد اور بسنے کے وجوہات بیان کیے جائیں اور سلطنت روہیلکھنڈ کے بانی داؤد خان کا تعارف کیا جائے۔ داؤد خان ملک قادر خان کا چھوٹا بھائی تھا اور یوسف زئی میں قبیلہ اکوزئی ذیلی کی شاخ بابوزئی میں اکا معروف کے ملک کٹہ کی اولاد میں سے تھا۔ ملک قادر خان کی اولاد اس وقت سوات منگورا کے شمال میں متصل، اینگرو ڈھیری ہی آباد ہیں اور ان میں ایک شخص لصرے بابا بڑا سمجھدار اور معمرآدمی تھا جو چند سال ہوئے فوت ہوا۔ ان کے لڑکے مقام خان جمشید وغیرہ ابھی بھی موجود ہیں۔

داؤد خان یوسفزئی اپنے ملک سوات سے چند ساتھیوں کے ساتھ ۱۱۱۷ھ مطابق ۱۷۰۵ع کے ابتدا میں ہندوستان گیا اور وہ اس خیال میں تھا کہ کسی طرح کامیابی حاصل کر کے ایک ریاست کی بنیاد ڈالیں چنانچہ اس سلسلے میں سوچنے کے بعد طے کیا کہ وہ ایک روز مع اپنے سترہ افغان ساتھیوں کے میلہ ہردوار وہ روایتی گھڑمکشیتر، جہاں جانوروں اور خاص کر گھوڑوں کا میلہ لگتا تھا، میں آگئے اور ایک لمبی رسی زمین پر بچھا دیں دونوں سرے دو کھونٹوں میں مضبوطی کے ساتھ باندھ دئے۔ سارے میلہ میں جو بہترین قسم کے گھوڑے تھے منہ مانگے دام پر خرید کرتے اور اسی رسی تک پہنچاتے باندھتے تھے۔ جب اٹھارہ گھوڑے اپنے پسند کے جمع کیے تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے سب گھوڑوں پر سوار ہو کر میلہ سے دوڑ کر چلے گئے۔ اور شمال میں کماہون کے پہاڑوں میں گئے۔

جب کہ یہ خیال پورا کرنا تھا کہ ایسے شاداب اور زرخیز ملک میں اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہیے تو ملک کٹھیر کو اپنی پرکار ہمت کا مرکز قرار دیا اور یہاں پہنچ کر سب سے پہلے ملک گیری کے سامان جمع کرنے کی طرف توجہ کی جو چند روہیلے رفیق کارتھے۔

ہندوستان میں مغل شاہی حکومت کے ضعیف ہو جانے کے وجہ سے علاقہ کٹھیر میں بھی ایک ہندو زمیندار خود سری کا دم بھرنے لگا تھا ۔ اکثر افغانوں کو جو ملک روہ (افغانستان) سے آتے ان کو یہ زمیندار نوکر رکھ کے باہم جنگ و فساد کرتے اور ہر ایک اپنے آپ کو راجہ خیال کرتا تھا آپس کا تو کیا ذکر بادشاہی حاکموں کی پرواہ بھی نہیں رکھتے تھے بادشاہ کی طرف سے عظمت‌اللہ مراد آباد میں حاکم تھا اور اس طرح نرپت سنگھ علاقہ پیلی بھیت و رام‌پور وغیرہ میں اورکیرت سنگھ قصبہ اکبر آباد میں اور کنچن سنگھ راج پور میں اور کھیم کرن رتن گڑھ میں اور لچھمن سنگھ مدکر پرگنہ برسیر میں اور ارجن‌سنگھ آنولے میں نقارہ حکومت بجاتے تھے ۔ داؤدخان ان حالات کو دیکھ کر چند روز میں ایک جمعیت کثیر بہم پہنچا کر سارے ملک کٹھیر میں ہل چل ڈال دی ۔ جب معرکہ آرائی کا وقت آتا تو گڑہی سے نکل کر جوہر شجاعت و جلادت دکھاتے جب فراغت پاتے تو پھر وہیں آکر پناہ لیتے ۔ رفتہ رفتہ ایسا نام چمکا کر گرد و نواح کے بڑے زمیندار اور راجے مدد کے خواہاں ہونے لگے۔ روہیلہ ہم وطنوں سے بھی یہ خبریں نہ چھپیں اور افغانوں کی کثرت نے ملک کٹھیر کو روہیلکنھڈ بن جانے کی پیش گوئی قائم کر دی اور اس وقت ان کی رفاقت میں بہت سے پٹھان رہتے تھے ۔ ابتدائی وقت میں داؤد خان کے افغان سپاہی دو سو کے قریب تھے - اسی اثنا میں داؤد خان نے کنچن سنگھ پر حملہ کر کے اس کو شکست دے کر وہ علاقہ اپنے ریاست میں شامل کر دیا ۔

داؤد خان کی روز افزوں ترقی کی خبریں وطن میں پہنچی تو سینکڑوں افغان ان کے پاس آگئے چنانچہ پانچ سو جوانمرد افغانوں کی جمعیت ان کے پاس ہوگئی جو سب جنگی تربیت یافتہ تھے اور دوسری طرف مجلس مشاورت میں (۱) ملک خادی خان، (۲) پائندہ خان، (۳) دوندے خان، (۴) ملک کبیر خان (۵) سردار خان (۶) فتح خان اور (۷) صدر خان کمالزئی وغیرہ تجربہ کار اور نامور افغان نامزد کئے گئے۔ داؤد خان نے اکثر دیہات شہریں اور پرگنہ جات مثل بینا بیولی، پرگنہ سناسی ضلع بدایوں کے دبالئے اور بینا بیولی کو دارلحکومت بنا کر وہاں رہنے لگے۔ داؤد خان نے مرہٹوں کی لڑائی میں بہت سے کارہائے نمایاں کئے جس کے صلے میں مغل بادشاہ دھلی کے ہاں سے بریلی اور بدایون وغیرہ کے علاقے بھی داؤد خان کی ریاست میں شامل کرنے کی اجازت ہوئی اور ان کی ریاست تسلیم کی گئی اور ۱۷۰۷ع مطابق ۱۱۱۹ھ میں اپنی سلطنت عروج پر لے گیا اور اسی طرح اس کے بعد سارے روہیلکنھڈ جو بعد میں انگریزوں نے اس کی چھ اضلاع بنائے، پر تقریباً بیس سال ایک مثالی حکومت کر کے ۱۱۳۹ھ میں وفات پائی۔ اراکین جرگہ نے ان کے متبنیٰ علی محمد خان کو جانشین منتخب کیا۔ اس کی عمر اٹھارہ برس تھی نظام حکومت بہ منشائے اراکین مشورت افغانان خوب چلایا اور آخر ماہ شوال ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۴ستمبر ۱۷۴۹ع کو علی محمدخان کا آنولے میں انتقال ہوگیا۔ ان کی بیماری کی حالت میں اراکین سلطنت جمع ہوئے اور سبوں نے یہ طے کیا کہ اس کے بیٹے سعداللہخان کو قائم مقام تسلیم کیا جائے۔ مگر وہ بچہ تھا لہذا حافظ رحمت خان اس تمام مملکت کا نگران اور سعداللہ خان کا مدار لمہام بنایا گیا اور دوندے خان کو فوج کا سالار بنایا۔

پشتو اور سامی زبانیں

پشتو اور سامی زبانیں ایک ہی جسم کے اعضا ہیں پختو میں سامی زبانوں کے الفاظ اور نام بکثرت ہیں مگر چند بطور مثال بیان کئے جاتے ہیں ۔ مشہور مورخ فلپ کے حتی لکھتا ہے کہ۔

اشوری ، قدیم بابلی ' (اکادی) کنعانی ، فونیقی ، حبشی ، آرامی عبرانی ، عربی ، اور سریانی زبان جو آرامی ہی کی ایک شاخ تھی یہ سب سامی زبانیں ہیں۔ ان تمام زبانوں کے درمیان گہری مماثلت ہے اور بحیثیت مجموعی یہ دوسری زبانوں کے مجموعوں سے جداگانہ ہیں حضرت ابراہیمؑ اصلاً آرامی تھے اپنے ہم قوموں سے آرامی میں بات چیت کرتے تھے اور وہی عبرانی قوم کے جد امجد ہیں ۔

حضرت ہاجرہ زوجہ حضرت ابراھیمؑ والدہ حضرت اسمٰعیلؑ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان کئی دفعہ دوڑنے کے بعد جب اپنے بچے حضرت اسمعیلؑ کے پاس پہنچیں تو وہاں پانی دیکھ کر تعجب ہوا بے حد مسرت وخوشی کے مارے چلانے لگیں کہ ,, زم ، زم ،، یعنی پانی پانی ۔ واضح ہو کہ ان کی زبان میں پانی کو ، زم ، کہتے تھے اور اس کی یہی عبرانی الفاظ ,, زم ، زم ،، اور صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں تگ و دو کو اللہ تعالی نے بطور یادگار قائم رکھا مورخ حتی لکھتا ہے کہ :

ماں بیٹے کی اپنی زبان عبرانی تھی اور آپس میں اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے ۔ حضرت اسمعیلؑ نے عرب کے جرھم قبیلہ میں نکاح کیا اور ان کی اولاد نے اپنی عبرانی زبان چھوڑ کر جرھم قبیلہ سے عربی زبان سیکھی ۔ اسی واسطے

حضرت اسمعیل کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں -

یہی لفظ ... زم ، بمعنی پانی اسرائیلی جلا وطن یہاں مشرق میں اپنے ساتھ لائے تھے - اگرچہ اس کا استعمال بول چال میں کم اور لاشعوری طور کیا جاتا ہے مگر پھر بھی بعض اوقات ماضی کی یاد تازہ کرتا ہے - ویسے عام طور پر پانی کے لئے پختو زبان میں ، اوبہ ، بولا جاتا ہے جو فارسی زبان لفظ آب سے ماخوذ ہے -

۱- الغرض ابتدا میں جب یہ لوگ اس وطن میں آ کر سکونت اختیار کی تو بعض گاؤں جو پانی ، چشموں ، ندیوں ، نالوں کے قریب تھے یا انہوں نے آباد کئے زم ، کا نام دیا - مثلاً افغانستان میں دریائے جیحون کے جنوبی کنارے پر زم کے نام سے ایک بڑا قصبہ ہے بلکہ پہلے شہر آمل کا نام بھی زم تھا ، اس کے ساتھ زمانہ وسطی میں برائے تعارف اور قصبہ زم سے ممیز کرنے کے لئے آمل کا نام لگایا جاتا تھا کیوں کہ ابتدا میں آمل کا نام بھی زم تھا تو اس شہر کو آمل زم کہتے تھے ، خیبر کے دامن میں زم کے نام سے ایک گاؤں بوجہ چشموں کے موسوم ہے - سکھوں نے جب یہاں قلعہ بنایا ، زم ، قلعہ سے مشہور ہوا - پھر انگریزوں نے جب پختہ سڑک پشاور سے خیبر تک بنائی تو سڑک کا نام اسی گاؤں کے نام جم روڈ اور کچھ عرصہ بعد مخفف ہو کر جمرود ہوا اور اس گاؤں کو بھی جمرود پکارنے لگے - مگر مقامی لوگ اب بھی اس کو حسب سابق ، زم ، ژم ، سے یاد کرتے ہیں -

۲- اور اس مذکورہ مقام سے بطرف شمال ورسک کے قریب بھی ایک گاؤں کا نام ، خہ زم ، خزم ، تھا جس کا مطلب اچھا پانی ہے -

۳- اشنغر ضلع پشاور میں نہر ابازئی کے کنارے بھی ، زم ، کے نام کا ایک گاؤں موجود ہے جہاں چشمے ہیں -

۴ مواضعات نوانکلی و اسوٹا، ضلع مردان کے درمیانی حد پر شوہ سڑک کے مشرق جانب ایک نالہ ہے جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہے اسی وجہ سے وہ ، زمئی ، زیمی ، کندہ یعنی پانی والا نالہ سے موسوم ہے ۔

۵ ۔ کرم سے جانب جنوب گومل ، زم ، یعنی گومل کا پانی موسوم ہے واضح ہو کہ ایک شہر گومل کے نام موصل کے علاقہ میں تھا ۔

۶ ۔ تیز بارش جس میں ہوا پانی کو اندر مکان میں پہنچائے اس کو پشتو میں ، زم اور ژم بولتے اور پشتو زبان سے یہ لفظ ہندی میں منتقل کیا گیا ہے جس کو رم جھم بولتے ہیں ۔

۷ ۔ اس وطن میں دو سخت موسم ، گرما و سرما ، ہیں جس کو پشتو میں اوړے (اوړے) بہ معنی آگ یعنی گرم موسم اور ژمے ، (ژمے) بہ معنی پانی والا یعنی ٹھنڈا موسم کہتے ہیں ۔

۸ ۔ جب کوئی زمین میں کنواں کھودتے ہیں تو اوپر سے پوچھتے ہیں کہ زم ، ہے کہ نہیں ۔ کنوئیں میں پانی ظاہر ہونے کے ساتھ نیچے کنوئیں سے کھودنے والا آواز دیتا ہے کہ زم زیادہ ہوا یعنی پانی مل گیا ۔ اور بڑھ گیا ۔ اور اسی طرح سیم والے زمین جس میں پانی کا اثر زیادہ ہوتا ہے اس زمین کو زمنہ ، یا زیمنہ یعنی پانی والا زمین کہتے ہیں ۔

معلوم رہے کہ ہندی زبان میں پانی کو ، جل ، اور گوشت کو ماس ، کہتے ہیں اور اس میں لفظ ، ز ، بھی نہیں ۔

روایت ہے کہ بی بی ہاجرہ نے پانی کے دیکھنے کی خوشی میں زم ، زم کہہ کر دیکھ رہی تھی کہ پانی بڑھنے اور بہنے لگا تو انہوں نے ہیبت سے آواز دی ، زاما ، جو پشتو لفظ ہے یعنی جاؤ مت هلو مت ۔ یعنی ٹھہرے رہو ۔ اور ساتھ ساتھ پانی کو روکنے کے لئے

آگے پھر ہاتھ اور کچھ شی وغیرہ رکھ رہی تھی ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی آواز پر پانی بہنے سے رک گیا اور اپنی جگہ ٹھہر گیا ۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ پانی آگے جانے سے نہ رکتا تو ایک ندی کی صورت میں بہہ جاتا ۔

خوارزم کی وجہ تسمیہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس میں لفظ ، زم ، کی تشریح بھی ہو چکی ہے کہ پشتو میں پانی کو کہتے ہیں اب صرف خوَ یا خوَا اور غوَ ، (غبنوا) بہ معنی گوشت ہے ۔ خوَ یا خوَا پشتو میں اس گوشت کو کہتے ہیں جو بدن سے علیحدہ نہ ہو مثال کے طور خوا خوگی یعنی خون اور گوشت اور نسبی درد مندی ۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کے غم کی سبب گوشت درد مند ہونا ، خوا لہ م راشہ ، میرے (بدن کے گوشت کے) قریب آؤ ۔ خوا ، م یخہ شوہ ، یعنی میرے بدن کا گوشت خوشی سے ٹھنڈا ہوا ۔ خوا ، تہ م تہ نہ کیگی ، یعنی دل (بدن کا گوشت) کو چ پت نہیں ۔ خوا خیے ، یعنی ایسی عورت جو بدن کے گوشت کا بہترین ٹکڑا داماد کے حوالہ کرے ۔ خور ، بہن ۔ خوگ ، میٹھا ۔ خولہ ، منہ ۔ یہ سب بدن کے گوشت اور خون سے اور اعضاء سے متعلق ہیں جو گوشت سے مرتب ہیں خوڑ ، ندی نالہ جس کے پانی ہونے کے علاوہ اناج بدن کے لئے پیدا کرانے کی سبب ہے ۔

خوار ، یعنی ناقص گوشت والے بے چربی اور صرف ہڈی ہی ہڈی یعنی ار بمعنی ناقص کے ۔ خور وا ، یعنی پکے ہوئے گوشت سے نکلا ہوا شوربا ۔ خولہ ، رشتہ داری جو ہم نسبوں ہم گوشت و ہم بدن اور ہم نسل کے لئے بولا جاتا ہے ۔ پختون خوا ، کا مطلب اگر یہ لیا جائے تو زیادہ موزون و مناسب ہوگا کہ جہاں جہاں قوم پختون کے تن بدن خون اور ان کے گوشت پوست کا اثر موجود ہے اور جہاں جہاں

پختون کی مٹی ، خاورہ ، ہے وہی پختون قوم کے سیلک اور مسّلک ہے اور اسی سے نسبی تعلق کو تقویت ملتی ہے اور یہی چیز آپس میں ایک دوسرے کے لئے سبب خوا خوگی اور خوبخی ، و ہمدردی بن جاتا ہے ۔

ورشو بہ معنی چراگاہ جس کا اصل عبرانی ہے اور مخفف ہے ، خوار شو کا اور شو مخفف ہے شارون کا شارون عبرانی میں عمدہ گھاس والے میدان یعنی چراگاہ کو کہتے ہیں اور ختوَار ، بہ معنی زندہ گوشت والے جس سے مراد کمزور جانور ہے لہذا ختوَار شو جانوروں کی چراگاہ ۔ اور ختوَار شو مخفف ہو کر وار شو بنا اور زبان پختو میں عام طور استعمال ہونے لگا ۔ مطلب یہ ہوا کہ بھوکے دبلے جانور چراگاہ میں گھاس کھا کھا کر گوشت پکڑ کر موٹے ہو جاتے ہیں اور جانوروں کے تن بدن اچھے تگڑے اور گوشت والے بن جاتے ہیں لہذا ورشو ، یعنی جانوروں کی چراگاہ والا میدان عبرانی سے ماخوذ ہے ۔ بائبل اور تاریخ شام سے واضح ہے کہ شارون نامی فالتو جانوروں کی شام میں ایک چراگاہ تھی ۔ غَنبتَو ، غَتختَو ، یعنی (گوشت) بدن سے علیحدہ گوشت کو عام استعمال ، غَتختَو ، کہتے ہیں اور کھانے کھلانے پکانے میں یہی نام استعمال ہوتا ہے ۔ مطلب یہ کہ لفظ ,, غ ،، کا سابقہ لگانا گوشت کے دونوں قسموں کی تقسیم اور شناخت کے لئے ہے ۔ یعنی جو بدن کا حصہ ہو تو ختو اور بدن سے الگ ہو کر غَتختَو ، (غَتبتَو) گوشت بولا جاتا ہے ۔ لفظ غ آگے لگانے کی وجہ یہ ہے کہ پشتو زبان میں لفظ غس جدا کرنے یا کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ، غُسہ ختو ــ کاٹا ہوا گوشت ۔ اس طرح لفظ غس کے حرف ، س ، نکالنے سے مخفف ہو کر ، غَتختَو ، غَنبتَو ، بن گیا ۔ اور عرصہ دراز گزرنے پر تلفظ میں فرق آ کر اس وقت بعض لوگ اپنے استعمال میں غتوخشہ ، غتبتہ بھی بولتے ہیں ۔

لفظ خَو فارسی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ حرف و لگایا جاتا ہے مثلاً خواہی ۔ خواہش ۔ خواہست (خواست) جس کے معنی مانگنے اور چاہت کے ہیں مگر اصل میں یہ مانگ اور چاہت تو بدن ہی کرتا ہے لہذا اس میں وہ پشتو زبان والا اشارہ بدنی بھی موجود ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ پختو سے فارسی میں منتقل ہوئے ہیں ۔

فارسی میں اس قسم کے الفاظ بکثرت ہیں جن کے ماخذ آرامی یا عبرانی زبانیں معلوم ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ ، فردوس (باغیچہ) جلاد (جلعاد عبرانی ہے معنی سخت آدمی) شیر ، لہر وغیرہ ، وجہ یہ کہ اسرائیلی جلاوطنوں نے ایران میں سینکڑوں برس گزارے ہیں لہذا آپس میں الفاظ کا تبادلہ ضرور ہوا ہوگا ۔ پختو زبان میں فارسی اور فارسی زبان میں پختو کے الفاظ بکثرت ہیں ۔ چونکہ فارسی بھی ایک مہذب زبان ہے اس نے بھی اپنی جولی عبرانی کے زرین الفاظ سے بھر لی ہوگی ۔ ثبوت کے لئے ایک لبنانی مؤرخ فلپ کے حتی تاریخ شام کا بیان کافی ہوگا ۔

عبرانی اگرچہ مر گئی تھی لیکن اس نے بہت سی مہذب زبانوں کے لئے الفاظ کی ایک قیمتی میراث چھوڑ دی ۔

اور آگے مذید تشریح کر کے لکھتا ہے ۔

آرامی زبان سامی بولیوں میں سے ایک تھی ، اور آرامی تاجروں نے اسے ابتدا ہی سے دور دور تک پھیلا دیا تھا ۔ آرامی زبان ابتدا میں شامیوں کی تجارتی زبان تھی . . ۔ قوم کے آس پاس یہ پورے ہلال زرخیز میں صرف تجارت ، حضارت اور سرکاری کاروبار ہی کی زبان نہ رہی ، بلکہ باشندوں کی عام بولی بن گئی اور اس نے اپنی تمام ہمسر زبانوں پر ، جن میں عبرانی بھی شامل تھی فتح

کامل حاصل کر لی یہاں تک کے حضرت عیسیٰ[۴] اور ان کی قوم (یہودیوں) کی زبان بھی تھی اور آرامی زبان کا نفوذ صرف سامی حلقے تک محدود نہ رہا ، دارائے اعظم (ایران) (۵۲۱ق م ۴۸۲ ق م) کے ماتحت آرامی زبان ، حکومت ایران کے صوبوں کے درمیان روابط کا ذریعہ بن گئی تھی - اس طرح سکندر کی آمد تک یہ زبان ہندوستان و حبشہ کے درمیانی علاقے کی ایسی بولی بن گئی ، جو ہر جگہ بولی جاتی اور سمجھی جاتی تھی - شمالی عرب کے باشندوں نے بھی اپنی ابجد آرامی ہی سے لی تھی - اسی طرح آرمینوں ، ایرانیوں ، اور ہندوستانیوں نے آرامی سر چشمے ہی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ابجدیں ایجاد کیں - پہلوی (فارسی) اور سنسکرت دونوں زبانوں کے حروف اصلاً آرامی ہیں''

آگے لکھتا ہے -

جلاوطنوں میں سے جو (یہودی) لوگ خوشحال تھے ، انہوں نے مملکت ایران میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دی اور اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ (ایران میں) اس عہد کی کاروباری دستاویزوں میں بہت سے عبرانی نام ملتے ہیں ''

تاریخ لبنان میں درج ہے کہ -

ایرانی سلطنت کی بنیاد سائرس (۵۰۰ق م) نے رکھی تھی - اس کے بیٹے کیم بی سس (کمبوجیہ ، کیقباد) اور برادرزادے دارا نے سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا کہ ہندوکش اور دریائے سندھ کے پار سے بحیرہ ایجیہ (بیاس) تک اور قفقاز سے بحر ہند تک پھیل گئی - تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ وسیع علاقہ ایک مرکزی سیاسی نظام کے تابع آیا اور یہ نہایت محکم نظام تھا - سلطنت کے دور افتادہ حصے سڑکوں کے نئے نظام نے ملا دئے اور شاہی

قاصدوں کے لئے جا بجا قیام گاہیں بنی ہوئی تھیں - تمام مقامات میں ایک سکہ رائج ہو گیا ۔ آرامی زبان اتنی پھیل گئی کہ پوری سلطنت کی عام زبان بن گئی ۔

اس عہد کی دو بڑی تہذیبوں سامی ، اور ہندی و ایرانی ,, کو امتزاج نہیں تو ایک دوسری پر اثر و نشار کا موقع ضرور مل گیا ۔،،

ہندی اور سنسکرت میں جو نام عام ہیں مثلاً سورما ، کانشی ، رام ، شری ، پال وغیرہ وہ اکثر سامی ، آرامی اور عبرانی الاصل ہیں ۔

یہ بہت معتبر اور چیدہ نام ہندوؤں نے ان جلا وطن اسرائیلیوں سے اس وقت اپنائے تھے جب وہ ان مشرق علاقوں میں بسائے گئے - جیسا کہ مثلاً تھوڑا عرصہ ہوا کہ سکھوں نے لفظ ، سردار ، افغانوں سے چھین لیا ہے - اس کی تشریح سے کہ کیوں ، کیسے اور کب معذرت چاہتا ہوں -

سورما یہ نام جنگجو اور بہادروں کے لئے ہے اور سور کا جمع سورما ہے سور نام کا بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ بھی تھا کتاب مقدس باب نحمیا میں بیت المقدس کے دوبارہ تعمیر کے سلسلہ میں بیان ہے کہ :

نحمیا بن عزبوق نے جو بیت سور کے آدھے حلقہ کا سردار تھا (اس نے) داؤد کے قبروں کے سامنے کی جگہ اور اس حوض تک جو بنایا گیا تھا اور سورماؤں کے گھروں تک مرمت کی ۔

باب گنتی میں پھر ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۔

شمعون کے قبیلہ کے لشکر کا سردار سوری شدی کا بیٹا سلومی ایل تھا ۔

ابن خلدون لکھتا ہے ۔

یو آب حضرت داؤد کا بھانجا تھا اور وہ داؤد اور سلیمان کے وزیر اور کماندار بھی تھے وہ "سوریا" کے نام سے مشہور تھا۔ عبرانی میں سور بہ معنی چٹان کے بھی ہے یعنی پہاڑی جیسا مضبوط مرد۔ یعنی لقبی نام بھی تھے اور نسبی بھی جیسا کہ کتاب مقدس کے باب تواریخ میں درج ہے۔ کہ

جبعون (گاؤں) میں جبعون کا باپ، یعنی ابل، رہتا تھا جس کی بیوی کا نام معکہ تھا اور اس کا پہلوٹھا بیٹا عبدون اور دوسرے بیٹے کا نام سور اور قیس اور بعل اور نیر و ندب۔

وغیرہ تھے، پختو زبان میں سورے (سایہ) سرپرست کے لئے ہے یعنی فلاں ہمارے آبرو اور سروں کا سایہ ہے اور سور گھوڑ سوار کے لئے بھی ہے یعنی دونوں جگہ طاقت مراد ہے یعنی سور بہ معنی زبردست اور سرپرست اور قائد اور تاقتور کے بھی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک انگریز جو پشاور کا پہلا لارڈ تھا، مقرب خان بن فتح خان خد و خیل یوسف زئی سے موضع باجا میں طنزاً پوچھا کہ تیرے پاس ایک ہزار سور (گھوڑ سوار) ہوں گے، مقرب خان نے انگریز کو سخت گالی دے کر کہا اگر میرے پاس اتنے سور (گھوڑ سوار) ہوتے تو تم لوگ یہاں قدم کیوں جماتے۔

کاشی ۔ کاشی، کاسی، کوشی، ایک ہی نام ہے ۔ اور اسی نام کا بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ تھا جیسا کہ اکثر کتابوں میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد سلطنت دو ٹکڑے ہو کر ایک حصہ سلطنت اسرائیلہ اور دوسرا حصہ سلطنت یہودا کہلانے لگی۔ سلطنت اسرائیلہ کا پہلا بادشاہ یربعام نامزد کیا گیا اور اس کے بعد کاسی، کوشی، قبیلہ کے سردار مسمی زارح کو بادشاہ بنایا گیا یہ بڑا جابر بادشاہ تھا بقول تواریخ نمبر ۲ کتاب مقدس، لاکھوں کے

تعداد میں فوج رکھتا تھا ۔ یہی قبیلہ کاسی ، کوشی ، افغانستان اور کوئٹہ بلوچستان میں بکثرت آباد ہیں اور اس کے نام سے کاشغر اور کش اور کسی غر موسوم ہیں ابتدا میں یہ لوگ کاشغر اور کشمیر تک پہنچ چکے تھے ۔

کاشی ، کوشی کے متعلق کتاب مقدس (توریت) میں ان کا کئی دفعہ ذکر ہوا ہے ۔ ملاحظہ ہو یرمیاہ باب ۳۶ ۔ باب ۳۸ ۔ باب ۳۹ ۔ باب ۴۶ اور ناحوم باب ۱ ۔ اور صنفیاہ باب ۱ ۔ اور فتوح البلدان کے مصنف امام بلاذری نے ,, السامرہ کا خال '' بیان کرتے ہوئے یہودیوں کے ایک قبیلہ کو ,, کوشان ,, کہا ہے ۔

رام ۔ عبرانی ہے کتاب مقدس کے باب تواریخ میں تحریر ہے ۔

حصرون بن فارص بن عیر بن یہودا بن یعقوب کے بیٹے کا نام ، رام ، تھا اور رام کے آٹھویں پشت میں داؤد ہے جس کا شجرہ نسب یوں درج ہے ۔ داؤد بن یسّی بن عبید بن بوعز بن سلمون بن نحسون بن عمینداب بن رام بن حصرون ۔ اور ، رام ، کے دوسرے چھوٹے بھائی کا نام کالب (کلوی) تھا اور کالب بن حصرون کی زوجہ مسماۃ '' افراتہ '' تھی جو بہت عقلمند اور نامور ہستی تھی اور اس کا ایک ہی پہلوٹھا بیٹا جس کا نام حور تھا ۔

اور میری تحقیق کے مطابق اپنی والدہ افراتہ کے نام اس کی اولاد افریتے مشہور ہوئے لکھنے والے افریدے بھی لکھتے ہیں جو افغانوں کا ایک مشہور بہادر قبیلہ ہے ۔

رام کے بڑے بھائی کا نام یرحمیل تھا ۔ اور اس یرحمیل بن حصرون کے بیٹے کا نام بھی رام تھا ۔ بعد میں سلطنت اسرائیلیہ کے بادشاہ کا نام بھو رام تھا اور اسی کے زمانے میں یہودا کا بادشاہ بھی یہی

نام یعنی بھورام رکھتا تھا بنی اسرائیل میں رام نام اور بھی ہیں -
مؤرخ تاریخ شام لکھتا ہے -

رام ،، یہ نام سب سے پہلے ، نارام‌سن تقریباً ۲۳۰۰ ق‌م جنگجوؤں کے لئے شام میں استعمال ہوا اور ، نارام‌سن ، قدیم اکادی سامی حکمران خاندان سے تھا -

شاری ، شری ــ شار سے ماخوز ہے - شار بہ معنی زبردست محافظ ، بےقابو ، اونچا ، تیز ، طاقتور ، اعلی ، امیر ، دارالحکومت ، جو سامیوں کے ہاں ملک شام و الجزیرہ میں استعمال ہوتا تھا - اور یہ لفظ ، شار ، سامی الاصل ہے - ملک طالوت کا ایک لقبی نام ساروِل (شاروِل) بھی تھا - حضرت سلیمانؑ کے بعد جب حکومت دو ٹکڑے ہوئی تو دس قبائل نے اپنے سلطنت اسرائیلیہ کی دارالحکومت کا نام شارون (شورون) رکھا تھا جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے -

انہیں لوگوں (اشوریوں) نے اسباط عشرہ کے مشہور شہر شورون جس کو اب سامرہ کہتے ہیں لے لیا تھا اور اسباط عشرہ (اسرائیلیہ کے دس قبائل) کو شورون سے نکال کر اطراف اصفہان اور خراسان کی جانب جلاوطن کر دیا -

کتاب مقدس کے باب تواریخ میں ایک اسرائیلی قبیلہ کی سکونت کے بارے میں درج ہے -

شارون کی ساری نواحی میں جہاں تک ان کی حد تھی بسے ہوئے تھے -

شارون نام شام میں حضرت داؤد کے وقت میں ایک ایسے سر سبز میدان کو چراگاہ کے طور پر نامزد ہوا تھا جس میں سرکاری گائے بیل اور گھوڑے چرتے تھے اور اس کا نگران مسمی سطری ، شارونی تھا یعنی نگران کو شارونی کہتے تھے - جو حضرت داؤد بادشاہ کے گھوڑوں پر

چراگاہ میں مقرر تھا ۔

بنونیدس (نابونیدس) شاہ بابل بخت نصر کے بیٹے کو شار کہتے تھے وہ عام طور پر صحرائے عرب کے ایک سر سبز مقام تیما میں محل بنا کر رہتا تھا ۔ اس کو وہاں کے اسرائیلی اور عرب شارالتیما کہتے تھے غلام رسول مہر لفظ شار کے متعلق لکھتا ہے کہ

اس کا اصل سامی زبان اکادی ہے قدیم زمانہ میں بادشاہ کو دعا کے لئے بولا جاتا تھا ۔ بیل شار لیتو ستو ،، یعنی معبود (خدا) بادشاہ کا محافظ ہو ۔

قدیم بابلی سامی اکادی الفاظ دوبارہ غور سے پڑہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ صرف پشتو الفاظ ہیں ۔ البتہ لفظ یہ اب سے کچھ زمانہ پہلے ، ایل سے قبل استعمال ہوتا تھا اب ایل کے بعد اور دوئم یہ کی جگہ ِد بولا جاتا ہے ۔

بئیل شار لیتو ستو ، یعنی خدا بادشاہ کا حافظ ہو ۔ ایل بمعنی اللہ اور شار بمعنی بادشاہ لیتو بمعنی لپائی اور سو ، شو بمعنی ہو جائے مطلب یہ ہوا کہ ۔ اللہ پاک ِد ؔد بادشاہ لیتو (لیتو) شی یعنی حافظ شی ۔ افغانوں کے ہاں مکان کی چھت یا گھاس بھوسا وغیرہ محفوظ کرنا مقصد ہو تو اسے لیو یعنی لپائی دے کر بارش کے پانی سے محفوظ کر دیا جاتا ہے ۔ اسی طرح پشتو میں ، نخاس ، بمعنی بد شکل ، عبرانی ہے اور ، بالغ ، سریانی ہے بن آدم یا بنیادم عام پشتو لفظ جس کی اصل عبرانی ہے بن بمعنی بیٹا اور آدم کے معنی انسان یا بشر کے ہیں لہذا بن اور آدم دونوں لفظ عبرانی ہیں ۔بن کے لئے تاریخ شام صفحہ ۱۳۴ میں حاشیہ غلام رسول مہر اور آدم کے لئے اعلام القرآن مصنف عبدالماجد دریا آبادی صفحہ ۴ متشرح ہیں ۔ اور لفظ ملک بادشاہ کے لئے سامی لفظ ہے اور اوم کے

سردار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو زبان پشتو میں یہ سب انہی معنوں میں ہیں ۔

مؤرخ تاریخ شام لکھتا ہے کہ :

شام میں آرامی نبطیوں کے تمام دیوتاؤں میں سب سے بڑا بت دوشارہ تھا یہ در اصل سورج دیوتا تھا جس کی پرستش پتھر کی بلند لاٹ یا ان گھڑ چارگوشہ سیاہ پتھر کی شکل کی جاتی تھی ۔

" شار " کے بارے میں جغرافیہ خلافت مشرق لکھتا ہے کہ :

بادغیس کے مشرق میں دریائے مرغاب کے سر چشموں کے قریب وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کو شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے ، غرج‌الشار ، لکھا ہے ۔ ان پہاڑوں کے (افغان) حکمران کا لقب شار تھا اور غرج کی نسبت مقدسی نے نے لکھا ہے کہ وہاں کی بولی میں پہاڑ کو کہتے ہیں زمانہ وسطیٰ کے آخری دور میں یہ علاقہ عام طور غرجستان کہلانے لگا ۔ اس ملک کا حکمران یعنی شار کا قیام گاہ پہاڑوں میں ایک بڑا گاؤں بالی کان میں تھا ۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں افغان قبیلہ کے غرغشت آباد تھے اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے افغان قبائل بھی رہتے تھے اور ان کی زبان پختو تھی جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی زبان میں غر پہاڑ کو کہتے ہیں ۔ اور یہ لفظ ، غر ، سامی زبان کا نام ہے اور اس کی شہادت موجود ہے کہ ملک شام میں ایک ایسے مقام کا ذکر ، تاریخ شام نے کیا ہے کہ :

شمالی شام میں انطاکیہ شہر کے جنوب میں ایک بڑا پہاڑ (سر سبز) کا نام " الوغر " تھا ۔

معلوم ہوتا ہے کہ الو ایک شخص سردار قبیلہ یا شار قبیلہ تھا اور

غر ان کی زبان میں پہاڑ کو کہتے تھے ۔ لہذا الوغر مشہور ہوا ۔
الوغر کے متعلق مزید لکھتے ہیں :-

یہاں ایک غار میں مدہم سی روشنی صدیوں سے نظر آتی ہے، جسے مقامی مسلمان ایک ولی کی یادگار میں قائم رکھے ہوئے ہیں ، یونانی اپنی زبان میں اس پہاڑ کو سہلیوس کہتے تھے ۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سڑابنی افغانوں کے دونوں مورثان اعلئے شارخبون (شرخبون) اور خارشبون (خرشبون) کے نام بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ شہر کو پشتو میں خار ، شار ، ښار ، کہتے ہیں وجہ یہ کہ درحقیقت وہ بھی چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبوں کے بادشاہ اور مرکز ہوتا ہے ۔ انگریزی زبان میں شارپ بمعنی تیز اور شرک بمعنی ایک خطرناک اور طاقتور مچھلی کے ہیں جو لفظ شار سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں ۔

شار کے متعلق پشتہ خزانہ میں تحریر ہے کہ :-

سلطان محمود غزنوی نے جب غور کے امیر محمود سوری پر حملہ کیا اور سخت جنگ کے بعد قلعہ آہنگراں میں اسے محصور کیا تو غیرت کے سبب محمد سوری نے قید اور گرفتاری کو برداشت نہ کرتے ہوئے فوت ہوگئے ۔ شیخ اسعد نے جو اس جنگ میں شامل تھا محمد سوری کی وفات پر پشتو میں سالدے (مرثیہ) یوں بولتا ہے ۔

نـہ لـہ غـرجہ بـیا راځی کاروان د مشکو
نـہ را دروسی غـورتہ بـیا جـو پـہ ی د شار

ترجمہ پہاڑوں سے پھر مشک و عنبر کے لدے ہوئے قافلے نہیں آئیں گے اور نہ غور میں دور دراز کے امراء اور بادشاہان ، جوق در جوق آئیں گے ۔

شاربیل پشتو زبان میں جمے ہوئے دودھ یعنی دہی سے شار یعنی مکھن اور لسی کو الگ الگ کرنے کے عمل کو شار بیل کہتے ہیں اب شار بھی اس سے ماخوذ ہے - پشتو میں شاڑہ (شارہ) اس زمین کا نام ہے جو لوگوں کے عمل کاشتکاری سے بے قابو اور سخت ہوں - اور اسی طرح شڑونکی شوی (شارونکی شوی) کا معنی و مطلب پشتو زبان میں ایک ایسے گروہ سے ہے کہ کسی زبردست طاقت نے اس کو اپنے گھروں اور وطن سے نکالا ہو یعنی جلا وطن کر دیا ہو۔

یوسف زئی قبیلہ جب مالا کنڈ عبور کر کے سوات میں فتح یاب داخل ہوا تو ایک میدان (ڈاگہ) میں ڈیرہ ڈال کر اس جگہ کا ' خار ' نام رکھا یعنی مرکزی جگہ، یہ نام تہہ رانی زئی میں اب تک موسوم اور موجود ایک گاؤں ہے - اور اسی طرح باجوڑ میں بھی ہوا - حالانکہ اس وقت دونوں جگہ آبادی نہ تھی لیکن انہوں نے مرکزی حیثیت بنانے کے لئے انہی ناموں سے موسوم کیا یہ نام خار اب تک بطور یادگار موجود ہیں حالانکہ ابھی تک یہ شہر نہیں ہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں لہذا یہاں یہ نام مرکزی مقام کے لئے استعمال ہوا تھا اور انہی مقامات سے انہوں نے سارا ملک سوات اور علاقہ دیر و باجوڑ وغیرہ فتح کئے تھے -

افغانستان میں شہر شاربہ یا ساریہ ۔ تیسری صدی ھجری میں خاندان طاہریہ کی طرف سے جو حاکم آتا تھا - وہ اکثر ساریہ (شاریہ) میں رہا کرتا تھا صوبہ طبرستان کا دوسرا اور شہر آمل سے پیشتر کا دارالحکومت شاربہ تھا جو آج کل ساری (شاری) کہلاتا ہے اور شہر آمل کے مشرق میں واقع تھا زمانہ ما بعد میں ساریہ کا حال بہت کم بیان ہوا ہے - مغلوں کی یورش سے ویران ہو چکا تھا - مختصر یہ کہ مذکورہ شار وغیرہ نام پختو ،

اکادی ، عبرانی اور سامی الاصل ہیں -

عبرانی الفاظ کے مزید نمونے :

افغان ماں جب بچے کو سلانے کی لوری دیتی ہے تووہ یہودیوں کی خوشی کا نعرہ جو ,, ھَلّلویا ،، ہے جس کے معنی اللہ بڑا کے ہیں - وہ , ھلی للو ' کر کے کہتی ہے - , ھلی للو ،گویا , ھَلّلویا ، سے بگڑا ہوا لفظ ہے - , لویا ، عبرانی بمعنی بڑا- پشتو میں بھی عام طور , لویا ، بمعنی بڑی اور , لوئے بمعنی بڑا یا بڑے اور , لوئیی ، بمعنی بڑہائی روزمرہ کا استعمال ہے -

آرام بتّرا یا بن برا سے ماخوذ ہے لفظ , بورہ ، اور یہ عبرانی لفظ ہے - جو پشتو میں اس ماں کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا بچہ مر جائے -

کول ,, عبرانی لفظ ہے جو نسل کو کہتے ہیں اور پشتو میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے مثلاً گھر کی بااختیار بچوں کی بڑی اماں گزشتہ وقتوں میں اکثر 'کولئی' سے یاد کیا جاتا اور جن سے رشتہ طے ہوجائے اسی گھر والوں کو کولہ یا کالہ کور اور رشتہ داروں کے ساتھ کلے کلو یغی بمعنی رشتہ داری پالنا اور تعلق اور مروت قائم رکھنا - کلے بمعنی گاؤں بھی اس کول سے لیا گیا ہے کیونکہ گاؤں میں اکثر ایک انسانی نسل کے لوگ آباد رہتے ہیں - کور ــ گھر جو نسل انسانی کی رہائش اور پناگاہ ہوتا ہے بھی اسی عبرانی لفظ کول سے ماخوذ ہے - پشتو زبان سامی زبانوں کے الفاظ سے بھری پڑی ہیں لیکن مثال کے لئے یہ چند الفاظ کافی ہونگے - مشت نمونہ خروار -

سامی علاقی و قبائلی نام

گدون ، جدون ایک ہی نام ہے جو مخفف ہے گد عون اور جدعون سے ، جو ایک افغان قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا عبرانی نام ہے

جو بنیامین اسرائیلی قبیلہ سے تھا ۔ مؤرخ تاریخ شام ملک طالوت سے قبل زمانہ کے متعلق لکھتا ہے

اس مدت کو عام طور ، دور قضاۃ کہا جاتا ہے ۔ یہ قاضی (جج) دراصل قومی ہیرو اور حکمران تھے ، جو ضرورت کے وقت خود بخود بروئے کار آگئے اور انہوں نے ہمسایہ دشمنوں یا بیرونی جابروں کے مقابلے میں قومی گروہوں کی قیادت کا فرض انجام دیا ۔ قاضیوں میں ایک اسرائیلی خاتون بھی شامل تھی جس کا نام ، دبورہ ، تھا اس نے برق (برک) کی معیت میں چھ قبیلوں کی قیادت کی اور شمالی سمت میں کنعانیوں کا مقابلہ کر کے آخری فتح حاصل کی ۔ اسی طرح جدعون نے تین سو رفیقوں کے ساتھ مدیانیوں کو سخت شکست دی ۔ ان قضاۃ میں سب سے زیادہ شہرت سمسون کو حاصل ہوئی ۔ سمسون نے فلسطینیوں کو شکست دی ۔ عبرانیوں کو جن حریفوں سے سابقہ پڑا ان میں سے فلسطینی سب سے زیادہ خوفناک تھے ۔

کتاب مقدس کے باب گنتی میں ذکر ہے

جدعونی کے بیٹے ابدان بنیامین قبیلہ کا سردار تھا ۔

برکی ۔ برکی افغانوں کا ایک قبیلہ ہے جس کا مورث اعلیٰ برق یا برک تھا ذکر ہو چکا اولاد برک نے ایک گاؤں بھی بسایا تھا جس کا نام برکی تھا ۔ جس کا بعد میں ذکر آئے گا ۔

بتنی ۔ بتنی یا بطانی ایک ہی نام ہے ، یہ بھی افغانوں کا ایک بڑا قبیلہ ہے ۔ ان کی نسبت بتھانیہ ' بطانیہ شہر سے ہے جو دریائے اردن کے شمالی حصے میں مشرق کی طرف اس چھوٹے دریا کے کنارے کے اوپر سرے پر واقع تھا جو مشرق سے مغرب کی طرف بہتا ہے اور دریائے اردن میں گرتا ہے یہ حوران کے جنوب میں تھا اور بتھانیہ

یا بطانیہ کا شہر علاقہ بشان (بسن) کا مرکزی مقام تھا اور ابتدا میں عوج کافر جس کا مقابلہ حضرت موسیٰ سے ہوا تھا اور شکست کھائی تھی اس علاقہ کا بادشاہ تھا ۔ اور تقسیم کے وقت یہ علاقہ منسی بن یوسف کی اولاد کے حصہ میں آیا تھا ۔ اور ان کے جنوب میں روبن بن یعقوب[۴] کی اولاد اور شمال میں دان بن یعقوب[۵] کی اولاد حصہ دار و مالکان اور رہائش پذیر تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی لوگ جلا وطنی کے بعد اس وادی اور شہر کی نسبت سے بطانی ، بتنی ، بثنی ، مشہور ہوئے ۔ اور بعد میں افغانوں کا دوسرا بنیادی گروہ بھی تصور ہوا ۔ مذکورہ شہر کی املا تاریخ شام نے بتھانیہ اور تاریخ لبنان نے بطانیہ سے کیا ہے ۔

لودی ۔ لودی قبیلہ کے مورث اعلیٰ لود تھا جس کا ذکر کتاب مقدس کے باب عذرا میں بابل سے واپس شدہ قیدیوں کے ضمن میں آیا ہے کہ " لود " حاوید ، اور اونو ، کی اولاد (جو بابل سے واپس ہوئی) سات سو پچیس نفر تھے ، اور یہ بھی تذکرہ موجود ہے کہ لود کی نسل یعنی لودیوں نے دریائے اردن کے مغربی کنارے لود یا لُد شہر بھی آباد کیا تھا جو اب بھی اسی نام سے موجود ہے ۔ لودی لُد شہر یعنی مسکن اور لود مورث اعلیٰ دونوں کی نسبت سے ہے ۔ کتاب مقدس (توریت) یرمیاہ باب ۴۶ میں درج ہے کہ ۔

گھوڑے برانگیختہ ہوں ۔ رتھ ہوا ہو جائیں اور کوش و فوط کے بہادر جو سپر بردار ہیں اور لودی جو کمان کشی اور تیر اندازی میں ماہر ہیں نکلیں ۔

شلمانی اور ہیسود " دونوں افغان قبیلوں کی نسبت شمالی شام کے ایک علاقے کی طرف ہے ۔ شلمان لبنان کے قریب ایک پہاڑ اور کچھ علاقہ تھا ۔ اس بارے میں تاریخ شام کا بیان ہے ۔

بنو بختر آس پاس کے کچھ علاقے پر جاگیرداروں کے حیثیت میں قابض رہے اور ان کی جاگیر میں ، شلمان ، عیناب اور یسود ، جیسے مقامات تھے جن کا ذکر تاریخ میں کبھی نہیں آیا اور وہ اب تک موجود ہیں -

خراسان میں بھی جلا وطنوں شامان اور یسود نام ساتھ لائے تھے جو اب بھی موجود ہیں -

صافی - صافی افغان قبیلہ کی نسبت الجزیرہ شام کے موضع صافیہ کی طرف ہے - جغرافیہ مشرق میں ہے کہ :

دجلہ کے کنارے الصافیہ کا قصبہ تھا جس کے نسبت یعقوب لکھتا ہے کہ وہ قصبہ اس کے زمانے میں بالکل برباد ہو چکا تھا -

جلا وطنی کے بعد ان لوگوں نے مشرق کی طرف تبریز کے جنوب میں مراغہ کے قریب ایک دریا کے کنارے سکونت اختیار کی جو بعد میں دریائے صافی کے نام سے مشہور ہوا وہاں کافی عرصہ گزارنے کے بعد دوبارہ ہجرت کر کے خراسان کو آنا معلوم ہوتا ہے -

فرملی - ان کی نسبت فرما نام قصبہ سے تھی جو فلسطین میں غزہ والعریش کے علاقہ میں بحیرہ روم کے کنارے واقع تھا اور جب وہاں کے کچھ باشندے جلاوطن ہو کر خراسان آئے اور ایک دریا کے کنارے آباد ہوئے تو وہ دریا انہیں کے نام سے دریائے فرمل موسوم ہوا - فرما گاؤں کا نام اور ایل عبرانی میں بمعنی خدا ہے ، ایل لفظ ساتھ لگانا ایک طریقہ تھا جس سے فرما ایل اور بعد میں مخفف ہو کر فرمل اور اب افغانستان میں دریائے فرمل کے علاقہ میں آباد لوگوں کو فرملی کہتے ہیں جو افغانوں کا ایک قبیلہ ہے -

ستنی - افغان قبیلہ ہے ان کی نسبت شام کے علاقہ حوران

میں المتن (متن) کے نام سے ایک وادی اور قصبہ تھا جس سے ان کی نسبت ہے ۔

ترین شام کے بعد ایران میں مع قدیم نشانات ۔

ترین ۔ افغانوں کا ایک بڑا مشہور قبیلہ ہے ۔ قرآئین سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ پہلے شام کے شمالی علاقہ ' تیرہ (تیرا) ' میں آباد تھے وہاں سے جلا وطنی کے بعد ایران میں بسائے گئے تھے اور ایران سے ساسانیوں کے انقلاب سے مشرق کی طرف پہاڑوں میں آباد ہوئے تھے ۔ ابن بطوطہ کے حوالہ سے جغرافیہ خلافت مشرق کا بیان ہے کہ:

(شام) منتمیشا کے شمال میں امیر ایدین کا علاقہ تھا ' اس علاقہ کا پایہ تخت تیرہ ، تیرا ، تھا ، ابن بطوطہ جو امیر ایدین سے ملا تھا ، کہتا ہے کہ تیرہ (تیرا) ایک عمدہ شہر ہے جس میں متعدد باغ اور بہت سی نہریں ہیں ۔ شہر برکی میں سے بھی اس کا گزر ہوا تھا جو تیرہ (تیرا) سے شمال میں ایک منزل پر ہے یہاں کے عظیم‌الشان درختوں کی اس نے بہت تعریف کی ہے ۔" یہاں سے کچھ فاصلہ پر بطرف مشرق دریائے ساغری کے سر چشموں کے نواحی میں حَصَنّ الیھَود (یہودیوں کا قلعہ) اور قصبہ السند ، کا بھی ذکر کیا ہے ۔ شہر افسوس (اف سُوس) جو یہاں کے ساحل پر ہے اس سے عرب جغرافیہ لویس خوب واقف تھے اور یہ اس شہر کو اَفسُوس اَبسُوس (سوس) کہتے تھے ۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں سات اصحاب کا غار یا کہف تھا ۔

ایران میں نہر تیرا یا نہر ترین کا شہر اس نام کی ایک نہر یا دریا پر آباد تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریائے کرخہ (دریائے سوس) کے

آخری حصہ کا ایک معاون تھا ، جو دریائے کرخہ (سوس) میں اس کی دائیں جانب سے شامل ہوا تھا ۔ نہر تیرا کا شہر یقیناً حوبزہ ہی کے علاقہ میں واقع ہوگا ۔ یہ شہر اھواز کے مغرب میں ایک دن کی مسافت پر اس سڑک پر واقع تھا جو اھواز سے واسط کو جاتی تھی ۔ بصنّا کے پردے ، قرقوب کے نمدے کے غالیچے ، اور شہر تیرا کے چہرے کے لمبے نقاب مشہور تھے ۔

سوس ۔ دریائے کرخہ ، جو شہر سوس کی جانب کچھ فاصلہ سے بہتا تھا ، اس کی گزر گاہ میں حضرت دانیال نبی کی قبر بنائی گئی تھی اور قریب تر کنارے پر ایک خوبصورت مسجد اس مقام کی نشاندہی کرتی تھی ، مورخ مستوفی نے لکھا ہے کہ :-

حضرت دانیال کی قبر شہر سوس کی مغرب میں تھی ، پاس ادب کوئی شخص اس دریا میں مچھلی نہ پکڑتا تھا(اور یہاں سے شمال کی طرف کچھ فاصلے پر شہر میسان میں حضرت عزیر نبی کی قبر بھی تھی) ۔

بیروت ۔ بیصینّا کے قریب ، اور سوس سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر ، لیکن غالباً دریائے کرخہ سے مغرب کی طرف بیروت کا شہر تھا ، جہاں ساتویں صدی ہجری میں یاقوت آیا تھا ۔

مقدسی نے لکھا ہے کہ :-

یہ نخلستانوں سے گھرا ہوا ایک بڑا شہر تھا ، یہاں بیروت کا یہ نام ، اسرائیلی جلا وطنوں نے بیروت (شام) سے آنے والوں نے رکھا ہوگا جو کہ یہاں آباد ہوئے) ۔

سلیمانان ۔ اھواز کے جنوب میں دریائے دجیل (کارون) بہت عریض ہو کر ایک مدو جذر والی کھاڑی کی شکل اختیار کر لیتا تھا دریائے دجیل کارون کی کھاڑی جو فیض دجیل کہلاتی تھی ، شہر

ـلیمانان کے مقام پر خلیج فارس میں ملتی تھی یہ اھواز پہنچنے کے واسطے جہازوں کے لئے زیادہ آسان تھا کہ وہ باسیان (بسان یا بسن والے کے مقام سے مختلف دریاؤں کے ذریعے دور تک اور وہاں سے صدرہ کا راستہ اختیار کریں ۔

سوسن ۔ ایذج کے شمال مغرب میں چار فرسخ کے فاصلے پر سوسن کا چھوٹا سا شہر ، جسے عروج یا عروح اور جابلق بھی کہتے تھے دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا ۔ اس کے گرد وسیع باغ تھے جن میں انگور ، چکوترا ، اور نارنگیاں پیدا ہوتی تھیں اور بعض مصنفوں کی تحریر کے مطابق یہ وہی مقام ہے جو عہد عتیق کی کتاب دانیال[۴] والا شو شان قصر ہے یعنی قصر سوسن ۔

تستر سے آٹھ فرسخ شمال مغرب میں ، دزفول کی سڑک پر وہ کھنڈرات پائے جاتے ہیں جنہیں آج کل شاہ آباد کہتے ہیں یہ کھنڈر جندے ساپور کے محل وقوع کا پتہ دیتے ہیں ۔ آل ساسان کے عہد میں یہ صوبہ خوزستان کا دارالحکومت تھا ۔

خلیفہ عباس کے زمانے تک یہ شہر اس طبی مدرسے کے لئے مشہور رہا جسے ایک عیسائی طبیب بختیشوع (جو نسلاً ان اسرائیلی اسیروں کی اولاد میں سے تھا جنھیں بخت نصر نے یہاں لا کر بسایا تھا) نے یہاں قائم کیا تھا ۔ اس طبیب کو اپنی زندگی میں ، اور اس کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں کو ، ایک سے زیادہ خلفاء عباسیہ کے دربار میں بڑا مرتبہ حاصل رہا ۔ لیکن اب وہ شہر جندے ساپور ایک غیر آباد ویرانہ ہے ، جو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جندے ساپور کہاں آباد تھا ۔ " شہر ِ دزفول ، ِ دز کا پل " دریائے دز کے کنارے جندے ساپور کے مغرب میں واقع تھا ۔ اس شہر کا نام ایک مشہور پل پر تھا ۔

مورخ ابن خرداد بہ اس نام کو قنطرۃالزاب لکھتا ہے ، چونکہ
اس کے بیان کے مطابق دریائے دز کا نام (زمانہ قبل میں)
" زاب " تھا دز فول کا شہر دریا کے دونوں کناروں آباد تھا ۔
معلوم رہے کہ زاب اور دجیل کے دریا موصل اور بغداد کے
علاقہ میں واقع تھے اور وہاں کے جلا وطنوں کی یہاں سکونت کے وجہ
سے ان دریاؤں کے نام زاب اور دجیل موسوم ہوئے جیسا کہ تیرا والوں
کے نام سے یہاں دریائے تیرا اور تہرین شہر مشہور ہوا اور بعد میں
ساسانیوں کے سبب جلا وطن ہو کر مشرق میں جا کر کوہ سلیمان کے
مغرب میں ایک دریا کے کنارے آباد ہوئے تو اس کا نام زاب ، زوب ،
موسوم ہوا ۔ اور اسی طرح اس علاقہ زوب سے شمال کی طرف علاقہ تیرہ
موسوم ہوا ۔ علاقہ تیرہ و زاب دجیل جس کا ذکر ہو چکا اس کے قریب
مشرق کو الیہودیہ اور جے کے شہر تھے جو اس وقت اصفہان کے نام سے
مشہور ہیں ۔ بخت نصر نے جلا وطن اور اسیر یہودیوں کو یہاں الگ
تلگ بسایا تھا جس کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا اس سارے علاقے میں اس قسم
کے بہت نشانات ان لوگوں کے باقی ہیں مگر صرف اس پر اکتفا کیا جاتا
ہے ۔ یہ جلاوطن یہاں ایران سے کچھ نام مشرق کے طرف ساتھ لے گئے
اب بھی جے نام گاؤں دیر کے علاقہ میں موجود ہے اور کابائیہ جوسوس
کے قریب ایک قصبہ تھا یہ نام بھی ساتھ لے کر ایک گاؤں کلپانی
سردان کے قریب اور دوسرا کلپانی نام بنیر میں موسوم ہیں ۔

کتاب مقدس۔ باب عبرانی خطوط صفحہ ۱۱۹۲ (پشتو ترجمہ ۱۹۳۵ء
برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور) میں ہے کہ

اور کیا کہوں کیونکہ وقت نہیں کہ میں گدعون ۔ باراق ۔ سمسون
یفتہ۔ داؤد اور سموئیل جیسے انبیاء کے حالات بیان کروں جنہوں
نے ایمان کی قوت سے بادشاہتیں مطیع کرلی تھیں ۔

مکاشفت (باب اول صفحہ ۱۲۸۳/۸۴ میں درج ہے) -

وہاں تمہارے پاس بعض ایسے ہیں جو بلعام کی تعلیم کی پابندی کرتے ہیں - اس نے بالاق (بلاق) کو بتایا کہ بنی اسرائیل کو ٹھوکر رکھدیں کہ وہ بتوں کے قربانی کے گوشت کھائیں اور اسی طرح حرم کاری میں مبتلا ہو جائیں .... اور تھواتیرہ (جس کا تہری مخفف ہے) کے کلیسا کے فرشتے کو لکھیں -

قبیلہ مرو کے بارے میں تاریخ شام و لبنان میں درج ہے -

مسلمہ کی یہ مہم ایک غیر معروف گروہ کے خلاف تھی جو شمالی شام کے پہاڑی علاقہ میں رہتا تھا - یہ لوگ ، مروہ ، کہلاتے تھے - انہیں کو جراجمہ بھی کہتے تھے کیونکہ ان کے مرکز کا نام جرجومہ تھا جو جبل لکام میں واقع تھا - وہ عربوں کی سرحد پر مقیم تھے اور ایشائے کو چک کی حفاظت کے لیے پیتل کی دیوار بنے رہے - وہ تھے تو عیسائی آرامی زبان بولتے تھے - وہ طبعاً سرکش تھے اور جنگ جوئی ان کا پیشہ تھا مظلوم اور غیر مطمئن لوگ ان کے ہاں پناہ لے سکتے تھے - مفرور مجرم اور باغی لوگ بھی ان کے پاس جمع ہوتے - غالباً اسی زمانے میں یہ لوگ ، مروہ ، مروانی یعنی باغی کہلانے لگے - عبدالمالک کے بیٹے ولید کے عہد میں (۷۰۵ع) قطعی فیصلہ کر لیا گیا کہ اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے - مسلمہ نے ان تکلیف دہ گروہوں کے مرکز پر حملہ کر دیا اور مقام جرجومہ کو مسمار کر ڈالا - ان میں سے ایک حصہ مارا گیا اور باقی وہاں سے جلاوطن ہوگئے -

تاریخ شام اردو صفحہ ۴۴۳ کے نیچے حاشیہ نمبر ۷ پر ، مروہ ، کے متعلق تحریر ہے کہ

اس کی اصل ایک قدیمی سامی لفظ ، مرو ، ہے - جس کے معنی ہیں بغاوت یا مزاحمت کرنا -

پشتو زبان میں بھی اس لفظ کا یہی مطلب لیا جاتا ہے - مروه ، مرور بمعنی کسی سے خفا ہونا - منہ موڑنا - باغی ہونا - متعلق چھوڑنا کے ہیں - لہذا تحقیق طلب اور قابل غور ہے کہ قبائل خٹک میں تری (تہری) اور بالاق یا بلاق میں مروزئی کے نام سے ایک قبیلہ موسوم اور موجود ہے -

ساغری

شمالی شام میں انطاکیہ سے مشرق کی طرف عموریہ کے شمال السند اور سنداہری کے مقامات سے دریائے ساغری نکلتا تھا اور شمال مشرق کو بہتا ہوا بحر بنطس میں گر جاتا تھا اس دریا کے علاقہ سے جو اسرائیلی جلاوطن ہوئے قیاس غالب ہے کہ انہیں لوگوں کو ساغری کہا گیا ہوگا -

کران کرانی یا کرلانی عبرانی لفظ ہے جو افغانوں کا چوتھا بڑا قبیلہ ہے اور کرلانی گروپ میں ذیل کے افغان قبائل شامل ہیں -

خٹک - دلازاک - ورکزئی - اتمان خیل - افریدی - (افریتے) خوگیانی - ہونی - منگل - وزیر - بنگش - شیتک - موسیٰ زئی - اور وردگ وغیرہ - ان کی ذیلی شاخیں تعداد میں تقریبا ایک سو بیس ہیں - جلاوطنی سے قبل یہ لوگ شام کے انتہائی شمالی علاقوں میں دور دور تک جگہ بہ جگہ منتشر (کترلی) حالت میں پھیلے ہوئے آباد تھے جیسا کہ ساغری وغیرہ کا ذکر ہو چکا - بعد میں یہ قبائل بھی وہاں سے جلاوطنی کے بعد اپنے ہم نسل سابق جلا وطن اسرائیلیوں کے

پیچھے مشرق کی طرف آئے اور ان کے ساتھ شامل ہوئے اور ان کا نام " کرلانی " رکھا گیا - اس بارے میں قاضی عبدالحلیم اثر کی ایک قلمی تحریر جو میرے پاس ہے ذیل میں درج ہے -

تری اور ترکی

افغان مورخین نے افغان قبائل کے جو شجرہ ہائے نسب ترتیب دیئے ہیں - ان میں ایک قوم کا نام کرلان ذکر کیا ہے - اور پھر اس کے دو ذیلی شاخیں بیان کی ہیں - (۱) کودی (۲) ککی - اور پھر ککی کے ایک ذیلی شاخ کا نام خشک اور اس کے ایک ذیلی شاخ کا نام تری لکھا ہے - اور دوسرے کا ترکی -

جہاں تک واقعات اور حقائق کا تعلق ہے - عبرانی زبان میں علی‌الاطلاق شمالی علاقہ کو (کرا - کر - کارا - تری) کہا جاتا ہے - اور اس کا اطلاق اس علاقہ پر کیا گیا ہے - جو ایشیائے کوچک کے کوہستان ارارات کا انتہائی شمالی علاقہ ہے - جو آجکل مملکت ترکیہ کا حصہ اور اس کا نچلا سرا دریائے احمر کے جنوب میں شمالی شام تک پھیلا ہوا ہے - (کر کرا) اس پورے شمالی کوہستان کا نام ہے - (تری) اسی کوہستان کے ڈھلان کی طرف نشیبی دروں سے ملحقہ حصوں کا نام ہے - ان میں سے وسیع ترائی کا علاقہ تری ہے - اور اس میں سے زیادہ نشیبی حصہ جو تنگ گھاٹیوں پر مشتمل ہو وہ درک کہلاتی ہے - جس کا ایک علاقائی تلفظ (ترک) ہے اور (تـَرکی) اسی لغت کا نسبتی نام ہے - اور

اس (کــر کــرا) اور تــری کا وہ حصہ جو پہاڑیوں کی چوٹیوں میں واقع ہو۔ اسے (کــود = خــود) کہتے ہیں۔ اور اس سے نسبتی نام کــودی بنایا گیا ہے۔ کــودی کے لغوی معنی ہیں۔ شمالی پہاڑیوں کے چوٹیوں کے رہنے والے' یہ وسیع شمالی پہاڑیوں کا علاقہ جسے (کــرا) کہا گیا ہے اس کے تمام رہنے والے چاہے وہ تــری ہیں۔ کــودی ہیں۔ درک ہیں۔ تــرک ہیں۔ یہ سب کے سب جغرافیائی اعتبار سے (کــران۔ کــرانی) ہیں۔ جن کو افغان مورخین نے کــرلانی بنا دیا ہے۔

یہ عــبرانی زبان کا لــغت موجودہ تــرکی زبان میں بھی مستعمل ہے۔ تــرکی زبان میں (کــرا۔ KARA) کے لغوی معنی ہیں بــرف اور وہ کوہستانی سر زمین جہاں عرصہ گزر جانے کی وجہ سے برف نے سفید ہونے کے بعد پڑتے پڑتے سرخ پیلا۔ قرمزی اور بالاخر سیاہ رنــگ اختیار کر لیا ہو۔ اور اسی مناسبت سے عــربی زبان میں بھی (کــثرا۔ قــثرا) کے معنی کئے گئے ہیں (سیاہ کالا) وجہ یہ کہ اس انتہائی شمال میں سورج کی روشنی نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ ایک طرح سے کالی سرزمین ہے جہاں ہر وقت تاریکی کا سیاہ پردہ پڑا رہتا ہے۔

اسی طرح ترکی زبان میں لفظ کرا کے معنی ہیں (زمین خطہ۔ اصل ملک) اور خطہ خاص۔ عبرانی زبان میں اس سے ، شمالی کوہستانی خطہ ، مراد لینے کے یہی معنی لئے جائیں گے کہ انہوں نے اصل ملک اور خطہ خاص کے مفہوم میں خصوصیت پیدا کی ہے۔ اردو ادب اور لغات میں ایک لغت ہے (کرا) جس کے معنی ہیں خالص۔ یہ بھی اسی ریشہ کا ایک

لغت ہے ۔

اور جب غور کیا جائے تو شمالی کوہستانی خطے خصوصاً ایشیائے کوچک کے انتہائی شمالی پہاڑی خطے ہی اصل ملک کا مفہوم لئے ہوئے ہیں وجہ یہ کہ طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی خطہ میں ارارات کی چوٹیوں پر اتاری گئی تھی اور یہاں پر ہی حضرت نوح کے فرزندوں کی نسل آباد ہو گئی تھی ۔ اور یہاں سے ایک دفعہ پھر دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل گئی ہے ۔

دوڑ افغانوں کا ایک قبیلہ ہے جن کا مورث اعلیٰ دوڑ نامی قصبہ اور علاقے سے جلاوطنی کے بعد مشہور ہوئے ۔ دوڑ کا مقام سامرا (شارون) کے شمال میں دس میل کے فاصلے پر تھا جہاں سے دریائے وان دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتا تھا ۔

اصطخر اس قوم کا ایک بڑی واضح نشان آستر ملکہ شاہ کائرس کا مقبرہ ہے جو ایران کے صوبہ فارس اصطخر شہر میں موجود ہے ۔

اس مقبرہ کے متعلق جی ۔ لی ۔ اسٹرینج ، فلارنس الٹی ، مصنف جغرافیہ خلافت مشرقی ۱۹۰۵ — ۱۸۹۰ع ترجمہ محمد جمیل الرحمن مددگار پروفیسر تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ھ نے اس کا ذکر چار دفعہ کیا ہے جو ذیل میں درج ہے ۔

(۱) مسلمان مصنفوں نے مشہور پخا منشی عمارتوں اور مقبروں کی نسبت جنہیں وہ جمشید اور حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں ۔ کوئی دلچسپ بات بیان نہیں کی ہے ۔ صفحہ ۲۹۲

(۲) دریائے پلوار پہلے مشرق کی طرف بہتا ہے اور پھر

پسر گادی سے شمال میں مقبرہ شاہ کائرس ہے ، جسے
مسلمان مشہد مادر سلیمان کہتے ہیں ۔ جنوب مغرب
میں مڑتا ہے ۔ صفحہ ۳۹۴

(۳) یہ سڑکیں اصطخر سے گزر کر کمین ہوتی ہوئی بادشاہ
کائرس کے مقبرے کے پاس سے نکل کر دیہہ بید
پہنچتی تھی ۔ صفحہ ۴۰۸

آگے لکھتا ہے کہ

(۴) ہم اوپر کہ آئے ہیں کہ کائرس کے مقبرے کو
مسلمان حضرت سلیمان؈ کی والدہ کی قبر سمجھتے
تھے ، اور اسے مشہد مادر سلیمان ؓ کہتے تھے ۔
چوپہل سنگ بستہ مقبرے کے متعلق جو اب تک
موجود ہے ، مشہور تھا کہ ایک طلسم اس کی
حفاظت کرتا ہے ۔ مصنف فارس نامہ نے لکھا ہے کہ
اگر کوئی شخص اس کی چار دیواری کے اندر سکونت
اختیار کرنے کا قصد کرتا تھا تو دفعتاً اندھا ہو جاتا
تھا ۔ گرد و نواح کے چراگاہ مرغزار کالان کہلاتے
تھے اور مشہد مادر سلیمان سے آگے کی منزل دیہہ
بید تھا ۔

تجزیہ اور تشریح مصنف مذکور نے جو کچھ معلوم کیا وہ بھی غنیمت ہے کیونکہ ڈھائی ہزار سال گزر چکے ۔ اکثر نام غلط اور اس کی وجہ تسمیہ اور اصلیت پر پردے پڑے ہیں اور بہت دفعہ اصل واقعہ سے افسانہ بن جاتا ہے ۔ افسوس کہ یہ بات اس کے سمجھ میں نہیں آئی اگرچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ مسلمان اس مقبرے کو حضرت سلیمان؈ کی والدہ کی قبر سمجھتے تھے ۔ حالانکہ یہاں اس نے خود

مسلمان سے قوم مسلمان (مسلمانان) مراد لی ہے - اس کو چاہئے تھا کہ اسی طرح سلیمان سے قوم سلیمان یعنی سلیمانان مراد لیتے کیونکہ مسلمانان کے وزن پر سلیمانان بولا جاتا تھا - اور ایران میں اس وقت بنی اسرائیلی جلا وطنوں کو سلیمانان کہتے تھے - وجہ یہ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان اس قوم کے پیشوا تھے اصطخر میں یہ مقبرہ ملکہ آستر کا ہے جو اخویرس، خورس، سائرس، کورش، کائرس اور خسرو، جو سب ایک ہی نام ہے شہنشاہ مملکت ایران کی چہیتی ملکہ تھی - یہ مقبرے اور ان کے محلات بطور یادگار اور آثار قدیمہ کی صورت میں موجود ہیں - ملکہ آستر جس کے مقبرے کا ذکر ہوا، مادر سلیمان نہیں بلکہ حضرت سلیمان[4] کی قوم یعنی سلیمانان کی والدہ ہے جس نے سب جلا وطن اسرائیلیوں کو حقیقی والدہ کی طرح ان کی خدمت، حفاظت اور پرورش کر کے معزز بنایا اور اسی کی بدولت اسرائیلی جلا وطن مملکت ایران میں ہر جگہ خوش حال اور آباد رہے نظام سلطنت میں شامل کئے گئے اور اپنی قوم کی ایسی محکم سرپرستی اور انتظام کیا کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اس شاہی خاندان کے دور حکومت میں جو دو سو بیس سال تک قائم تھا معزز رہے تھے یہ عام روایت ہے کہ شاہ خورس، نے دین موسوی قبول و اختیار کیا تھا اور اسرائیلیوں پر بڑا مہربان تھا اور اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی جب اس کا بیٹا کمبوجہ (کیقباد) بادشاہ ہوا ان پر مہربان رہا وہ اکثر بلخ میں رہتا تھا اپنے باپ کے طریقہ پر قائم رہا اس وقت اس کے پاس و اطراف ایک ہی وقت میں تین بنی اسرائیلی انبیاء تبلیغ میں مصروف تھے ان انبیاء کے ساتھ بادشاہ مذکور کا تعاون اور حمایت شامل تھی -

تاریخ ایران کے مصنف پروفیسر مقبول بیگ لکھتے ہیں کہ :

ہخا منشی عہد کے قدیم ترین آثار پازارگد میں ملتے ہیں ،
جو کہ کورش اعظم کے زمانے میں فارس اور ایران کا پایہ تخت
تھا ۔ اس کے کھنڈرات سے پتہ چلتا ہے ، کہ یہاں کبھی
کوئی بڑا شہر آباد تھا پازارگد میں ہخا منشی عہد کا بانی
ایران کا عظیم فاتح کوروش اعظم کی زوجہ ملکہ آستر دفن ہے
پازارگد کے آثار کوروش اعظم کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں ۔
سب سے پہلے مرغاب کی وادی کے پہاڑ کی چوٹی پر ایک
ہموار سطح مقام نظر آتا ہے جسے ''تخت سلیمان'' کہتے ہیں
اس کی شکل ایک متوازی اضلاع کی سی ہے اس کی لمبائی
تین سو فٹ ہے ۔ اس کی تعمیر میں سفید پتھروں کے بڑے بڑے
ہموار ٹکڑے استعمال کیے گیے ہیں ۔ یہاں کوئی سیڑی نہیں نہ
کسی اور عمارت کے آثار ہی ہیں ۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ پازارگد کے علاقہ میں اسرائیلی جو اس وقت سلیمانان کے نام سے یاد کیے جاتے سکونت پذیر تھے اور یہ ان کا اہم مقام معلوم ہوتا ہے ۔ تاریخ ایران میں آگے ردج ہے ۔

استخر پازارگد سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے ایک طویل
سلسلہ کوہ ان دونوں کے مابین حائل ہے ۔ استخر ہخا منشیوں
کا پایہ تخت تھا ۔ اس شہر کے کھنڈرات اب ہخا منشی دور کی
عظمت کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ ہخا منشی عہد میں اس کا نام بھی
پارس ہی تھا ۔ استخر کے خرابوں سے پانچ میل کے فاصلے پر
سلسلہ کوہ میں ایک مسطح میدان ہے جو '' تخت جمشید''
کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ مقام ہموار سطح سے چالیس فٹ کی
بلندی پر ہے ۔ لمبائی اس کی پندرہ سو تیئس فٹ اور چوڑائی نو سو
بیس فٹ ہے ۔ یہ بھی '' تخت سلیمان '' کی طرح سفید پتھروں

کے ہموار لکڑوں سے تعمیر کیا گیا ہے ۔ دارائے اعظم نے اس میدان کے اوپر شاہی محل تعمیر کرایا جس کا نام تاچارا تھا ۔ ایک اور محل " اپادانا " بھی اس نے شروع کرایا تھا لیکن زندگی نے مہلت نہ دی آخر تعمیرات کا یہ کام اس کے بیٹے خشیارشا (ارتخشتا) کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا اور تخت جمشید کو یونانی پرسی پولس کہتے ہیں ۔ بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ پخا منشی عہد میں اس کا نام پارس تھا ۔ بہرحال اس قدیم شہر کو اب تخت جمشید کہا جاتا ہے ۔ ....
نقش رستم " حسین کوہ پر ایک مقام ہے جو تخت جمشید سے تین فرسنگ کے فاصلے پر پلوار ندی کے قریب واقع ہے ۔ یہاں چند مقبرے ہیں جو پہاڑوں کے پہلو کو تراش کر بنائے گئے ہیں یہ سب ایک ہی طرح کے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں ۔ دو مقبروں کے سامنے کے حصے محلات شاہی کے جھروکے معلوم ہوتے ہیں ۔ جو اندر سے بند ہیں ۔ سامنے ایک چھوٹا سا ایوان ہے جس کے چار ستون ہیں ۔ ان مقبروں میں ایک دارائے اعظم کا ہے کیونکہ اسی پر اس کا کتبہ موجود ہے ۔ یہاں ایک مردہ خانہ بھی ہے نیچے نو قبریں ہیں ۔ مقبروں کے بالمقابل ایک برج ہے یہاں جھنڈے رکھے جاتے تھے ۔

ابن خلدون لکھتا ہے ۔

کورش نے اسرائیل کی قیدیوں میں سے ابوحاویل الرحا کی لڑکی (آستر) مردخائی کی رضائی بہن سے اپنا عقد نکاح کر لیا ۔ مردخائی نے اسے (یعنی بادشاہ کورش کو) دین یہودیت کی تعلیم دی اور بنی اسرائیل کے انبیائے وقت مثلاً عازریا ، میشائیل ، متینا اور عزیر علیہم السلام کی اس نے صحبت پائی ۔ یہ وہی کورش ہے

جس نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی طرف لوٹایا اور بنی اسرائیل نے اس کی حمایت سے بیت المقدس کو آباد کیا اور از سر نو وہاں اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی کورش اس کے بیٹے کیقباد اور دارا کا مذہب دین حق پر قائم اور بلا شبہ ایران کے قدیم مجوسی مذہب کے خلاف تھا۔

قصص القرآن کے مصنف مولانا حفظ الرحمن لکھتے ہیں۔

پھر خورس ، اور دارا کے مومن ، ہونے اور ایران کے قدیم مذہب مجوسی ، سے بیزار رہنے پر سب سے بڑی شہادت دارا کا وہ تبلیغی اعلان ہے جو اس نے دانی ایل نبی کے دشمنوں کے خلاف شائع کیا تھا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ تب دارا بادشاہ نے ساری قوموں اور گروہوں جو روئے زمین پر بستے تھے نامہ لکھا :

تمہاری سلامتی ترقی پائے - میں حکم کرتا ہوں کہ میری حکومت کے ہر ایک صوبہ کے لوگ دانی ایل نبی کے خدا کے آگے ایک ترساں و لرزاں ہوں کیوں کہ یہ وہی زندہ خدا ہے جو ہمیشہ قائم ہے اور اس کی سلطنت لازوال ہے اور آخر تک رہے گی اور وہی چھڑاتا بچاتا ہے اور آسمان اور زمین میں وہی نشانیاں دکھلاتا اور عجائب و غرائب کرتا ہے اسی نے دانی ایل کو شیر ببروں کے چنگل سے چھڑایا ہے - پس یہ دانی ایل نبی دارا کی سلطنت اور خورس فارسی کی سلطنت میں کامیاب رہا۔

سائرس - یہ اس نام کی یونانی وضع ہے۔ انگریزی میں کائرس اور یہودیوں نے اسے خورس ، اخویرس ، قرار دیا ۔ اور عربوں نے خسرو ۔ کیانی یا ہخامنشی خاندان کا یہی شہنشاہ ہے جسے شاہنامہ

میں کیخسرو کہا گیا اس کا اصلی نام گورو یا گوروش ، کورش تھا - اس کی تخت نشینی ۵۵۰ ق م میں ہوئی - اس کا بیٹا کیم بی سس نام جو یونانی لفظ ہے - پارسی اسے کمبوچہ ، یہودی اور عرب کیقباد کہتے تھے اور دارا ایران کا مشہور دارا گشتاسپ ہے -

اصطخر کی تشریح - اس شہر کا قدیم نام '' پرسی پولس '' تھا ملکہ آستر کی شان و شوکت اور اعزاز کے سبب یہ مقام '' آستر خشرہ '' سے یاد کیا جاتا رہا - عرصہ گزرنے پر آستخر مشہور ہوا جو بعد میں اصطخر لکھنے کا غلط رواج شروع ہوا - یہ ہر صورت اصتخر یا استخر سے ملکہ آستر کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے - '' خشرہ '' یہی مصنف جی لی اسٹرینج اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۲ پر لکھتا ہے -

قدیم فارسی زبان میں خشترہ کے معنی '' شان و شوکت '' کے ہیں ، اور اس لئے خشترہ اردشیر اور خشترہ شاہ پور سے مراد وہ علاقے ہیں ، جن سے ساسانی خاندان کے بانی اردشیر ، اور اس کے مشہور و معروف بیٹے شاپور یا سابور کی شان و شوکت کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے -

اب پھر اپنے مقصد پر آتا ہوں مختصر قصہ یہ کہ مذکورہ واقعات اور آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبائل ترین شام کے شمالی علاقہ تیرہ (تیرا) سے جلا وطنی کے بعد علاقہ خوزستان (ایران) میں اسی دریائے مذکور کے کنارے بسائے گئے اور انہی کے نسبت سے دریا اور اس نواحی کا نام تیرا اور ایک شہر بھی تیرین کے نام سے یعنی تیرا والا موسوم اور مشہور ہوا - ساسانیوں کے جبر و تشدد کے سبب ایران سے نکل کر مشرق کی طرف موجودہ افغانستان کے علاقہ تیرا جو ان کے سبب موسوم ہوا ، میں اپنے عزیزوں کے ہاں سکونت پذیر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے - ان میں مشہور اور بڑا قبیلہ ابدالی کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے -

روایت ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں نفتالی بن یعقوب[۴] کی اولاد سے ہیں اور عرصہ دراز گزرنے اور تلفظ میں فرق کے سبب نفتالی سے افتالی اور بعد میں ابدالی مشہور ہوگئے ہیں ۔ یہ کوئی خاص فرق نہیں ۔ صرف ن الف سے بدلا ہے -

ترین قبائل کے علاوہ دوسرے افغان قبائل کے بھی ملک ایران سے خارج ہونے اور ان کے مشرق کی طرف آنے کے آثار و قرائن ، ملک ایران کے شمالی اطراف میں جس کا کچھ حصہ اس وقت روسی سلطنت میں ہے ، بکثرت موجود ہیں ۔ مثلاً ہمدان نہاوند ، حلوان ، جولان یا گیلان ۔ مراغہ ۔ دریائے صافی - نیز اور میہ ۔ میانہ یا میانج جس میں قبائل ارمڑ اور میانہ آباد تھے ۔ طہران ، قزوین ، تبریز ، کرمان شاہ اور اصفہان وغیرہ کے علاقوں میں ان کے انبیاء کی قبریں صوامع ، گرجے قلعے ، چشمے ، دریا پہاڑ اور قصبے زیادہ تعداد میں انہی کے ناموں سے موسوم ہیں انہی قبائل کے آثار اور بعد میں ان علاقوں سے ساسانیوں کے عہد میں اخراج وغیرہ سے قیاس اخذ کیا جاتا ہے کہ اکثر سڑابنی افغان قبائل ان جتھوں میں سے ہوں گے جنہیں اشوریوں کے بعد بخت نصر نے سلطنت یہودا کی تباہی کے بعد مشرق میں بابل کے نواحی علاقوں میں بسایا تھا ۔ وجہ یہ ہے کہ بابلی حکومت کی مشرقی حدود صرف انہی علاقوں تک پہنچ چکی تھی ۔ بابل کے برعکس آشوری مملکت کی حدود مشرق میں بہت وسیع تھیں ۔ جو دریائے سندھ کی وادی ، کاشغر اور موجودہ بلوچستان تک قائم تھیں -

ایران میں سکونت کے سبب بعض مصنفوں نے ان کو ایرانی اور فارسی لکھا ہے ۔ جس کا نسب سے کوئی واسطہ نہیں ۔ بلکہ یہ سکونتی نسبت ہے جو وہاں کے رہائش کے سبب بولا جاتا تھا جس کا

ذات اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ۔

شامی علاقہ جات کے اسرائیلی نام جو صرف علاقہ یوسف زئی میں بغیر کسی تاویل کے بلکہ بعینہٖ انہی ناموں سے جو ندی ، نالے، قصبے دیہات اور پہاڑ موجود اور موسوم ہیں ، بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے جو '' مشت نمونہ خروار '' ہے ۔ یہاں جس نام میں یہاں کے لہجے میں جو فرق آیا ہے وہ بھی اصل نام کے ساتھ قوسین (بریکٹ) میں لکھا جاتا ہے ۔

نطونہ - باغدرہ ۔ دوڑ ۔ دربند ۔ کرنا ۔ آشرہ ۔ بوقا ۔ منارہ ۔ زربا (زروبی) ۔ شوا ۔ ابتم ۔ سدوم ۔ خندف (گندف) ۔ کرخ (کرغ) جلولا (جلالا) سورا ۔ سورا ۔ بارما (ن) قانا ۔ غور بند برالدی (براندو) ایلہ ۔ ایلم ۔ دوسرا (دوہ میرے) جور (جوڑ) ۔ قرا قر (کرا کڑ) صیدا (صیدو) دیر ۔ سلکا ۔ خلخال (خالونہ) تُمر (تیمر گرہ) مندا (منڈا) بروا ۔ باقر ۔ کیارہ ۔ سکرہ ۔بیکا ۔ کلالہ

فَتَآمَنَتْ طَآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ

حضرت عیسیٰ کے بعد ان کے یاروں (حواریوں) نے بڑی محنتیں کی ہیں وہ خراسان و کشمیر تک پہنچے تب ان کا دین نشر ہوا ۔

آرامی سریانی نام اور شامی مذہبی تعلق اور اس کے اثرات :

اس سلسلے میں ذیل میں ایک بیان درج کرتا ہوں تا کہ پڑھنے والے خود اس کا تجزیہ کریں ۔ اس میں ایک بڑا معمہ '' پشیتا '' ہے دوئم گرجوں عبادت گاہوں کا ذکر علیٰ الخصوص افغانوں کے علاقوں میں اس کی موجودگی ہے ، افغان مشاہیر کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ اکثر و بیشتر ابتدا ہی میں دین عیسوی قبول کر چکے تھے

اور حواریوں کے ذریعہ جو ان کے ہم نسل و ہم وطن بھی تھے ' صدق دل سے تسلیم کر کے خدائے واحد لا شریک کے رسول عیسیٰ پر ایمان لاچکے تھے - اور جس گروہ و طائفہ نے ان کی دعوت قبول کی تھی حواریوں کے بعد وہی طائفہ مشرق میں افغانوں کا ہی تھا جیسا کہ خود ان کا بیان ہے -

سریانی کلیسا - تاریخ شام میں درج ہے کہ :

شہر ادیسا (الرّوحا) میں اس کلیسا کی بنیاد دوسری صدی عیسوی کے آخر میں پڑی تھی - بعد کی صدیوں میں یہ کلیسا انطاکیہ اور مغرب کی یونانی روایات سے مطابقت قائم نہ رکھ سکا - چنانچہ انجیلوں کے متعلق اس نے اپنی تعبیرات اختیار کر لیں - پہلے وہ سلسلہ جاری رکھا جو اصطلاع میں اتفاق اناجیل کہلاتا ہے - پھر ' پشیتا ' یعنی سادہ تعبیر اپنا لی گئی - پشیتا اس وقت سے معیاری سریانی تعبیر مانی جاتی ہے - سریانی کلیسا کا پہلا ماہر دینیات افرائم سائرس (اسرائیلی) تھا یہ شخص شامی کے لقب سے مشہور ہے قریب ۳۰۶ع میں پیدا ہوا اور ۳۷۳ع میں وفات پائی ، وہ دینی شاعر بھی تھا اس نے سریانی (زبان جو ارامی ہی کی ایک شاخ تھی) میں مذہبی گیتوں کی ابتدا کی اور خانقاہی نظام جاری کرنے کا وہی ذمہ دار تھا - افرائم نصیبین (شام) میں پیدا ہوا پھر ادیسا چلا آیا یہاں اس نے درسگاہ کو از سر نو زندہ کیا - یہ درسگاہ ایک عظیم‌الشان سریانی یونیورسٹی بن گئی سریانی کلیسا کی شاخیں مروے ، ہرات ، سمرقند ، اور وسط ایشیا کے دوسرے مقامات پر چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں قائم تھیں -

افغان قوم کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان

زمانہ قدیم سے افغان قوم میں مسلسل یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ان کو اپنے انبیاء ؑ کی طرف سے بشارت ہوئی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر ایک ستارہ نمودار ہوگا جو ان کی پیدائش کی نشانی ہوگی اس کی تصدیق انجیل متی باب دوئم سے ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے وہ ستارہ عیسیٰ کی پیدائش پر نمودار ہوتے دیکھ لیا اس وقت وہ لوگ دین موسوی پر تھے۔ اور غرجستان - آرمینیہ - خراسان اور ایران جو مجوسیوں کا علاقہ تھا میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تورات کی زبان میں اس علاقہ کو مشرق کہا جاتا تھا مادیوں اور ہندوؤں کے عہد میں اسے میڈیا اور پارتھیا بھی کہتے تھے۔ اپنے انبیاء کی بشارت کے بموجب انہوں نے اپنا ایک وفد بیت المقدس بھیجا تاکہ وہ وہاں جاکر عیسیٰ ؑ کی پیدائش کی تصدیق کر کے ان پر ایمان لائیں۔ انجیل متی باب دوئم میں اس وفد کو مجوسی کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حقیقتاً اس سے مجوسیوں (جو آتش پرست تھے) کی مملکت اور علاقہ مراد ہے۔ اور وفد ان لوگوں پر مشتمل تھا۔ جو دین موسوی پر تھے۔ اور ستارے نے ان ہی کی رہنمائی کی تھی۔ کتاب دنوی عہد یونانی زبان سے پشتو ترجمہ ۱۹۳۵ء برٹس اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی انارکلی لاہور میں درج ہے کہ انجیل متی باب دوئم میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

جس وقت حضرت عیسیٰ ؑ یہودیہ کے شہر بیت الحم میں بادشاہ ہیرودیس کے عہد سلطنت کے دوران پیدا ہوئے۔ تو جانب مشرق سے مجوسی لوگ بیت المقدس بدیں وجہ آئے۔ کہ وہ یہودیوں کے پیدا شدہ بادشاہ کی جائے پیدائش معلوم کریں کیونکہ

ان کے کہنے کے بموجب انہوں نے مشرق میں ان کا ستارہ دیکھا تھا ۔ اور وہ ان کو سجدہ کرنے کے لئے آئے تھے ۔ ہیرو دیس بادشاہ نے جب یہ سنا ۔ تو بہت پریشان ہوا بلکہ بیت المقدس کے سب لوگ بھی ۔ بادشاہ نے قوم کے تمام کاہنوں اور کاتبوں کو جمع کیا ۔ اور ان سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوں گے انہوں نے کہا کہ یہودیہ کے شہر بیت اللحم میں اس لئے کہ نبی کے وسیلے سے یوں لکھا گیا ہے کہ اے بیت اللحم افراتہ یہودیہ کے علاقہ میں ۔ تم یہودیہ کے حاکموں میں کبھی بھی چھوٹے نہیں ہو اس لئے کہ تم میں سے ایک حاکم پیدا ہوگا جو میری امت اسرائیل کو سنبھال لے گا ۔ اس وقت ہیرودیس نے مجوسیوں کو خفیہ طور پر اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ وہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا ۔ ان کو بیت اللحم بھیج دیا ۔ اور تاکید کی کہ چلے جاؤ اور نہایت احتیاط کے ساتھ اس لڑکے کے بارے میں دریافت کرو اور جب کبھی تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تو مجھے بھی مطلع کر دو تاکہ میں بھی وہاں جا کر اسے سجدہ کروں ۔ انہوں نے جب بادشاہ سے یہ سنا ۔ تو روانہ ہوگئے اور دیکھو ۔ کہ وہی ستارہ جو انہوں نے مشرق میں دیکھا تھا ۔ ان کے آگے آگے اوپر جاتا رہا اور وہاں تک گیا جہاں وہ لڑکا تھا وہاں جا کر کھڑا ہوگیا یہ لوگ ستارہ کے دیکھنے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور جب اس گھر میں داخل ہوئے تو اس لڑکے کو اپنی ماں مریم کے پاس دیکھا ۔ اور سجدے میں گر پڑے ۔ اپنے اپنے صندوق کھول کر سونا ۔ لوبان اور موتی اسے پیش کئے ۔ اور ان کو خواب میں خبردار کیا گیا کہ ہیرودیس کے پاس نہ جاؤ چنانچہ وہ دوسرے

راستے سے واپس اپنے وطن چلے گئے۔

معلوم رہے کہ یہ وفد اسرائیلیوں کا تھا ۔ مگر فارسیوں کے مجوسی حکومت کے مملکت میں رہنے کی وجہ سے ان کو مجوسی کہا گیا ۔ ورانہ کہاں مجوسی اور کہاں یہودی بادشاہ کی تلاش ۔ پھر باب دہم میں حضرت عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کو خطاب اور ہدایات کے متعلق درج ہے کہ :-

پھر انہوں نے اپنے بارہ مریدوں کو بلایا اور ان کو ناپاک روحوں پر اختیار دے کر حکم دیا کہ غیر یہودی قوم کی طرف مت جاؤ اور سامریوں کے کسی ایک شہر میں بھی مت گھسو ۔ بلکہ خاص کر اسرائیل خاندان کے گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں جاؤ اور ان کو جاتے جاتے نصیحت کرو کہ آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے ۔

انجیل متی کے پندرھویں باب میں عیسیٰؑ ایک کنعانی عورت کی فریاد پر فرماتے ہیں :-

مجھے سوائے اسرائیل خاندان کی گمشدہ بھیڑوں کے اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا ۔

اس سلسلے میں بتانا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کی تبلیغی مساعی تیزی سے شروع ہوئیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ہدایات کے مطابق جہاں بھی وہ جلا وطن بنی اسرائیل آباد تھے وہاں ان کے پاس پہنچے اور ان کو دین عیسوی کی دعوت دے چکے تھے۔ مثال کے طور پر ایک دو واقعے ذیل میں درج ہیں۔

ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ جلد دوئم میں لکھتا ہے کہ :-

کنجی گری جو زمانہ حال میں ڈنگ لور کہتے ہیں اور کوچ (ہندوستان کے مشرقی حصے) کی ریاست میں واقع ہے یہود

اس شہر میں زمانہ قدیم سے رہے ، نصرانی بھی ان کے بعد رہے ۔ کہتے ہیں کہ لوقا حواری ۵۲ع میں یہاں یہودیوں کے لئے آئے تھے ۔

انجیل میں درج ہے ۔ کہ

تھوما جو حضرت مسیح کا حواری تھا ایک مدت تک افغانستان میں تبلیغ کرتا رہا بعد میں وہ ہندوستان چلا گیا اور مالا بار کے یہودیوں میں تبلیغ کرتا رہا ۔ بعد میں مدراس چلا گیا اور وہاں شہید ہو کر میلا پور (مدراس) میں دفن ہوا جس کی زیارت وہاں موجود ہے اور اس پر بڑا گرجا موجود ہے ۔

کہتے ہیں کہ یہ حواری کشمیر میں بھی اسرائیلیوں کے پاس پہنچے تھے ۔ سری نگر میں ایک اسرائیلی نبی کا قبر بھی موجود ہے اور وہاں کے لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

جب عیسوی کے تختہ دار کی خبر پھیلی ۔ تو ہر ملک سے کافی لوگ بیت المقدس پہنچے ۔ جن میں افغان قوم کے نمائندے بھی تھے ۔ چنانچہ انجیل میں رسولوں کے اعمال باب دوم میں ارشاد ہوتا ہے ۔

بیت المقدس میں مسافر یہودی تھے ۔ ایماندار ہر قوم میں سے کہ آسمان کے نیچے آباد ہیں ۔ اور جب یہ آواز آئی ۔ تو سب اکٹھے ہو گئے اور متفکر ہوگئے اس لئے کہ ہر ایک نے یہ سنا ۔ کہ وہ میری زبان میں باتیں کر رہے ہیں ۔ سب ہوش و حواس کھو بیٹھے اور حیرانگی کے عالم میں کہنے لگے کہ دیکھو وہ سب جو باتیں کر رہے ہیں گلیلی نہیں ہیں کیا ؟ پھر ہم کس طرح ہر ایک اپنے اپنے ملک کی زبان سن رہے ہیں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں اور رہتے ہیں ۔ یعنی پارتھیان ۔ میدان ۔ علامیان ۔ عراق ۔ یہودیہ ۔ کبدکیہ ۔ پنطس ۔ آسیہ ۔

فروکیہ - پمفولیہ - مصر اور لبوا جو کرینے کی طرف ہے اور رومی مسافر - اور نیز مرید کریتیان اور عرب - ہم اپنی اپنی زبان میں ان سے خدا کے بڑے کارنامے سن رہے ہیں - پطرس آن گیارہ حواریوں کے ساتھ اٹھا - اور اپنی بلند آواز سے کہا - اے یہودیو - تم سب جو بیت‌المقدس میں جمع ہو اس پر سنجھ جاؤ اور میری باتوں پر دھیان رکھو (کچھ نصیحت کی اور پھر باواز بلند کہا) اے اسرائیلیو - یہ باتیں اچھی طرح سن لو - کہ عیسیٰ ناصری بھی ایک انسان تھا - جسے خدا نے ان ان کی قوت اور عجیب و غریب کارناموں اور نشانیوں سے ثابت اور ظاہر کیا۔ یعنی وہ اہم کارنامے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے وسیلے سے تمہارے درمیان سر انجام دئے - جیسا کہ تم کو بھی معلوم ہے -

اس ارشاد میں جن جن ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے - ان میں کئی علاقے وہ ہیں جن میں قوم افغان یعنی سابق جلا وطن بنی اسرائیل آباد تھے - جیسا کہ پارتھیان (پارتھیا) یعنی موجودہ افغانستان اور اس کا ملحقہ علاقہ اور پاکستان میں میدان یعنی موجودہ دیر اور باجوڑ کا علاقہ یہاں پروا نام ایک قدیمی قصبہ موجود ہے جو شامی نام ہے - اور کبدکیہ یعنی موجودہ کبل کیا ملک یوسف زئی میں تربیلا ڈیم کا علاقہ اور کبل کیا (کبدکیہ) زمانہ قدیم کا یہ عظیم‌الشان شہر دریائے سندھ کے مغربی کنارے اور کوہ ہمالیہ کے مغربی سلسلے کی ایک شاخ مہابن نامی پہاڑ کے جنوب مشرق کے دامن میں واقع تھا - دریا کے کنارے پرانے زمانے کے بادشاہوں کے محلات کے کھنڈرات موجود ہیں مگر اب ڈیم کے پانی میں آ چکے ہیں جو دریا کے کنارے واقع تھے - شہر کے چاروں طرف سڑک بنائی گئی تھی

جس کے کچھ حصے اب بھی دکھائی دے رہے ہیں ۔ دریا سے اوپر مغرب کی طرف جاتے ہوئے چار میل پر کوٹ کند ، آگے گا اور یہاں سے دو میل بعد ہٹیل (اللہ والے) آئے گا یہ مقام اسرائیلی جلا وطنوں کا محلہ قیاس کیا جاتا ہے جس کے اثار اب بھی مکمل طور پر موجود ہیں ، پھر اس کے بعد دو میل پر سرکوئی ملے گا یہاں ایک کنواں زمانہ قدیم کا بنا ہوا موجود ہے ۔ نیچے کی طرف زینے بنے ہوئے ہیں اور اس میں کتنا بھی دور جائے پتہ نہیں چلتا ۔ پھر یہاں سے دو میل کے فاصلے پر بنج کے محلات آتے ہیں پھر یہاں سے کھنڈا تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے ایک میل پر کافر لڑی ہوتے ہوئے غازی شاہ پہنچ جاتے ہیں جو کسی بادشاہ کی رہائش گاہ بیان کی جاتی ہے ۔ اس تمام حدود میں جس میں تقریباً چودہ میل کا سڑک شہر سے گھوم کر پورا ہے درمیان میں جگہ بہ جگہ پرانے محلات کے کھنڈرات موجود ہیں ۔ ان میں اوپر کا حصہ پانی سے محفوظ ہے یہاں سونا اور سونے کے سکے زیادہ تعداد میں مل جاتے ہیں سوہنی مہینوال بھی یہاں کے رہنے والے تھے مہینوال بیلہ (ٹاپو) اس شہر کے سامنے دریائے سندھ میں موجود ہے جو اس سال ۱۹۷۵ء ڈیم کے پانی میں آ رہا ہے اور یہ بیلا کبل کیا والوں کی ملکیت تھی ، حکومت پاکستان نے اس کے عوض میں پچھتر ہزار روپیہ مالکان کو ، جو قبیلہ اتمان منڈر یوسف زئی ہیں ، ادا کر دیا ہے بعض کی رائے ہے کہ گوتم بدھ کی جائے پیدائش بھی یہیں کا تھا اور یہ شہر ان کے والدین کا مسکن تھا کبل کیا کے شہر سے جانب شمال مشرق مواضعات اشرہ ۔ کرنا اور مشرق میں دوڑ ضلع ہزارہ اور جنوب مغرب میں زربہ (زروبی) اور ستارہ واقع ہیں دریا پار جانب جنوب میں نطوفہ اور باغدرہ اور جانب شمال مغرب سکندہ ہوتا واقع تھا ۔ اس شہر کے سامنے دریا کے

پار ، تل مواب (تل مواٹ) کے نام سے ایک گاؤں جو ٹیلہ پر واقع تھا ، وہ بھی ذہن میں آ گیا ۔ پشتو زبان میں بھی ٹیلہ کو تل کہتے ہیں ۔ مکان کی تعمیر کے وقت اکثر یہ بولا جاتا ہے کہ مکان کی تل اونچا رکھو یعنی مٹی زیادہ بھرو تاکہ ٹیلہ بن جائے اور پانی کے نقصان سے بچا رہے ۔ یعنی تل کا لفظ عبرانی ہے جو پشتو میں موجود ہے ۔ لہذا ان شامی ناموں کی بستیاں ، اسرائیل کا یہاں رہنا و آباد ہونا ظاہر کرتا ہے

الغرض پطرس نے یہودی اور اسرائیلی دونوں کو الگ الگ مخاطب کر کے نصیحت کی ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ یہودی وہ لوگ تھے جو وہیں آباد تھے یا گرد و پیش سے آئے تھے ۔ اور اسرائیل سے مراد وہ لوگ ہیں جو باہر یعنی مشرق سے آ کر وہاں جمع ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے پیدائش کے وقت مشرق سے مجوسی وفد کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے ۔ وہ مجوسی اسرائیل تھے اس لئے ان کو یہ دلچسپی ہو سکتی تھی ۔

محمد سرفراز خان خٹک عقاب نے اپنی تصنیف تاریخ خٹک میں متعدد مؤرخین مثلاً کاپروٹ ۔ کروسنکی ۔ جیکوبز اور رینگز کے یہ نظریات درج کئے ہیں ۔ کہ پشتون (افغان) درحقیقت آرمینیوں کی ایک شاخ ہے ۔ جو پہلے شروان میں رہتی تھی ۔ آرمینیہ کے لوگ کہتے ہیں ۔ کہ افغان ہم سے نکلے ہیں ۔ کیوں کہ البانیہ کے لوگ اغوان کہلاتے تھے ۔ اور یہ کہ اغوان آرمینیہ سے ہندوستان گئے تھے اور وہاں عیسائیت کی جگہ اسلام قبول کیا ۔ (معلوم رہے کہ زمانہ قدیم میں " ہند " کے مملکت میں دریائے سندھ کے آر پار کا علاقہ اور کابل و قندہار بھی شامل تھے) اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ افغان بحر خزر کے کنارے باب الابواب

اور شروانات (شمالی ایران) میں آباد تھے ۔ حدود ایران میں لوٹ گھسوٹ کرنے کے پاداش میں شاہ ایران نے ان کو وہاں سے منتقل کر کے مشرقی خراسان کو نکال بھیجا ۔

میری رائے میں مذکورہ مؤرخین کا یہ نظریہ قابل اعتماد ہے اس لئے کہ شروان کے علاوہ وہاں پر میمون ، میانہ ، زمند ، برِیس ، ارمڑ صافی اور اس کے علاوہ ساتھ مراغہ بھی اور بخارا سے مغرب کی طرف سروان وغیرہ علاقے بھی موجود ہیں ۔ اور یہ سڑا بنی افغان قبائل کے مسکن رہے ہیں ۔ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اور اسی وقت انہی ناموں (یعنی میمون ، میانہ ۔ زمند ، بڑیس ۔ شروانی یا شیرانی ، صافی اور سروانی) سے یہ قبائل یہاں ملک افغان پر بھی موجود ہیں ۔ علاوہ ازیں وہاں پر بہت زیادہ مقدار میں اسرائیلی نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں ۔ مراغہ ، (غتّورہ مرغہ ، غتّوڑہ مرغہ) کے متعلق تواتر سے یہ روایت ہے کہ یوسف زئی اور ان کے نسبی رفقاء کے اباؤ اجداد نے شام سے جلا وطنی کے بعد مراغہ میں سکونت اختیار کی تھی اور اس کو اپنا وطن بنایا تھا ۔

جغرافیہ خلافت مشرقی میں درج ہے ۔ کہ

> مراغہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر ، تبریز سے ستر میل جنوب میں واقع تھا ، اور دریائے صافی کوہ سہند سے نکل کر جنوب کی سمت میں بہتا ہوا ، اس شہر تک پہنچتا تھا ۔ اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل آرمیہ میں گر جاتا ہے ۔ مراغہ ، قریۃ المراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف ہے ۔ مراغہ نہایت خوش گوار شہر تھا اس کے گرد ایک فصیل تھی اور فصیل کے باہر نہایت بار آور باغات تھے ۔ یہاں کا ایک پھل ، جس کی وجہ سے یہ جگہ مشہور تھی ، ایک قسم

کا خربوزہ تھا ، باہر سے سبز اور اندر سے سرخ نکلتا تھا ، اور مزہ شہد کا رکھتا تھا مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور اس کے مستحکم فصیلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سر سبز شاداب علاقے تھے ، جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں ۔

اب ہم تاریخ بخارا کے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دریائے جیحون و سیحون کے علاقوں پر جہاں کہیں بھی عیسائیوں کا ذکر آیا ہے وہ یہی افغان قبائل تھے ۔ آرمینیس ویمبرے (ہنگری) پروفیسر پرتھ یونیورسٹی اپنی تصنیف تاریخ بخارا میں مقدمہ کے زیر عنوان بخارا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مغرب کی سمت سروان کا ضلع اور شہر پہاڑوں کے درمیان واقع تھا ۔ آب و ہوا غیر معتدل مگر باشندے (یعنی سروالی) بہت صحت مند اور جفاکش تھے زرد گرد جو ساسانیوں کے زمانہ میں عیسائیوں کی مشہور قیام گاہ تھا ۔ یہاں سے دس فرسخ دور تھا ۔ اسی طرح یہاں پر ہرک ، اور کیشی بھی مشہور مقامات تھے ۔ جو اضلاع جیحون (اور سیحون) کے منبع کے نزدیک ہیں ۔

باب اول میں اسلام سے پہلے کا دور کے زیر عنوان وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ کہ

متعاقب صدی میں اس بات سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ ھاپور کے عہد میں عیسائیوں کو تنگ کیا گیا ۔ اور طوس اور مرو میں تین سو چولتیس بڑے پادریوں کے اسقف خانے تھے ۔

جغرافیہ خلافت مشرق کے مطابق سروان سے مغرب کی جانب طبرستان میں "میمون" سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا ۔ اور اس سے مغرب کی طرف پہاڑوں کے ایک سرچشمہ کے قریب وہ عجیب و غریب

آثار ہیں جس کا نام آجکل تخت سلیمان ہے ۔

معلوم رہے کہ مہمون نام کا ایک بڑا بنی افغان قبیلہ آج بھی باجوڑ میں مقیم ہے ۔

آرسینیس وہمبرے مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

ان علاقوں میں جہاں بدھ مت اور آتش پرستی کا اثر لوگوں پر کم ہو گیا تھا ۔ اور وہ مذہب (عیسائیت) کا تصور کرنے لگ گئے تھے ۔ وسط ایشیا میں خاص طور پر ایسا ہوا ۔ ماوراالنہر کے عیسائیوں کا مرکز سمرقند تھا ۔ جہاں اہل شام کے مطابق ۴۱۱ - ۴۱۵ء عیسوی میں بڑے پادری کا مسکن بنایا گیا تھا فاضل کرنل ایچ یول کی رائے کے مطابق ۵۰۳ - ۵۲۰ء عیسوی میں کاسمس نے ذکر کیا ہے ۔ کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں جیحون کے کناروں پر عیسائی آبادی تھی ۔ عربوں نے بخارہ میں بھی ایسا ہی پایا ۔ کیش کشانوں (یعنی وہ افغان قبائل جو قیسی کاسی ، کاشی ، کہلاتے تھے) کے متعلق نرشخی کا بیان واضح ہے ۔ یہ لوگ نہ عرب تھے ۔ نہ مقامی باشندے ۔ نہ مسلمان ۔ نہ آتش پرست بلکہ مغرب سے ہجرت کر کے آئے تھے ۔ تجارت ان کا شغل تھا ۔ اور اہل بخارا انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔

معلوم رہے کہ مغرب سے الجزیرہ اور شام کا علاقہ مراد ہے اس لیے کہ تورات کی زبان میں بخارہ وغیرہ کو مشرق کہتے تھے برک اور کیبنی سے مراد برک (اوسڑ) اور کاسی (کاشی) افغان قبیلے مراد ہیں ۔ بخارا کے مشرق کی جانب چین کی سرحد پر بھی ان قبیلوں کا مسکن رہا ہے اور اب بھی کاشغر کے نام سے وہاں پہاڑ موجود ہے ۔ غر، پشتو میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور کاش سے مراد کاشی قبیلہ ہے ۔ اس وقت بھی یہ

قبیلے انہی ناموں سے افغانستان اور پاکستان میں آباد ہیں ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہی افغان قبیلے جو کسی زمانے میں وہاں آباد تھے ۔ ہجرت کر کے یہاں پر بھی انہوں نے انہی ناموں سے سکونت اختیار کی۔ عبدالجبارشاہ اپنی تصنیف بنی اسرائیل میں تاریخ قدیم بخت نصر کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

بنی اسرائیل بخارا مرو اور خیوا کے متعلقہ علاقوں میں بڑی تعداد میں موجود تھے ۔

اس علاقے میں ایک اور بڑا قصبہ موجود تھا جس میں اسرائیلی آباد تھے اور ان کی وجہ سے یہ شام کے انطاکیہ نامی شہر پر موسوم تھا اس شہر کے بارے میں سال نامہ کابل طبع شدہ ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۳۹ پر درج ہے ۔

انطاکیہ در حوالی شہر مرو قدیم واقع واز قدیم ترین بلاد تاریخی افغانستان بود ۔

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی اپنی کتاب تاریخ ایران جلد اول میں ایرانی مورخ حسن پیرینہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں ۔

قدیم تاریخوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت‌المقدس کا محاصرہ کیا ۔ تو اس وقت آرمینیہ کے بادشاہ ہانک دونم نے اس کا ساتھ دیا تھا ۔ اس مہم میں جو یہودی اسیر کر کے آرمینیہ لائے گئے ۔ ان میں شامبات نامی یہودی کا ایک کنبہ (قبیلہ) بھی تھا ۔ شامبات کے بیٹے کا نام باگارات تھا اہل آرمینیہ لکھتے ہیں کہ اس کنبے (قبیلے) کے افراد بہت دانشمند تھے اس لیے انہوں نے بڑے بڑے رتبے حاصل کیے ۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا ۔ کہ یہی لوگ چھٹی (بلکہ پانچویں) صدی عیسوی میں آرمینیہ اور گرجستان (غرجستان) کے بادشاہ بنے۔

آگے لکھتا ہے

ایرانی تاریخ کا ایک اور با عظمت باب ساسانی عہد سے شروع ہوتا ہے - جو چار سو چھبیس سال تک (۲۲۶ تا ۶۰۲ع) قائم رہا - اس کی شہرت کے ڈنکے اطراف عالم میں بجتے رہے - ساسانی عہد کا موسس ارد شیر ہے - جس کا شمارہ ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے - آتش پرستوں کے موبد ہیربد اشکانیوں سے سخت ناراض تھے - ان کی دلجوئی کے لئے اردشیر نے مذہب آتش پرستی پر قائم رہنے کی اجازت دیدی - اور آشکانی شہزادوں اور (افغان) امراء کو موت کے گھاٹ اتار دیا - بعض جو بچ گئے بین النہرین - ہند اور افغانستان کی طرف نکل گئے بعض علاقوں میں جہاں آشکانی خاندان کے افراد اور ان کے متعلقین اپنے آپ کو مضبوط سمجھتے تھے وہیں مقیم رہے - ۲۳۱ع میں شاپور بن اردشیر نے آرمینیہ کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا - اور ترے من کے بیٹے اسک کو آرمینیہ کی حکومت سونپ دی - اس طرح گویا آرمینیہ نے ایران کی برتری کو تسلیم کر لیا - آرمینیہ کے بعد شاپور کی نظریں گرجستان (غرجستان) پر تھیں - وہاں کے بادشاہ سارومیس (شارومیس) کو رومیوں کی حمایت حاصل تھی - اس لئے شاپور نے اسے گرجستان سے باہر نکال دیا - اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے اسپاکررس کو تخت نشین کیا گرجستان کے پہاڑی دروں کی فوجی اہمیت کی وجہ سے رومیوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس پر ایران کو اقتدار حاصل ہو- چنانچہ والنٹینین رومی نے ۳۷۰ع میں گرجستان کے معاملات میں مداخلت شروع کی - اور چاہا کہ وہاں پھر شارومیس کی حکومت قائم ہو جائے چنانچہ ڈیوک ٹیرنٹیش کو فوج دیکر

بھیجا اسپاکورس نے اسے روکنے کے لیے دریائے کور پر فوج بھیجی ۔ لڑائی کی بجائے چچا بھتیجے کا معاہدہ صلح ہو گیا ۔ جس کی رو سے گرجستان کی تقسیم عمل میں آئی ۔ ایک حصے کی حکومت اسپاکورس کے پاس رہی ۔ اور دوسرے حصے کی حکومت فاروميس کو سونپ دی گئی ۔ اس صلح کے لیے شاپور سے اجازت حاصل نہیں کی گئی ۔ اور اس طرح گرجستان پر شاپور کا اثر ختم ہوا ۔

آگے لکھتا ہے

آرمینیہ میں زرتشتی مذہب کی تبلیغ (ساسانیوں کی طرف سے) زور شور سے جاری تھی ۔ ایرانی حکام یہ مذہبی مہم چلا رہے تھے۔ اہل آرمینیہ اس تحریک سے سخت برافروختہ تھے ۔ آخر انہوں نے جب سنا کہ فیروز (شاہ ایران) کو سفید ہنوں کے خلاف پیش قدمی (۴۸۱ء) میں ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو ان کے حوصلے بڑھے اور حکومت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے آرمینیہ کے پایہ تخت "ارتاکستا" پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔ نیز ایک ارمنی امیر ساہاک (سہاک) کو اپنا بادشاہ بنا لیا ۔ اس بغاوت میں گرجستانیوں نے بھی آرمینیوں کا ساتھ دیا تھا ۔ فیروز نے گرجستان اور آرمینیہ دونوں ملکوں پر فوج کشی کا حکم دیا ۔ گرجستان کے حکمران نے آرمینیوں کا ساتھ چھوڑ کر حکومت ایران کی اطاعت اختیار کرلی ۔ لیکن فیروز کے بعدقباد کے عہد میں گرجستان کے باشندوں نے جو عیسائی تھے ۔ حکومت ایران کے خلاف بغاوت کر دی ۔ آرمینیوں نے بری طرح شکست کھائی ۔ جس میں ساہاک (سہاک ، صحاک) مارا گیا ۔ اور ارمنی فوجوں کا سپہ سالار واہان بھاگ نکلا ۔ جس

کا تعاقب ایرانیوں نے کیا ۔ لیکن ہاتھ نہیں آیا اور وہ بدستور تیاری میں مصروف رہا ۔ فیروز کی موت کے بعد صورت حال مختلف ہوگئی اور واہان نے واپس آکر پھر اقتدار قائم کر لیا ۔ اور ایرانی بادشاہ بلاش سے استدعا کی ۔ کہ عیسائیوں کو مذہبی امور میں آزاد کر دیا جائے اور ان کے ساتھ روا داری برتی جائے بلاش شروع شروع میں رضامند نہ تھا ۔ لیکن اس عرصے میں فیروز کے بیٹے قباد نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے شورش بپا کردی ۔ جس سے خانہ جنگی شروع ہوگئی ۔ واہان اپنی پوری جمیعت لے کر بلاش کی مدد کو آیا ۔ ایرانی اور آرمنی فوجوں نے مل کر قباد (جو نوشیروان کا باپ تھا) کی شورش کو کچل دیا ۔ اور اسے بھاگ کر سفید ہنوں کے ہاں پناہ لینی پڑی ۔ بلاش نے احسان مندی کی وجہ سے واہان کی استدعا قبول کر لی ۔ اور عیسائی مذہب کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا ۔ واہان نے یہ بات بھی منوا لی کہ آرمینیہ سے زرتشیت کو بالکل خارج کیا جائے ۔ اور تمام آتش کدے مسمار کر دئے جائیں ۔ ان اعلانات اور مصالحت کے بعد آرمینیہ اور گرجستان دونوں کو ایرانی صوبوں کی حیثیت میں داخلی خودمختاری حاصل ہوگئی ۔ اور وہاں کے امرا٫ اور عوام مطمئن ہوگئے ۔

آگے لکھتا ہے

کچھ عرصہ بعد جب (۵۳۱ع تا ۵۷۹ع) نوشیروان بادشاہ بنا تو وہ بھی مذہب کے معاملہ میں نہایت فراخدل تھا ۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں اسے عیسائیوں سے مدد لینے میں کوئی دریغ نہ تھا ۔ شہر روسگان کو آباد کرنے کے بعد عیسائیوں کو اجازت دے دی ۔ کہ وہ اپنے

آپ کو ایک ملت کی شکل میں منظم کر کے اپنا جاثلیق مقرر کر لیں ۔ ایران کے عیسائیوں کو نوشیروان کی یہ مہربانی مدتوں تک یاد رہی ۔ نوشیروان کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ یورینیوس جو فلسفی اور طبیب تھا اور قوم کا (اسرائیلی اور عالم و ماہر) سریانی تھا نوشیروان کو فلسفہ پڑھاتا تھا ۔ ایک عیسائی مسمی پالوس پرسا ، جو قوم کا (یہودی اور عالم و ماہر) سریانی تھا ، نے نوشیروان کے لیے ارسطو کی منطق کا سریانی میں ترجمہ کیا ۔

یزدگرد دوئم کے عہد کا ایک واقعہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا جسے افغان قوم کے مشاہیر جو اس وقت عیسائی مذہب پر تھے ، نے ایک جوابی خط کی شکل میں پیش کیا ہے ۔ تاریخ ایران میں درج ہے کہ

بہرام گور کی وفات پر اس کا بیٹا یزدگرد دوم ۴۴۰ء میں تخت نشین ہوا ۔ اس وقت ایرانی دارالحکومت میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا ۔ کہ جب تک گرجستان اور آرمینیہ میں عیسائیت کا زور رہے گا ۔ ایران کا تسلط قائم نہیں رہے گا ۔ آخر کار امرائے کار کے مشورہ سے بادشاہ کی طرف سے آرمینیہ کے امراء کے نام فرمان جاری کیا گیا ۔ جس میں زرتشتی مذہب کی دعوت تھی ۔ اس فرمان کے پیش نظر آرمینیہ اور گرجستان کے عیسائیوں کا ایک عام اجلاس ہوا جس میں طے پایا کہ مراسلے کا جواب سختی سے دیا جائے ۔ چنانچہ ایک مراسلہ یزدگرد کو بھیجا گیا جس کا مفہوم تھا ۔ کہ

ایک ایسا مذہب جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے سروپا ہے ۔ اور چند بے عقل آدمیوں کے اوہام باطلہ کا نتیجہ ہے ۔ اور جس کی تفاصیل آپ کے بعض جھوٹے اور مکار عالموں نے ہمیں پہنچائی ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ انہیں سنا ، یا پڑھا جا سکے ۔ ہم

ہرگز آپ لوگوں کی طرح عناصر ، سورج ، چاند اور آگ کی پرستش نہیں کرتے ۔ زمین اور آسمان پر آپ کے جتنے معبود ہیں ۔ ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے ۔ بلکہ خدائے واحد و برحق کی عبادت کرتے ہیں۔ جو زمین اور آسمان اور ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے جو ان کے اندر ہیں ۔

سفید هن

جیسا کہ اوپر سفید ہنوں کا ذکر آ چکا ہے کہ قباد نے ان کے ہاں جا کر پناہ لی تھی لہذا اب ہم سفید ہن اور ترک قبائل کے متعلق کہ ان کا کیا تعلق افغان قوم سے رہا ہے اور وہ ان کے گرد و پیش کیسے رہ چکے ہیں ، کا کچھ حال تاریخ ایران سے پیش کر رہے ہیں تاکہ سفید ہن اور ترک قبائل پر کچھ روشنی پڑ سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ یہ دراصل کون تھے۔ کیونکہ نئی روشنی کے بعض مورخین نے انہیں افغانوں کے ساتھ خلط ملط کر کے دکھایا ہے ۔ حالانکہ ان کی حیثیت اور اصلیت ایک الگ قوم کی تھی ۔ مصنف تاریخ ایران بحوالہ سائیکس اے ہسٹری آف پرشیا (۱۲۰ تا ۸۸ ق م) لکھتا ہے کہ

> ادھر پہلی مرتبہ آشکانی حکمران مہرداد دوم کو جمہوریہ یونان سے دوستانہ روابطہ پیدا کرنے کا خیال آیا ادھر حکومت چین نے اولین بار اپنا سفیر ایران بھیجا چینی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۴۰ ق م تک چین کو مغربی ممالک کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ تھیں ، خاندان ہــن کو چین میں اقتدار حاصل ہوا ، تو انہوں نے کئی مرتبہ اپنے سفیر خراسان بھیجے ، چینی سفیروں نے خراسان کے متعلق جو تاثرات پیش

کئے ہیں حسب ذیل ہیں -

یہاں چاول ، گندم اور انگوروں کی بیلوں کی کاشت ہوتی ہے شہروں کے ارد گرد فصیلیں بنائی گئی ہیں۔ یہ ایک عظیم ملک ہے - یہاں چاندی کے سکے رائج ہیں جن پر حکمرانوں کی شبیہیں ہوتی ہیں - اہل خراسان و ایران دونوں طرف لکھ کر تاریخی واقعات منضبط کر لیتے ہیں -

آگے لکھتا ہے کہ

سفید ہن کا ظہور ساسانی بادشاہ شاپور بن اردشیر کے عہد میں ہوئی - اسی عرصے میں شاپور کو اور پریشانی لاحق ہوئی شمال مشرق کی طرف سے قبائل چینیونٹ جو ہن کے نام سے مشہور ہیں- اور قبائل گیلان نے یلغاریں شروع کردی - یہ قبائل ٹلی دل کی طرح بڑھے چلے آتے تھے - انکی سرکوبی آسان نہ تھی ان قبائل کو شاپور نے مطیع و منقاد تو کر لیا - لیکن اس میں اسے سات سال لگے - گویا جو مہم اس نے ۳۵۰ء میں شروع کی تھی - وہ ۳۵۷ء میں انجام پذیر ہوئی اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ آگے چل کر ہن قبائل شاپور کے وفادار حلیف ثابت ہوئے... بہرام گور کے زمانے میں بلخ اور شمال مشرق علاقوں کے قبائل نے جنہیں سفید ہن کہا جاتا تھا ایران کا رخ کیا ان کی آمد کی خبر پورے ایران میں پھیل گئی - بہرام اس بلائے ناگہانی کی خبر سے سخت ہراساں ہوا - چنانچہ اس نے بھائی نرسی کو نائب سلطنت مقرر کیا - اور تین ہزار سوار ساتھ لے کر کوہ البرز کی طرف روانہ ہوا - وہاں پہنچ کر اس نے پہاڑی اقوام کا لشکر فراہم کرنا شروع کیا اور اپنے اقدامات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ادھر ہنوں کے امیر کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی

کہ بہرام نے حکومت نرسی کے سپرد کر کے خود فرار ہو گیا ہے ادھر بہرام نے سوچی سمجھی ہوئی تدبیر کے ماتحت عین اس وقت ہنوں پر شب خون مارا جبکہ وہ گروہ در گروہ یلغار کرتے ہوئے مملکت ایران میں داخل ہو رہے تھے - بہرام کا شب خون اس قدر کامیاب ہوا کہ ہن قبائل کا خاقان اور اس کے کئی معتمد سردار ہلاک ہوگئے خاقان کی ملکہ اسیر ہوگئی اور بہت سا مال غنیمت ایرانی لشکر کے ہاتھ لگا - جس میں خاقان کا تاج بھی تھا - جس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے - بہرام نے ہنوں کی پسپائی پر اکتفا نہ کی اور انہیں دریائے جیحون سے پار کر کے دم لیا - انہیں اتنی عبرتناک شکست ہوئی تھی کہ جب تک بہرام زندہ رہا پھر ایران کی مملکت میں داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی - بہرام گور کی وفات پر اس کا بیٹا یزد گرد دوم ۴۴۰ء میں تخت نشین ہوا - پیشتر اس کے کہ سفید ہن قبائل کی سرگزشت کو ختم کیا جائے - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق مزید چند سطور لکھی جائیں - حضرت مسیح کی پیدائش سے ۱۶۳ سال پہلے جیحون اور سیحون دو دریاؤں کے مابین سکائی قبائل آباد تھے - چین کے یونچی قبائل ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا - سکائی قبائل وطن چھوڑ کر بلخ آگئے لیکن یہاں بھی انہیں آرام نصیب نہ ہوا - کیونکہ یونچی قبائل نے ان کا یہاں بھی پیچھا کیا اور ۱۲۹ ق‌م میں انہیں بلخ سے بھی نکال باہر کیا - پھر یونچی قبائل کی ایک شاخ آشکانی نے جو دوسروں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھی - دوسرے قبائل (اور اسرائیلیوں) کو اپنا مطیع اور ہمنوا کر کے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی جو ان کے نام کی نسبت

سے حکومت اشکانی کہلائی (ان سے اسرائیلیوں کو ایک بار پھر عزت اور اقتدار نصیب ہوا) رومیوں کا خیال تھا کہ ایران کے قریب ہی چینی قبائل کی ایک طاقتور حکومت قائم ہوئی ہے اور اگر ایران پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہو تو ان سے کام لیا جا سکتا ہے ۔ اس خیال سے رومیوں نے حکومت آشکانی سے دوستانہ روابط قائم کر لیے ۔ قبائل ہن ہونچی کے قرابت دار تھے جو مختلف ناموں سے موسوم ہوئے اہل چین انہیں یتھا (YETHA) رومی ہفتالی کہتے تھے ۔ ایرانی مورخ انہیں ہیتالی لکھتے ہیں (اور عرب ہیطل سے یاد کرتے ہیں ۔) ان ہی کو سفید ہن بھی کہا جاتا ہے ۔

" ترک اور ان کے روابط ایران کے ساتھ " مصنف تاریخ ایران مذکور لکھتا ہے کہ :۔

ترکوں کا نام ایرانی تاریخ میں پہلی مرتبہ نوشیروان کے زمانے میں آیا ہے ۔ ترکوں کو اہل چین " توچی " (TACHUCH) لکھتے ہیں ۔ یہ اسینا قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جو اقوام ہن کی شاخ تھی ۔ ۴۳۳ء میں توبا حکمران نے ان پر سختی کی جس کی وجہ سے ان کے پانچ سو کنبے وہاں سے ہجرت کر کے جوہن جوہن کی مملکت میں آبسے ۔ جہاں ان کنبوں نے ٹھکانا بنایا ۔ وہاں ایک کلاہ نما پہاڑی چوٹی تھی ۔ جس کو ترکی زبان میں درک کہتے ہیں ۔ اس لئے اسی چوٹی کی نسبت ان کا نام درک یا ترک پڑ گیا ۔ یہ لوگ پیشہ ور تھے ۔ لیکن رفتہ رفتہ اتنے طاقتور ہو گئے ۔ کہ ان کے امیر نے جوہن جوہن قبیلے کی شہزادی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی جسے جوہن جوہن حکمران نے مسترد کر دیا ۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جنگ

چھڑ گئی ۔ اور جوہن جوہن قبیلے نے بری طرح شکست کھائی ۔ اس کے بعد مغلوب قبیلے کا کہیں ذکر نہیں آیا چھٹی صدی کے وسط میں یہ ترک دو حصوں میں بٹ گئے ۔ شمالی علاقہ منگولیا سے لے کر کوہ یورال تک مشرقی ترکوں کے حصے میں آیا ۔ اور کوہ التائی سے لے کر سیر (سیحون) دریا تک کے علاقے مغربی ترکوں کو ملے ۔ ترکوں کا پہلا حکمران خاقان تومن تھا ۔ جو ۵۵۳ع میں فوت ہوا ۔ اور قولو اس کا جانشین بنا ۔ اس کی حکومت کا زمانہ بہت مختصر تھا ۔ اس کے بعد اس کا بھائی موقان حکمران بنا ۔ یہ وہ پہلا ترک حکمران تھا ۔ جس نے نوشیروان سے دوستانہ روابط قائم کئے ۔ نوشیروان نے تعلق استوار کرنے کے لئے خاقان سے بیٹی کا رشتہ مانگا ۔ جو خاقان نے قبول کر لیا ۔ شادی دھوم دھام سے ہوئی اور دونوں حکومتوں کے تعلقات استوار تر ہوگئے ۔ نوشیروان کا شہزادہ ولی عہد اسی ملکہ کے بطن سے تھا ۔ نوشیروان سے پہلے اس کے باپ شاہ قباد نے سفید ہنوں (ہپتالیوں) کو نیچا دکھایا تھا ۔ اب اس خیال سے کہ یہ قبائل پھر ایرانی سرحدوں پر حملہ نہ کر دیں نوشیروان نے بلخ پر لشکر کشی کی ۔ اس سلسلے میں اس نے ترکوں سے بھی مدد مانگی چنانچہ انہوں نے کثیر مقدار میں لشکر بھیجا ۔ اب یہ دونوں لشکر ہنوں پر حملہ آور ہوگئے ان کا حکمران لڑتا لڑتا مارا گیا ۔ ہنوں نے بری طرح شکست کھائی اور ان کا علاقہ ایرانیوں اور ترکوں کے مابین تقسیم ہوگیا ۔ ترکوں کی مدد کے صلے میں نوشیروان نے جیحون پار کا سب علاقہ انہیں دے دیا ۔ یہاں ترکوں نے اپنی حکومت قائم کر لی رفتہ رفتہ ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تو وہ حکومت ایران

کے لئے دردسر بن گئے۔ اب یہ ایران کے لئے ہپتالوں سے بھی زیادہ خوفناک تھے بعض ترک قبائل تو قفقاز تک آدھمکے۔ نوشیروان نے ایرانی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لئے قلعہ در بند کو از سر نو مستحکم کیا۔ ان ہی دنوں ترک قبائل کے جرنیل سنجبو نے رومیوں کے اشتعال دلانے پر ایران کی سرحد پر حملہ کیا اور قفقاز کے بعض قلعوں کو جو نوشیروان نے بنوائے تھے تباہ و برباد کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران اور روم کے مابین پھر کشیدگی ہوگئی۔ اس کے ساتھ آرمینیہ سے بھی کشمکش شروع ہوگئی ترکوں کے حکمران ڈزیول نے اس خیال سے کہ مبادا پھر ایرانی ان کی طرف رجوع کریں۔ اپنے ایلچی ۵۶۷ء میں نوشیروان کے دربار میں بھیجے۔ اور مصالحت کرنی چاہی۔ نوشیروان ترکوں کی بےباکی کی وجہ سے سخت برافروختہ تھا۔ اس نے ایلچیوں کو زہر دے کر مروا دیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ وہ طبعی موت مر گئے ہیں۔ ڈزیول، شاہ ایران کے اس سلوک سے سخت برہم ہوا۔ اپنے ایلچی ۵۶۹ء میں قیصر روم جسٹن کے پاس بھیجے۔ آخر ترکوں اور رومیوں کے مابین معاہدہ ہوگیا۔ رومیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ترکوں کے جرنل سنجبو نے ایران کی سرحد پر حملہ کیا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی اس ناکامی پر ڈزیول نے ۵۷۱ء میں پھر اپنے ایلچی قیصر روم کے پاس بھیجے اور یہ خواہش کی کہ رومی حکومت ایران سے اپنا معاہدہ منسوخ کردے ایران و روم کے مابین پچاس سالہ معاہدہ صلح ہوا تھا لیکن ابھی نو سال ہی گزرے تھے۔ کہ جسٹن نے معاہدے کو توڑ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترکوں کی پشت پناہی کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ ایرانیوں کے لئے

درد سر بنے رہیں ۔

یہ تو تھے ہن اور ترک'' اب آخر میں میں چند ایک عیسائی علامات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو زمانہ قدیم سے افغانوں میں لاشعوری طور پر چلے آ رہے ہیں ۔ اور انہیں دیکھکر بلا تأمل یہی تصور سامنے آتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔ جو پہلے دین موسوی پر تھے پھر دین عیسوی پر قائم ہوئے اور بعد ازاں جب حضرت محمد[ؐ] مبعوث ہوئے تو انہوں نے دین اسلام قبول کیا ۔ مثال کے طور پر افغانوں پر جب بھی کوئی مشکل وقت آتا ہے اور وہ اس سے دلیرانہ طور پر نبردآزما ہونے کا ارادہ کرتے ہیں ۔ تو ایلی ایلی ایلا ایلا ۔ الا الا کا نعرہ بلند کرنے کا مظاہرہ کرتے ہیں جو عبرانی ادا ہے ۔ ایل عبرانی لفظ ہے جو اللہ کے مترادف ہے اور جس کا مطلب اللہ کو برائے امداد یاد کرنا ہوتا ہے ۔ اور اس نعرہ سے ان میں ہمت اور جوش کا جذبہ بیدار ہوتا ہے یہی نعرہ حضرت عیسیٰؑ نے اس وقت بلند کیا تھا ۔ جب مخالفوں نے انہیں پھانسی دینے کا ارادہ کیا تھا ۔ علاقہ چھچھ میں افغان قوم میں کبڈی کھیلی جاتی ہے ۔ ایک طرف سے ایک نوجوان میدان میں نکلتا ہے دوسری جانب سے دو نوجوان اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلتے ہیں پہلا نوجوان ان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے ایلی کا نعرہ بلند کرتا ہے اور مخالف والے دونوں اس پر لپک جاتے ہیں مقابلہ شروع ہوتا ہے جیتنے والے کیا تمام کھلاڑی اور تماشائی ایلی ایلی کے نعروں سے خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں یہاں صوبہ سرحد میں خاص کر علاقہ یوسف زئی میں الا الا کا نعرہ ایسے موقعوں پر بلند کیا جاتا ہے ۔

افغان قوم کی معمر خواتین اب بھی تکون قسم کا کالا کپڑا صلیب نما سر پر باندھتی ہیں جسے پشتو زبان میں سرتڑونے یا سر

پوک کہتے ہیں -

آج سے تیس چالیس سال پہلے عموماً بلکہ خصوصاً یوسف زئی علاقہ میں مرد ایسی قمیص پہنتے تھے جسے وہ خللہ کہتے تھے اور جس پر صلیب کا نشان "جسے وہ شاٹو کے اور ملہ کہتے تھے" بنا ہوتا تھا - اب بھی کئی معمر لوگ ایسے استعمال کرتے ہیں - گو کہ اس کی جگہ اب نئے فیشن کی قمیص نے لے لی ہے -

یہاں پرانی قبرستانوں میں مقبروں کے سرہانے بجائے کتبہ کے ایسا تکون طاق بنا ہوا دکھائی دیتا ہے جو صلیب کے قسم کا لشان معلوم ہوتا ہے - اور جب میں نے پنجاب - ہندوستان مشرق پاکستان (بنگال) میں اس سلسلہ میں کئی قبرستان دیکھے تو افغان قوم کے مقبروں کو پہچاننے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی - کیونکہ یہی طاق ان کی لشاندہی کے لئے کافی ہے کسی غیر افغانی کی قبر پر میں نے یہ طاق نہیں دیکھا نیز ان علاقوں میں جو بھی پرانے مکانات افغان قوم کے ہیں ان میں بھی ایسے صلیب نما طاق دکھائی دیتے ہیں -

جنوبی افغانستان ، قندہار اور بلوچستان میں افغان لوگ جو ٹوپی پہنتے ہیں اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی ہے کہ اس کا اگلا حصہ جو ماتھے پر پہنتے وقت آتا ہے - اس میں سے کچھ حصہ تراشا ہوا ہوتا ہے جو صلیب کے نشان سے ملتا جلتا ہے -

تسبیح بھی اسی وقت سے چلی آرہی ہے جسے لوگ خدا کی یاد میں مشغولیت کا ایک بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں - اس کے دانے ایسے جوڑے گئے ہیں کہ سروں پر صلیب کے نشان کا گمان ہوتا ہے -

چٹائی کی جانماز (مُسلہ) کے قبلہ رو سرے کو ایسا ہی صلیب نما تراشا گیا ہے - بلکہ کپڑے دری اور قالین نما جانمازوں پر بھی اس قسم کی تراش کی لکیر بنا دی جاتی ہے - علیٰ ہذالقیاس

ان چند علامات سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ قوم اب بھی اس نئے دین عیسوی پر قائم ہے بلکہ یہ قدیمی آثار ہیں جو پشت در پشت ان میں عیسائیت کے دور سے لاشعوری طور پر چلے آ رہے ہیں ۔ اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے وہ ان قدیمی روایات کو فراموش کرتے جا رہے ہیں ۔

ھندوؤں کی قدیم تاریخ پر ایک نظر:

آریوں کا تیسرا جتھا مشرق کی طرف چلا ۔ یہ لوگ راستہ کی تکلیفیں برداشت کر کے اپنے عیال و اطفال کے ہمراہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچے عرصہ دراز تک دریائے سندھ پر روکے رہے ۔ یہاں اس علاقے میں اس وقت کالی نسل کے لوگ یعنی کول ، اور دراوڑ آباد تھے ۔ ایرانیوں نے چار ہزار سال قبل ان کا ہند نام رکھا تھا " ہند " ایرانیوں کے ہاں بمعنی سیاہ و کالا تھا ۔جیسا کہ ان کا ایک شعر ہے ۔

و گر آں تـرک شـیرازی بدست آرد دل مـارا
بـہ خـال ہنـدوئش بخشم سـمـرقند و بخارا را

کول اور دراوڑ کی مرکزی مقام کا نام انہیں کے سبب سیاہ یعنی ہند سے مشہور تھا ۔ اور ہند کے قریب لاہور (لاہوار) بھی ان کا صدر مقام تھا اور یہاں ان کی انتظامیہ رہا کرتی تھی ۔ مقصد یہ کہ ہند (وے ہند) اور لاہور (الاہوار) جو دریائے سندھ کے شمالی کنارے پر واقع تھے ، یہ دونوں شہر آریوں سے قبل موجود تھے ۔ آریوں کے یہاں پہنچتے ہی ان سے مڈھبیڑ ہوئی مختصر یہ کہ آریوں نے کول اور دراوڑ سے دریائے سندھ کے شمالی علاقہ پر جہاں ان کی

بود باش تھی ، زبردستی قبضہ کر کے ان کو پنجاب کی طرف جلا وطن کر دیا ۔ آریا نے کول اور دراوڑ کے شہر ، ہند ، اور لاہور کو بھی مرکزی مقام بنا لئے اور ان دونوں کے درمیان ایک عام بڑا شہر آریانا کے نام سے آباد کیا جو اس موجودہ وقت میں آرہان کہلاتا ہے ۔ " ہند " نام شہر میں بادشاہ کی رہائش اور دیگر خصوصی مکانات تھے اور تحقیق علم کا مرکز بھی یہیں تھا اور یہ شہر قلعہ بند تھا ۔

آریہ لوگ پہلے ماد ، مادی میدی اور میڈی کے ناموں سے اس وقت پکارے جاتے تھے جب یہ خراسان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں آ کر بس گئے تھے ، قیاس یہ ہے کہ جلاوطن اسرائیلیوں نے ان کو آریا نام دیا ہوگا ۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ آگ کے پجاری تھے تو انہوں نے دیکھ کر اسے آرین سے یاد کیا ہوگا ۔ آریہن یعنی آگ والے جس کا مطلب آگ کے پجاری ہے جو پشتو لفظ ہے ، موسوم کیا ہوگا ۔ آر یہ معنی آگ اور لفظ " ن " نسبت کے لئے ہے جیسا کہ یمن ۔ مالگین ۔ خاورین وغیرہ معلوم رہے کہ آر نام کا شہر حضرت ابراہیم کا مسکن تھا ۔ اس شہر میں آگ کی پرستش کی جاتی تھی اور اس شہر میں ہمیشہ آر یعنی آگ جلنے کے سبب یہ آر کے نام سے مشہور ہوا تھا ۔ الغرض آرین یعنی آگ کے پجاری جو ایک مذہبی نام معلوم ہوتا ہے ۔ یعنی جو لوگ اس عقیدے کے قائل تھے وہ آرین ، آریا ، پکارے گئے اور جب یہ آریا لوگ ہند (وے ہند) پہنچے اور یہاں سکونت اختیار کی اور اس کے علاوہ حکومت بھی بنا لی تو اسی " ہند " کے وجہ سے ہندو مشہور ہوئے لفظ " و " نسبت کے لئے ہے یعنی ہند والے یا ہند کے باشندے ۔ مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہندو نام نہ نسب کے وجہ سے اور نہ مذہب کے وجہ سے ہے ، بلکہ یہ مسکن " ہند " کو نسبت کے لئے معلوم ہوتا ہے ، جس کے سبب یہ ہندو کے

نام سے مشہور ہوئے - یہاں انہوں نے کافی عرصہ بعد ہندی زبان بنائی- ہندی میں لفظ '' ی '' نسبت ہے ہند ' کو یعنی ' ہند ' کی زبان - اگرچہ پہلے وقت میں یہ اقوام ایک ہی زبان بولتی تھیں جس کا نام اریک تھا ۔ اور پھر سنسکرت کی بنیاد رکھی - ابتدائی '' وید '' نامی کتاب بھی یہاں بنائی گئی تھی ۔ وید بھی '' وے ہند '' کا مخفف معلوم ہوتا ہے یہاں انہوں نے اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں ۔ ان مذکورہ تصانیف میں پختون قوم کے علماء سے زیادہ امداد لی گئی - ان علماء میں پنی (پنڑی) اور جلو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ اسی لاہور کے مغربی حصہ میں پنی (پنڑی) کی جائے رہائش کے آثار اسی کے نام سے آج تک موجود ہیں - ہندوؤں کی ریاست جب''ہند'' میں مضبوط ہوئی اور جتنے علاقے اس کے زیر اثر آئے اس علاقے کا نام ہندوستان ہوا یعنی راجدانی ہند کا زیر اثر علاقہ ۔ اور عرصہ دراز گزارنے کے بعد دریائے سندھ جس کا پشتو نام اباسین ہے ، جو عبرانی نام دریائے آبانا کے مترادف ہے ، کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوگئے ، یہاں انہیں اصلی باشندوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑا لیکن آریا اصلی باشندوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور فن جنگ میں ماہر تھے آخر فریق مخالف پر غالب آگئے اور دن بہ دن تمام موجودہ شمالی ہندوستان پر قابض ہوگئے ۔ بعد میں اسی علاقے کا نام بارت یا بھارت مشہور ہوا ۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ بارت یا بھارت '' عبرتا '' سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے ۔ '' عبرتا '' آرامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جائے عبور مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ جب ان لوگوں نے دریائے سندھ عبور کیا تو بارتی کہلائے اور اس پار علاقے کا نام بارت ہوا ۔ یہ نام بھی اسرائیلیوں کا رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں ہندوؤں سے پہلے جو قوم رہتی

تھی وہ تو سیاہ یعنی کالے تھے اور اسی سبب ان کے مرکزی مسکن کو ہند کہا جاتا تھا مگر آریا سرخ سفید رنگ کے تھے لیکن یہ ان کالے لوگوں کے وارث بننے کے سبب سے بھی ہندو مشہور ہوئے۔ آریا یعنی مادی یا میدی لوگ اسرائیلی جلاوطنوں سے کافی عرصہ پہلے سارے ملک خراسان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد تھے اور نینوا کے اشوریوں کے ماتحت ایک کمزور زندگی گزارتے تھے پہاڑوں سے اترے ہوئے وحشی اور جاہل قسم کے لوگ تھے تعلیم و تمدن سے بے بہرہ تھے ان میں نہ کوئی سیاسی شعور تھا اور نہ کوئی تنظیم یا حکومت یہ تو ان کی خوش قسمتی سمجھیے کہ اسرائیلی جلاوطنوں کے جتھے در جتھے یکے بعد دیگرے ان کے ہاں بسانے کے لیے اشوری بادشاہوں نے شام اور نینوا سے بھیج دئیے۔ واضح ہو کہ اسرائیلیہ کا پہلا جتھہ شاہ اشوری پال یا پلول کے ہاتھوں جلا وطن ہوا جو ۷۷۱ برس قبل از مسیح تھا۔ ان جلاوطنوں میں روبن اور جدّ کے صرف دو قبیلے تھے۔ ان دنوں اسرائیلیہ کا بادشاہ ناحم تھا اور یہودا کا بادشاہ عزیا تھا۔ اس کے بعد بھی بنی اسرائیل کی جلاوطنی کا یہ سلسلہ جاری رہا تھا جو اس واقعہ سے ایک سو اسی سال کے بعد بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی پر ختم ہوا

الغرض ان کے آنے سے میدیوں یعنی ان آریا لوگوں کو بہت فائدے حاصل ہوئے کیونکہ اس وقت آریوں کی حالت خراب تھی۔ اس بارے میں فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان کا بیان اس کی اپنی تصنیف ''تمدن ہند'' میں یوں درج ہے۔ کہ

> ان میں مطلق کسی قسم کی سیاسی نظامات یا ذات یا حکومت نہ تھی۔ ان کی معاشرت کی بنیاد خاندان پر تھی اور ساری قوم ایک تھی اور اس میں بالکل مدارج نہ تھے، ہر ایک خاندان

کا باپ خود ہی پروہت ، کاشتکار اور سپاہی تھا ۔ یہ مختلف
پیشے جو آگے چل کر ذات کی تقسیم کے باعث ہوئے اس وقت
ملے جلے ہوئے تھے ۔ رگ وید کے بڑے دیوتا اگنی آگ کا
دیوتا ہے '' سوم '' مُنَشّشی عرق ہے جو اس کو تند کرتا ہے ۔''
اور اس کے برعکس اسرائیلی جلا وطن و تعلیم یافتہ ، ہنرمند
حکماء نجومی طبیب اور ماہر نفسیات تھے تمدن و معاشرت میں بہت آگے تھے غرض یہ کہ جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہے کہ ہر کام میں اسرائیلی جلاوطن ، ان کے استاد بنے اور نیز ان مقامی لوگوں کو زندگی گزارنے کے اچھے طریقے سکھائے ۔ اور نظم و ضبط سے بھی واقف کرایا اسرائیلیوں نے جہاں اپنے ملک شام کی طرح کوئی چیز یعنی دریا ۔ پہاڑ گاؤں ۔ ندی نالہ اور علاقہ دیکھا تو اس کا وہی شامی نام رکھا ۔ سیاست میں بھی ان جلاوطنوں کو بڑا دخل تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ میدیوں اور پھر خورس کی سلطنت بننے میں انہی کا ہاتھ تھا ۔ اشوریوں اور پھر بابلیوں سے انتقام لینے کے جذبات بھی رکھتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں ان کو ایک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی ۔ اسرائیلی تو اپنے آپ ہرفن مولیٰ تھے ۔ سیدی یعنی آریا لوگ ہمیشہ ان کے محتاج رہتے ۔ اس کے علاوہ ہخا منشی خاندان کے عہد سلطنت میں جو دوسو بیس سال سے مستحکم اور مضبوطی سے قائم تھا ، اسرائیلی ، حاکم قوم کی شکل میں تھے اس وجہ سے ان کی ہر بات میں وزن تھا ۔ جو نام رکھتا قبول عام ہوتا اور جو بولتا وہی ہوتا ۔ ان ہی کی زبان سے آریا لوگوں نے بہت الفاظ سیکھے اور ہر کام میں ان سے امداد لی اور سبق حاصل کر لیا ۔ اسرائیلی قوم اور ان کے انبیاء اس علاقہ میں دینی تبلیغ اور راہنمائی کرتے تھے ۔ علم و فضل کے مالک تھے ۔ کمی صرف یہ تھی کہ اپنے ملک سے جلاوطن تھے اور منتشر حالت میں آباد تھے ۔

لیکن پھر بھی ان کی فضیلت اپنی جگہ پرقائم تھی ۔ مثال کے طور پر اگر کوئی وکیل ، قاضی ، عالم ، حکیم ، ماہر فن یا کوئی ہنر مند شخص بادشاہ وقت کے قانون کی خلاف ورزی کے سبب جیل خانہ میں چلا جائے تو ان کا علم و ہنر جیل کے دروازے پر ہی لٹھیر رہ جاتا بلکہ وہ علم و ہنر وغیرہ اس کے ساتھ جیل کے اندرضرور جائے گا ۔ لہذا اسرائیلی خدا سے نا فرمانی کے جرم میں تباہ و برباد ہوگئے اور غلامی کے سزاوار بن گئے لیکن ان کی سمجھداری اور علم و ہنر اس حالت میں بھی ان کے ساتھ تھا ۔ ان کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے ۔

"وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰہُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" (سورہ دخان)

اور بلا شبہ ہم نے اپنے علم سے ان کو جہان والوں کے مقابلہ میں پسند کر لیا ہے ۔

معلوم رہے کہ ہند کا نام آج کل پشتو زبان میں انڈ اور ہنڈ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور انگریزی میں بھی انڈ بولا جاتا ہے اس وقت سارے ہندوستان کو انڈیا اور اس کے باشندگان کو انڈین کہتے ہیں ۔ مگر گذشتہ دور میں یہ نام محدود تھا ۔

آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں ۔

اس سلسلہ میں ایک نامور مؤرخ محمد مجیب بی اے آکسن پروفیسر تاریخ و سیاسیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اپنی تالیف تاریخ تمدن ہند عہد قدیم ۱۹۵۱ع عثمانیہ یونیورسٹی پریس حیدر آباد دکن میں یوں اظہار خیال کرتا ہے :۔

۱ ...... یورپ میں سنسکرت کا مطالعہ شروع ہوا ۔ اور اس کا پتہ چلا ۔ کہ سنسکرت ۔ ایرانی ۔ لاطینی ۔ یونانی اور جرمن زبانیں ایک

اصل سے ہیں - تو ہند جرمانی یا ہند یورپی زبان اور تہذیب اور اس تہذیب کو پھیلانے والی آریہ نسل کا تصور قائم ہوا - اصل میں یہ تصور بے بنیاد تھا - آریہ نسل کی کوئی حقیقت نہیں - وہ جسمانی خصوصیات جو آریہ نسل کی پہچان مانی جاتی ہیں - ان قوموں میں جو اپنے آپ کو آریہ کہتی ہیں - اس کثرت سے نہیں پائی جاتی ہیں - کہ ان کے آریہ ہونے کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے لیکن قومیت کے پرستاروں نے اس عقیدت کے ساتھ آریہ نسل کے گن گائے کہ ایک دنیا دھوکے میں پڑ گئی - نسل کا لفظاب اس قدر رائج ہو گیا ہے کہ غلط فہمی کے اندیشوں کے باوجود اسے ترک کرنا مشکل ہے - صفحہ ۱۹

۲......آریوں کے مذہب میں آگ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی - اور آریوں میں مورتوں (بتوں) کی پوجا کا رواج نہ تھا - صفحہ ۳۰

۳......سنسکرت ابجد کے دندانی حروف ٹ وغیرہ اور کسی ہند جرمانی زبان میں نہیں ملتے - سنسکرت کے بہت سے الفاظ کا مادہ آریائی نہیں معلوم ہوتا - صفحہ ۳۵

۴......آریہ در اصل کسی نسل کا نام نہیں ہے - بہتر تو یہ ہوتا ہم اس لفظ کو بالکل چھوڑ دیتے - اور ان لوگو کے لئے جو اپنے آپ کو ہندوستان میں آ کر " آریہ " کہنے لگے کوئی اور نام تجویز کر لیتے مگر یہ اصطلاح اس قدر رائج ہو گئی ہے کہ اسے ترک نہیں کیا جا سکتا - اس لئے اسی سے کام نکالنا پڑتا ہے - غلط فہمی سے بچنے کی یہ صورت ہے - کہ ہم یاد رکھیں کہ آریہ سب گورے اور قدآور نہیں تھے سب کی ناک اونچی - بال سنہرے اور آنکھیں نیلی نہیں تھیں - انہیں آریہ

صرف اس بنا پر کہتے ہیں ۔ کہ وہ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے ۔ آریوں کے اصل وطن کا پتہ چلانا مشکل ہے ۔ اب اکثر محقق اس پر متفق ہیں کہ آریہ نسل کا گہوارہ دریائے ڈینیوب کی وادی تھی یہاں سے اس کے قبیلے ادھر اُدھر جاتے رہے ۔ وہ قبیلے جو ہندوستان پہنچے درہ دانیال سے گزر کر ایشیائے کوچک اور شمالی ایران ہوتے ہوئے آئے ۔ ۱۲۰۰ ق‌م کے لگ بھگ شمالی ہندوستان میں آباد ہونے لگے تھے ۔ زرتشی مذھب کی مقدس کتاب ژنداوستا اور رگ وید کی زبان میں اتنا کم فرق ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ آریا کے ہندوستان آنے اور رگ وید کے مرتب ہونے کے درمیان بہت لمبا عرصہ نہ گزرا ہوگا ۔ صفحہ ۵۵

۵......سات سو ق‌م کے بعد سے ان میں لکھنے کا رواج بھی آہستہ آہستہ شروع ہوا اشوک کے کتبات یا توکھروشٹی (خروشتی) رسم خط میں ہیں جو مشرقی افغانستان اور پنجاب میں رائج تھا یا براہمی رسم خط میں ہیں ۔ کھروشٹی (خروشتی) ایک قدیم آرامی رسم خط سے اخذ کیا گیا ہے جو پانچ سو ق‌م میں رائج تھا ۔ یہ دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا ۔ آریوں نے اس رسم خط کی علامتوں کو اپنی زبان کی اصوات اور حروف میں تبدیل کر لیا ۔ براہمی ابجد کے چھیالیس حروف کی شکلیں معین کی گئیں اور ایسے دائیں سے بائیں طرف کے بجائے بائیں سے دائیں طرف لکھنے کا قاعدہ بنا ۔ غالباً پانچ سو ق‌م تک براہمی ابجد مکمل ہو گئی تھی ۔ پانی نی (پنی) نے جس کا زمانہ چوتھی صدی ق‌م تھا اس کو صحیح مانا ہے ۔ اس زمانے میں یا اس کے کچھ بعد براہمی رسم خط کی دو شاخیں ہو گئیں ۔ ایک

شمالی دوسری جنوبی ۔ پانی نی (پنی) کے قواعد نے رسم خط کے ساتھ زبان کو بھی ایک معیاری شکل دے دی اور جو کام کئی سو برس سے آہستہ آہستہ ہو رہا تھا اس کی تکمیل کر دی ۔ یہیں سے ویدی زبان کا سلسلہ ختم اور سنسکرت کا شروع ہوتا ہے ۔ بول چال کی زبانیں اس کے بعد بھی رہیں ۔ اور ان کو کچھ نہ کچھ ترقی بھی ہوتی رہی لیکن پڑھے لکھے شائستہ لوگوں کی زبان سنسکرت تھی ۔ صفحہ ۵۷

۶......آریوں نے شمال مغربی ہندوستان (یعنی ہند) میں آباد ہونے کے بعد تمام بھجن یکجا کر لئے ۔ اور اس مجموعے کا نام رگ وید رکھا ۔ رگ وید ہند جرمانی تہذیب کی سب سے پرانی یادگار ہے اور اس کی ادبی خوبیوں کو دیکھئے تو ایک کرشمہ سے کم نہیں ۔ رگ وید کے بھجن اس وقت گائے جاتے جب پوجا کے لئے آگ جلائی جاتی ۔ یا سوم کے پودے کا رس نکالا جاتا اس سے شراب بنتی تھی جس کا پینا عبادت میں داخل تھا اور اسے آریہ پسند بھی کرتے تھے ۔ رگ وید مرتب ہو گیا تو اس کے وہ بھجن جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا تھا الگ کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا گیا جو سام وید کہلاتا ہے ۔ صفحہ ۵۸

۷......آریوں کی خاندانی رسمیں مثلاً گھر کے ایک مرکزی مقام پر ہر وقت آگ جلتی رکھنا اور دولہا دلہن کا اس آگ کے گرد چکر لگانا ۔ صفحہ ۶۹

۸......عورتیں ہر گھر میں پوجا کی آگ جلتی رکھتیں اور چڑھاوے اور نذر کے لئے ضروری سامان مہیا کرتیں ۔ صفحہ ۷۱

۹......دولہا کے ساتھ برات ضرور آتی ۔ دلہن کا ہاتھ دولہا کے ہاتھ

میں دیا جاتا۔ دونوں پوجا کی آگ کے گرد طواف کرتے۔ صفحہ ۲۷

۱۰......ہندو مذہب عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کا ایک نظام ہے اور جو شخص اس نظام کو قبول کرلے وہ عقائد میں آزادی کے ساتھ انتخاب کر سکتا ہے۔ صفحہ ۲۴۱

۱۱......اس نئے دور میں مذہبی اتحاد پسندی نے ہر فرقے اور نسل کو جس نے ہندو نظام زندگی کو قبول کیا ، سماج اور مذہب میں داخل کر لیا۔ صفحہ ۲۴۲

بنی ، بانونی ، بھنینی ، پر ایک نظر

قبل ازیں بنی کا ذکر ہو چکا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کا تعارف بھی کیا جائے۔ اس کو غیر افغان مورخین نے بانینی اور بھنمنی' کے نام سے بھی یاد کیا ہے لیکن اس کا اصل اور صحیح نام بنی تھا۔ اور وہ نسلاً ان اسرائیلی جلا وطنوں کے اولاد سے تھا جو سادیوں کے ملک میں جلاوطن ہو چکے تھے افغان مؤرخین نے اس کو غرغشت افغان قبیلہ سے منسلک بتایا ہے۔ غرغشت یعنی وہ اسرائیلی افغان قبائل جو غرجستان یا گرجستان میں آباد ہو چکے تھے اور وہاں ان کی اپنی ریاست بھی بن گئی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ لہذا ان کا ایک گروپ یعنی قبیلہ بنایا گیا تھا جس سے افغانوں کا تیسرا بڑا قبیلہ غرغشت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ غرغشت میں تین بڑے قبائل شامل تھے جن کے نام یہ ہیں دانی ، مندو ، بابی , اور دانی کے چار بیٹے ، کاکڑ ، ناغر ، بنی ، دادی ، تھے- بموجب بیان تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی بنی کے اٹھارہ بیٹے تھے اور اس کے تمام بیٹوں کے نام سے الگ الگ خیل اور قبیلے ان گئے ہیں - بنی کے بڑے بیٹے کا نام بھودا اور

یہودا کے ایک بیٹے کا نام پتھان تھا ۔ شجرہ نسب یوں ہے ۔ بنی بن دانی بن غرغشت بن قیس عبدالرشید واضح ہو کہ دانی قبیلہ (بنی دان) شام میں بھی موجود تھا جس کا ذکر کتاب مقدس کے قضاۃ (اردو) باب اٹھارہ صفحہ ۲۴۹ پر ہوا ہے کہ :۔

بنی دان کے گھرانے کے چھ سو مرد جنگ کے ہتھیار باندھے ہوئے (مقام) صرعہ و استال سے روانہ ہوئے ... بنی دان نے شہر بنایا اور اس میں رہنے لگے اور اس شہر کا نام اپنے باپ دان کے نام پر جو اسرائیل کی اولاد تھا ، دان ہی رکھا لیکن پہلے اس شہر کا نام لیس تھا ۔ باب ۱۳ ... جس کا نام سمسون تھا اس دانی گھرانے کے منوحہ نامی کا بیٹا تھا ۔

یعنی دور قضاۃ کے مشہور رہنما اور بہادر شخص سمسون نامی اس دانی خاندان سے تھا ۔ اب ایک اور دانی کے متعلق بھی ذکر ضروری ہے ۔ وہ دانی ایل نبی ہے جو اسرائیلی اسیران میں تھا اور وہ خورس شاہ ایران کے بابل کو فتح کرنے کے وقت بابل میں موجود تھا اور دارا کے ابتدائی عہد میں زندہ تھا جس کا ذکر کتاب مقدس میں دانی ایل کے عنوان سے کیا گیا ہے ۔ بنی بن دانی کا زمانہ بھی اس کے ساتھ ایک ہی معلوم ہوتا ہے ۔ دوئم یہ کہ دانی ایل نبی کی سمجھداری اور علمی مدارج بہت ہی اونچے ہیں اور یہی علمی قابلیت اور سمجھداری بنی مذکور میں بھی ظاہر ہے لہذا غالب رائے یہ ہے کہ بنی اسی دانی نبی کا بیٹا ہے اور افغان مورخین کے شجرہ نسب کے مطابق بھی بنی بن دانی درج ہے ''بنی'' اس وقت افغانوں کا ایک بڑا نامور قبیلہ ہے اور مختلف مقامات پر بہت پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ ضلع چٹاگانگ میں ایک قصبہ بینیا کے نام سے موجود ہے ۔ غرغشت قبائل کا اپنا وطن کوہ سلیمان کا علاقہ ہے، ان میں سے قبیلہ بنی زیادہ تر علاقہ سیوی (سبی) میں آباد ہیں۔

هندو عقائد و تعارف ان کی اپنی نظر میں

ہندوؤں کے عقائدو تعارف پر اُن کے اپنی تحریر سے یہ بات سامنے آتی ہے ۔کہ زمانہ قدیم میں وہ بت پرست نہیں بلکہ آتش پرست تھے اور ہندوستان میں آنے کے بعد بت پرست بنے ۔ تاتاری اور ساسانی نسل کے قدیم باشندوں کو وہ اپنا ہم نسل سمجھتے ہیں البتہ افغان نسل کو اسرائیلی کہہ کر ایک علیحدہ قوم تصور کرتے اور انہیں اسرائیل ، پٹھان اور افغان قوم کے ناموں سے پکارتے ہیں نیز محمد غوری سے شیر شاہ تک کا زمانہ وہ افغانی دور سمجھتے ہیں ۔ اس کی تصدیق میں تاریخ ٹاڈ راجستان جلد اول مترجم منشی دوارکا پرشاد آفق لکھنوی ۱۹۱۴ع کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

۱......قدیم شجروں میں ہندوؤں کا نام دیوتاؤں کے نام پر موجود نہ ہونے سے یہ باور کرنا خلاف عقل نہیں کہ بیشنو مذہب کے قبل مورتی پوجا کا رواج نہ تھا ۔ قدیم تواریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ منتر جنتر ۔ نوگرہوں اور مورتیوں کا رواج کرشن چندر کے بعد ولایت کشمیر سے ہندوستان میں مروج ہوا ۔ مورتی پوجا کی رفتہ رفتہ ایسی ترقی ہوئی کہ عوام الناس کل چیزوں کو پوجنے لگے ۔ دیوتا تینتیس کروڑ ہو گئے جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنٰی سے ادنٰی چیز بھی ایسی باقی نہ رہی جس کی پرستش نہ کی گئی ہو ۔ سورج سے لے کر چمار کی ماہی (رامپی) کو بھی لوگوں نے پوجنا شروع کر دیا ۔ کرشن ایک ، مگر پرستش سات صورتوں میں ۔ کرشن جی کی مورتیں راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں موجود ہیں ۔ صفحہ ۹۰

۲......اب سے بارہ سو برس پہلے شری رام چندر جی کے تحت حکومت پر ایک گؤ خوار (ایرانی) نے قدم رکھ کر ہندوؤں کے سورج کا خطاب حاصل کیا ۔ وہ کبھی باور نہ کریں گے کہ دلیا کی قدیم ترین قوم کی موجودہ نسل یزد جرد بادشاہ خاندان ساسانی کے بقائے نام ہے راجہ گردوابھیل بہرام گور کا بیٹا تھا ۔ جس کے ایک بیٹے کو پٹن کی حکومت حاصل تھی ۔ ہم آگے چل کر رانا کے خاندان کا ایرانی نسل سے تعلق ظاہر کریں گے ۔
صفحہ ۵۷–۴۵۶

۳ .....اودے پور کے تاجدار تمام ہند کے فرمالرواؤں سے افضل و صاحب عظمت ہیں ۔ ہندوستان کے راجے تاجپوشی کی تقریب میں رانا اودے پور ہی کے ہاتھ سے تلک کراتے اور اس رسم کے وقت ان کے سامنے سر ادب خم کرتے ہیں ۔ تلک آدمی کے خون سے لگایا جاتا ہے ۔ اودےپور کے فرمانرواؤں کا خطاب رانا ہے ۔ اور وہ اپنے کو نوشیروان عادل کی اولاد سمجھتے ہیں ۔ جس نے علاوہ اور ملک کے ولایت ہندوستان میں بھی علم فتح گاڑا ۔ نوشیروان کی زندگی میں نوشہزاد اس کا بیٹا جو شہزادی قیصر روم کے بطن سے تھا ۔ عیسائی ہوگیا اور بہت سے رفقا کو ساتھ لے کر ہندوستان میں قیام پذیر ہوا ۔ اس کی اولاد ہندوستان میں باقی رہ گئی ۔ اودےپور کے رانا کو اسی کی نسل سے تعلق ہے۔
صفحہ ۴۵۹

۴......چونکہ دہلی کے تاتاری شہنشاہ کو لڑکیاں دینا ہندوؤں کے ہاں ایک بدنما دھبہ تھا ۔ لہذا انہوں نے داغ بدنامی سے بچنے کے لئے یہ بات پیدا کی ۔ کہ گو سلسلہ حسب و نسب بہت پرانا اور رشتہ بہت دور کا ہے تا ہم ہمارے اور تاتاری

بادشاہ کے بزرگ ایک ہی تھے آخر میں اس خیال نے ان کے
دل کو قدرے مطمئن کر دیا کہ آمیزش خون بزرگان قدیم کے
خون ہی سے ہے ۔ صفحہ ۴۵۸

۵......محمود غزنوی کی یورشوں اور خاندان افغان (محمد غوری) کے
حملہ اول کے موقعوں پر اس دیوتا (یعنی کرشن جی کا بت)
کو برج چھوڑنا پڑا تھا ۔ غیر متعصب شاہان مغلیہ نے مذہب
ہندو سے مخالفت کرنا کیا معنی ، اُن کے اس دیوتا کو برج
میں (دوبارہ) متسلط کر کے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ خود
بھی کھنیا جی (کرشن جی) کی معتقد اور آدھے ہندو اور آدھے
مسلمان ہیں ۔ جیے دیو کی نظمیں جن میں رادھا کشن کے
حسن و عشق کی تصویریں کھنچی ہوئی ہیں اکبر کے بہت پسند
خاطر تھیں ۔ ہندو اسے کرشن کا برہمی مانتے ہیں ۔ جہانگیر
جس میں بھی راجپوت خون کی آمیزش تھی ۔ اکبر کی طرح
کھنیا جی (کرشن جی) کا بہت معتقد تھا ۔ شاہ جہان جس کی
ماں راجپوت راجکماری تھی ۔ شیو جی کا بڑا بھگت اور سدھ روپ
سنیاسی کا سرید تھا ۔ صفحہ ۸۸۶

۶......بابر نے جو یک جہتی کا رشتہ قائم کیا تھا اور اکبر ۔
جہانگیر و شاہ جہان نے جس تعلق کو مضبوط کیا تھا
اورنگ زیب نے اپنی حماقت سے توڑ دیا ۔ ۶۶۹

۷......اورنگ زیب قوم راجپوت کا جانی دشمن تھا مظلوم راجپوتوں نے
اس کے ظلم کے انتقام میں اس کی نسل کو نیست و نابود کر
دیا ۔ صرف ایک صدی میں ملک نے اس کے کمبخت ہاتھوں
سے خلاصی پائی ۔ لیکن ظالم اسرائیل کی آخری نسل کے ظالم
(افغان) ہمیشہ کے واسطے اورنگ زیب کی طرح گناہ کے شریک

ے کیونکہ انہوں نے ہر ایک بت کو صفحہ ٔ ہستی سے مٹا
یں ذرا بھی خیال رحم نہ کیا ۔ اگر یہ ظالم (افغان)
با دو نشانی باقی رہنے دیتے تو میں شاید ان کے احکام و
. دستور و رواج ۔ دلاوری شجاعت ۔ عدل و انصاف کا
یا کے سامنے کھینچ سکتا ۔ لیکن ان کی نقصان رسانی و
گری کی عادت نے ایک بھی نقش باقی نہ رکھا جو
قابل دید و پرستش تھیں ان کو تباہ کر ڈالا۔ صفحہ ۱۲۰۶
ی نے سمت ۱۳۳۱ مطابق ۱۲۷۵ ع میں تخت پدر پر جلوہ
. اس کے عہد حکومت کو تاریخی دنیا میں خاص شہرت
ہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پٹھان بادشاہ علاؤالدین خلجی
شیانہ بیرحمی سے چتوڑ پر (۱۲۹۰ ع) دھاوا کیا ۔
ان کے تمام شہروں سے با رونق اور مال و دولت سے
ل تخت گاہ تباہ و برباد کی گئی ۔ صفحہ ۴۹۸
ہ کے عزل سلطنت سے ان کی بھی مٹی خراب رہی
شیر شاہ نے چغتائی فرمانرواؤں سے حکومتیں چھین لیں اور
پٹھانوں کی بادشاہت کے قدم جما دئیے ۔ ۵۸۹

۱۰......قبیلہ جام سندھ کے سورٹوان کا بیان ہے کہ ان کا مورث شام
تھا یا سیربا ۔ یہی وجہ ہے کہ شام بدل کر جام ہو گیا اور
اس کی ایک چھوٹی ریاست جام راج کے نام سے اس خطاب کی
شاہد ہے ۔ صفحہ ۲۲۶

اس خاندان کے متعلق مولانا اعجاز الحق قدوسی اپنی کتاب تاریخ سندھ
میں لکھتے ہیں کہ :۔

سندھ میں سومرا قبیلے کے بعد سمہ خاندان برسر حکومت آیا ۔
انہوں نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام " ساموئی " رکھا

اور اس کو اپنا پایہ تخت بنایا ۔ " جام آنر " سمہ خاندان
کا پہلا فرمان روا ہے ، جو ارمیل یا ہمیر سومرا کو شکست
دے کر اقتدار حاصل کر کے ٧٥٢ھ میں سندھ کا فرمانروا ہوا ۔
سموں کا دور حکومت ایک کامیاب دور تھا جس میں علم و فضل
اور تجارت کو فروغ ہوا قیاس یہ ہے کہ "ساموئی یا شاموئی" اشارہ
ہے شام کو جو نسبی نسبت کے لئے پایہ تخت کا یہ نام رکھا گیا ہو
یعنی سامی ، شامی ۔ واضح ہو کہ اسی نام کا ایک افغان قبیلہ جو
زمانہ ما قبل میں بلخ کے شمال مشرق میں آباد تھا اب بھی یہ علاقہ
سمہ گان ، سمگان یا سمنگان کے نام سے افغانستان میں موسوم ہے ۔
ہوسکتا ہے کہ یہ تاتاریوں کی یلغار سے یا اسلام کے بعد محمد بن قاسم
کے وقت میں سندھ کی طرف آگئے ہوں اور لشکر میں شامل ہو کر سندھ
فتح کرنے کے بعد یہیں رہائش اختیار کیا ہو ۔ جیسا کہ پہلے ذکر
ہو چکا ہے کہ محمد بن قاسم کے سندھ اور ملتان فتح کرنے کے وقت
کچھ افغان قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے تھے ۔

سومرہ ، سومرو ــ سلاطین دھلی کے ماتحت حکومت کرتے
تھے اور ان کا ابتدائی پایہ تخت تھری جو اسرائیلی نام ہے ، تھا ۔ قرائن
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی ان جلا وطن اسرائیلیوں کی اولاد
میں سے ہیں جو اشوریوں کے ہاتھوں " سامرہ " سے خراسان وغیرہ میں
جلاوطن ہو چکے تھے ۔ مولانا عبدالحکیم شرر اپنی کتاب تاریخ سندھ
کی پہلی جلد میں اس قبیلے کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ نو مسلم یہودی
تھے ۔ مولانا کا یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بلاذری
اپنی کتاب فتوح البلدان حصہ اول میں شام اور اردن کے واقعات میں
السامرہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

" السامرہ یہود ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک کو الدستان

اور دوسری کو الکوشان۔ "

واضح رہے کہ دوتانی اور کھش کوشی افغان قبائل بلوچستان کے مغربی سرحد پر اب بھی موجود ہیں ۔ یہ بھی معلوم رہے کہ جنوبی ہند بالخصوص ملابار میں بھی جلاوطن یہودی آباد ہو چکے تھے ۔ ملابار کا راجہ عہد رسالت ؐ کے زمانے میں مسمی زمورن تھا جو یہودیوں کے قبیلہ سامری سے تھا جب اس کو حضرت محمد ؐ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو اسلام قبول کر لیا اور سلطنت اپنے ولیعہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں فوت ہو کر ساحل یمن میں مدفون ہوا ۔ الغرض سومرہ یا سومرو کی نسبت سامرہ شہر جو اسرائیلہ حکومت کا دارالسطنت تھا ، کو ہے اور نیز نسبی نسبت بھی ، کیونکہ سامرہ تو صرف اسرائیلی ہی تھے ۔ تاریخ سندھ کے مصنف مولانا اعجازالحق قدوسی کا بیان ہے کہ

سندھ میں سومروں کی سلطنت ۴۴۴ھ مطابق ١٠۵٢ع میں قائم ہو کر ۷۵١ھ مطابق ١٣۵٢ع یعنی تین سو آٹھ سال تک قائم رہی ، ۔ ابن بطوطہ جو سندھ بھی آیا تھا اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سومرہ قوم کے حکمران سلاطین دھلی کے ماتحت حکمرانی کرتے تھے ، اور سلاطین دھلی کا ایک امیر ان کے ساتھ رہتا تھا ابن بطوطہ کہتا ہے کہ

دو روز کی مسافت کے بعد ہم کشتی سے جنانی پہنچے ، جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے ، اور جس میں خوش نما بازار ہیں ، یہاں کے رہنے والے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ کہتے ہیں ، ان کے اسلاف یہاں اس وقت آباد ہوئے جب حجاج کے زمانے میں سندھ فتح ہوا ، جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے ۔ شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن

بہاؤالدین زکریا قریشی نے مجھے خبر دی کہ ان کے جدا کبر ، محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے موقع پر حاضر تھے ، اور یہ "سامرہ" اس لشکر کے ساتھ آئے تھے ، جس کو حجاج بن یوسف نے اپنی امارت کے زمانے میں عراق سے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا " سیوستان کے تذکرے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ :۔

اس شہر میں سامری امیر ,, اونار " نامی جس کا ذکر اوپر گزرا ، اور امیر قیصر رومی رہتے ہیں ، اور یہ دونوں سلطان دھلی کے ماتحت ہیں ، اور ان دونوں سرداروں کے ساتھ اٹھارہ سو سوار تھے ، اور یہاں ایک ہندو رہتا تھا ، جو حساب کتاب میں بڑا ماہر تھا ، جس کا نام رتن تھا ، وہ بعض امرا' کے ساتھ سلطنت کے دربار میں گیا سلطان نے اس کو پسند کیا اور اس کو " سندھ کا راجہ " کا خطاب دے کر سیوستان بھیجا ۔ اور اس کو وہ جاگیر میں دے دیا ، جب وہ وہاں پہنچا تو " اونار " اور قیصر کو برا معلوم ہوا کہ ایک کافر کو ان پر فوقیت دی جائے ۔ انہوں نے باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور خزانہ لوٹ لیا ، اور سب نے مل کر اونار کو ملک فیروز کا خطاب دے کر اپنا بادشاہ بنا لیا ۔ پھر اونار یہ سمجھکر کہ وہ اس وقت اپنے قبیلے سے دور ہے ڈرا اور اپنے قبیلے میں چلا گیا ۔ لشکروں نے قیصر کو امیر بنا لیا جب ملتان کے نائب کو خبر لگی تو اس نے اس کے سزا کے لئے فوج بھیجی اور سخت سزا دی"

سامرہ ، سومرہ فرمانرواؤں کا آخری بادشاہ کا نام ہمیر یا ارمائل تھا ۔ سمہ قبیلے اور سومرو میں نہایت ہی اتفاق و یگانگت تھی لیکن ارمائل کے ظلم و ستم کی وجہ سے دونوں قبیلوں کے تعلقات خراب ہونے شروع

ہوئے اور اس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ سومرہ خالدان کے ہاتھ سے حکومت نکل کر سمہ خاندان میں منتقل ہوگئی سمہ خاندان ایک سو پچتر ۱۷۵ برس کے حکمرانی کے بعد ۹۲۶ھ جام فیروز کے عہد میں شاہ بیگ ارغون تاتاری کے ہاتھوں اس کی حکومت ختم ہوگئی ۔ سمہ خاندان جن کے اکابر جام کے لقب سے مشہور ہیں ان کی تعلق بقول ان کے آباؤ اجداد (بروئے روایت ٹاڈ راجستان) شام سے ہے اور ان کی اس نسبت سے ان کا مراد شام کے اسرائیلی جلاوطنوں کی اولاد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ شامی تو صرف وہی لوگ تھے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے نام سمہ ، سمو ، شمو ، افغانوں میں موجود ہیں اور یہ نام پہلے سے شام میں بھی تھے مثلاً حضرت داؤدؑ کے ایک بھائی کا نام سمہ ہے ۔ اور نیز اس کے باپ کو افراتی سے یاد کیا گیا ہے ۔ اس بارے میں کتاب مقدس صفحہ ۲۷۶ اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔ ۱۔ اسموئل؁ میں باب ۱۷ اور آیت ۱۲ میں یوں درج ہے کہ ۔

داؤد بیت‌الحم یہودا کے اس افراتی مرد کا بیٹا تھا جس کا نام یسی تھا ۔ اس کے آٹھ بیٹے تھے اور وہ ساؤل کے زمانہ کے لوگوں کے درمیان بڈھا اور عمر رسیدہ تھا ۔ اور یسی کے تین بڑے بیٹے ساؤل کے پیچھے پیچھے جنگ میں گئے تھے اور اس کے تینوں بیٹوں کے نام جو جنگ میں گئے تھے یہ تھے ۔ الیاب جو پہلوٹا تھا دوسرا ابینداب اور تیسرا سمہ ۔ اور داؤد سب سے چھوٹا تھا ۔

غالب قیاس یہ ہے کہ یہی سمہ لوگ حضرت داؤدؑ کے بھائی "سمہ" کے نام موسوم ہوئے اور یہ انہی کی اولاد میں سے ہیں ۔ اور اس کے برعکس ایک اور عرب قبیلہ بنو سامہ ہے جو ملتان میں حکمران رہا تھا ان کا سندھ کے امر خاندان سے کوئی تعلق نہیں ۔ وہ تو عرب قریش تھے

نہ کہ شامی اور نہ شام سے ان کا کوئی نسبت تھا ۔ مصنف آئینہ حقیقت نما مسعودی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

> ۳۰۳ھ ملتان کے اندر بنو سامہ بن لوئی بن غالب کی حکومت ہے ۔ سامہ بن لوئی بن غالب قبیلہ قریش کا وہ شخص تھا جس نے آنحضرت ؐ کی ولادت سے پہلے بحرامان کے ساحل پر اقامت اختیار کرلی تھی اسی شخص کی نسل سے ملتان کا فرمالرواں تھا ۔''

معلوم رہے کہ سندھ میں سمہ خاندان کے بعد جب ارغون اور ترخان کے تاتاری خاندان ختم ہوا تو کلہوڑہ خاندان جو عرب نسل سے ہیں بر سر اقتدار آیا اور ان کے بعد تالپور خاندان بر سر اقتدار آیا جو نسلاً بلوچی ہے ان کا لقب میر تھا جو میران سندھ سے مشہور ہیں ۔ واضح رہے کہ قبیلہ سمہ یا جام کی طرح ایک اور افغان قبیلہ لنگاہ سندھ اور ملتان میں حکمران تھا جیسا کہ تاریخ فرشتہ میں ذکر ہے ۔

> ملتان پر رائے سہرہ جو جماعت افغانان لنگاہ کا سردار تھا ۔ حکومت بنائی اور سولہ برس حکومت کرنے کے بعد ۴۷۹ھ میں وفات پائی ۔

لنگاہ خاندان کے متعلق تاریخ '' آئینہ ملتان '' میں درج ہے کہ

> سندھ سے آ کر اچانک حملہ کر کے رائے سہرا نے قطب الدین لنگاہ کے لقب سے ملتان میں لنگاہ عملداری کی بنیاد رکھی اور چنیوٹ ، شورکوٹ کو فتح کر کے ولایت ملتان کو وسعت دی اور ۱۴۶۹ع تک کامیاب حکومت کی ، ۱۴۷۰ع میں اس کے بیٹے سلطان حسین لنگاہ (افغان) نے مملکت ملتان کی عنان اقدار سنبھالی ۔ شاہان ملتان میں سلطان حسین لنگاہ بڑا ذی علم بادشاہ تھا ۔ وہ صرف علم دوست ہی نہ تھا وہ مدبر اور علم پرور بھی تھا ۔ اس نے ترویج علم کے لئے ملتان میں جگہ جگہ مدرسے

کھلوائے ، نامور علماء کو بڑے بڑے وظائف پر درس و تدریس کے لئے مقرر کیا ۔ اس کے وقت میں ملتان میں پہلی بار یونیورسٹی قائم ہوئی جو قلعہ کہنہ پر اس جگہ موجود تھی ، جہاں انگریزوں نے اپنی فتح کا مینار بنایا ۔ ملتان کے علمی دور کی تاریخ میں سلطان حسین سر فہرست ہے ۔ اس نے ملتان پر تیس سال حکومت کی ۔ ویسے اس کے خاندان کی ملتان پر ستر سال حکومت رہی ۔ سندھ کے علاقہ میں بلوچ قبائل کو اس نے آباد کیا تھا ۔

مولانا ندوی لکھتا ہیں کہ

سلاطین ملتان میں سے حسین خان لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مربی تھا ۔ مصنفین اور ارباب فضل و کمال کا سرپرست اور مددگار تھا ۔ ہمیشہ مالی امداد اور مناسب وظائف سے ان کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا ۔ جس کے باعث اس کی حدود سلطنت میں فضلاء اور ارباب علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہوگئی تھی ۔ اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتوں میں ممتاز ہوگیا تھا ۔

ایک اور افغان قبیلہ جسے حضرت سلیمان کا تعلقدار بتاتے ہوئے مصنف تحفتہ الکرام صفحہ ۳۹ پر لکھتا ہے کہ ۔

لودھ قوم جسے لولا بھی کہا جاتا ہے تسخیر سندھ کے وقت عربوں کے ساتھ یہاں (سندھ میں) آباد ہوئی ۔

پایہ تخت دھلی (ھندوستان) پر افغانوں کی حکومت

افغانوں نے تقریباً چار صدیوں تک ہندوستان پر مسلسل حکومت

کی جن کے اسمائے گرامی کا ذکر بالترتیب یوں ہے :—

شہاب الدین محمد غوری نے پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ پر ۵۷۵ھ میں قبضہ کیا اور ۵۸۲ھ میں حسین خرسیل افغان کو سیالکوٹ کا حاکم اعلیٰ مقرر کر کے ۵۹۴ھ میں دھلی پر قابض ہوا ۔ اس وقت سیالکوٹ کو پنجاب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی ۔ دھلی پر قبضہ کرنے کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے اپنے سپہ سالار قطب الدین ایبک افغان کے ذریعہ وہاں پر سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی جہاں پر رائے پتورا کا بت خانہ تھا ۔ اور ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت قائم کی ۔ ۳۲ سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۲ شعبان ۶۰۲ھ کو وفات پائی ۔ اس کی وفات پر اس کا بھتیجا غیاث الدین محمود ، غور کا بادشاہ ہوا اور اس نے قطب الدین کو تاج و تخت کے فرمان اور دیگر چیزیں ارسال کر کے خطاب شاہی عطا فرمایا چنانچہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت شاہی پر بیٹھ کر ہندوستان کا بادشاہ ہوا اور اس طرح بجائے سیالکوٹ کے لاہور کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی اور اس رونق میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا شاہی قلعہ لاہور اور جامع مسجد کی بنیاد اسی نے رکھی تھی جس میں بعد میں مغل حکومت نے از سر نو اضافہ کیا ۔ وہ نہایت کامیاب حکومت کرنے کے بعد ۶۱۷ھ میں گھوڑے سے گر کر جان بحق ہوا اور ایبک روڈ انارکلی پر دفن کیا گیا ۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا آرام شاہ ہندوستان کا بادشاہ بنا ۔ اس کے بعد شمس الدین التمش جو قطب الدین کا داماد تھا سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس کے بعد اس کا لڑکا رکن الدین فیروز شاہ بادشاہ بنا ۔ اس کے بعد التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ تخت پر رونق افروز ہوئی اس کی قبر شاہ جہاں آباد میں ہے اس کے عہد میں ملک ایاز پنجاب کا گورنر تھا جس کی قبر اس وقت رنگ محل لاہور میں موجود ہے ۔ اس کے بعد

معزالدین بہرام شاہ بن سلطان رکن‌الدین فیروز شاہ تخت پر بیٹھا اس کے بعد علاؤالدین پسر سلطان شمس‌الدین تخت نشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بھائی ناصرالدین محمود بادشاہ ہوا اور اس کا وزیر غیاث‌الدین بلبن مقرر ہوا اور سلطان ناصرالدین محمود کے بعد بھی وزیر غیاث‌الدین بلبن بادشاہ ہندوستان ہوا ۔ پھر اس کا نواسا سلطان معزالدین کیقباد تخت پر بیٹھا ۔ اس کے بعد سلطان جلال‌الدین فیروز شاہ خلجی (غلزئی) بادشاہ ہوا پھر اس کا بھتیجا و داماد سلطان علاؤالدین خلجی سکندر ثانی بادشاہ ہوا ۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا قطب‌الدین مبارک شاہ بادشاہ ہوا ۔ اگرچہ لائق بادشاہی نہ تھا ۔ قطب‌الدین مبارک شاہ کے وقت میں اور پھر اس کے بعد حالات کافی خراب ہوگئے ۔ کافور اور خسرو شاہ نے فضا مکدر کر دی لیکن اراکین جرگہ نے ملک غیاث‌الدین خان کو تخت پر بٹھایا اس کا اصلی نام ملک غازی‌الدین تھا اور قبیلہ تغلق بن کاکڑ بن غرغشت سے تھا ۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق تخت پر بیٹھا ۔ اس کے بعد اس کا برادر زادہ سلطان فیروز شاہ باربک تخت نشین ہوا اور تقریباً ۴۰ سال حکومت کر کے فوت ہوا ۔ اس کے بعد غیاث‌الدین بن فتح خان بادشاہ ہوا ۔ اس کے بعد امرائے دربار نے ابوبکر بن ظفر خان بن فیروز شاہ کو تخت پر بیٹھایا مگر جلد ہی محمد شاہ بن فیروز شاہ نے تخت پر قبضہ کر کے بادشاہ بنا ۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ کا بیٹھا سلطان ہمایوں بادشاہ ہوا پھر اس کا بھائی سلطان ناصرالدین محمود شاہ بن محمد شاہ تخت پر بیٹھا مگر اس کی حکومت کے دوران تیمور بادشاہ نے دھلی پر حملہ کیا ۔ اور محمد شاہ شکست کھا کر گجرات چلا گیا ۔ تیمور پندرہ دن کے بعد دھلی سے واپس ہوا اور سلطنت کا نظام درہم برہم ہوگیا ۔ نصرت شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ نے دھلی پر قبضہ کر لیا اور جونپور میں ابراہیم بادشاہ ہوا ۔

چنانچہ کئی سالوں تک لڑائی ہوتی رہی آخر میں نصرت شاہ سے اقبال خان لودہی نے دھلی حاصل کر کے چند سال بادشاہی کی لیکن ہندوستان میں خلفشار قائم تھا جس کے سبب بابر کے غیر افغان جو تیمور کے ساتھی تھے اور اپنے آپ کو سید کہتے تھے دہلی پر قابض ہو گئے ۔ کچھ عرصہ بعد سلطان بہلول لودہی نے افغانوں کو متحد کر کے تخت دہلی پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ بنا ۔ اور ہندوستان میں سابقہ امن بحال کیا ۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا سکندر شاہ بادشاہ ہوا ۔ اور اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابراہیم لودہی بادشاہ بنا ۔ جس کے دور حکومت میں بدقسمتی سے افغانوں میں پھوٹ پڑ گئی ۔ وہ سازشوں کا شکار ہو گئے اور باہمی خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے جس کے نتیجہ میں بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا ۔ پانی پت کے مقام پر مقابلہ ہوا اور ابراہیم لودہی ۷ رجب ۹۳۲ ہجری بروز جمعہ صبح کے وقت شہید ہوا ۔ اور یوں ہندوستان پر افغانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا ۔ جو تین سو سالہ سال تک قائم رہی تھی ۔ کچھ عرصہ بعد افغانوں کو ہوش آیا ۔ اور متحد و متفق ہو کر شیر شاہ کو بادشاہ بنایا جس نے ہمایوں سے حکومت چھین لی اور افغانوں کی بادشاہت دوبارہ قائم کی ۔ اس نے ایک مثالی حکومت کی لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا تو اس کی وفات پر اس کے لڑکے سلیم شاہ نے حکومت سنبھالی ۔ جس نے کامیاب حکومت کی لیکن اس کی وفات پر جب اس کے لڑکے نے حکومت سنبھالی تو اختلاف کے سبب اس کی حکومت کامیاب نہ ہوئی اور افغانوں میں پھر پھوٹ پڑ گئی وہ متحد نہ رہ سکے اور مغل حکمران ہمایوں کو ۱۵ سال بعد دوبارہ حکومت سنبھالنے کا موقع ملا اور یوں افغان حکومت کا ایک بار پھر ہندوستان سے خاتمہ ہوا ۔

افغان اولیاءؒ :-

افغانوں کی ہندوستان پر حکومت کے دوران وقتاً فوقتاً کئی علماء مشائخ اور اولیاء کرام ہندوستان میں وارد ہوتے رہے اور اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے انہوں نے نمایاں کام کیا ۔ جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں دہلی کے مقام پر سب سے اولین مسجد کی بنیاد شہاب الدین محمد غوری نے رکھی تھی ۔ اسی طرح دین اسلام کی اشاعت کا کام بھی اسی افغانی دور میں ہوا اور دین اسلام ان اولیاء کرام کی تبلیغ و اشاعت کی وجہ سے پنجاب ، ہندوستان اور بنگال میں پھیلتا چلا گیا ۔ یہ حضرات تقریباً سبھی افغان تھے۔ ادارہ اخبار وطن لاہور نے اس دور کے تمام علماء ۔ مشائخ اور اولیاء کرام کے ان کارناموں کو کتابی شکل میں افغان اولیاء کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا ان کی زیادہ تر زیارتیں لاہور ملتان اور دہلی میں اور باقی ہندوستان کے کونہ کونہ نیز بنگال میں کوئی جگہ ان سے خالی نہیں ہے مثال کے طور پر دو ایک کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

شیخ فرید الدین گنج شکر کا جد اعلیٰ فرخ شاہ غوری کابل کے حاکم تھے ۔ اس کے نواسے شیخ کمال الدین بن سلیمان سلطان شہاب الدین محمد غوری کے عہد سلطنت میں کابل سے ملتان آئے اور بادشاہ نے قصبہ کھونوال جو ملتان کے قریب ہے ۔ عنایت کیا اور کمال الدین بن سلیمان نے وہاں سکونت اختیار کی اور فرید الدین یہیں پیدا ہوئے جن کا شجرہ نسب یوں ہے ۔ " فرید الدین بن کمال الدین بن سلیمان بن فرخ شا غوری " ۔ پاک پٹن پنجاب میں زیارت ہے وہ ان کی عقیدت کی وجہ سے پاک پٹن شریف مشہور ہوا ۔ وہ مزید کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ۔

مجدد الف ثانی شیخ سرہندی جن کا اصلی نام شیخ احمد تھا کابل میں پیدا ہوئے - دینی تعلیم انتہائی درجے تک حاصل کی تو ہندوستان آ کر سرہند میں سکونت پذیر ہوئے - مریدوں کا جمگھٹا رہتا تھا - اور تعلیم و تدریس کے علاوہ دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے یہیں وفات پائی اور دفن ہوئے - ان ہر دو حضرات کی زیارتوں پر زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور اظہر من الشمس، مزید کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہے -

سوئم بختیار کاکیؒ جو مذکورہ بالا شیخ فرید الدین کے پیر و مرشد تھے وہ بادشاہ التمش کے عہد میں دہلی میں مقیم رہے تمام عمر دین اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی اور دہلی میں ہی وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے - آن کے نماز جنازہ کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے انہوں نے وصیت کی تھی - کہ میرے جنازے کی نماز وہ پڑھائے جو حرام سے ہمیشہ بچا رہا ہو - جس نے فرض نماز برابر جماعت کے ساتھ پڑھی ہو اور اس سے پہلی تکبیر کبھی نہ چھوٹی ہو اور بھی ہر قسم کے برے اعمال و بد فعلی سے پاک ہو چنانچہ سلطان التمش ان شرائط پر پورے اترے اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی - اس سے افغان سلاطین دہلی کے اعمال اور دین داری کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے - اب افغانوں کے قائم مقام مغلیہ سلطنت اور ان کی کردار ملاحظہ فرماویں - ایک غیر جانب دار فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستا ولی بان اپنی کتاب تمدن ہند میں لکھتا ہے کہ :-

ہندوستان کے سلطنت مغلیہ کی ابتدا اس سے ہوئی جس وقت بابر نے لودی کے افغانی خاندان کو شکست دے کر آگرہ پر قبضہ کر لیا ، بابر آگرہ ہی میں ہندوستان اور کابل کا بادشاہ مرا - اس کے بیٹے ہمایون کو حکومت قائم کرنے کے لئے بہت سی

تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور مغلوں کی حکومت اس وقت قائم ہوئی
جب کہ اس خاندان کا تیسرا بادشاہ اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت پر
بیٹھا اور پچاس سال تک حکومت کرتا رہا ۔ اس بادشاہ نے جو
تاریخ عالم کے بادشاہوں میں ایک بہت بڑا فرمانروا گزرا ہے
ہندو اور مسلمانو کو ایک ہی نظر سے دیکھا ۔ اس نے فاتح و
مفتوح میں شادی بیاہ کو مروج کیا اور خود راجپوت راجاؤں
کی لڑکیوں سے شادی کی ۔ اسلام اور براہمنی مذہب کو ملا
دینے کی جو کوشش اس نے کی ، اس میں تو وہ کامیاب نہ ہوا
لیکن ان دونوں اقوام کی طرز تعمیر کو ترکیب دینے میں اسے
پوری کامیابی حاصل ہوئی ۔...... مغلوں کی اصلی حکومت تمام
ملک پر دو ہی سو سال تک رہی اور اس زمانہ میں بھی دکن
میں کئی اسلامی حکومتیں علیحدہ قائم رہیں ۔ ...... مغلیہ حرم
...... سلاطین مغلیہ کے دربار میں عورتوں کا بہت بڑا درجہ تھا
ان بادشاہوں نے راجپوت شہزادیوں کے ساتھ شادیاں کر کے
اس امر کی کوشش کی کہ دونوں اقوام آپس میں گھل مل
جائیں اور انہوں نے نہ خود یہ طریقہ اختیار کیا بلکہ اپنے
ارکان دولت کو بھی اس کی ترغیب دی ۔ بادشاہی محل سراؤں
میں عورتوں کی تعداد غیر محدود تھی کیونکہ یہ سلاطین اس
خاص مسئلہ میں اور نیز بہت سے اور مسائل میں بھی شرع
محمدی کے پابند نہ تھے ۔ مثال کے طور پر شاہ جہان کے حرم
میں دو ہزار بیبیاں تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس
تعداد کو وہ کافی نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ اپنے امرا کی
بیبیوں میں خوبصورت عورتوں کو جویا (متلاشی) رہتے تھے۔"
اورنگ زیب کے بعد مغلیہ خاندان کے زوال کے وقت جب

احمد شاہ ابدالی افغانستان میں بر سر اقتدار ہوا تو وہ آ کر ان کو مرہٹوں کے جبر و ستم سے خلاصی دے کر پھر ان کو دوبارہ تخت دلی پر بٹھائے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۔

احمد شاہ ابدالی

احمد خان جو بعد میں احمد شاہ ابدالی سے مشہور ہوگئے ، وہ زمان خان صدوزئی ، ابدالی ، ترین ، سڑابنی ، حاکم ہرات کا بیٹا تھا ۔ زمان خان کے وفات پر اس کی چھوٹی بیوی جو حاملہ تھی ، اپنے بھائی جلال خان کے پاس ملتان آ گئی ۔ یہاں اس کی بطن سے ۱۷۲۲ء میں احمد شاہ ابدالی پیدا ہوا جو سات سال تک ملتان میں رہا اور بمقام قندھار ۱۷۴۷ء میں بادشاہ منتخب ہوا اور ۱۷۷۳ میں بقضائے الٰہی بمقام قندھار وفات پا کر وہیں دفن ہوا غفر اللہ لہ احمد شاہ ابدالی ایک بڑا عالم ، فاضل ، ادیب اور اچھا شاعر بھی تھا ۔ ان کا یہ شعر جو پشتو زبان میں ہے اس کے دیوان سے یہاں درج کرتا ہوں ۔

دَ ډهلی تخت هسه هیر کړم چه را یاد کړم
زما دَ ښکلی پښتون خوا دَ غرو سرونه

بسم اللہ و الحمد للہ

باب سوم

تاریخ کی ضرورت اور اہمیت پر ایک سرسری نظر:

تاریخ انسانوں کے آپس میں مل جل کر رہنے اور ایک مہذب معاشرہ تعمیر کرنے کی داستان کا نام ہے۔

تاریخ ماضی کی جستجو اور مطالعے کا نام ہے۔ تاریخ سے مطلب ماضی کے تمام انسانوں کے رہن سہن۔ ان کے مشاغل۔ اعتقادات اور رسم و رواج اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب وغیرہ سے سبق لیا جاتا ہے تاریخ ایک فرد واحد سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ پورے معاشرہ کی زندگی کی داستان دہراتی ہے۔ اگر وہ کسی فرد واحد کے کارنامے بیان کرتی ہے تو صرف اس لئے کہ وہ شخص معاشرہ ہی کا ایک فرد ہے

قبیلہ یوسفزئی نے چند نامور افراد و محسنین قوم پیدا کئے۔ جن کے تدبر۔ محنت اور بہادری کے سبب یہ قبیلہ مع اپنے متعلقین کے یہاں آباد ہوئے۔ ان کو ہر مصیبت سے بچایا۔ اپنے مفتوحہ علاقہ

کو محفوظ اور آن کی آزادی بر قرار رکھی - لہذا چاہیئے کہ ہم اپنے ان محسنین اور پیشروبان کو فراموش نہ کریں ورنہ جو قوم محسن کش ہو جائے تو اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں اور چاہے بھی تو مشیت الٰہی اسے زندہ نہیں رہنے دیتی -

تاریخ مرتب کرنا مؤرخ کا مخصوص کام ہو سکتا ہے لیکن تاریخ کے قالب میں جان ڈالنا اکیلے مؤرخ کے بس کی بات نہیں افغان قوم کو اپنی تاریخ سے لگاؤ نہ ہو تو وہ بے جان رہے گی اور انہیں اس سے لگاؤ ہو تو وہ ویران کھنڈروں کو پھر سے آباد کر دیں گے - اور تاریخ کی کتابوں میں رس پیدا ہو جائے گا - چاہے مؤرخ کی زبان خشک اور تخیل کمزور ہو -

•

تاریخ لکھنے سے زیادہ بڑا کام تاریخ کو بنانا ہے جو کوئی ایک شخص نہیں کرسکتا - صرف جماعت کر سکتی ہے - مؤرخ دراصل تاریخ کو اپنی جماعت کی آنکھ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے جماعت کے ولولے ہی اس کی ہر قوت کو ابھارتے اور اس کے ہر جوہر کو چمکاتے ہیں - افغان قوم کی یہ داستان اس امید پر لکھی گئی ہے کہ اس کے پڑھنے والے اس کو اپنی تاریخ سمجھیں گے - اس میں جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کو اپنی زندگی کے حالات جان کر ان پر غور کریں گے - اس میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اسے جانچیں گے - کچھ قبول کریں گے - کچھ رد کریں گے اور اسی طرح وہ ایک عملی تاریخ مرتب کریں گے جو کسی کتاب میں بند نہیں ہوتی - زندگی کی طرح پھیلی ہوئی اور آزاد ہوتی ہے جس کی تصویر ہزار رنگوں کے ملنے سے بنتی ہے - اور جس کی داستان ہزار کیفیتوں کا ایک مجموعی نام ہے -

انسانوں کو حیوانات پر جو امتیاز اور ترجیح حاصل ہے اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہے - یہ حقیقت رات دن ہمارے مشاہدے میں آتی ہے کہ حیوان کو انسان پر جسمانی طاقت ، قوت برداشت اور دیگر کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اس کے باوجود انسان کو جو تمام اور ہمہ قسم کے حیوانات پر افضلیت حاصل ہوتی ہے وہ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان کی نظر اپنے گزرے ہوئے حالات اور سابقہ واقعات کی تاریخ پر ہوتی ہے اور وہ اس کے تجزیہ اور علم سے کام لے کر اپنے مستقبل کو بنانے اور سنوارنے کی فکر کرتا ہے جب کہ حیوانات کو نہ اپنے گزرے ہوئے حالات اور واقعات کی خبر ہوتی ہے نہ آنے والے دن کی فکر انہیں پریشان کرتی ہے اور نہ مستقبل کی تعمیر کا مسئلہ ان کے سامنے ہوتا ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسان کو حیوان پر فضلیت اور امتیاز حاصل ہو جاتا ہے -

روشن خان

خان کجو کے بعد کے حالات:

نـہ شاہی نـہ قیصـری د چا مـدام وی
نـہ کچکـول د گـدائی نہ شاہی جام وی
د آسمـان د گـردشنو انقـلاب دے
کلہ روز شی کلہ شپـہ کلہ مـاخـام وی

جیسا کہ ابتدایہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ باب سوم کا تعلق یوسفزئی کے تواریخ حافظ رحمت خانی سے بعد کے دور سے ہے ۔ اور مذکورہ تواریخ خان کجو کے دور پر اختتام پذیر ہوا ہے ۔ چنانچہ پوری سعی و کوشش سے خان کجو سے بعد اس قبیلہ کے حرکات و سکنات پر مختصر سی روشنی ڈالی جائے گی تاکہ پڑھنے والے حضرات خصوصاً یوسفزئی اپنے آبا و اجداد کے حالات سے کماحقہ روشناس ہو سکیں ۔

خان کجو سے پہلے سربراہ ملک احمد اور ان کے دست راست اور شریک کار شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے متعلق آپ تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں ۔ تاہم یہ امر قابل فراموش نہیں ۔ کہ یہ تقسیم یا بندوبست جو ایک اہم اور مشکل ترین فریضہ تھا ۔ شیخ ملی نے اس خوبی سے سر انجام دیا ۔ کہ وہ افغان جو بات بات سے آپس میں الجھ جانے کے عادی تھے ان کے فیصلہ کو بخوشی قبول کرنے لگے ۔ انہوں نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ ایک علاقہ کسی ذیلی شاخ کے قبضہ میں مقررہ میعاد تک رہتا تھا ۔ اور اس میعاد کے ختم ہونے پر قرعہ اندازی کے ذریعے وہ علاقہ کسی دوسرے ذیلی شاخ کے قبضہ میں آ جاتا تھا ۔ اس طرح قبضے بدلتے رہتے تھے ۔ اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مخصوص علاقے پر اطمنان سے

زندگی بسر کرتا تھا ۔ بنیادی طور پر یہ سب علاقہ قوم کا مشترکہ اثاثہ ہوا کرتا تھا ۔ اس کی وجہ وہ سیاسی تدبر تھا ۔ جس سے تمام قوم میں اتحاد برقرار رہتا تھا اور تمام علاقوں کا مفاد قوم کی ہر شاخ کے لئے یکساں ہوتا تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا ۔کہ باہر سے حملہ آوروں کا آئے دن خطرہ رہتا تھا ۔ اور اس خطرے کے پیش نظر ایسی تقسیم لازمی تھی ۔ اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہوتا تو تمام قوم بیک آواز مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہوتی ۔ علاوہ ازیں جہاں انہیں یہ خیال ہوا ۔کہ دو قبیلوں میں حد اراضی وجہ نزاع بن سکتی تھی ۔ وہیں درمیان میں مثلاً ۔ سید اور میاں کے نام زمین بطور بخشیش جسے وہ سیری کہتے تھے وقف کر دی تاکہ ان کے احترام سے طرفین آپس میں الجھ نہ سکیں ۔ اور دوسری جانب ان کا ذریعہ معاش بھی ہو اور یہ طریقہ تقسیم نہایت کامیاب رہا یہ طریقہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اختتام پذیر ہوا ۔

خان گجو نے تقریباً ۱۵۵۵ء میں وفات پائی تو یوسفزیوں نے متفقہ طور پر علی اصغرالمعروف ملک مصری خان ۔ غازی خان ملک کالوخان اور بہاکوخان کو یکے بعد دیگرے اپنا سربراہ منتخب کیا ۔ جن کے حالات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں :-

ملک مصری خان ، غازی خان ، کالو خان ، بہاکو خان

علی اصغرالمعروف ملک مصری خان بن محمد بابا بن جلال خان سالار زئی الیاس زئی پہلے سربراہ بنے ۔ جسے اپنے دور میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہوئی ۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں شیرشاہ افغان کے ہاتھ کا رکھا ہوا بنیاد آخری سانسوں میں تھا ۔ اور ہمایوں دوبارہ تخت ہندوستان حاصل کر رہا تھا ۔ یوسفزیوں کی تاریخ میں اس دور کو

امن و چین کا دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے ۔ ملک مصری خان کو ایک بار پھر اپنی قوم کو نہایت ہمت جرأت اور قابلیت سے منظم کرنے کا موقع ہاتھ آیا ۔ ملکی ترقی کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ ہوئی ۔ اور بلا کسی ہیل و حجت کے یوسفزئی اپنے علاقہ سے نکل کر دریائے سندھ پار چھچھ اور ہزارہ میں آباد ہونے لگے ۔ وسعت علاقہ کے ساتھ ساتھ اسے قبیلہ کے فلاح و بہبود کے اقدامات کا بھی خیال پیدا ہوا ۔ اور قلت آب کے پیش نظر انہوں نے جگہ جگہ زخیرہ ہائے آب کا انتظام کیا ۔ پانی کے تالاب تعمیر کرائے ۔ یوسفزیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جسے وہ اپنی اصطلاح میں تپلہ کہتے تھے اور جو اب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے ۔ جسے تپہ بائی زئی تپہ رانی زئی - تپہ سالار زئی تپہ رزڑ اور تپہ امان زئی وغیرہ ۔ علاقہ یوسفزئی کی سرحد اس وقت دریائے کابل تک تھی ۔ دوسری جانب غوریا خیل آباد تھے اپنی اس سرحد کے تحفظ کے لئے انہوں نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں راستوں سڑکوں کا منظم نظام بھی علاقہ یوسفزئی میں اسی دور میں ہوا ۔

علی اصغر المعروف ملک مصری خان کے معتمدین اور مشیروں میں ملک ہندال بن علی خان شمو زئی خواجہ زئی ملک متہ خان بن شرف اباخیل اکو زئی ملا ابراہیم بن کنبو الیاس زئی سالار زئی ملک ترکہال بن شمک عمر خیل منڈڑ اور ملک ہاما بن جوکا دولت زئی ملی زئی بیان کئے جاتے ہیں ۔

اخوند درویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

" بعدہ علی اصغر را این مردم یوسف زئی بر خود بادشاہ گرفتہ ۔ القصہ درمیان سرداران این اولس ہیچ کدام چنداں فتح و ظفر برابری علی اصغر نیافتہ ۔"

ہمایوں کی وفات پر عنان سلطنت شہزادہ اکبر کے ہاتھ لگی ۔ اور اس نے جلال الدین اکبر کے نام سے ہندوستان پر حکومت شروع کی ۔ اسے بہترین ساتھی اور کارکن مل گئے ۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی اس کے تعلقات صرف خوش گوار ہی نہیں بلکہ ان میں داد ہاں کرنے کی وجہ سے بہت ہی قریبی اور گہرے تھے ۔ جس کی وجہ سے اس کا ہر قدم ترقی کی جانب اٹھتا رہا ۔ بابر ۔ کامران اور ہمایوں کوئی ایک بھی یوسفزیوں پر اپنا اقتدار قائم نہ کرسکا تھا ۔ اس لئے ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے تھے ۔ اور انہوں نے شاہراہ ھند و کابل پر دست درازیاں شروع کیں ۔ اکبر گزشتہ دور کے حالات سے واقف تھا ۔ اور اس کی حکومت بھی مضبوط ہو چکی تھی ۔ اسی دوران افغانوں میں ایک جدید تحریک روشنائی نے جنم لیا ۔ جس نے تمام افغان قبائل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ پہلے پہل اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقامی علماء سے کام لیا گیا ۔ مذہب کے نام پر اس کی مخالفت ہوئی ۔ لیکن تحریک کو سخت دھکا لگنے کے باوجود اس کے پیدا کردہ جذبہ کو جو مغلوں کے خلاف تھا نہ مٹایا جا سکا ۔ تو مغل لشکر نے یلغاریں شروع کر دیں ۔ یوسفزیوں میں اختلافات پیدا کر دیے گئے ۔ مندڑ قبائل کی اکثریت نے تحریک روشنائی کی حمایت کی جب کہ بہت سے قبائل یوسف مخالفوں کی طرفداری میں نبرد آزما دکھائی دینے لگے ۔ اس طرح یوسفزئی قبائل آپس میں گتھم گتھا ہو گئے ۔ اس وقت ملک مصری خان وفات پا چکا تھا ۔*

دمغلو چھاؤ خد دے نہ یہ کور کښې مدام جنګ
خپے اپلے سړے خددے لہٖ یہ خپو کښې پیزار تنګ

* چونکہ تحریک روشنائی پر مفصل و مدلل بحث ''یوسفزئی افغان'' میں کی جا چکی ہے اس لئے طوالت کی خاطر میں نے اس پر مزید کچھ لکھنا ضروری نہیں سمجھا ۔

یوسفزیوں میں ایسے مخلص اور باہمت افراد کی کمی نہیں تھی۔ جو اس باہمی جنگ و جدل کے باعث اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے تھے لیکن طرفین کی ہمہ گیر تحریکات کے سامنے بے بس تھے ان کیلئے سوائے اس کے کہ خاموشی سے موقع و محل کا انتظار کریں اور کوئی چارہ کار نہ تھا ۔ انہی افراد میں ملک کالو خان ولد علی خان (رستم) ولد مبارک جو یوسفزئی کے قبیلے رزڑ کی ذیلی شاخ مانی زئی سے تعلق رکھتا تھا کا نام قابل ذکر ہے ۔

جنگ باڑہ میں جب تحریک روشنائی کی طاقت ٹوٹ گئی اور اس کے اس وقت کے قائدین بشمول ملا میرو میدان جنگ میں کام آگئے اور مغل لشکر نے تمام علاقے کو خراب و برباد کیا تو ملک کالو خان نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسفزیوں کو دوبارہ منظم کرنے کی کوشش شروع کی چنانچہ جنگ مینی کے بعد یوسفزیوں کو منتشر اور برباد ہوتے دیکھ کر اس نے اپنے رفقاء سے مشورہ کیا اور بشمول ایوب بابو - میرویس ایک جرگہ مرتب ہوا ۔ جس نے علاقہ یوسفزئی کا دورہ شروع کیا ۔ اراکین جرگہ اور ملک کالو خان کی حیثیت چونکہ غیر جانبدارانہ تھی اس لئے قبائل منڈڑ اور یوسف دونوں نے اس کی گفتگو کو بغور سنا ۔ اور اپنی خداداد ذہنیت کی بدولت جلد ہی اس نے عوام کو اپنا گرویدہ بنا لیا دریں اثناء اکبراعظم اپنے بھائی مرزاعبدالحکیم جو کابل کا حکمران تھا سے کشمکش کے دوران یوسفزیوں کے اراکین جرگہ سے اس سردار ملک کالو خان کو نوشہرہ تھانہ سے اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا اور اس کی کافی عزت و خاطر تواضع کی مگر وہ مطمئن نہ ہو سکا اور بھاگ نکلا ۔ راستہ میں الک کے مقام پر پہچان کر اکبر کے ایک کاردار شمس الدین خانی نے گرفتار کر کے واپس آگرہ بھیج دیا اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر بھی اسے عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا

لیکن وہ پھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو کر اپنے قبیلے میں جا پہنچا ۔
ملک کالو خان کی عدم موجوگی میں یوسفزئی قبائل نے متفقہ طور پر اپنا سربراہ غازی خان بن اللہداد ملی‌زئی نوری‌زئی کو منتخب کیا جو نہایت مدبر اور بہادر جنگجو تھا ۔ قسمت نے ساتھ نہ دیا اور جلد ہی اس نے اکبری فوج کے ساتھ معرکہ باجوڑ میں جام شہادت نوش کیا اخولدرویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں یوں رقم‌طراز ہے :-

> ایں مردم (یوسفزئی) غازی خانے ملی‌زئی را برخود بادشاہ گرفتند اساں عقیدہ پیرتاریک را برخود دور نکر دند ۔ تااو شربت شہادت چشیدہ و از سرداران این آولس ہیچ کدام از غازی خان در دیانت و صلاح و دین داری بہتر معلوم نہ شدہ ۔ چہ عالم ۔ عابد و عادل بودہ در امور دین و دنیا ۔ بعد ازاں چوں طبیعت پیر تاریکی اختیار کرد ہمگی آولس بقید زبن خان افتادہ ۔

غازی خان کی سر براہی کے دوران ملک کالو خان دوبارہ آگرہ سے واپس اپنے قبیلے میں پہنچ چکا تھا ۔ اور وہ بھی جنگ باجوڑ وغیرہ میں غازی خان کے ہمراہ شریک تھا ۔ چونکہ اکبر کے اسے آگرہ لے جانے سے قبل ہی وہ اپنی قوم کو اعتماد میں لے چکا تھا ۔ اور قوم کو یکجا کرنے میں اس نے کافی تگ و دو اور محنت کی تھی ۔ اس لئے غازی خان کی وفات پر قوم نے متفقہ طور پر جنگ کے دوران ہی ایک عام اجتماع میں اس کی دستار بندی کی ۔ اور جب اسے قوم کی قیادت ملی ۔ تو مغلوں کی مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگا ۔ اس نے مغلوں کے خلاف قوم کے جذبات کو ابھارا تو وہ جنگ ہوئی جس میں خود مغلوں کے قول کے مطابق ہزاروں لشکری مارے گئے اور اکبر کے معتبر وزیر راجہ بیربل کی لاش تک کا پتہ نہ چلا ۔
بیربل کے ساتھ خواجہ عرب بخشی ۔ ملا شیری اور کئی دیگر

قابل ذکر درباری بھی اس جنگ میں کام آئے ۔ یہ جنگ ۹۹۴ھ میں لڑی گئی لشکر کی اہمیت اور محاذ جنگ کی طوالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس میں دربار مغلیہ کے مشہور ترین افراد شامل تھے ۔ ایک حصہ چکدرہ سے دوسرا علاقہ بدوم سے اور تیسرا صوابی اور سلیم خان سے اقدام کر رہا تھا ۔ مغل لشکر کی کمان زین خان کر رہا تھا جو کابل سے باجوڑ کی جانب سے حملہ آور ہوا تھا ۔ ابتدا میں اس نے اڑی ہمت دکھائی ۔ لیکن یوسفزئی اس بے جگری سے لڑے کہ زین خان نے شاہ سے جس کا شاہی کیمپ اٹک کے مقام پر تھا مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی ۔ شاہ نے بیربل اور حکیم ابو الفتح کی قیادت میں تازہ دم لشکر روانہ کیا یوسفزیوں نے اس شدت سے تمام محاذوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ شاہی لشکر سراسیمگی کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا ۔ یوسفزیوں نے تعاقب کیا ۔ بیربل پہاڑوں میں جا گھسا وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ شاہی لشکر کو تہس نہس کر ڈالا ۔ اور بقول مؤرخ ملا بدایونی (جو اکبر کا کاتب تھا) شاہی لشکر کے آٹھ ہزار یا اس سے زیادہ افراد قتل ہوئے جن میں بیربل بھی شامل تھا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے ۔ کہ مغل فوج کی تعداد جو اس جنگ میں کام آئے باون ہزار تھی ۔

اس جنگ کا حال مغل اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں چنانچہ مآثرالامرا' جلد دوئم میں تحریر ہے کہ

> تئیسویں سال جلوس اکبری ۹۹۴ھ میں زین خان کوکہ یوسفزئی قبیلے کی تنبیہہ کے لئے مقرر ہوا ۔ جو باجوڑ اور سوات کے علاقے میں آباد ہے بادشاہ نے راجہ بیربل کو بھی مع لشکر کے بھیج دیا اس کی امداد کے لئے حکیم ابوالفتح کو بھی ایک فوج کے ساتھ روانہ کر دیا ۔ افغانوں نے حملہ کر کے سرکاری فوج کو

تباہ و برباد کیا ۔

آگے یوسفزیوں کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ :

جس سال کہ اکبر بادشاہ مرزا حکیم کی تنبیہہ کے لئے اس نواح میں پہنچا ۔ تو پہلے ہی اس قبیلے یوسفزئی کے بڑے سردار بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوگئے ۔ ان میں سے کالو پر بادشاہ کی نظر عنایت ہوئی ۔ لیکن وہ دارالخلافہ آگرہ سے فرار ہو گیا ۔ خواجہ شمس الدین خوافی نے اٹک کے نواح میں اس کو گرفتار کر لیا ۔ اور بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا ۔ سزا ملنے کی بجائے اس پر نوازش ہوئی ۔ لیکن وہ فرار ہوکر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا ۔ اور سرکشی شر انگریزی میں دوسرے زمینداروں (سرداروں) کا راہنما ہوگیا ۔ زین خان کوکہ مغل پہلے ولایت باجوڑ میں پہنچا ۔ کہ جس کے جنوب پشاور اور مغرب میں کابل کے پرگنات ہیں اس قبیلے یوسفزئی کے تیس ہزار گھر وہاں آباد ہیں۔ اس نے ان کے بہت سے آدمیوں کو سزائیں دیں ۔ غازی خان اور مرزا علی اور اس قوم کے دوسرے سردار پناہ طلبی کے بعد زین خان کوکہ مغل سے ملے ۔ سخت لڑائیوں کے بعد دشمن بھاگ کھڑا ہوا ۔ اور اس نے چکدرہ میں کہ جو اس ولایت کے درمیان واقع ہے ایک قلعہ بنوایا ۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوا ۔ اس نے تئیس مرتبہ فتح پائی ۔ سات سنگر توڑے قراقر کی پہاڑی اور ولایت بنیر کے علاوہ تمام علاقے پر قبضہ کر لیا ۔ چونکہ پہاڑوں میں پھرنے سے فوج پریشان ہوگئی تھی ۔ اس لئے زین خان کوکہ نے مدد کی درخواست کی ۔ اکبر بادشاہ نے راجہ بیربل اور حکیم ابوالفتح کو ایک دوسرے کے پیچھے تعینات کیا ۔ مشورہ کے وقت کوکہ نے کہا کہ سرکشوں کی

تنبیہ کے لیے تازہ دم لشکر روانہ کیا جائے۔ میں ولایت کے درمیانی علاقے کی نگرانی کرتا ہوں۔ یا تم چکدرہ میں رہنا اختیار کرو اور میں پہاڑوں میں رہنے والوں کو سزا دیتا ہوں۔ راجہ بیربل اور حکیم ابوالفتح نے جواب دیا کہ ملک کو لوٹنے کا حکم ہے حفاظت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ سب متفق ہو کر ان کو سزا دیں۔ اور پھر بادشاہ کے حضور میں چلیں۔ مختصر یہ کہ کوکہ چکدرہ میں رہ گیا۔ اور راجہ بیربل اور حکیم دونوں قراقر کے اسی راستے سے جو نشیب و فراز سے پُر تھا۔ چلے گئے۔ اور کوکہ بھی بادل ناخواستہ چکدرہ سے روانہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہوا۔ اس کے بعد ہر تنگ درے میں جنگ ہوئی اور مغل لشکر کا سامان لوٹ لیا جاتا تھا۔ جب وہ ملندری کی پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ تو زین خان کوکہ فوج کے آخری حصے کا سردار ہو گیا۔ افغان دباتے ہوئے چلے آ رہے تھے مجبوراً جنگ کرنی پڑتی تھی۔ افغانوں نے ہر طرف سے تیر اور پتھر برسا کر مقابلہ کیا۔ مغل فوج پریشان ہو کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے اتر آئے اس افراتفری میں ہاتھی گھوڑے ایک دوسرے سے مل گئے اور گر پڑے۔ اور بہت سے لوگ ضائع ہو گئے۔ کوکہ نے چاہا کہ وہ جان نثاری کرے۔ جانش بہادر نے اس کے قریب پہنچ کر اس کو واپس کر لیا کچھ دور راستہ بھول کر پیدل چلا۔ اور پھر منزل پر پہنچا۔ جب یہ شہرت سنی کہ افغان پیچھے سے آ رہے ہیں تو بہت پریشان ہو کر بیوقت چل پڑا۔ سرکاری فوج اندھیرے کی وجہ سے راستہ چھوڑ کر دروں میں گر پڑے۔ اگرچہ افغان مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ دوسرے روز وہ لوگ جو راستہ بھول

گئے تھے ۔ ہلاک اور ختم کر دئے گئے ۔ راجہ بیربل بہت سے
آدمیوں کے ساتھ جن میں سے پانچ سو آدمی بادشاہ کے روشناس
تھے اس بے راہ روی میں مارا گیا ۔

اس بارے میں ایک اور مؤرخ اپنی تصنیف مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں ۔

مصاحب دانشور راجہ بیربل دراپا میکہ محمد اکبر بادشاہ در
(صوبہ) کابل بود ۔ بیربل راازاں جا ہمراہ زین خان کوکہ کہ
بجانب سواد باجوڑ کہ بنگاہ یوسفزئی است فرستادہ بود و مدتے
باایشاں جنگ و جدل داشت تا آنکہ سنہ نہ صد و نود و
چہار ہجری (۹۹۴ھ) باہسیاری از مردمان کار آمد ۔ ازیں سانحہ
تا بدو روز بادشاہ ہیچ طعام نخوردند و ملا شیری نیز ہمدریں
معرکہ مقتول شد ۔

کہتے ہیں کہ اکبر بیربل کی موت سے اس قدر رنجیدہ ہوا ۔ کہ دو دن
تک زین خان اور حکیم ابوالفتح کو باریاب تک نہ کیا ۔ یہ حالات
بونیر محاذ کے تھے اب محاذ خدو خیل پر ایک نظر ڈالتے ہیں ۔ علاقہ
خدوخیل جہاں ایک دوسرے کے قریب تین پہاڑی درے ہیں ۔ پنجتار
سے دو میل کے فاصلہ پر کالو خان کے نام کی نسبت سے کالودرہ ہے ۔
جہاں یوسفزیوں نے اپنا کیمپ نصب کیا اس کے مقابل نوگرام کے
کے قریب مغلوں نے اپنا لشکر جمع کیا ۔ جو اُن کے نام کی نسبت سے
مغل درہ پکارا جانے لگا ۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا درہ ہے ۔
جہاں مغلوں اور یوسفزیوں میں جنگ ہوئی وہ جنگدرہ پکارا گیا ، یہاں
پر یوسفزیوں نے وہ جوہر دکھائے کہ مغل لشکر کے لئے راہ فرار ہی
باقی نہ رہی ۔ اور وہ ارد گرد کے علاقہ میں بھاگ کر نوگرام اور
نارنجی وغیرہ کی پہاڑیوں میں جا برباد ہوگئے ۔ اس بربادی کی تاریخ
۲۶ فروری ۱۵۸۶ء بیان کی جاتی ہے ۔ شاہی کیمپ اٹک سے مزید

لشکر راجہ لوڈر مل اور راجہ مان سنگھ کی قیادت میں روانہ کیا گیا ۔ اور ہدایت یہ تھی ۔ کہ یوسفزیوں کے اقدام کو روکا جائے ۔ لیکن جب ان کی پوزیشن جنگی نقطہ نظر سے محفوظ نظر آئی تو مان سنگھ کو کابل جانے کی ہدایت ہوئی تا کہ وہ وہاں افغانوں اور روشنائیوں کا قتل عام کرے ۔ اور وقت ضرورت اکبر کے لئے امداد و اعانت کا بندوبست بھی بھی کرے ۔ دوسرا اقدام اکبر نے یہ کیا کہ یوسفزیوں کا داخلہ زیرین علاقہ میں بند کر دیا ۔ اس کا خیال تھا کہ ضروریات زندگی سے تنگ آ کر یوسفزئی اطاعت قبول کر لیں گے ۔ لیکن اس کا نتیجہ اس کے خیال کے برعکس نکلا ۔ یوسفزئی اپنی ضروریات زندگی بزور بازو حاصل کرنے لگے ۔ اُن کی ناکہ بندی کو مؤثر بنانے کے لئے اکبر نے موضع ہنڈ میں فوجی چوکی قائم کی ۔ مذکورہ ہنگامہ آرائی کے بعد بھی ۱۵۸۷ع سے ۱۵۹۲ع کے دوران یوسفزیوں کے خلاف مسلسل لشکر کشی جاری رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا ۔

اکبر اعظم کی وفات پر عنان حکومت شہزادہ سلیم نے محمد نورالدین جہانگیر کے نام سے اپنے ہاتھ میں لی ۔ اور ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ع تک حکمران رہا اس کی حکومت کے دوران حالات جوں کے توں رہے ۔ اس کے ابتدائی دور میں ملک کالو خان نے وفات پائی تو یوسفزیوں کا اقتدار بھاکو خان کے ہاتھ آیا ۔

جہانگیر کی وفات پر اس کے لڑکے شاہجہان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی اس کے عہد میں مقابلتاً امن رہا ۔ اور یوسفزیوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش و سعی ہوئی ۔ حکومت نے یوسفزئی کے ذیلی قبیلہ خدو خیل کے مشہور بہادر سردار بھا کو خان کو یوسفزئی کے علاقہ کی دھڑت وصول کرنے کا اختیار تسلیم کرلیا تھا۔ مقامی روایات ان تعلقات کو یہاں تک خوش گوار ظاہر کرتی ہیں کہ

ایک موقع پر بمقام گڑھی امان زئی (باہو ڈھری) یوسفزیوں نے شاہ جہان کی دستار بندی کرتے ہوئے اسے اعزازی طور پر اپنی اپنے قبیلہ میں شامل کر لیا تھا کہا جاتا ہے کہ بہاکو خان نے جب حکومت کے اعزاز کو قبول کیا ۔ تو شاہ جہان نے فرمان تقرر کے ساتھ ایک اعلیٰ قسم گھوڑا جس کے زین پر سونے کی گلکاری کی گئی تھی ۔ بطور تحفہ ارسال کیا تھا ۔ ان حالات کے پیش نظر خیال کیا جاتا ہے کہ عہد شاہ جہان میں بڑی حد تک مغلوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے ۔

بہاکو خان نے اپنی زندگی کی ابتدا عہد جہانگیر میں کی تھی ۔ اس کے عہد شباب میں علاقہ ڈوما (جو اس وقت حسن زئی اکازئی مداخیل مخو زئی اور چغرزئی اور پورن کا موجودہ پہاڑی علاقہ ہے) پر تاتاری‌النسل قوم ڈوما حکمران تھی ۔ جو اس قدر طاقتور تھی ۔ کہ جب یوسفزئی مردان سوات اور اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے ۔ بہاکو خان نے اخوند سالاک کے اشتراک سے حکومت ڈوما کے خلاف لشکرکشی کی ۔ اور بالاخر وہ علاقہ ان سے خالی کرا لیا ۔ اخوند سالاک ایک بزرگ تھا ۔ جس نے مذہب کے نام پر اپنے معتقدین کی ایک جمعیت پیدا کر لی تھی ۔ اور جذبہ جہاد سے سرشار قبائل جوق درجوق اس کی جمعیت میں شامل ہونا شروع ہوئے حتیٰ کہ ایک پورا لشکر دکھائی دینے لگا ۔ تاریخ مرصع کے مطابق اخوند سالاک اصل میں طوغہ کے تھے ۔ طوغہ افغان اصل میں ترین ہیں ۔ ان کے والد ماجد علاقہ خٹک میں مقیم تھے ۔ اور وہیں ان کی زیارت ہے ۔ اخوند سالاک اکثر ان کی زیارت کے لئے جاتے تھے ۔ حادثات کے سبب اخوند سالاک علاقہ یوسفزئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد کرتے تھے ۔ سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا ۔

شب و روز یہی شغل رہتا تھا ۔ بہت سے ملک اور قلعے ان کی برکت سے کفار سے خالی ہو گئے ۔ تاریخ مرصع نے آگے چل کر لکھا ہے کہ :

شاہ جہان نے اخوند سالاک کے نام ایک پیغام بھیجا ۔ جس میں یہ آیت تحریر تھی ۔

اطیعو اللہ و اطیعوالرسول و اولو الامر منکم

مطلب یہ تھا ۔ کہ یہ لوگ باغی ہیں ۔ اس میں آپ قیام نہ کریں بلکہ شاہی علاقہ میں آ کر بسیں ۔ غرض یہ تھی ۔ کہ وہ علاقہ یوسفزیوں کا تھا ۔ اور یوسفزئی چونکہ بہادر قوم ہے ۔ کہیں انہیں اپنا بادشاہ نہ بنا لیں ۔ اخوند سالاک نے جواب میں لکھا ۔ کہ یہ لوگ اگرچہ آپ سے باغی ہیں مگر خدا سے باغی نہیں ہیں ۔ میں اور یہ روز و شب کفار کے مقابلہ اور غـزا میں مصروف رہتے ہیں ۔ آپ بادشاہ ہیں ۔ اگر امداد دے سکو تو فبہا ورنہ مجھے کیوں دور لے جاتے ہیں ۔

الغرض بہاکو خان نے علاقہ ڈوما حاصل کرنے کے بعد یوسفزیوں میں اپنے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق تقسیم کر لیا ۔ اس کے بعد اس نے عہد شاہ جہان میں دربار دہلی کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔ بدیں وجہ خوشحال خان خٹک سے جو اس وقت دربار مغلیہ سے منسلک تھا ۔ کشمکش میں اضافہ ہوا ۔

بہاکو خان کے شاہ جہان کے لڑکے دارا شکوہ سے قریبی تعلقات تھے خوشحال خان سمجھ گیا کہ اگر بہاکو خان کو دربار میں قربت حاصل ہوئی ۔ تو ہو سکتا ہے کہ یوسفزیوں کے جس علاقہ پر وہ اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے اس میں کمی آجائے چنانچہ اس نے شاہ جہان کو یوسفزیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا ۔ اسی دوران جب حبیب خان جو بہاکو خان کا رفیق کار تھا ، نے شورش پیدا کی تو خوشحال خان نے

زبدة الاشباه والاعیان قدوة الامثال والاقران بهاکو یوسف زئی بعنایت
شاهی مفتخر و مباهی بوده. بدانند که عرضداشتی که به دیوان جناب عالمیان مآب
ارسال داشته بود از نظر کیمیا اثر گذشت و مضمون آن بعرض والا رسید آنچه در
باب خرچی التماس نموده بود حکم میشود که زر بسیار است تا در توقف اینجا
رسیدن زرها و متعذر است باید که خاطر بهمه ابواب جمع داشته جمعیت
شائسته با خود گرفته روانه حضور پرنور شود که بعد از دریافت سعادت
ملازمت کیمیا خاصیت هر قدر که خواهد خواسته باو مرحمت خواهیم فرمود.
زود خود را با جمعیت شائسته بحضور برساند از روئے عنایت خلعت
فاخره باو مرحمت فرموده ایم بوصول آن مفتخر و مباهی خواهد شد
تحریراً فی ۲۲ ذی قعده سنه ۱۰۶۸ھ

شاہ جہان کا فرمان بہا کو خان کے نام

کابل پہنچ کر شاہ جہان کو اس طرف متوجہ کیا - اور شاہ کو اس پر بھی آمادہ کیا کہ وہ اسے یوسفزیوں کے علاقہ پر اقتدار بخش دے - شاہ نے اسے یوسفزیوں کے علاقہ کے نظم و نسق سنبھالنے کے فرائض تفویض کر دئے اور اس نے واپس آ کر تگ و دو شروع کی - مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی - اور جب شاہ جہان افغانستان سے واپس لوٹا - اور حقیقت حال دریافت کی تو خوشحال خان نے بتایا کہ یوسفزئی بہت منظم ہیں - اور ان کی طاقت بھی بہت زیادہ ہے - ان کو قابو کرنے کے لئے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار ہے - ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ بہاکو - حبیب - کاچو - ظریف - حمید اور کچھ ، جو سرداران یوسفزئی ہیں ، کی سرکوبی کے لئے آسے شاہی لشکر کی امداد ضروری ہے - شاہ نے وعدہ کیا مگر بعد میں دارہ شکوہ نے مخالفت کرتے ہوئے کوئی عسکری امداد نہ دی -

شاہ جہان کے بعد اورنگ زیب اور دارہ شکوہ میں حصول تخت کے لئے رسہ کشی ہوئی تو خوشحال خان نے اورنگ زیب اور بہاکو خان نے دارہ شکوہ کی حمایت کی- اور جب پتہ چلا کہ دارہ شکوہ اٹک پہنچ رہا تھا - تو بہاکو خان جسے اس وقت علاقہ چھچھ اور اٹک پر اقتدار حاصل تھا ، نے اٹک کے مقام پر تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیا - خوشحال خان اپنے خٹک اور شاہی لشکر معہ اپنے چچا فیروز خان کے ، مقابلہ پر آیا شدید جنگ ہوئی - بہاکو خان زخمی ہوا اور اس کا بھائی سید خان مارا گیا - اورنگ زیب کو کامیابی ہوئی - اور وہ سر برارائے سلطنت ہوا -

اس دوران بہاکو خان علاقہ چھچھ میں مقیم رہا اور کچھ عرصہ کے لئے چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی تاہم فریقین تیاریوں میں مصروف رہے - کچھ عرصہ بعد اورنگ زیب نے لشکر کشی کا فیصلہ کیا - اٹک پار

Qaiser Khan University of
Malakand

سے بھی لشکر کشی ہوئی کابل سے بھی امداد پہنچی ۔ مرکز سے بھی فوجی امداد ملنے کا پوری طرح بندوبست کیا گیا ۔ ادھر یوسفزئی بھی کیل کانٹے سے لیس مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے شاہی لشکر نے ان کی تعداد کے پیش نظر اقدام کرنے کی ہمت نہ کی ۔ اور دریائے ہرو جو لارنس پور علاقہ چھچھ کے قریب ہے ، پر مزید کمک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا ۔ اس انتظار میں پورے دو ماہ گزر گئے ۔ آخر کار ہندوستان سے شاہی لشکر کو امداد پہنچی تو جنگ کا آغاز ہوا اور موضع ہارون ، حضرو اور علاقہ چھچھ کے مقامات پر سخت فیصلہ کن جنگ لڑی گئی ۔ جنگ نے طول پکڑا ۔ کافی مغل لشکری مارے گئے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے ۔

گزٹیر راولپنڈی ضلع ۱۸۶۵ع میں کرنل کریک۔رافٹ کمشنر و مہتمم بندوبست یوں رقمطراز ہے :-

> حضرو چھچھ کے میدانی علاقہ کے زیادہ آبادی والے حصہ میں ایک بڑا شہر ہے یہ پٹھانوں نے آباد کیا ۔ اور قبیلہ یوسفزئی کا صدر مقام رہا ہے یہاں ایک بہت ہولناک جنگ ہوئی تھی ۔ ہندوستان سے ایک بڑا لشکر ان پر حملہ آور ہوا ۔ مگر بری طرح شکست کھا کر تقریباً دو ہزار لاشیں چھوڑ کر واپس چلا گیا ۔

بھاکو خان نے بھی مصلحتاً اپنے لشکر کو دریائے سندھ کے پار مقام توڑ ڈھیر ۔ جلسئی ۔ لاہور اور ہنڈ وغیرہ لا کر ڈیرے جمائے کچھ عرصہ طرفین کا پھر تیاریوں میں مصروف گذرا اور آخر کار مغل لشکر نے شمشیر خان کی قیادت میں بڑی شدت سے حملہ کیا ۔ بھاکو خان نے موضع ہنڈ سے ہٹ کر پنج پیر ۔ شاہ منصور اور مرغز کے ملحقہ آبادیوں پر موجود بندیاں مضبوط کیں اس دوران شدید جنگ لڑی جاتی رہی ۔ فصل تباہ اور آبادیاں برباد ہوتی رہیں لیکن طرفین کے ارادوں میں کوئی

فرق نہ آیا مذید تازہ دم لشکر لے کر سوات اور باجوڑ سے اکوزئی ترکانی اور اتمان خیل آئے اور تیراہ سے کچھ آفریدی اور مہمند بھی اس جنگ میں کود پڑے اول تو شاہی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے لیکن جلد ہی اس نے سنبھل کر حملہ کیا تو یوسفزئی شاہ منصور کے قریب مورچوں کو خالی چھوڑنے پر مجبور ہوگئے جن پر شاہی لشکر نے قبضہ کر لیا مگر جنگ جاری رہی -

ادھر جنگ ہو رہی تھی ادھر اپی دربار سے سیاسی چالیں جاری تھیں - جنگ کے ساتھ ساتھ یوسفزئی قبائل میں صلح کے نام سے نفاق پیدا کرنے اور انعام و اکرام کا لالچ بھی کام کر رہا تھا - اس دوران محمد امین گورنر کابل تازہ دم لشکر لے کر نمودار ہوا - اس نے اپنی چال بازیوں سے یوسفزیوں کی طاقت کو تقسیم کرنا شروع کیا - انعام و اکرام - امن اور صلح کے لالچ میں یوسفزئی کے ایک ذیلی قبیلہ کو جنگ سے جدا کھڑا کر دینے میں کامیاب رہا - معلوم رہے کہ اس سے قبل اس نے لشکر کے ایک حصے کو یوسفزیوں کو خوف زدہ کرنے کی خاطر شہباز گڑھ کی طرف روانہ کر دیا تھا اور دوسرے حصے کو باجوڑ کی طرف کوچ کا حکم دیا - شہباز گڑھ کو برباد کر دیا گیا یہاں تک کہ مغل لشکری وہاں کے تمام مویشیوں کو بھی اپنے ساتھ ہانک کر لے گئے -

باجوڑ کی طرف اقدام کرنے والے لشکر کی قیادت محمد امین خود کر رہا تھا اس نے سوات میں داخل ہو کر کئی مقامات کو برباد کر ڈالا - اور یوسفزیوں کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے گھبرا کر واپس پنڈ کے کیمپ میں آ گیا - یہاں پہنچ کر مغل سرداروں نے یوسفزیوں کے ساتھ صلح کرنے کا آپس میں مشورہ کیا - اس لئے کہ اس جنگ کو ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے اور انہیں سوائے بربادی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے - اکبر کے دور کی وہ بربادی بھی ان کے پیش

نظر تھی ۔ جو زین خان اور بیربل کو پیش آ چکی تھی ۔ چنانچہ انہوں نے یوسفزیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا ۔ مغل نقصان عظیم اٹھا کر دریائے سندھ اور دریائے کابل عبور کرکے واپس چلے گئے ۔ اور اس طرح مغل حکمرانوں کا یہ مقصد کہ جنگ طول پکڑنے سے انہیں شکست کا خطرہ لاحق تھا ٹل گیا ۔ محمد امین کو دربار شاہی میں حاضر ہونے کا پیغام ملا ۔ اور کابل واپس جاتے ہوئے ایمل خان مہمند نے خریب خانہ کے قریب شاہی لشکر کو بری طرح تہ تیغ کر ڈالا اور محمد امین بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا ۔

اورنگزیب یکے بعد دیگرے کابل کے گورنروں کو تبدیل کرتا رہا اور شجاعت خان کی قیادت میں لشکر روانہ کیا ۔ تو اس کو بھی افغان قبائل نے تتر بتر کر دیا ۔ ان حالات کے پیش نظر اورنگزیب خود دہلی سے چل کر حسن ابدال میں آ کر مقیم ہوا ۔ اور لشکر کو اپنی نگرانی میں لے کر مختلف اطراف میں اقدامات کرنے کے احکام جاری کرتا رہا جون ۱۶۷۵ء میں مکرم خان لشکر کثیر لئے باجوڑ کے علاقے تک جا پہنچا یوسفزیوں سے جھڑپ ہوئی ۔ جس میں کافی تعداد میں شاہی لشکر کے افراد مارے گئے ۔ مکرم خان کا بھائی شمشیر اور اس کے بہنوئی میر عزیزاللہ بھی اس جنگ میں کام آئے البتہ مکرم خان جان بچا کر بھاگ نکلا ۔

اورنگ زیب کی سیاسی جوڑ توڑ کام کر گئی ۔ اور سرداران قبائل کو شاہی حمایت پر رضامند کر لیا گیا ۔ انعام و اکرام کی بارش ہوئی ۔ کتنوں کو جاگیریں ملیں ۔ اور کتنوں کو مغل لشکر میں عزت و احترام کے عہدے ملے ۔ بہاکو خان جو اس وقت وفات پا چکا تھا ۔ اس کے لڑکے زین خان کو مغل دربار میں اظہار وفاداری کرتے دیکھا گیا ۔

بہاکو خان کے والد کا نام ماموں خان تھا۔ وہ صرف یوسفزئی ہی نہیں بلکہ تمام شیخی (خشی) قبائل کا قائد تھا ۔ اس کے اقتدار میں تقریباً وہ سارا علاقہ جو خان گجو کے دوران زیر اثر تھا یعنی باجوڑ اور سوات سے لے کر دوآبہ اشنغر اور چھچھ ہزارہ تک کا علاقہ شامل تھا ۔ اراکین مملکت میں ظریفہ حمید ۔ کچی۔ کاچو اور حبیب اس کے مشیران اور کماندار تھے ۔

سید محمود شاہ ولد مقام شاہ علاقہ گدون موضع گندف نے اپنی قلمی تصنیف بفاتح الانساب جس کی نقل پشتو اکیڈیمی پشاور میں موجود ہے لکھتا ہے:۔

> یوسفزئی کے ملک میں ایک راجہ پیدا ہوا جس کا نام باکو تھا اور باجوڑ سے رہا گے سندھ تک اس کے فوجی قلعے تھے ۔ جن میں باقاعدہ فوج اور چوکیدار رہا کرتے تھے ۔ اور اپنے تمام مقبوضہ ممالک سے باقاعدہ مالیہ اور حقوق حکمرانی وصول کرتا تھا ۔ علاقہ گدون کے لوگوں نے جب مالیہ کی ادائیگی سے انکار کیا ۔ تو باکو نے اس علاقے پر حملہ کر دیا ۔ نتیجہ میں بے شمار گدون قتل ہوگے ۔ اور آخر ان لوگوں نے اس کا رعیت تسلیم کر لیا ''۔

بہاکو خان کے بعد رفتہ رفتہ انفرادی قیادت کا مرض پیدا ہوا ۔ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا تعمیر کرنے کی فکر کی ۔ وہ لوگ جنہوں نے تاتاریوں کو ڈوسا کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا ۔ اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ سے نبر آزما رہے تھے اب اس انفرادیت کی وجہ سے متحد نہ رہ سکے تو دشمن کے ہاتھوں روند ڈالے گئے ۔ اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان ہو گیا ۔

بہاکو خان کے بھائی سمد خان کے خوشحال خان خٹک کے چچا

فیروز خان کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد خوشحال خان اورنگزیب کا منظور نظر بن گیا تھا جس کی وجہ سے اسے یوسفزیوں سے بدلہ لینے کا زرین موقع ہاتھ آگیا چنانچہ ۱۶۰۲ء میں خوشحال خان اور یوسفزیوں میں شدید جنگ ہوئی۔ یوسفزئی کامیاب رہے اور انہوں نے اپنے علاقے سے تری خٹکوں کو نکال باہر کیا۔ دوسرے سال خوشحال خان نے پھر یوسفزیوں پر اچانک حملہ کر دیا اور یہ جھڑپیں مسلسل جاری رہیں۔

اس دوران خوشحال خان کا دربار شاہی میں اثرو رسوخ دیکھتے ہوئے کئی اراکین دربار اور اس کے اپنے متعلقین آتش رقابت سے بیقرار ہوئے جن میں اس کے دو چچوں بہادر خان اور فیروز خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ سازشیں ہونے لگیں اورنگزیب کے دل میں شکوک پیدا کیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خوشحال خان کو ۱۶۶۴ء میں گرفتار کر کے ہندوستان لے جایا گیا اور ایک عرصہ تک وہاں قید و بند میں رہا۔ قید کے دوران اسے یہ خطرہ لاحق ہوا۔ کہ حکومت اس کے بال بچوں کو بھی گرفتار کرنا چاہتی ہے چنانچہ اس نے بادل ناخواستہ یوسفزیوں سے امداد طلب کی۔ یوسفزئی جرگہ نے تمام گزشتہ واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے خاندان بلکہ تقریباً بکصد دیگر متعلقہ خاندانوں کو بھی اکوڑہ سے لا کر اپنے علاقہ میں پناہ دی اور انہیں سیکری کے مقام میں محفوظ کر لیا۔ جو مردان کی جانب شمال کاٹلنگ اور جمال گڑھی کے درمیان واقع ہے۔ موجودہ وقت میں یہ مقام شیکری بابا کے نام سے مشہور ہے۔

جب یوسفزیوں کی ہنگامہ آرائی نے شدت اختیار کی۔ تو ۱۶۶۸ء میں مہابت خان کو گورنر بنا کر بھیجا گیا اس وقت بہاکو خان وفات پا چکا تھا مہابت خان کے کہنے پر خوشحال خان کو بھی وطن جانے کی اجازت ملی۔ جس پر اس کے تعلقات حکومت کے ساتھ پھر خوشگوار ہو

گئے اورنگزیب نے لنگر کوٹ (گڑھی امازئی) میں ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ یوسفزیوں کی دست درازیوں کو روکا جا سکے۔ خوشحال خان نے مخالفت کی تا ہم قلعہ ۱۶۶۹ع میں تعمیر ہو گیا۔ خوشحال خان نے قلعہ کی تعمیر کی مخالفت کرتے ہوئے سہابت خان کو لکھا :-

چند کهگل مے نمائی بے بقا دیوار را
گرتو لنگر کوٹ خواہی قلعہ کن دمفاد را

اور یوسفزیوں کے سہمات کے حق میں اس نے یہ مشورہ بھی دیا

سہم د یوسف زو دے در تہ وا یمہ ښکاره
د خره خسی کول دی لاس کنده کریوان پاره

اس قلعہ کے تعمیر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یوسفزیوں نے اس کے خاندان اور بچوں کو پناہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ ان کا زیر بار احسان تھا دوئم وجہ یہ تھی کہ وہ یوسفزیوں کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ ان کی فطرت۔ عزم اور بہادری سے پوری طرح آشنا تھا اور اسے ڈر تھا۔کہ اس قلعہ کی تعمیر سے لامحالہ یوسفزیوں سے حالات بگڑیں گے۔ اور وہ کبھی بھی یہ نہ برداشت کرتے ہوئے یلغار کرنے پر کمر بستہ ہوں گے جب مغل حکومت نے اس کے مشورہ سے اتفاق نہ کرتے ہوئے قلعہ تعمیر کر لیا تو وہ بیماری کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلا گیا۔

خوشحال خان کے اشعار کی پیشنگوئی صحیح ثابت ہوئی اور جیون خان امان زئی جس نے اخوند سالاک اور بہاکو خان کی معیت میں قوم ڈوما سے نبرد آزما ہوا تھا اس کے لڑکے مصری خان جس نے کمال ہمت سے اپنے قبیلہ کی قیادت کی تھی اور خٹکوں سے کشمکش کے دوران بھی وہ قبیلہ امان زئی کی پوری طرح حفاظت کرتا رہا۔ اور

خوشحال خان کے خاندان والوں کو بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینے میں بھی شامل تھا ۔ اسے مغلوں کے صوبیدار اللہ داد جو لنگر کوٹ قلعہ میں مقیم تھا مغلوں کے لئے ایک مستقل خطرہ ظاہر کیا ۔ اور سازش کرتے ہوئے تربوز میں زہر دے کر مروا ڈالا ۔

مصری خان کے لڑکے صاحب خان نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے دیر سوات اور بونیر پہنچ کر وہاں کے جرگہ سے امداد طلب کی اور لشکر لئے قلعہ لنگر کوٹ کر مسمار کر دیا ۔ صرف مسجد چھوڑی جو اب بھی موجود ہے ۔ یہ لشکر آگے بڑھا اور اورنگ زیب کے دوسرے لشکری اور حامی گروہوں کو محلہ ڈھیر کے مقام پر شکست دے کر تباہ و برباد کر ڈالا لنگر کوٹ کے اس معرکہ میں مغلی لشکری اور نائبان حکومت سب مارے گئے اور اس طرح مغل اقتدار سے علاقہ یوسفزئی خالی ہو گیا ۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل حکومت کمزور پڑ گئی اس کے جانشین حصول اقتدار کے لئے آپس میں دست بگریبان ہونے لگے ۔ جہاں کسی گورنر کو موقع ملا ۔ اس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا ۔ اور جہاں جسے طاقت ملی اس نے اپنی جدا حکومت قائم کرنے کی کوشش کی ۔ ادھر مرہٹے بھی حکومت کو ختم کرنے کے درپے تھے ۔ دریں اثنا محمد شاہ کے عہد حکومت میں ناصر خان نامی ایک شخص ۱۷۱۹ء میں پشاور کا گورنر مقرر کیا گیا ۔ اسے اپنی حکومت کی کمزوری کا پوری طرح علم تھا ۔ اس لئے اس نے عقل و تدبر سے کام لیتے ہوئے افغانوں سے ایسا سلوک کیا کہ جلد ہی وہ ان میں ہر دلعزیز دکھائی دینے لگا ۔

افغانستان میں ان دنوں نادر شاہ کی حکومت تھی ۔ ناصر خان کو نادر شاہ کے عزائم کا پتہ چل گیا تھا اور اس سلسلہ میں اس نے سرگرم

کو مطلع بھی کیا ۔ مگر مرکزی حکومت بوجہ بے بسی کے متوجہ نہ ہو سکی ۔ تو نادر شاہ ۱۷۳۸ع میں پشاور آ پہنچا ۔ ناصر خان نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اطاعت قبول کر لی ۔ اور اپنے تدبر سے نادر شاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ۔ اس کے بعد نادر شاہ نے دہلی فتح کرنے کا ارادہ کیا ۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دوران جب کہ نادر شاہ دہلی پر چڑھائی کی تیاری کر رہا تھا ۔ یوسفزیوں کے ایک جرگہ نے اس سے پشاور میں ملاقات کی اور اسے ایک قلمی نسخہ کتاب تورات عبرانی زبان کا پیش کیا جس سے وہ اور اس کے یہودی افسران بہت خوش ہوئے اس کی مزید وضاحت سابق سرخپوش لیڈر قاضی عطا اللہ خان نے بھی اپنی تصنیف د پختنو تاریخ میں کی ہے ۔ علاقہ یوسفزئی پر نادر شاہ نے کچھ تعرض نہ کیا اور اس کی فوجیں نہایت خاموشی سے اٹک پار کر گئیں ۔

نادر شاہ جب دہلی فتح کر کے واپس لوٹا تو اس نے سلطنت مغلیہ محمد شاہ کو سونپ دی ۔ اور صوبہ سرحد و قبائلی علاقہ کو دہلی سے جدا کرتے ہوئے افغانستان سے ملا دیا ۔ اس طرح ۱۷۳۹ع میں دریائے سندھ پار کے مغربی سرحدی علاقہ سے ہمیشہ کے لئے مغل سیادت کا خاتمہ ہوا ۔

یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی کا باعث ہو گا کہ جب نادر شاہ دہلی سے واپسی پر اٹک قلعہ میں مقیم ہوا ۔ تو ایک روایت کے مطابق موضع کُنڈل علاقہ اتمان یوسفزئی کے ایک شخص نے ایک رات کسی طریقہ سے گھس کر نادر شاہ کی بیگم کا ہار اٹھا لایا ۔ صبح جب اس کا علم نادر شاہ کو ہوا تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور سمجھا کہ یہ کاروائی ملحقہ علاقہ خٹک کے کسی شخص کی ہو سکتی

ہے تو اس لیے لشکر کو ملحقہ علاقوں کو تاراج کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ نوشہرہ تک کا علاقہ انہوں نے پامال کر دیا - اور واپس قامہ میں لوٹ آئے ۔ دریں اثنا کسی نے اصلی چور کے متعلق شاہ کو مطلع کیا تو شاہ نے اس طرف کو پامال کرنے کا حکم دے دیا ۔ اور فوج جہانگیرہ کے راستے چل پڑی ۔ جو کوئی سامنے آیا تہ تیغ کیا اور ایک طوفان کی شکل میں کُنڈل جا پہنچے ۔ بتایا جاتا ہے کہ کُنڈل کو ایسے تہہ و بالا کیا کہ وہاں نہ کوئی گھر رہا اور نہ کوئی مکین ۔ یوسفزیوں کو اس طوفانی حملے کا علم ہوا تو وہ بھی جگہ جگہ مقابلہ کے لئے اکٹھے ہونے لگے مگر نادر شاہ جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے واپس اٹک جا پہنچا ۔ البتہ اس کا ایک جرنیل موضع بام خیل کے پاس یوسفزیوں کے ہاتھوں مارا گیا ۔

اس سے فارغ ہو کر نادر شاہ عازم کابل ہوا ۔ ناصر خان کو اس کی وفاداری کے صلے میں پشاور اور کابل دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا ۔ ناصر خان کی پالیسی صلح کل تھی - اس وجہ سے افغان اُس سے خوش تھے ۔ پہاڑوں میں بسنے والے آفریدی ۔ مہمند اور وزیر وغیرہ آزاد رہے البتہ میدانی علاقوں میں بسنے والوں سے واجبات حکومت اور مالیہ وغیرہ وصول کرلے کے لئے خود ان قبائل کے سرداروں کو ہی مقرر کیا ۔ اور وہ انعام و اکرام کے لالچ میں یہ فرائض بخوبی ادا کرتے رہے ۔ واضح رہے کہ یوسفزئی پہاڑی اور میدانی علاقوں میں کلیتاً آزاد ہے ۔ یہ طریقہ کار نادر شاہ کی وفات ۱۷۴۷ء تک جاری رہا ۔

نادر شاہ کی وفات پر احمد شاہ ابدالی جسے نادر شاہ کی فوج میں اعلیٰ اعزاز حاصل تھا بادشاہ منتخب ہوا اس نے قندہار پر قبضہ کر لیا ۔ اور ساتھ ہی اُس خزانہ پر جو نادر شاہ کے لئے کابل اور سندھ سے بھیجا گیا تھا ۔ پھر کابل اور پشاور قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر

کئی حملے کئے ۔ جس میں میاں عمر چمکنی جو ایک مذہبی رہنما تھے ، کی وساطت سے یوسفزئی پیش پیش تھے ۔ اور ہندوستان میں مقیم یوسفزئی بر سر اقتدار افراد نے ہی احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی ۔ اس نے مرہٹوں کا پانی پت کے میدان میں خاتمہ کیا ۔ اور حکومت کا نگران نجیب الدولہ یوسفزئی کو مقرر کر کے خود لوٹ گیا ۔ احمد شاہ ابدالی اور اس کے جانشینوں کے ساٹھ سالہ دور حکومت جسے دورانی دور حکومت بھی کہا جاتا ہے ، میں یوسفزئی حسب سابقہ اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے درانی حکومت کا ان پر سایہ تک نہ پڑ سکا ۔

ابدالی حکومت کا زوال

احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کے وفات ہوتے ہی افغانستان میں بادشاہ گردی کا دور دورہ تھا ۔ تیمور شاہ کے بیٹوں میں حصول اقتدار کےلۓ کشمکش ہو رہی تھی ان حالات میں زمان شاہ کے بعد شاہ محمود نے عنانٔ سلطنت سنبھالی تو فتح خان بارکزئی برادر دوست محمد خان شاہ کابل جیسا مدبر اسے مل گیا جس نے حالات پر قابو پا لیا ۔ شاہ محمود برائے نام حکمران تھا حقیقی طاقت فتح خان کے ہاتھ میں تھی ۔ شاہی خاندان کے دوسرے افراد اسے برداشت نہ کر سکے ۔ تو ۱۸۱۸ع میں شاہ محمود کے بیٹے کامران نے اسے قتل کر دیا ۔ فتح خان کا بھائی محمد عظیم خان اس وقت کشمیر میں حاکم کی حیثیت سے مقیم تھا ۔ اطلاع ملنے پر کابل پہنچا اور اپنے تدبر اور رسوخ سے حالات پر قابو پا لیا ۔ جس وقت ۱۸۱۴ع میں سکھوں نے اٹک قلعہ پر قبضہ کیا تھا اس وقت افغانستان کے شاہی خاندان میں اختلافات زوروں پر تھے ۔

خونریزی کا بازار گرم تھا ۔ سکھوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ۱۸۱۸ع میں اچانک اقدام کرتے ہوئے خیبر کے مشرق میں ژم کے پہاڑوں تک کے علاقہ کو روند ڈالا ۔ لیکن زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے ۔ اور واپس لوٹ گئے ۔ محمد عظیم خان ملکی معاملات میں پھنس چکا تھا اور ساتھ ہی اسے سکھوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے پریشان کیا خصوصاً ان حالات میں کہ خود شاہی خاندان کے سکھوں کے ساتھ اتحاد کا خطرہ دامنگیر تھا بہ ایں ہمہ اس نے سکھوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے ارادہ سے ۱۸۲۳ع میں اقدام کرتے ہوئے پشاور تک جا پہنچا ۔

سکھوں کا دور

سکھوں کی طاقت بھی عروج پر تھی اور وہ پہلے سے اس علاقہ پر اپنی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے ۔ چنانچہ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر سکھ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے دریائے کابل کے دونوں کناروں شمالاً جنوباً سے یلغار کرتے ہوئے نوشہرہ کے قریب پہنچ گیا اس لشکر کی قیادت رنجیت سنگھ خود کر رہا تھا عظیم خان کی دعوت پر دوسرے قبائل تو شریک جنگ نہ ہو سکے ۔ البتہ خٹک اور یوسفزئی میدان میں کود پڑے ۔ یوسفزیوں نے دریائے کابل کے شمال کی طرف میدان میں قدم جما لئے ۔ ادھر جنوب میں محمد عظیم خان اپنا لشکر لئے میدان جنگ میں آ پہنچا سکھ لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ افغان دو حصوں میں بٹ گئے ایک حصہ یوسفزئی قبائل کا اور دوسرا محمد عظیم خان کے زیر کمان ۔ دونوں کے درمیان دریائے کابل حائل تھا جس کی وجہ سے دونوں نے اپنی اپنی طرف کی ذمہ داری قبول کی

اور اقرار ہوا کہ ہر ایک فریق اپنے اپنے محاذ پر جنگ شروع کر کے آگے بڑھے۔ لہذا یوسفزئی نے جنگ شروع کی اور اس شدت سے مصروف جنگ ہوئے کہ نوشہرہ سے سکھوں کو مارتے مارتے پیرسباک تک ان کو پسپا کر دیا ۔ سکھوں کی شکست یقینی ہوگئی اور وہ بھاگنے لگے تھے۔ اس بارے میں ایک ہندو مصنف جو وہاں موجود تھا کو لکھنا پڑا کہ

> افغانوں نے کمال بہادری سے جنگ لڑتے ہوئے سکھوں کے چھکے چھڑا دئیے حتیٰ کہ ان کے پاؤں اکھڑنے لگے ۔

رنجیت سنگھ نے یہ حالت دیکھی تو خود لشکر کا علم اٹھائے ہوئے دریا پار کر کے جنوب سے شمالی محاذ پر پہنچے جس سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دریا کے آرپار کے سب سکھ لشکر یہاں جمع ہو کر پوری شدت سے حملہ آور ہوئے تو اپنی کثرت اور فوجی نظام کی وجہ سے کامیاب رہے اس جنگ میں یوسفزیوں کی بہادری کا مورخین نے خاص طور پر ذکر کیا اور بتایا کہ شام کے قریب آخری حملہ میں سینکڑوں یوسفزئی مجاہدین اس جرأت اور دلیری سے لڑے جس کی مثال مشکل سے ملے گی اور وہ ایک ایک کر کے سب مارے گئے تھے یہ جنگ نوشہرہ کے قریب شروع ہو کر موضع پیرسباک تک لڑی گئی تھی اور اس کی یاد میں سکھوں نے ایک گوردوارہ تعمیر کیا تھا جو اب تک موجود ہے ۔ اس جنگ میں یوسفزئی قبائل کے ہر ذیلی شاخ کے افراد شامل ہوئے تھے اور ایک روایت کے مطابق میدانی اور بالائی علاقوں کے یوسف اور منڈر گھرانوں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جو اپنے شہداء کے لئے نوحہ خواں نہ رہا ہو اور یہ بھی روایت ہے کہ اکثر شہدا کے گھوڑے میدان جنگ سے خالی زین کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹے تھے ۔

سابق سرخ پوش لیڈر قاضی عطا اللہ اپنی تصنیف " د پختنو تاریخ " جلد اول میں اس جنگ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں :۔

عظیم خان کے یوسفزئی سے امداد طلب کرنے پر قبیلہ یوسفزئی کے بے شمار جوان معہ اپنے اکابرین کے نوشہرہ کے مقام پر دریائے کابل کے شمالی کنارے پر جمع ہوگئے۔ عظیم خان کے ساتھ دوسرے قبایل دریائے کابل کے جنوبی کنارے پر اکٹھے ہو گئے۔ سکھ لشکر پہلے ہی سے ان کے مقابلہ کے لئے دریا کے دونوں طرف مورچے ڈالے ہوئے تھے اگرچہ تمام یوسفزئی اس مشترکہ خطرے کے پیش نظر بہت اخلاص کے ساتھ جمع ہوئے تھے مگر چونکہ یوسفزئی قبائل کا کوئی خاص سالار نہ نہیں تھا اور نہ ان کو باقاعدہ جنگ کی تربیت دی گئی تھی۔ نہ ان کے ساتھ توپخانہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں سکھوں کی فوج منظم اور یورپین افسروں کے زیر کمان تھی۔ اور رنجیت سنگھ خود اپنی فوج کو لڑائی کی خاطر ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ۱۴ مارچ ۱۸۲۳ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ نوشہرہ کے متذکرہ مقامات پر شروع ہوا۔ جنگ دریا کے دونوں کناروں پر ہوتی رہی مگر جب سکھوں کو یقین ہوگیا کہ عظیم خان کی جانب مقابلہ نہ ہونے کے برابر ہے اور دوسری طرف یوسفزئی بڑی شدت سے لڑ رہے تھے تو انہوں نے عظیم خان کی جانب کے سکھ لشکر کو بھی جو جنرل الیارڈ (ALIARD) کے زیر کمان تھی۔ یوسفزئی پر حملہ آور ہونے کے لیے دریا پار روانہ کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ عظیم خان اس امدادی سکھ لشکر کو دریا پار کرنے کے لئے نہ چھوڑتا۔ اس نے ایسا نہ کیا بلکہ یوسفزئی کو کسی بھی قسم کی امداد نہ دی اور عظیم خان کے لشکر کی کمزوری اور بزدلی نیز یوسفزئی کی ناسمجھی اور نا تجربہ کاری کے بنا پر مزید سکھ لشکر بغیر کسی رکاوٹ کے دریا پار کر گئے۔

یوسفزئی جوان اس بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ انہوں نے سکھوں کے چار حملوں کو یکے بعد دیگرے پسپا کیا اور قریب تھا کہ رنجیت سنگھ کی پوری فوج کو مکمل شکست دیتے ۔ مگر رنجیت سنگھ پانچویں حملہ میں خود آگے بڑھا اور تمام فوج کو جنرل ونچورا (VENTURA) کے زیر کمان یوسفزئی پر حملہ کرنے کا اقدام کیا ۔ عظیم خان اور اس کے بھائی دریا کے دوسرے کنارے پر تماشہ دیکھتے رہے ۔ اور کسی قسم کی امداد یوسفزئی کو نہ دی ۔ اصلی وجہ یہ تھی ۔ کہ عظیم خان کے بھائیوں کو رنجیت سنگھ نے رشوت دی تھی اور وہ سکھوں کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ عظیم خان کا تمام خزانہ اور گھر کی خواتین میچنئی کے مقام پر تھے۔ اور عظیم خان کو یوسفزئی کا نہیں بلکہ اپنے خزانہ اور خواتین کی زیادہ فکر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی سردار یار محمد خان اور سردار سلطان محمد خان سکھوں کی طرفداری میں تھے اور اگر وہ اپنی فوج دریا کے پار ایسی حالت میں لے جاتا تو اسے شکست کھانا پڑتی اور اس کا تمام خزانہ اور خواتین دشمن کے ہاتھ میں چلے جاتے ۔ نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ یوسفزئی سخت مقابلہ کے بعد شکست کھا گئے ۔ لیکن اس شکست کے بعد جلد ہی یہ جانباز اور بہادر یوسفزئی مجاہدین دوسرے روز اکٹھے ہوئے اور پیرزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ لڑنے پر آمادہ ہوگئے لیکن دوپہر کو انہیں معلوم ہوا کہ عظیم خان دوسری جانب سے بھاگ گیا ہے چنانچہ انہوں نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس ہوگئے اس کے بعد وہ اپنے پہاڑی اور میدانی علاقوں سے ہمیشہ کے لئے

سکھوں کے ساتھ جنگیں لڑتے رہے ۔ نوشہرہ کے اس جنگ کے متعلق اُس وقت مویزی نامی ایک شاعر نے ایک چاربیتہ کہی ہے جسے ہم یہاں پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں :-

قاصد "د بادشاه راغے یوسف زی او لوزیده
په نیت د غزا لاړ شه په نو ښار او ربړیده
قاصد "د بادشاه راغے رالے گلی عظیم خان
د اوله مے جرگه کړل ملایان او ملکان
دارو گولئی په مادی درکوم په خرخ تاوان
الفاظ مے خوک شکر وو په چا اور او رلگیده
الفاظ ئے خوک شکر وو پرے راضی یوسف نامه شوه
را تلل په ځائے کرځایه نه ئے خوب نه ئے دمه شوه
خپل کورپه پر چا اور شو پېښه دا عے علامه شوه
توکل دعائے او کړه سیلا مولے بهیده
توکل دعائے او کړه اکوزی وو په زور کوله
راتلل مے مشران "دمیند په ځاړه لکه غروته
دزغرو مے خلکئے وے ، دوشالے مے په سرونه
د حسن په صفت مے بادشاہان له سویده
د حسن په صفت په مے لگیایم څو څو کاله
گلونه د گلاب وو خزان تو مے کړه څما لاله
ماتل په میندو خو پندو ـ الله ور و ستل قضاله
اجل مے په ډیرو وو دلته همے لوئیده

اجل چې په ډېرو وو اشېزو او کړله توره
رحمت په سالار زوښه مدعا چې کړه حضوره
لړان دي ګډا چې زني سرونه ، نه اړي له تر سوره
خاونده محمدين خيل د پښتې کله تښتېده

د پښتې نه جارو زي لوري زي دي اژ دران
مدام چې صف جنګي وي د او ښکلو په ميدان
د الله نوم چه په چې واخست ترې به مات شو لو سکهان
د لخښو د ګمنډه چې رنجيت او پرېده

د لخښو په ګمنډ کښې شهيد شوے دے پير خان
د قام په مخکښې مړه شول فيض طلب او لطاف خان
شيرداد ، ماب الله وونړه پرے ميرات شه . سرور خان
اسمعيل زي د لوئے ملا سره لعلو نه تونېده

اسمعيل زي د لوچې ملا په مخکښې سره شول امانت
معصم او عدل شاه دے الله کاندے په جنت
د او ښکلو جنګ نے او کړو په ميدان کښې په ساعت
په مرګ چې په آسمان کښې ملائک او ژړېده

په زمکه ژاړي جو نه ملائک دي په آسمان
بيو چرک په ناره پر بوت اخولدخيل شو بندي وان
د مرګه پورے پلار د حضرت دين کوي ارمان
ميرات چې پالنګوله په ميدان خاورے کېده

ميرات چې پالنګونه په ميدان شو لو بوازے
ژاړي خوېندے مېندے کاڼے چې کړے آغازے
د خاورو نه شوے لالدے هغه نيے پکړئ درازے
په صفت چې موېزے لکه لولاد اوښېده

صفت د یوسف زو کوم چه قتل ئے کړو څان
په مخکښی ئے تمام شول پیر ملا او صاحبزادگان
په دوزخ کښي په کفار وی په جنت کښي دا غازیان
هـر بیت د سـوبـزی لـکـه مر جان پـهـه کیـده

اس جنگ میں سینکڑوں سکھ لشکری مارے گئے اور سکھوں کا مشہور جرنیل پھولا سنگھ بھی مارا گیا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور تک یلغار جاری رکھی۔ تاخت و تاراج کی پالیسی پر عمل ہوا۔ پشاور کی عمارتوں کو توڑا پھوڑا گیا سکھوں کے لشکر کو اپنی پہاڑیوں کے قریب دیکھ کر افریدیوں کو فکر دامنگیر ہوئی۔ تو انہوں نے ایک رات دریائے باڑہ کا بند توڑ دیا جس سے سکھ لشکر کو سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ افریدی ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔ رنجیت سنگھ ان حالات سے سخت دل برداشتہ ہوا۔ تو افغانستان کے بارکزئی چار سرداروں کو جو اس وقت پشاور میں تھے اس شرط پر اقتدار قائم رکھنے کی اجازت دے دی کہ وہ سالانہ خراج ادا کرتے رہیں۔ ان چار سرداروں کے نام یہ ہیں۔ سید محمد خان۔ یار محمد خان۔ سلطان محمد خان۔ اور پیر محمد خان۔

اسی دوران سید احمد شہید اپنے مجاہدین کو ساتھ لئے نمودار ہوئے انہوں نے سکھوں سے جنگ لڑی ان کے پیرو مسلسل نبرد آزما رہے جن کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ پھر سید احمد شہید کی وفات پر جب ان کی جماعت منتشر ہوگئی اور سکھوں کو اپنے مقابل صرف بارکزئی سردار نظر آنے لگے۔ جو کئی بار اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار کر چکے تھے تو سکھوں نے انہیں بھی ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا فیصلہ کیا اس وقت تک سکھ کافی طاقتور ہو چکے تھے۔

اور رنجیت سنگھ موقع کی تلاش میں تھا ۔

ان حالات میں سردار دوست محمد خان نے کابل میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ پشاور کے بارک زئی سردار اسے برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اسے تخت سے اتارنے کے لئے سکھوں سے ساز باز شروع کی جو حقیقتاً خود ان کی تباہی کا باعث بنی ۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی ہدایت کی اور اس نے اپنے لشکر سمیت پشاور کے قریب موضع چمکنی میں کیمپ نصب کر دیا وہی سردار جو رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی طاقت کو کچلنے کی دعوت دے رہے تھے نلوہ کے لشکر کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے اور جو جال دوست محمد خان کے لئے بچھایا جا رہا تھا ۔ اس میں خود پھنس جانے کا خطرہ دامنگیر ہوا ۔ ہری سنگھ نلوہ نے جب انہیں بلا بھیجا تو وہ گھبراہٹ کے عالم میں اپنے اہل و عیال کو لئے شبقدر کی طرف چل دئے ۔ تاکہ وقت ضرورت مہمندوں کی پہاڑیوں میں پناہ لے سکیں ۔ نلوہ نے جب یہ حالت دیکھی تو بہ اطمینان خاطر ۱۸۳۴ع میں پشاور پر قبضہ کر لیا ۔ اس کے بعد دوست محمد خان نے ۱۸۳۵ع میں سکھوں کو نکالنے کی کوشش کی اور لشکر لئے درہ خیبر آ پہنچا لیکن وہ خود ان بارک زئی سرداروں سے مشکوک ہو کر واپس لوٹ گیا ۔ اور اس طرح پشاور پر سکھوں کا مستقلاً قبضہ رہا ۔

سکھوں کی طرف سے ہری سنگھ نلوہ فوجی گورنر کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا اس نے بالاحصار کی برباد شدہ بنیادوں پر قلعہ بالاحصار تعمیر کیا یوسفزیوں کی روک تھام اور پشاور اٹک کے درمیانی سڑک کی حفاظت کے لئے جہانگیرہ میں دوسرا قلعہ تعمیر کر دیا ۔ وہ اپنی بربریت کے ثبوت میں یوسفزیوں کے میدانی علاقوں پر اچانک خود حملے کرتا رہا ۔ ان کی آبادیوں کو ویران کرتا فصل تباہ کرتا اور جب

یوسفزئی جوابی اقدام کرتے تو واپس بھاگ جاتا میدانی علاقے کا شاید ہی کوئی گاؤں اس کے ظلم و ستم اور ڈاکہ زنی سے بچا ہو اس کے باوجود افغان طوق غلامی زیب گلو کرنے پر امادہ نہ کئے جا سکے ۔

مہمندوں کے بہت سے قابل ذکر افراد مقبوضہ علاقے سے نکل کر بالائی علاقہ میں جا مقیم ہوگئے اور وہیں سے انہوں نے سکھوں کو پریشان کرنا شروع کیا ۔ موقع ملنے پر دوست محمد خان نے اپریل ۱۸۳۷ء میں سکھوں پر شدید حملہ کیا ۔ جنگ ہوئی ۔ ہری سنگھ نلوہ مارا گیا ۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر پشاور پر قبضہ نہ کر سکا اور واپس لوٹ گیا ۔

رنجیت سنگھ نے جسے اس وقت تک سرحد پر حکومت کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی پھر بارک‌زئی برادران کی طرف رخ کیا ۔ سردار سید محمد خان کو ہشتنگر اور سردار پیر محمد خان کو دو آبہ کا علاقہ سپرد ہوا ۔ سردار سلطان محمد خان کو کوہاٹ کے محصولات وصول کرنے کے فرائض تفویض ہوئے ۔ پشاور کے گرد و نواح کا علاقہ تیجا سنگھ کی گورنری میں دے دیا گیا اور اس کو قبائلیوں کی یورشوں سے بچاؤ کے مکمل اختیارات دئے گئے ۔ تیجا سنگھ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا تو اس کی جگہ ایک اطالوی جرنیل اوٹیبائل (Paolodi Bartololomed Avitabile) کو بھیجا گیا جو پشاور میں اس وقت تک ابو طبیلہ کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ گورنر ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا ۔ یوسفزیوں کے میدانی علاقوں سے کسی وقت بھی محصولات وصول نہ کئے جا سکے ۔ اسی گورنر کے عہد میں سکھوں نے درہ کوہاٹ میں اقدام کرتے ہوئے نقصان عظیم اٹھایا تو ایک مصنف رنجیت سنگھ کے کابل فتح کرنے کے ارادے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

" رنجیت سنگھ کے لئے کابل فتح کرنے کا خیال ایسا ہی ہے
جیسے وہ چین کو فتح کرنے چلے "۔

اور بقول گورلر ابو طبیلہ :۔

" خیبر کی طرف رخ کرنے کے خیال سے ہی سکھوں کو درد
قولنج شروع ہو جاتا تھا "

سکھوں کا یہ جرنیل ابو طبیلہ بہت ظالم تھا ۔ اس نے زور بازو سے محصولات وصول کرنے شروع کئے ۔ یوسف زئی تو پہلے ہی سے اس جبر و تشدد کے عادی تھے اب خلیل اور مہمند بھی کہ جو تعاون پر امادہ تھے مقبوضہ علاقہ سے بھاگنا شروع ہوگئے ادھر ہندوؤں کو پہلی بار افغانوں پر ظلم ڈھانے کا موقع ملا ۔ کئی علاقوں میں ہندو سرمایہ داروں کو محصولات وصول کرنے کے اختیارات دئے گئے تھے ۔ انہوں نے من مانی کاروایاں کیں اور اپنی عیاری سے اصل رقومات سے زائد مال و زر جمع کرنا شروع کیا دیگر ابو طبیلہ کے عہد میں مقامی باشندوں کی باہمی دشمنیوں کو ہوا دی جانے لگی ۔ اور طرفین پر بھاری جرمانے عائد کئے گئے ۔ اندرون ملک کسی وقت امن قائم نہ ہو سکا ۔ اور سرحدات پر قبائلی حملوں کی بھی بہتات تھی ۔ نتیجہ یہ کہ شہر کے ارد گرد جگہ جگہ پھانسی لگانے کا سامان نظر آنے لگا ۔

ابو طبیلہ کے بعد دوسری بار تیجا سنگھ نے پشاور کی گورنری کا چارج لیا اور ۱۸۴۶ تک مقیم رہا ۔ اس کے بعد شیر سنگھ نے چارج سنبھالا لیکن اس سال سکھوں کے ساتھ انگریزوں کی پہلی جنگ نے حالات کو بدل دیا ۔ شیر سنگھ کی جگہ گلاب سنگھ بحثیت گورنر پشاور پہنچا ۔ اور ایک انگریز افسر میجر جارج لارنس لاہور میں مقیم انگریز ریزیڈنٹ کے نمائندے کی حیثیت سے ساتھ تھا ۔ اس کے فرائض میں سکھ لشکر کی نگرانی بھی شامل تھی سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد ان

میں اختلافات پیدا ہو چکے تھے ۔ چنانچہ ۴۹ – ۱۸۴۸ میں سکھ لشکر نے لارنس کی قیادت سے بغاوت کر دی ۔ جس پر میجر لارنس بھاگ کر کوہاٹ پہنچا ، جہاں سلطان محمد خان نے پہلے تو اظہار دوستی کیا اور بعد میں آسے ایک قیدی کی حیثیت سے سکھوں کے حوالے کر دیا ۔ پھر جب سکھوں نے دوسری جنگ میں انگریز سے شکست کھائی تو پشاور کا علاقہ ۱۸۴۹ع میں سکھوں کے قبضہ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آیا ۔ اور مذکورہ میجر لارنس پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا ۔ یہی انگریز بعد میں لارنس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی نے ترکی کے خلاف عربوں کو لڑایا تھا ۔

یوسفزیوں نے رنجیت سنگھ کو جس قدر پریشان کیا ۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگایئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ دربار کے خزانہ میں اتنی رقم بھی باقی نہ رہی تھی کہ ملازمین کو تنخواہیں دی جاتیں ۔ اور اگر یوسفزیوں میں اتحاد و تنظیم قائم رہتا تو لازمی تھا کہ رنجیت سنگ کی سلطنت دیوالیہ ہو کر میدان خالی چھوڑ جاتی ۔ بوٹے شاہ اپنے قلمی مسودہ میں لکھتا ہے کہ :-

"دیوان بھوانی داس کو حکم دیا گیا کہ تم فرنیس کے مکان پر پہنچ کر سرکار کی طرف سے انہیں بتاؤ کہ اس سال جنگ یوسفزئی وغیرہ میں خزانہ سرکار سے بہت زیادہ خرچ ہو چکا ہے ۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ہمراہ فوج و پلٹن کے لئے دو ماہ کی تنخواہ کا مطالبہ نہ کریں"

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ یوسفزئی ہی تھے جنہوں نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سکھوں کو علاقہ یوسفزئی میں قدم جمانے کا موقع نہ دیا اور جس کے متعلق مصنف میجر جنرل سرونسنٹ آرلر یوں اظہار خیال کرتا ہے :-

" سکھوں نے پنجاب پر اپنی حکومت کے دوران اپنے مخالف یوسفزیوں کو بہادر و نڈر پایا اور انہیں خوفزدہ یا اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے سکھوں کو ہمیشہ پشاور کے ارد گرد کثیر تعداد میں لشکر جمع رکھنا پڑا ۔"

منشی عطا محمد شکار پوری اپنی تصنیف تازہ نوائے معارک میں لکھتے ہیں :-

" آفرین ہزار آفرین طائفہ صادقہ یوسفزئی را کہ چون یوسف از چاہ ظلمت نفاق اخوان زمان برآمدہ ۔ ہریک صغیر و کبیر خود ہا را مسالند زال در خریداران یوسف جہاد ایمانی منسلک نمودہ و وسمہ بے ننگی و بے عاری بر چہرہ زلیخائی حمیت خودنگذاشتند ۔ و بہ بوئی پیراہن یوسف شہادت چشم یعقوب دلیا و آخرت خود را روشن نمودند ۔"

سکھوں کی مخالفت میں مقرب خان خدو خیل نے نمایاں حصہ لیا تھا چنانچہ سکھ آسے شیر کا بچہ کے نام سے پکارتے تھے ۔ اور ایک روایت ہے کہ ایک موقع پر جب میرہ یار حسین میں سکھ لشکر پہنچا ۔ تو کسی نے آواز دی کہ شیر کا بچہ آ گیا تو سکھ نہایت ابتری اور بے قاعدگی سے بھاگ نکلے ۔

تحریک مجاہدین

سید احمد شہید ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ع کو رائے بریلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے ۔ اور دوست دشمن سب سے اپنے اعلیٰ اخلاق ۔ مجاہدانہ کردار ۔ خدمت اسلام اور جزبہ فداکاری وطن کے لئے خراج تحسین حاصل کرتے ہوئے ۶ مئی ۱۸۳۱ع کو جام شہادت نوش کر گئے ۔

مروجہ تعلیم سے بچپن ہی میں رغبت نہیں تھی ۔ ہوش سنبھالتے ہی جہاد اور صرف جہاد کی دھن میں مگن رہا ۔ اٹھتے بیٹھتے یہی ورد زبان تھا ۔ اور اسی جزبہ سے نواب امیر خان یوسفزئی والیٔ ٹونک کے لشکر میں شمولیت کی ۔ تاکہ فنون جنگ سے واقفیت حاصل کر سکے ۔ اسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جہاں مقیم ہوکر وہ غیر مسلموں کے خلاف جہاد کا نظام قائم کر سکے ۔ ہندوستان میں ہر طرف سلطنت اسلامیہ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی تھی کوئی ایسی جگہ یا علاقہ موجود نہ تھا جہاں سے بہ اطمینان وہ جیوش مجاہدین کو میدان جنگ کی طرف روانہ کر سکتا ۔ لامحالہ اس کی نظر صوبہ سرحد کی پہاڑیوں پر اٹھتی تھی جہاں کے باشندے ابتدائی دور تاریخ سے ہی میدان جنگ میں بہادری اور جوانمردی کا سکہ بٹھا چکے تھے ۔ اور جنہیں وقت کے جابر سے جابر حکمران بھی اطاعت قبول کرنے پر رضامند نہ کر سکے تھے سید صاحب کو بھی یہی علاقہ پسند آیا ۔ کیونکہ یہاں سے جہاد کا نظام وہ بطریق احسن کر سکتے تھے ۔ سامنے اگر دشمن کی طاقت یا سلطنت تھی تو پشت پر دور دراز علاقوں تک مسلمان ہی مسلمان آباد تھے اور ان سے امداد و اعانت کی توقع بھی کی جا سکتی تھی ۔

ان حالات میں سید صاحب نے رخت سفر باندھا اور عزم جہاد لیے راہ ہجرت اختیار کی ۔ اہل و عیال کو نواب امیر خان کے پاس ٹونک میں چھوڑ دیا اور خود براستہ سندھ ۔ شکارپور ۔ کوئٹہ ۔ قندہار غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۸۲۶ع کو پشاور پہنچا ۔ اور مختصر قیام کے بعد چارسدہ کی طرف چل دیا ۔ دوران سفر میں راستہ ہی سے حکومت کابل کو اپنے ارادوں کی اطلاع دے دی تھی اور واضح کر دیا کہ ان کا ارادہ یوسفزئی قبیلہ کے ساتھ قیام کرنے کا تھا ۔ لیکن چارسدہ پہنچنے پر جہاں قبیلہ محمد زئی آباد ہے حالات سے مجبور ہوکر

عملاً جہاد کا اعلان کر دیا۔

چارسدہ پہنچے ہی تھے ۔ کہ سکھ اقدام کی اطلاع ملی ۔ سکھ لشکر بدھ سنگھ کی قیادت میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے نوشہرہ کی طرف گامزن ہو چکا تھا ۔ اب اس بے سرو سامانی کے عالم میں کہ اس علاقے میں نو وارد تھے مقابلہ میں سکھوں کا منظم لشکر اور وہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھا ۔ عوام سے راہ و رسم ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی افغانوں کے رسم و رواج دوستی دشمنی کسی چیز سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی ۔ ان حالات کے پیش نظر بھی سید صاحب خاموش نہ رہ سکے ۔ اور خدا کا نام لے کر اعلان جہاد کر دیا ۔ اس وقت تقریباً پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قندہاری ان کے شریک سفر تھے آٹھ سو مقامی باشندے بھی ہمنوا ہو گئے تو ان پندرہ سو مجاہدین کو ساتھ لے کر آپ مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے ۔ جذبۂ ایمان اور ولولۂ جہاد کے سوا ان پندرہ سو مجاہدین کو کونسی طاقت سکھوں کے مقابلے میں ہمت دلا سکتی تھی ۔ قدرت نے یاوری کی اور خدا کا نام لے کر وہ میدان کارزار کی طرف چل پڑے اور ۱۹ دسمبر ۱۸۲۶ء کی صبح کو نوشہرہ جا پہنچے شبخون مارنے کا فیصلہ ہوا ۔ تو نو سو مجاہدین کو اس کام کے لئے منتخب کیا ۔ اس دوران خواص خان خٹک اپنی جماعت ساتھ لے سکھوں سے جا ملا ۔ تو اس کے چچا امیر خان خٹک نے سید صاحب کی قیادت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ۔ اور پھر مذکورہ منتخب شدہ مجاہدین نے ۲۰ — ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شبخون مارا ۔ ابتدا میں تو سکھ سرا سیمہ ہو کر بھاگے لیکن مجاہدین نے غلطی کی اور اپنے مخصوص فرائض چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کی فکر ہونے لگی ۔ نتیجہ یہ کہ سکھ سنبھل گئے اور مجاہدین کو واپس لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

مذکورہ شبخون میں سید صاحب کی ہمت و استقلال کو دیکھ کر خاص و عام اس طرف متوجہ ہوگئے ۔ سکھوں کے مظالم سے پوری آبادی نالاں تھی ۔ انہیں جب ایک مجاہد قائد مل گیا تو پوری طرح اس کی امداد و اعانت پر تیار ہوگئے چنانچہ اس جنگ کے فوراً بعد ہنڈ کے رئیس خادی خان اور زیدہ کے رئیس اشرف خان معہ اپنے ساتھیوں کے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور پھر خادی خان نے سید صاحب کو اپنے ساتھ ہنڈ میں مقیم ہولے پر بھی رضامند کر لیا ۔ قبیلہ خدو خیل کے رئیس فتح خان ساکن پنجتار نے بھی ساتھ دینے کا اعلان کیا تو بارکزئی خاندان کے حکمران سید محمد خان اور سلطان محمد خان نے بھی بیعت کر لی ۔

مذکورہ شبخون کے بعد سکھ تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے اور سید صاحب بھی میدان کار زار دیکھنے کے متمنی تھے لشکر جمع کیا جانے لگا ۔ یوسفزئی بکثرت جذبہ' جہاد سے سر شار میدان جنگ میں کود جانے کے لئے بیقرار نظر آئے ۔ لشکر کی فراہمی میں سرداران یوسفزئی فتح خان پنجتار ۔ اشرف خان زیدہ اور خادی خان ہنڈ وغیرہ کے علاوہ امیر محمد خان ترکانڑی باجوڑی اور دوسرے رؤسا بھی ہمہ تن مصروف تھے ۔ نوشہرہ میں لشکر کا اجتماع ہونا تھا ۔ رسم ملک کے مطابق ہر جماعت اپنا نشان اٹھائے چلی آ رہی تھی ۔ یار محمد خان اور اس کے بھائی سلطان محمد خان اور پیر محمد خان بھی معہ اپنے لشکر کے ان مجاہدین سے آ ملے ۔ سکھ لشکر جس کی تعداد پینتیس ۳۵ ہزار بتائی جاتی ہے اس وقت شیدو کے مقام پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا ۔ تو مجاہدین نے اکوڑہ کے قریب اپنا کیمپ نصب کر دیا ۔ مجاہدین نے شدت سے حملہ کیا تو سکھوں کے پاؤں اکھڑنے لگے پھر سنبھلے لیکن شکست کھائی پھر بھاگے فتح یقینی نظر آئی ۔ سید صاحب خود میدان جنگ

میں علیل پڑے تھے اور ان کے دست راست مولوی محمد اسمٰعیل جو اولین بیعت کرنے والوں میں سے تھے ۔ تیمارداری میں مصروف رہے ۔ اس دوران کہ جنگ ابھی جاری تھی سردار یار محمد خان بارک زئی اپنے بھائیوں سمیت جنہوں نے میدان جنگ میں معہ لشکر موجود ہوتے ہوئے بھی عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا ۔ میدان سے بھاگ نکلے اسے دیکھا دیکھی کئی دوسرے افراد بھی بھاگ گئے اور اس افراتفری میں جنگ کا رخ بدل گیا نتیجہ یہ کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی ۔

اس جنگ میں افغان مردانہ وار مصروف جنگ رہے لیکن سردار یار محمد خان اور اس کے بھائیوں کی غداری مسلمانوں کی تباہی کا باعث بنی کہا جاتا ہے کہ سکھوں نے پہلے ہی سے یار محمد خان کو دھمکانا شروع کر دیا تھا اور اسی دھمکی سے گھبرا کر اس نے غداری کا ثبوت دیا ۔ اور اس کی یہ غداری اسلامی لشکر کی شکست کا باعث بن کر رہ گئی جس پر سکھوں نے اپنی پوری مملکت میں جشن خوشی منایا یہ جنگ ۱۸۲۷ء میں لڑی گئی تھی ۔

مذکورہ جنگ کے بعد سید احمد نے بونیر اور سوات کی راہ لی اور اپنے لئے مستقل مرکز کی تلاش شروع کی ۔ ان علاقوں میں ایک ایک آبادی کا دورہ کیا ہر جگہ ان کا عزت و احترام سے استقبال ہوا ۔ جگہ جگہ سے امداد و اعانت ملتی رہی ۔ اور ان کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا ۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں :-

> '' فقیر نے یوسفزئی کے مختلف اضلاع مثلاً چملہ ۔ بونیر اور سوات کا دورہ کیا ۔ اور انہیں بستیوں کے مومنوں اور مسلمانوں کو بالمشافہ اقامت جہاد اور ازالۂ فساد کی ترغیب دی ۔ افغانوں کے متعدد گروہوں مثلاً افریدیوں مہمندوں اور خلیلوں کو تحریری دعوت نامے بھیج کر اس سعادت عظمیٰ کے اصول

اور اس عبادت کبٰری کی بجا آوری پر متوجہ کیا ۔ الحمدللہ ۔ مومنین صادقین نے اس دعوت کو قبول کر لیا "۔

(سید احمد شہید از مہر)

فتح خان رئیس کی دعوت پر پنجتار کو مرکز کی حیثیت دے کر سید صاحب نے اس کے ارد گرد علاقہ کا دورہ کیا ۔ ہر جگہ نتائج خاطر خواہ نکلے ۔ پھر بعض وجوہات کی بنا پر انہوں نے خار کو مرکز بنا لیا ۔ اور دسمبر ۱۸۲۷ کو وہاں پہنچے ۔ تو ایک عرصہ قیام کے بعد جنوری ۱۸۲۹ تک وہاں مقیم رہے ۔ اس عرصہ گرد و نواح میں تبلیغ کا کام جاری رہا ۔ جنگ شیدو کے بعد مولوی محمد اسمعیل شہید کی قیادت میں کچھ مجاہدین ہزارہ کی طرف چلے گئے تھے ۔ ادائے فرائض کے بعد وہ بھی دوبارہ پنجتار میں سید صاحب سے آ ملے اور بعد میں ان کے ساتھ ہی رہے ۔

مختصر یہ کہ وقت نے پوری طرح سید احمد شہید کا ساتھ دیا جہاں بھی گئے کامیابی نے قدم چومے ۔ علاقے کے رئیس اور عوام آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے ۔ ہزاروں کی تعداد میں باشندگان سرحد نے میدان جہاد میں اپنی جانیں قربان کر کے پیش کر دیں مگر جب یہ سب طاقت یکجا ہونے لگی کہ جس سے سکھوں کا قلع قمع کیا جا سکتا تھا حالات نے پلٹا کھایا تو وہ خود مسلمانوں کو آپس میں کچلنے کے لئے استعمال ہونے لگی ۔ ان لوگوں کو جنہوں نے سید صاحب کے خلاف اقدام کیا تھا یا کرنا چاہتے تھے اب ان کا روکنا ضروری ہو گیا لہذا یہ اطلاع ملنے پر کہ درانیوں کا لشکر (جو اس وقت پشاور اور اشنغر وغیرہ کے علاقہ پر حکمران تھے) سید صاحب پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا سید صاحب کو اس کی مدافعت کے لئے اقدام کرنا ناگزیر ہو گیا ۔ چنانچہ مجاہدین موضع اتمان زئی کی طرف روانہ

ہوگئے اور مسلمان کے مقابلہ میں مسلمان شمشیر بکف نظر آنے لگا مجاہدین چونکہ باقاعدہ منظم نہ تھا اس وجہ سے شکست کھائی اور اس خون مسلم سے موضع اتمان زئی تحصیل چارسدہ کے سرزمین کی آبیاری ہوئی ۔

اس جنگ کے بعد اپنے حقیقی مقاصد کے حصول کے لئے سید صاحب نے تگ و دو کو اور تیز کر دیا ۔ اور خار سے چل کر پنجتار میں جا مقیم ہوئے اب تجویز ہوئی کہ علاقہ بھر کے علماء روسا اور دیگر قابل ذکر افراد کو مجتمع کیا جائے ۔ چنانچہ ۹ فروری ۱۸۲۹ع کو ایک اجتماع عظیم ہوا ۔ جس میں علماء اسلام نے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے فوری قیام و اجراء کا فیصلہ سنا دیا ۔ اس اجتماع میں شمولیت کرنے والے یوسفزئی روساء میں اشرف خان زیدہ ۔ خادی خان ہنڈ اور فتح خان پنجتار کے نام قابل ذکر ہیں جن کے ساتھ اپنی اپنی بھاری جمیعتیں تھیں ۔ اور جو حقیقتاً اپنے اپنے علاقہ میں حکمران کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ان میں سے فتح خان رئیس پنجتار نے سید صاحب کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا کہ " صدھا برس کے مراسم ترک کرنے کے باعث افغانوں کے ساتھ اختلافات بھی رونما ہو جائیں گے ۔ "

لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی ۔ اور جہاں ہمارے علماء کرام نزاکت وقت گرد و پیش اور کسی فیصلہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کئے بغیر اپنے اقتدار کے قیام و زعم علم میں فیصلہ کر دینے کے عادی ہو چکے ہوں وہاں کسی کی کیا چل سکتی تھی ۔ اظہار اختلاف کا جواب کافر بنا دینے کے سوا اور کیا مل سکتا تھا اس جگہ بھی علماء اپنے فیصلہ پر بضد رہے ۔ حکم خدا اور رسول ؐ کے نام سے ان کے فیصلے نافذ کر دینے کا فیصلہ ہوا تو اشرف خان زیدہ ۔ خادی خان ہنڈ اور فتح خان پنجتار کے ساتھ کئی دوسرے روساء نے بدامر مجبوری

سر تسلیم خم کر دیا۔

جس خطرے کی طرف رئیس پنجتار اشارہ کر چکا تھا۔ وہ کسی طرح غیر اہم نہ تھا۔ اس پر اگر غور و فکر کر لی جاتی تو شاید بعد میں مجاہدین کو بہت سی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان خوانین میں کشمکش شروع ہو گئی۔ انہیں اپنی اپنی اقتدار کی فکر پیدا ہوئی۔ فتح خان اور اشرف خان تو سید صاحب کے ہمرکاب رہے لیکن خادی خان کو اپنے اقتدار میں کمی برداشت نہ ہوئی۔ اور یہ بھی گوارہ نہ کر سکا۔ کہ سید صاحب کی امداد و اعانت کے باوجود وہ ان کی نظروں میں ایسی وقعت نہ رکھے جو فتح خان کو حاصل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خادی خان اور اشرف خان میں چپقلش ہو گئی اشرف خان گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا اس کے بعد خادی خان سید صاحب کا ہمنوا نہ رہا اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ سکھوں نے یہ حالت دیکھی تو جنرل دلتورہ کی کمان میں اقدام کر دیا سید صاحب نے اس مقابلے کے لئے تین سو مجاہدین پر مشتمل ایک جماعت روانہ کر دی۔ سکھوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو شبخون کے ڈر سے گھبرا کر لوٹ گئے۔

جو اندرونی مخالفت زور پکڑ رہی تھی وہ کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکی سید صاحب چاہتے تھے کہ علماء کرام کے فتووں سے سب کے دلوں پر قابو پا لیں۔ لیکن جو عادتیں راسخ ہو چکی تھیں انہیں جلد بدلا نہ جا سکتا تھا حالات کی تشویشناک پریشانی کا باعث بنی۔ ان حالات کے پیش نظر اگر قابل ذکر خوانین کو یکجا کر لیا جاتا تو صلاحیت کی کوئی صورت نکل آتی۔ خوانین اپنی وقار کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کو احتراماً تسلیم کر لیتے لیکن اس کی بجائے پھر علماء کرام کا اجتماع کر دیا گیا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ خادی

خان کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو علماء سے ایسے شخص کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔

سید صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل نے بڑی درد انگیز تقریریں کیں۔ لیکن بالآخر معاملہ علماء کو سونپ دیا گیا۔ جنہوں نے بلا تکلف فتویٰ دے دیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے۔ خادی خان اس نشیب و فراز سے واقف تھا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ اس کی سرزنش کے لیے کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب سید صاحب نے اسے اپنے پاس بلا کر سمجھانا چاہا تو وہ دل کی بات کہے بغیر نہ رہ سکا کہ :-

حضرت۔ ہم پختون لوگ کاروبار ریاست کا رکھتے ہیں اور یہ مشورہ ملاؤں نے مل کر کیا ہے یہ لوگ ہمارے اسقاط اور خیرات کے کھانے والوں میں ہیں کاروبار ریاست میں ان کا کیا شعور۔

افسوس کہ اس وقت سید صاحب بھی اپنے جوش جذبہ جہاد میں خادی خان کے ان الفاظ کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انہیں اس پر طیش آگیا۔ کہ علماء کرام کی شان میں ایسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے اور بجائے اس کے کہ خادی خان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی۔ جواب اسی قسم کی تلخی سے دیا گیا کہ خادی خان چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

سید صاحب نے پھر ارد گرد کے علاقوں میں امداد و اعانت کے لیے پیغام بھیجے مجاہدین جمع ہونا شروع ہوئے۔ اسی دوران سکھوں نے دنتورہ کی قیادت میں دوبارہ پنجتار کی طرف اقدام کیا اور موضع سلیم خان سے نکل کر طوطالی جا پہنچے۔ مجاہدین مقابلہ کے لیے تیار کھڑے تھے۔ پہاڑوں میں مجاہدین کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ دکھائی دے رہی تھی۔ دنتورہ نے آگے بڑھنے

کی ہمت نہ کی اور واپس لوٹ گیا ۔ اور آمد و رفت دونوں اوقات میں سکھوں کی روایت کو زندہ رکھنے کے لیے اس راستہ کی آبادیوں کو نذر آتش کرتا گیا ۔

اب مجاہدین اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگے ۔ انہوں نے سوچا کہ یا تو بارک زئیوں کے خلاف اقدام کیا جائے جو سکھوں کے تابع فرمان اور مجاہدین کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے ۔ یا پھر خادی خان ہنڈ کو راستہ سے ہٹایا جائے اس لیے کہ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے خوانین یا قبائل شریعت اسلامیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھے بالآخر یہ فیصلہ ہوا ۔ کہ پہلے خادی خان سے نمٹ لیا جائے ۔ اور اس کے بعد بارکزئیوں کی باری آئے ۔ سید صاحب ہنڈ پر نہایت رازداری سے حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے ۔ ساز و سامان تیار کیا تاکہ شبخون مارکر قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ لشکر روانہ ہوا اور صبح ایسے وقت قلعہ کے سامنے پہنچا کہ مقیمین قلعہ بیخوف و خطر دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھے مجاہدین بندوقیں داغتے ہوئے اندر داخل ہو گئے خادی خان جس نے سید صاحب کی اس علاقہ میں آمد پر انصار کے فرائض سر انجام دئیے تھے مارا گیا اس کی لاش ورثا' کے حوالہ کر دی گئی لیکن اس کے اہل و عیال کو ایک عرصہ تک اپنے ورثا' کے پاس جانے کی اجازت نہ ملی ۔ ہنڈ پر اس حملہ کی تاریخ ۸ اگست ۱۸۲۹ع بیان کی جاتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد خادی خان کے ساتھیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور خادی خان کے اہل و عیال کو رہائی دلانے کی کوشش شروع ہوئیں مقرب خان رئیس زیدہ جو سید صاحب کے فدائین میں سے تھا ۔ اپنے بہنوئی اور قریبی رشتہ دار خادی خان کے اہل و عیال کی مدد نہ کر سکا تو گاؤں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا جس پر اسے مفرور

قرار دے دیا گیا اور فتح خان رئیس زیدہ منتخب یا نامزد ہوا - خادی خان کے بھائی محمد امیر خان نے دوسرے خوانین سے امداد طلب کی - اور بالآخر پشاور میں یار محمد خان بارک زئی کے پاس پہنچا اور آسے اپنی امداد پر رضا مند کر لیا یار محمد خان کے ایک معتمد نے پنڈ پر یورش کی - اور وقتاً فوقتاً چھاپے مارتا رہا تا آنکہ یار محمد خان خود بھی لشکر لئے اربان پہنچ گیا - اربان سے نکل کر بدرئی نالہ پر یار محمد خان نے اپنی توپیں نصب کر لیں - مقابلہ شروع ہوا - یار محمد خان کو شکست ہوئی اور زخمی ہو کر بھاگا تو راستہ ہی میں جاں بحق ہو گیا اور مال و اسباب مجاہدین کے ہاتھ لگا - یہ جنگ ۴ / ۵ ستمبر ۱۸۲۹ع کو ہوئی تھی -

سید صاحب اس کے بعد ہزارہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک جماعت کو قلعہ پنڈ میں چھوڑ کر باقی مجاہدین کو ساتھ لئے روانہ ہوئے - یار محمد خان مرحوم کے بھائی سلطان محمد خان نے پنڈ پر حملہ کرتے ہوئے اس پر قبضہ کر لیا مقیمین قلعہ گرفتار کر لئے گئے جو بعد میں قید خانہ سے بھاگ نکلے - سید صاحب ان حالات کو سن کر پنجتار میں مقیم ہوئے اور جب تسلی ہوئی کہ پشاور کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہو رہا تو پھر ہزارہ کی طرف چلے گئے - وہیں سکھوں نے انہیں پیغام دے کر اپنی طرف سے علاقہ یوسف زئی میں محصولات وصول کرنے کی پیشکش کی جو انہوں نے مسترد کر دی -

سید صاحب نے پھر یہاں سے ایک جماعت کو یوسفزئی کے میدانی علاقہ کی طرف بھیج دیا تا کہ احکام شریعت کا نفاذ کرے - عُشر پہلے علماء کو ملتا تھا - جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار تھا - مجاہدین نے اسے امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول کرنا شروع کر دیا علماء نے پہلے تو مخالفت کی مگر طاقت سے دب کر

ہمنوا ہو گئے تا ہم دلوں میں مخالفت پکنے لگی ـ اسی دوران خان کلاٹ مقابلہ پر اتر آیا جنگ ہوئی خان نے شکست کھائی اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے قلعہ ہنڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور ارد گرد کے علاقے مثلاً مرغز ٹھنڈ کوئی کڈی اور پنج پیر پر بھی انہیں اقتدار حاصل ہو گیا ـ باہں ہمہ ادائیگی عُشر کا مسئلہ متنازعہ رہا ـ جہاں طاقت دکھائی دیتی اقرار کر لیا جاتا اور جہاں طاقت دکھائی نہ دی لوگوں نے ادائیگی سے انکار کر دیا ـ اب کسی مزید بحث و دلیل کی گنجائش نہ تھی ـ بلکہ فیصلہ دے دیا گیا کہ عشر امیر کا حق ہے ـ اس سے اختلاف کفر کے مترادف ہے ـ چنانچہ ایک موقع پر مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا اور رسول کے خلاف باپ دادا کی روایت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں ـ کسی نے کہ دیا کہ " مینتہ المصلّی " میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ دیگر اسے دوبارہ مسلمان نہ بنایا گیا ـ مسائل کو علماء کی سرکردگی میں طاقت کے زور سے منوایا جاتا رہا ـ نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی ـ اگرچہ اس جماعت کے سامنے یکے بعد دیگرے مختلف گاؤں اظہار وفاداری بھی کرتے رہے ـ

ان حالات میں رئیس مردان سے بھی اختلافات پیدا ہو گئے اس وقت احمد خان ولد لشکر خان مردان جس پر سرداران پشاور ، یار محمد خان وغیرہ کی بہن بیاہی ہوئی تھی، کمال زئی علاقہ کا رئیس اعظم تھا ـ وہ شکست کھا گیا تو اس کا مال و اسباب بحق مجاہدین ضبط کر لیا گیا اور اس کے بھائی محمد خان کو جو فتح خان پنجتار کا معتمد تھا ،

کو علاقہ کا سردار مقرر کر دیا اس حملہ اور جماعت کے قائد قاضی سید محمد حبان اس جنگ میں شہید ہوئے ۔ اور جب لشکر نے واپسی کا اہتمام کیا ۔ تو علاقہ میں جگہ جگہ عشر وصول کرنے کے لئے تحصیلدار مقرر ہوئے جن کی قیادت مولوی محمد اسمعیل کے ہاتھ میں آئی

بارک زیوں نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں تھیں ۔ جب سید صاحب کو علم ہوا تو وہ ہزارہ سے پنجتار اور شوا و اسماعیلہ سے ہوتے ہوئے گڑھی امان زئی پہنچ گئے ادھر بارک زئی لشکر پشاور سے چارسدہ ہوتے ہوئے اتمانزئی میں جا مقیم ہوا ۔ دونوں طرف سے جنگ کی تیاری ہونے لگی ۔ بارک زیوں کا یہ خیال کہ وہ ملک کے جائز حکمران تھے تو سید صاحب کو امارت اور نفاذ احکام شریعت کا دعویٰ تھا ۔ بالآخر طورو اور مایار کے درمیان دونوں لشکروں میں شدید جنگ ہوئی بارک زئی (سرداران پشاور) نے پھر شکست کھائی اور سید صاحب کا وقار اور بھی بلند ہوا ۔

انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بارک زیوں کے اقتدار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ وہ لشکر لیے پشاور کی طرف چل پڑے ۔ چارسدہ سے تنگی اور شبقدر ہوتے ہوئے میچنی کے راستہ ریگی (پشاور) پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی آمد کی خبر سن کر سلطان محمد خان بارک زئی پشاور خالی کرگیا تھا ۔ اس جگہ کوئی جنگ نہ ہوئی ۔ اور سلطان محمد خان بارک زئی کی طرف سے ارباب فیض اللہ خان ساکن ہزار خوانی پشاور نے وکالت کرتے ہوئے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا ۔ سید صاحب معہ اپنے رفقاء کے بطور مہمان کابلی دروازہ سے پشاور شہر میں داخل ہو کر گور گٹھڑی میں مقیم ہوگئے ۔ ارباب فیض اللہ خان نے شرائط صلح طے کیں ۔ فیصلہ ہوا کہ حکومت سردار سلطان محمد خان کو سونپ دی جائے اور وہ وقت

ضرورت سید صاحب کی امداد و اعانت کرتا رہے اور اپنی بری عادتوں کو چھوڑ دے ۔ اس کے بعد پشاور میں اجرائے شریعت کے لئے قاضی وغیرہ مقرر کر کے سید صاحب واپس لوٹ کر پنجتار جا پہنچے ۔

سردار سلطان محمد خان کو جب مجاہدین کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور پشاور کا علاقہ بھی اسے مل گیا یا یوں کہئے کہ جس سلطنت لٹ جانے کا ڈر تھا وہ محفوظ ہو گئی ۔ تو اس نے سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دئے ۔ یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ اکثر مقامات کے خوانین و صاحبان اثر و رسوخ ، صرف طاقت کے خوف سے ہی وقتی طور پر مجاہدین کے ہمنوا ہوئے تھے اور ان کے صدیوں کے رسومات بیک جنبش لب دور نہ کئے جا سکتے تھے لہذا سلطان محمد خان کی سازش جلد کامیاب ہوئی اس نے بھی علماء کی خدمات حاصل کیں اور انہوں نے سید صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف فتوے دئے ۔ مخالفین کو ان فتوں کی آڑ مل گئی ۔ اور بالآخر طے پایا کہ ایک ہی رات میں تمام مجاہدین کو جام شہادت پلا دیا جائے ۔ اس کی ابتدا پشاور سے ہوئی جہاں سلطان محمد خان نے ارباب فیض اللہ خان اور سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی اور تحصیلدار کو قتل کر دیا اور باقیوں کو بھی مختلف مقامات پر نہایت بیدردی سے قتل کیا گیا ۔ اور یہ بزدلی اور بد عہدی کا ایسا بد نما داغ ہے جو سرداران پشاور کے دامن سے دھلے دھل نہیں سکتا ۔

جس وقت ظلم و ستم ڈھایا جا رہا تھا ۔ سید صاحب پنجتار میں مقیم تھے یہ حالات سن کر مایوس ہوئے اور اس علاقہ کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کیا باہں ہمہ ان خوانین کو جو اس سازش میں شریک نہیں تھے بلا کر حقیقت حال دریافت کی بعض مجرمین نے بھی سید صاحب کے مقرر کردہ افسروں کی سختیوں کا ذکر کیا ۔ بعض نے کہا کہ ان

کی لڑکیوں کے نکاح بلا ان کی اجازت کے کرائے جاتے تھے ۔ اور بعض نے بتایا کہ سلطان محمد خان کی طرف سے ہندوستانی علماء کے فتوے انہیں ملے تھے جن میں مجاہدین کو انگریز کا جاسوس ظاہر کیا گیا تھا ۔ اور بتایا گیا تھا کہ وہ اس ملک کو انگریز کے حوالے کر دیں گے ۔ غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کر لیا ۔ حقیقت میں یہ سب سردار سلطان محمد خان بارکزئی کے جذبۂ انتقام کا نتیجہ تھا ۔

سید صاحب کے خیالات سن کر بعض رفقاء نے اختلاف کیا لیکن جب سید صاحب نے اس علاقے سے انتہائی نفرت کا اظہار کر دیا تو سب خاموش ہو گئے اس دوران اخوند صاحب سوات سے بھی مذہبی اختلافات زور پکڑ چکے تھے سید صاحب نے صاف کہدیا کہ میدانی علاقہ کی مخالفت تو وہ خود دیکھ رہے تھے پشت پر سوات کا علاقہ وہ بھی مخالف، بلکہ فتح خان پنجتار بھی قابل اعتماد نہیں رہا حالانکہ فتح خان اس وقت تک پوری دیانتداری سے ساتھ دے رہا تھا ۔ بہرحال حالات سے مایوس و مجبور ہو کر سید صاحب نے پکھلی (ہزارہ) جانے کا آخری فیصلہ کر لیا اور خدا کا نام لے کر روانہ ہو گئے کچھ عرصہ تک ہزارہ میں تبلیغ کرتے رہے اور آخر کار بالاکوٹ (ہزارہ) میں سکھوں کے نرغے میں پھنس کر مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے بروز جمعہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو اپنے خلیفہ نائب یا دست راست مولوی محمد اسمٰعیل اور کئی دوسرے ساتھیوں کو ساتھ لیے جام شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ جس وقت اخوند صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے ۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما ملا سید امیر صاحب المعروف

" کوٹہ ملا صاحب " اس تحریک کی حمایت میں تھے ۔ اور پشاور کے مشہور عالم دین مولوی غلام جیلانی ۔ ملا عبدالمجید ۔ قاضی منصور اور علاقہ خلیل کے پیر غیاث ساکن پلوسئی بھی ان کی ہمنوائی کر رہے تھے ۔

انگریز کا دور

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
" اقبال "

انگریز نے سکھوں کی حکومت کو ختم کرتے ہوئے ۱۸۴۹ع میں پشاور اور اس کے ملحقہ علاقہ جس پر سکھ حکومت کرتے تھے قبضہ کر لیا ۔ اس کے علاوہ تھوڑے دنوں کے بعد یوسفزئی کا بہت سا میدانی علاقہ بھی انگریز کے قبضہ میں آگیا اور میجر جارج لارنس جس کا ذکر سکھوں کے عہد میں کیا جا چکا ہے پہلا ڈپٹی کمشنر پشاور مقرر ہوا ۔ انگریز لشکر کی کمان سر کولن کیمبل کر رہا تھا جو بعد میں لارڈ لائڈ کے نام سے مشہور ہوا ۔ پشاور میں انگریز کی آمد کے بعد علاقہ یوسفزئی میں ایک عرصہ تک خاموشی رہی ۔

انگریز کی آمد کے پہلے سال ہی اخوند صاحب سوات نے علاقہ سوات کے قبائل کو منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی ۔ اور انہوں نے پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کی بیعت کا اعلان کیا جس کو خوانین سوات نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا ۔

سید اکبر کے عہد میں بجائے اس کے کہ ملت مجتمع ہوتی اختلافات مٹاتے اور منظم ملکی انتظامات کرتے ، بد قسمتی سے جب ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے غدر کی اطلاع پشاور پہنچی تو سید اکبر شاہ رحلت فرما چکے تھے ان کے بعد ان کے لڑکے سید مبارک شاہ اور اخوند صاحب کے فرزند عبدالحنان نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی اور جلد ہی مذکورہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔ سید مبارک شاہ نے سوات سے نکل کر پہلے پنجتار بعدہ' ستھانہ میں قیام کیا۔

انگریز نے یوسفزیوں کے میدانی علاقہ میں جنگ و جدل کی بجائے تدبر عیاری اور مال و دولت سے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اسے اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی سوائے یوسفزئی کے دو قبیلوں یعنی خدو خیل جس کی قیادت مقرب خان کر رہا تھا اور محمودزئی (ساموزئی) کی قیادت رحیم خان ساکن نوانکلی ، انگریز لے محمودزئی پر حملہ کیا - تجویز یہ تھی کہ ایک ہی جست میں دولوں کی مخالفت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن اقدام کے بعد پتہ چلا کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا ۔ یوسفزئی کے دونوں قبیلے پوری ہمت اور جوانمردی سے معہ اپنے تمام رفقا' کے مقابلہ پر اتر آئے اور مات خوڑ ۔ ژمئی ۔ ہنگزارہ ۔ مضافات اسوٹا اور شیخ جانا و نارلجی بھی اس شدت سے مقابلے کرتے رہیں کہ انگریز کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کا بہت سامان جنگ اور گھوڑے غازیوں کے ہاتھ آئے ۔ انگریز نے پھر اڑی شدت سے شیخ جانا پر حملہ کیا ۔ مقرب خان خود کسی ناگزیر حالات کے پیش نظر اس مقابلہ میں نہ آ سکا تھا ۔ البتہ اس کے دو بھائی مدد خان اور غفور خان لشکر لے آئے تھے ان یوسفزیوں کو کمک بھی نہ پہنچ سکا توپ کے گولے سے مدد خان شہید ہوا اور اس کی لاش کو اس کا بھائی غفور خان معہ چھینے ہوئے انگریزی گھوڑوں کو پنجتار لے گیا ۔ رحیم خان کا دست راست

نواب خان راقم الحروف کا پردادا بھی توپ کے گولے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس شہید کے ٹکڑوں کو کمبل میں لپیٹ کر آبائی گاؤں نواں کلی (تحصیل صوابی) پہنچا کر سپرد خاک کیا گیا ماموزئی کے کئی سرکردہ جو جنگ میں گرفتار ہوئے انگریز نے ان کو سردست درختوں سے لٹکا کر پھانسی دی جن میں صرف دو آدمیوں کے نام مل سکے ہیں شادل ولد پور دل اور ظریف خان ولد آہو خان ساکنان اسوٹا -

ماموزئی اور خدو خیلوں نے حالات کو سازگار نہ دیکھتے ہوئے مصلحتاً پہاڑوں کی طرف ہٹ کر مقابلہ کیا - اور انگریز نے پنجتار پر سلیم خان کی جانب سے طوطالی کی طرف چڑھائی کی - مقرب خان بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا جبکہ رحیم خان کو نوگرام میں گرفتار کر لیا گیا اور نواں کلی بمقام منڈی جہاں انگریز کا کیمپ تھا لایا گیا اسمٰعیل خان اور میاں عنوان الدین نے اس کے رہائی کی سفارش کی اور اس پر دباؤ بھی ڈالا کہ وہ انگریز کی اطاعت قبول کر لے لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوا - رہائی کے بعد جاگیر کی پیشکش کی گئی جسے اس نے ٹھکرا دیا اور بعدہٗ ، خاموش زندگی بسر کرتے ہوئے نواں کلی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا -

الغرض کامیابی کے بعد پھر انگریز نے نواں کلی اور شیخ جانان کے درمیان بمقام الوہانڈہ اپنا کیمپ نصب کیا وہاں پر پھانسی کا بندوبست کیا اور مزید کئی سرکردہ آدمیوں کو وہاں لے جا کر پھانسی دی - پھر اس کے بعد ۲ جولائی ۱۸۵۸ء کو انگریز نے پنجتار پر حملہ کیا شدید جنگ ہوئی اس جنگ میں قبائل کی امداد و اعانت میں ہندوستانی مجاہدین بھی ان کے ساتھ شریک تھے - جن کی قیادت مولوی نعمت اللہ کر رہے تھے - اور خدوخیل کی قیادت مقرب خان کا چچازاد بھائی میر بااز خان کر رہا تھا - جو مارا گیا - مجاہدین کے ایک قائد

اور ایک خدوخیل ملک کو پھانسی دی گئی اور دو گاؤں کو نظر آتش کرنے کے بعد انگریز واپس چلا گیا ۔

۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز نے دوبارہ نارنجی پر حملہ کیا اور بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں کی آبادی کو ہاتھیوں کے ذریعہ مسمار کر دیا ۔ برجوں کو بارود سے اڑا دیا اور پچاس مجاہدین ایک جگہ شہید ہوئے ۔ اور وہیں ایک کنوئیں میں ڈال دئے گئے ۔ نارنجی کا ایک ملک میر عزن کو زندہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا ۔ یہ جنگیں ۷ اگست ۱۸۵۷ء تک جاری تھیں ۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انگریز نے اس دوران اپنا رعب و وقار قائم رکھنے کے لئے پشاور میں تاجروں سے حکومت کے نام پر قرضہ بھی مانگا اور چار لاکھ روپیہ وصول کرنے میں کامیاب رہا ۔

اکتوبر ۱۸۵۷ء میں اسسٹنٹ کمشنر مردان مسٹر ہورن شیخ جانا کا دورہ کر رہا تھا کہ مجاہدین کے قائد مبارس خان بن میر باز خان خدوخیل ساکن چنگلئی نے اس پر حملہ کر دیا کمشنر خود تو ایک نالہ میں چھپ گیا اور اس کے چند ساتھی مارے گئے جس سے انگریز کو لشکر کشی کا بہانہ مل گیا ۔ اور ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء کو نوشہرہ کے قریب لشکر کا اجتماع ہوا ۔ اسی دوران ایڈورڈز نامی ایک انگریز افسر کو موضع سلیم خان روانہ کیا گیا ۔ تا کہ وہ وہاں کے باشندگان کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کرے اور وہ اس مقصد میں کامیاب رہا ۔ ۲۶ اپریل ۱۸۵۸ء کو جب نوشہرہ سے لشکر سلیم خان پہنچ کر پنجتار کی طرف اقدام کرنے لگا تو خوانین طوطالی نے انہیں خوش آمدید کہا اور مقرب خان کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز سے مل گئے ۔ مقرب خان پنجتار سے نکل کر چنگلئی پہنچ چکا تھا ۔ چنانچہ انگریز نے پنجتار کو نذر آتش کیا اور اس کے تعاقب میں چنگلئی کی راہ لی ۔

چنگئی پہنچ کر مبارص خان کے مضبوط قلعے کو بھی خالی پا کر نذر آتش کیا اور آبادیوں کو پیوند زمین کرتے ہوئے واپس سلیم خان کی طرف لوٹ آیا وہاں سے منگل تھانہ جہاں مجاہدین آباد تھے کو برباد کرنے کی ٹھانی ۔ اور ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو اقدام کیا طوطالی کے دو سو باشندے بندوقیں لئے ساتھ تھے ۔ ۳۰ اپریل کی صبح کو وہاں کی آبادی کو بارود سے اڑا کر انگریز افسر وہاں سے واپس لوٹے ۔

اس سال انگریز نے اپنے بل بوتے اور طاقت پر بعض سرحدی قبائل سے یہ اقرار لے لیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت نہ دیں گے تو مجاہدین نے ستھانا کو خالی کر کے ملکا میں آبادی قائم کی ۔ اور ۱۸۶۱ء میں مجاہدین پھر اس علاقہ میں جن سے وہ نکالے جا چکے تھے قابض ہو گئے ۔ ۱۸۶۳ء میں انگریز کے دو آدمی کسی نا معلوم شخص کے ہاتھوں قتل ہوئے تو آسے پھر حرکت کرنے کا موقع ملا اور اس واردات کو سید مبارک شاہ کی سازش قرار دیا ۔ چنانچہ انگریز نے ہندوستانی مجاہدین کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا ۔ انگریز کا خیال تھا ۔ کہ اخوند صاحب سوات اور مجاہدین میں چونکہ اعتقادی اختلافات ہیں اس لئے وہ مجاہدین کی پشت پناہی نہ کریں گے جس سے مجاہدین کو سوات اور بونیر کے علاقوں سے امداد نہ مل سکے گی ۔ اور مٹھی بھر مجاہدین کو ٹھکانے لگانا آسان ہوگا اور دوسرے قبائل پر بھی اس کا اثر پڑے گا ۔ مجاہدین بھی بے خبر نہ تھے انہوں نے یوسفزیوں کو انگریز کی چال بازیوں سے آگاہ کرنے کے لئے خطوط لکھ کر بیدار کرنے کی سعی کی ۔ ان میں ایک خط بقول مصنف " ستھانا " انگریزوں کے ہاتھ لگا جس کی عبارت یوں بیان کی جاتی ہے:-

" یہ بد کردار کافر اس خطہ گلزار خاص کر علاقہ جات چملہ بونیر سوات وغیرہ کو لوٹ کر تباہ و برباد کرنے کے بعد اپنی مملکت

سے اس کا الحاق کر لیں گے ۔ اس طرح ہمارا دین و دنیاوی تمام مال و متاع پامال کر دیا جائے گا ۔ ان حالات میں حرمت اسلام ۔ تحفظ تعلیم اسلام دینی اور دنیاوی معاملات کے پیش نظر آپ اس موقع کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں ۔ یہ کافر حد درجہ کے دھوکہ باز اور فریبی ہیں ۔ اور جن طور طریقوں سے بھی ہو سکا وہ ان پہاڑیوں میں پہنچ کر افغانوں کے سامنے اعلان کریں گے کہ ان کا ان قبائل سے کوئی سروکار نہیں ۔ بلکہ وہ صرف ہندوستانیوں (مجاہدین) سے نبٹنا چاہتے ہیں ۔ اور تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ دیں گے ۔ حتیٰ کہ تمہارے سر کے ایک بال کو بھی نہ چھوا جائے گا ۔ بلکہ وہ ہندوستانیوں (مجاہدین) کو ملیا میٹ کرنے کے بعد فوراً واپس لوٹ جائیں گے ۔ اور اس ملک میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے ۔ اس کے ساتھ وہ افغانوں کو مال ودولت کا لالچ بھی دیں گے ۔ اب یہ کام آپ کا ہے کہ آپ ان کے مکر و فریب میں نہ آئیں ورنہ جونہی انہیں موقع ملا ۔ وہ آپ کو تباہ و برباد کر دیں گے ۔ مصائب گرائیں گے اور عزت و آبرو سے محروم کرتے ہوئے آپ کی تمام دولت اور مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچائیں گے ۔ اس وقت سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ ہم اس معاملہ کی اہمیت آپ پر واضح کر رہے ہیں ۔"

دونوں طرف سے حرکت شروع ہوئی ۔ اور ۳ ستمبر ۱۸۶۳ء کو مجاہدین نے اپنے قائدین محمد عبداللہ اور ملک عیسیٰ خان گدون کی سرکردگی میں موضع ٹوپی تحصیل صوابی میں مقیم انگریزی فوج (گائڈز) پر حملہ کر دیا ۔ انگریزی فوج کے لئے راہ فرار کے سوا کوئی چارہ کار

نہ رہا تو ایک انگریز مصنف میسن کو لکھنا پڑا کہ "یہ فرار ہمہ گیر اور شرمناک تھا"۔ وہاں سے ہٹ کر مجاہدین نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے مورچے سنبھال لیے۔ اس دوران انگریز لشکر کا اجتماع ہوتا رہا اور پوری رازداری سے کام لیا جانے لگا۔ کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ اقدام کس طرف ہوگا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو جنرل چیمبرلین نے صوابی پہنچ کر کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸ اکتوبر کو شیر درہ اور درن کی طرف کوچ شروع ہوا۔ ۱۹ اکتوبر کو کمشنر پشاور نے ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ اطلاع دی کہ انگریز صرف ہندوستانی مجاہدین کو سزا دینا چاہتا تھا افغانوں سے تعرض نہیں۔ بلکہ اس کا الٹا اثر ہوا اور یوسفزئی نے اپنے وطن عزیز کی سرزمین پر انگریز لشکر کی یلغار کو برداشت نہ کیا۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو لشکر براستہ لوان کلی روانہ ہوا تو ۲۰ اکتوبر کو امبیلہ جا پہنچا اور درہ کے آخری سرے پر کیمپ لسب کر دیا۔ ۲۱ اکتوبر کا دن منصوبہ بندی میں گزرا۔ ۲۲ اکتوبر کو گھوڑ سواروں کے دستے چملہ کی طرف اقدام کرنے لگے اور جب شام کے قریب یہ سوار واپس لوٹے تو یوسفزیوں نے پہاڑیوں سے اتر کر انہیں نہ صرف پریشان کیا۔ بلکہ تعاقب میں انگریزی کیمپ تک جا پہنچے۔ نصف رات تک لڑائی ہوتی رہی۔ انگریز سراسیمہ ہوگئے۔ بہر حال نصف رات گزرنے پر یوسفزئی واپس لوٹ گئے۔

دوسرے یوسفزئی قبائل ابھی میدان جنگ میں کود پڑے۔حتی کہ اخوند صاحب کی سرکردگی میں مجاہدین نے ہلہ بول دیا۔ بونیر اور سوات کے علاوہ دیر اور باجوڑ سے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا گیا۔ ہندوستانی مجاہدین اور یوسفزئی پہلو بہ پہلو استخلاص وطن کے لیے سینہ سپرد دکھائی دے رہے تھے۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کو پھر شدید

جنگ ہوئی انگریز اپنی چوکیاں مضبوط و مستحکم کرنے کی فکر میں تھا اور ایک مضبوط چوکی کیمپ سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر ایگل نسٹ کے نام سے پہاڑ پر قائم کی - اور ساتھ ہی تازہ دم لشکر کے انتظار میں لگا رہا - ۲۹ــ۳۰ اکتوبر کی درمیانی شب کو مجاہدین نے مذکورہ چوکی پر بڑی شدت سے حملہ کیا - انگریز کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے ۲۹ اشخاص مارے گئے ۹۲ زخمی ہوئے - مجاہدین نے ۳۰ اکتوبر کی صبح کو چوکی پر قبضہ کر لیا - ۱۲ نومبر کو باجوڑ کے لشکر نے ایک دوسری چوکی کریک پر حملہ کر دیا - رات بھر لڑائی ہوتی رہی اور ۱۳ نومبر کو مجاہدین نے چوکی پر قبضہ کر لیا - لیکن انگریز نے توپخانہ سے اس شدت سے حملہ کیا کہ مجاہدین اس چوکی کو خالی چھوڑ گئے - انگریز نے تمام چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے لشکر بلا کر تمام طاقت کریک پر جمع کر دی - یوسفزیوں نے پے در پے حملے کئے اور انگریز لشکر کے کمانڈر چیمبرلین کو زخمی کرتے ہوئے کریک پر قبضہ کر لیا یوسفزئی جس ہمت اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے اس کا ذکر لارڈ رابرٹس نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

> ہم پر مسلسل تین ہفتوں تک روزانہ حملے ہوتے رہے اور دشمن نہایت بہادرانہ طریقہ پر جنگ کرتا رہا - ان میں سے کئی ہمارے توپخانے کے حلقے میں پہنچ کر مارے گئے - دو دفعہ انہوں نے کریک کی چوکی پر قبضہ کیا جو ہمارے تحفظ کی کنجی تھی - اور جسے ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا ضروری تھا - دوسرے حملہ میں جنرل چیمبرلین نے خود لشکر کی قیادت کی لیکن سخت زخمی ہو کر لشکر کی قیادت چھوڑ دینے پر مجبور ہوا "-

اس سلسلے میں لارڈ مذکور مذید لکھتا ہے کہ یوسفزئی قبائل اکثر

اوقات انگریز لشکر کے کمانڈروں کو آواز دیتے تھے کہ ۔

"ہمیں تمہاری ضرورت نہیں وہ لال پگڑی والے کہاں ہیں ۔ اور وہ گورہ لوگ کہاں ہیں ۔ وہی ہمارے بہترین شکار ہیں ۔ قبائلیوں نے جلد ہی سکھ اور انگریزوں کو پہچان لیا جو اگرچہ جنگ آزما تھے لیکن ان پہاڑیوں میں بے بس نظر آنے لگے اور اپنا سر تک نہ چھپا سکے "۔

انگریز جان چکا تھا کہ فتح آسان نہیں تھی جنگ نے بھی طول پکڑا چنانچہ اس نے فریب کاری اور چال بازی سے کام لینا چاہا ۔ پولیٹیکل افسر اس کام میں مشغول ہو گئے ۔ اختلافات کو ہوا دی جانے لگی ۔ رفتہ رفتہ یوسفزئی قبائل میدان جنگ سے واپس لوٹنے کی فکر کرنے لگ گئے جس سے لامحالہ ان کی طاقت کمزور ہونا شروع ہوئی ۔ انگریز بونیر کے چند خوانین کو اس پر رضامند کرانے کی کوشش میں تھا کہ وہ انگریز لشکر کے ساتھ ہو کر از خود ملکا کو نذر آتش کر دیں ۔ اخوند صاحب مقابلہ پر ڈٹے رہے گو کہ ان کے ساتھیوں میں کمی واقع ہو چکی تھی ۔ انگریز نے انہیں ہتھیار پھینک دینے یا لوٹ جانے کا مشورہ دیا جو انہوں نے ٹھکرا دیا ۔ اور جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر کار بند رہے چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی ۔ اخوند صاحب جان چکے تھے کہ انگریز ملکا کو نذر آتش کرنے پر رضامند ہے تو انہوں یہ شرط پیش کر دی کہ انگریز ملکا کے باہر کے ایک کوٹھے کو آگ لگا کر واپس لوٹ جائے تو وہ بھی میدان جنگ سے اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلے جائیں گے ۔ ورنہ آخر دم تک مقابلہ کریں گے ۔ انگریز نے یہ شرط مان لی جس پر چھ انگریز افسر گائڈز فوج کے کچھ سپاہی لے کر خوانین بونیر کی قیادت میں موضع ملکا پہنچے تو گاؤں کے باہر ایک جھونپڑے کو نذر آتش کرکے واپس لوٹ آئے

د امبیلے کیدړ ساړہ شول
چہ ئے خوراک وہ د گوراؤ لہ سولونہ

انگریز کی اتنی شدید جنگ لڑنے کے بعد صرف ملکا کے ایک معمولی جھونپڑے کو نذر آتش کر کے لوٹ آنے پر رضامندگی اس کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جس میں خود ایک انگریز مصنف ڈبلیو ہنٹر کی تحریر کے مطابق چودہ انگریز افسر اور ایک ہزار سپاہی کام آ چکے تھے۔ اور ایک دوسرے مصنف " پکٹ " نے لکھا ہے کہ

" افغانوں کے خلاف ۱۸۴۹ سے ۱۸۹۰ تک کے دوران بیالیس مرتبہ فوج کشی کی گئی جس میں اس کے ۲۱۷۳ آدمی کام آئے اور پھر اس میں ۹۰۸ صرف معرکہ امبیلہ میں مارے گئے تھے اور اس طرح اس اہم ترین معرکہ کا خاتمہ ہوا "۔

معرکہ امبیلہ کے بعد ہندوستانی مجاہدین میں کچھ انتشار پیدا ہوا ایک حصہ بونیر میں ہی رہا اور دوسرا علاقہ چغرزئی کو کوچ کر گیا۔ انگریز نے بھی پولٹیکل افسر کی وساطت سے دخل اندازی کی۔ اخوند صاحب سوات اور ان کے مخالفین میں جنگ ہوئی۔ مخالف جماعت کا سرغنہ مارا گیا تو اخوند صاحب کے لئے میدان صاف تھا۔ مجاہدین کو نکال باہر کر کے ہزارہ کی طرف دھکیل دیا گیا۔

اس معرکہ کے بعد یوسفزیوں کا انگریز کے ساتھ آٹھ نو سال تک کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا البتہ مختلف قبائل سے انفرادی حیثیت میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ بونیر کے قبیلہ عائشہ زئی نے ضلع مردان کے موضع پیر سائے کو نذر آتش کیا تو ان کی ناکہ بندی ہوئی۔ اور جب انہوں نے جلے ہوئے گاؤں کو تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تو ناکہ بندی اٹھا لی گئی۔ عجب خان موضع چارگلی جو سلا میرو (پیرحسن) کی

اولاد میں سے تھا ۔ کی انگریز سے بگاڑ کی صورت میں بونیر میں مقیم رہا اس کی سرکردگی میں بونیر کے قبائل نے چند مرتبہ سدوم پر حملے کئے تو اسے گرفتار کیا گیا اور عدالت نے اسے سزائے موت دی ۔

اس کے بعد بونیر کے قبائل کو مقبوضہ علاقوں میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا جس کے دوران جھڑپیں ہوتی رہیں - بالاخر ۱۸۸۹ع میں صلح ہوگئی ۔ قبیلہ عاشیہ‌زئی نے لوٹ کا مال واپس کر دیا اور قبائل نوری‌زئی و دولت زئی نے بھی آئندہ حملہ نہ کرنے کا وعدہ کر لیا ۔ لیکن اگست ۱۸۹۷ میں یوسفزیوں نے مالاکنڈ پر حملہ کر دیا تو بونیر والوں نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔ اور لنڈاکے (سوات) کے مقام پر انگریز سے مقابلہ ہوا۔ انگریز نے بونیر والوں کی وعدہ خلافی پر جنرل ۔ریتڈن‌بلڈ کی سرکردگی میں ۷ جون ۱۸۹۸ع میں بھاری لشکر کے ساتھ بونیر کے سالارزیئوں کے علاقہ پر اقدام شروع کیا - درہ تنگا پر قبضہ کر لیا ۔ دوسرا لشکر پیر سائے کے راستہ سے درہ امبیلہ سے گزر کر چملہ کے علاقہ میں دکھائی دینے لگا اس دفعہ یوسفزئی کی طاقت کم تھی ۔ چنانچہ وادی بونیر کو روند ڈالا گیا ۔ اور بارہ دن اس حکمت عملی پر عمل ہوتا رہا بالاخر سرداران قبائل سالارزئی ۔ عاشہ زئی ۔ گدی زئی ۔ دولت زئی - نوری‌زئی اور نسوزئی نے جرمانہ ادا کرنے پر رضامندگی ظاہر کی تو ۱۹ جولائی ۱۸۹۸ع کو انگریز لشکر واپس لوٹ آیا ۔

پھر ۱۹۱۳ع میں درہ امبیلہ میں دو انگریز افسروں پر کسی نے گولی چلا دی تو انگریز نے لشکر کشی کی اور فروری ۱۹۱۴ع کی ایک رات کو درہ ملندری کو عبور کرتے ہوئے موضع نواں کلی اور زنگی خان کو جا برباد کیا ادر سات ہزار روپیہ جرمانہ لگا کر لشکر واپس لوٹا ۔

اول جنگ یورپ کے دوران علاقہ اشنغر کے مشہور عالم دین حاجی صاحب ترنگزئی جون ۱۹۱۵ع میں مقبوضہ علاقہ سے نکل کر

باجوڑ جا پہنچے ۔ جاتے ہی انہوں نے انگریز کے خلاف محاذ قائم کیا اور جلد ہی ان کا لشکر ہیر مانے ۔ ملندری اور درہ امبیلہ میں دکھائی دینے دینے لگا انگریز لشکر ۱۶ اگست ۱۹۱۵ع کو رستم جا پہنچا ۔ باشندگان بونیر بڑی بہادری سے لڑے لیکن کوئی اہم فیصلہ ہوئے بغیر حاجی صاحب ترنگ زئی واپس لوٹ گئے ۔ مہمندوں کا محاذ بھی ٹھنڈا پڑ گیا ۔ آخر کار یوسف زئی قبائل انگریز کی شرائط ماننے پر مجبور ہوگئے ۔ جرمانہ ادا کرنے کا اقرار ہوا ۔ تو لشکر واپس لوٹ گیا ۔ اور ۱۹۱۹ع میں ہندوستان کی تحریکات کی وجہ سے سرحدی علاقہ میں کوئی ہلچل نہ ہوئی ۔

حالات یونہی چلتے رہے ادھر ریاست سوات کے حدود کو وسعت دی جا رہی تھی ۔ اور ۱۹۲۳ع میں بعض خوانین بونیر کی مرضی سے عبدالودود بادشاہ سوات نے اس پورے علاقے کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا ۔ ۱۹۲۲ع میں ہندوستان کے محکمہ سروے نے اس علاقہ کی دیکھ بال کی ۔ ۱۹۲۷ع میں انگریز اور بونیر کی سرحد پر نظر ثانی ہوئی اور اس کے بعد اس علاقہ میں سڑکیں تعمیر ہوئیں علاج معالجہ کی سہولتیں میسر آئیں ۔ تعلیم کا نظام رائج ہوا ۔ اور بونیر و چملہ کا علاقہ خطرات سے محفوظ ہو گیا ۔

عمرا خان جندولی

وادی جندول اندازاً آٹھ میل طویل اور چار میل عریض ہوگی جو دریائے پنجکوڑا سے میدان تک کے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے ۔ ۱۸۷۹ع میں عباس خان خان جندول کی وفات پر عمرا خان نے اپنا اقتدار قائم کیا ۔ یہ وہ عمرا خان ہے جس کا دادا فیض طلب خان

معرکۂ امبیلہ ۱۸۶۳ء جس کا ذکر اوپر ہوچکا ، باجوڑ سے لشکر لے کر شامل جنگ ہوا تھا ۔ ادھر اخوند صاحب کی وفات ۱۸۷۷ء پر ان کے بڑے لڑکے میاں عبدالحنان نے سوات کی عنان اقتدار ہاتھ میں لینے کی کوشش کی عمرا خان نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میاں گل کو اپنا ہمنوا بنا لیا ۔ اور ۱۸۸۲ء میں اردگرد کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا ۔ حتیٰ کہ خان دیر کی نصف ریاست بھی اس کے قبضہ میں آگئی ۔ اس نے نہایت منظم طریقہ سے حکومت کا آغاز کیا ۔ اور انگریز سے اسلحہ طلب کرتا رہا ۔ اور جب اس نے بمبئی کے ایک سکاچ کمپنی سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو مسٹر ڈین کمشنر پشاور نے مداخلت کرتے ہوئے رکوا دیا ۔

انگریز مورخین نے اپنی تحریروں میں عمرا خان کو افغان پنولین کے نام سے یاد کیا ہے ۔ اس نے تحفظ ریاست کے لیے دیگر انتظامات کے ساتھ ساتھ بہترین قلعے بھی تعمیر کرائے ۔ بد قسمتی سے میاں گل کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے اور اس نے خان دیر سے صلح کر لی جو عمرا خان کے لئے مشکلات کا پیش خیمہ تھی ۔ تا ہم اس نے ہمت نہ ہاری ۔ اور ترقی کرتا رہا ۔ حتیٰ کہ حکومت افغانستان کو بھی خطرہ لاحق ہوا ۔ تو کابل کی طرف سے ایک مذہبی پیشوا مکرانی ملا اس علاقہ میں آ نمودار ہوا ۔ اس نے عمرا خان کے خلاف آگ کو ہوا دی ۔ اور دیر ۔ نوا گئی ۔ سوات ۔ اتمان خیل ۔ سالارزئی اور چھوٹا میموند اجتماعی حیثیت میں مقابلہ پر اتر آئے ۔ عمرا خان نے جنگ بھی کی اور ساتھ ساتھ ان تمام میں باہمی کشمکش بھی پیدا کر دی ۔ مخالفین منتشر ہو گئے ۔ مکران ملا بھی اس علاقہ سے نکل گیا اور بالاخر ۱۸۹۰ء میں عمرا خان اپنے اقتدار کے عروج تک پہنچ گیا ۔ اس نے سوات پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ پورے دیر کے علاقہ پر اپنا

اقتدار قائم کر لیا ۔ حتیٰ کہ خان دیر محمد شریف خان کو سوات میں جا کر پناہ لینی پڑی ۔

اس دوران چترال کے حکمران خاندان کی آپس میں کشمکش ہوئی اور مہتر چترال امان الملک کا نوجوان لڑکا امیر الملک بھاگ کر علاقہ جندول میں پناہ گزیں ہوا اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۱۸۹۴ع میں واپس وطن لوٹ گیا ۔ اس وقت اس کا بھائی نظام الملک مہتر چترال تھا اس لے جاکر اسے قتل کر دیا اور جون ۱۸۹۵ع میں اپنی مہتری (بادشاہت) کا اعلان کر دیا ۔ انگریز پہلے ہی سے اپنے دستے وہاں اپنی تحفظ کے لئے قائم کر چکا تھا ۔ شہزادہ نے انگریز سے اپنی حکمرانی تسلیم کرانے کی خواہش ظاہر کی ۔ تو انگریز افسر نے مرکز سے ہدایت طلب کیں ۔ اس دوران عمرا خان اپنا لشکر لئے چترال کی طرف چل پڑا ۔ مہتر چترال یہ سمجھ کر کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آ رہا ہے اپنا لشکر لئے مقابلہ کے لئے آیا لیکن عمرا خان کے منظم لشکر کے سامنے ٹہر نہ سکا اور شکست کھا کر بھاگ نکلا ۔ عمرا خان نے دروش پر قبضہ کرتے ہوئے وہیں قیام کیا ۔ اور چترال پر خود قبضہ کرنے کے بجائے امیر الملک کے چچا شیر افضل کو مہتر بنا کر اس سے وعدہ لیا کہ وقت ضرورت دونوں مل کر مخالفت کا مقابلہ کریں گے ۔

انگریز ہمیشہ سے عمرا خان کے جدید طرز کی حکومت کو شک کی نگا سے دیکھتا تھا ۔ کیونکہ اسے پوری طرح علم ہو چکا تھا ۔ کہ اس کا لشکر عام یوسفزئی قبائل کی طرح غیر منظم نہ تھا ۔ چنانچہ اسے فکر ہوئی کہ کہیں عمرا خان چترال سے پشاور کی سرحد تک تمام قبائلی علاقہ پر اپنا تسلط نہ جما لے ۔ اس نے مہتر شیر افضل کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ الفاظ

غیر موزوں درخواست میں استعمال کئے گئے تھے ۔ ساتھ ہی عمرا خان کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ واپس لوٹ جائے ۔ شیر افضل نے انگریز کی چوکیوں پر حملہ کر دیا اور ایک ہی جست میں چودہ نمبر سکھ رجمنٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور انگریز افسروں کو قیدی بنا لیا ۔ قلعہ کے سپاہی محاصرہ میں لے لئے گئے اور جب آن دو انگریز افسروں کو عمرا خان کے بھائی عبدالمجید خان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دھوکہ سے گرفتار کئے گئے ہیں عبدالمجید خان نے گرفتار کرنے والوں کی سرزنش کی ۔ شیر افضل بھی عزت و احترام سے پیش آیا ۔ اور بالآخر ان کو عمرا خان کے پاس دروش بھیج دیا گیا اور دوسرے روز جب عمرا خان واپس لوٹ رہا تھا ۔ تو ان افسروں نے بخوشی اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی اور وہ عمرا خان کے قلعہ بروا پہنچ گئے راستہ میں ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا اور پھر عمرا خان کے پاس وہ دو ہفتے رہے اس دوران بھی ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا جس کا اعتراف ان افسروں نے خود کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمرا خان کی نیت انگریز کے حق میں خراب نہ تھی ۔ تا ہم انگریز جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس کی منظم جنگی طاقت سے ہمیشہ خائف رہا اس لئے اس نے عمرا خان پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا ۔

۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کو انگریز لشکر کا اجتماع پشاور میں شروع ہوا بعد میں نوشہرہ منتقل ہوا اور یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو جب اس لشکر نے اقدام کیا ۔ تو اس میں ایک اندازے کے مطابق تین بریگیڈ جن میں نصف انگریز اور نصف دیسی فوج ۔ گھوڑ سواروں کے دو رسالے ۔ چار پہاڑی توپخانے اس کے ساتھ پائنیر اور سپر مائنرز معہ تین رجمنٹیں رسل و رسائل کی دیکھ بھال کے لئے جن کی کمان لفٹیننٹ جنرل

سر رابرٹ لُو کے ذمہ تھی ، شامل تھے ۔ اور ساتھ پانچ دیگر بریگیڈیر
جنرل تھے ۔ یہ عظیم الشان لشکر ان افغانوں کے خلاف روانہ ہو رہا
تھا جن کے پاس صرف خنجر ۔ پتھر اور پرانی قسم کی بندوقوں کے سوا
کچھ نہ تھا ۔

نوشہرہ سے لشکر نے کوچ کیا ۔ تو آگے سرحدی پہاڑیوں کو
عبور کرنے کے لئے درہ مورہ ۔ درہ شاہ کوٹ اور درہ مالا کنڈ کے تین
راستے دکھائی دیتے تھے ۔ اور ان تینوں پر یوسفزئی مورچے باندھے
سینہ سپر نظر آئے ۔ ایک حصہ لشکر کو بائی زئی کی جانب روانہ کیا
گیا جس میں گھوڑ سوار تھے اور ہدایت تھی کہ وہ گرد و غبار اس
طریقہ پر اڑائیں جس سے افغانوں کو تمام لشکر کا گمان ہو ۔ دوسرے
حصہ لشکر کو درہ شاہ کوٹ کی جانب بھیجا گیا تیسرے حصہ کو پوری
طاقت کے ساتھ مالا کنڈ پر یلغار کا حکم ملا ۔ ۳ اپریل کو حیوانوں
اور انسانوں کے اجسام آگ اور خون سے کھیلتے نظر آنے لگے ۔
مسلسل پانچ گھنٹے جنگ جاری رہی جس کے محاذ کی لمبائی اندازاً
ڈیڑھ میل کے قریب تھی ۔

یوسفزئی قبائل جس انداز سے مصروف جنگ ہوئے اس کا ذکر اس
میں شامل ایک انگریز (ریلیف آف چترال) یوں لکھتا ہے :-

" دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ
جو اس نے مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپ خانہ کے صحیح نشانہ
اور شاندار بمباری کے مقابل دکھائی اور مزید برآں اس کے اختتام
پر سنگینوں کے حملہ میں بھی پوری مضبوطی سے سینہ سپر رہے ۔
ان کے ایک سردار نے جو سرخ و سفید رنگ کا علم اٹھائے
ہوئے تھا اپنے ساتھیوں کو " سکارٹش بورڈرز " (انگریزی فوج)
پر اس وقت حملہ کرنے کو للکارا جبکہ وہ فوج پہاڑی کے

نصف تک پہنچ چکی تھی ۔ حملہ ہوا ایک ایک کر کے حملہ آور کرتے رہے تا آنکہ ان کا ایک سردار باقی رہ گیا ۔ وہ بلا خوف و خطر گرتے پڑتے آگے بڑھتا رہا ۔ ادھر زخمی ہوا ادھر بلا توقف پھر اٹھا ۔ چلا ۔ بالآخر قریب پہنچ کر گولی لگنے سے ختم ہوا اس سے زیادہ ہمت و جرأت کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا ۔"

یہی مصنف ایک اور افغان کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

" دشمن کا ایک ڈھولک بجانے والا جب اپنی جرأت دکھانے پر مطمئن نہ ہوا تو ایک جھونپڑے پر چڑھ کر اوپر سے اپنے ساتھیوں کو للکارنا شروع کیا ۔ اور وہیں سے انہیں شاباش دیتا رہا۔ وہ یکے بعد دیگرے گولیوں سے زخمی ہوتا رہا ۔ لیکن گرتا زخم کو باندھتا پھر کھڑے ہو کر ڈھولک پر ضرب لگاتا ۔ بالآخر ایک گولی اس کا سینہ چاک کرتے نکل گئی تو وہ سر کے بل کوئی ایک سو گز کے فاصلہ پر چٹان کے کنارے گر کر ختم ہو گیا لیکن اس حالت میں کہ ابھی تک ڈھولک اس کے گلے میں اور ہاتھ ضرب لگانے کو اٹھے ہوئے تھے ۔
(کیپٹن ہسنگ ہفربنٹ) ۔"

رات ہو چکی تھی جنگ بند کر دی گئی ۔ وہ یوسفزئی جو درہ مورہ اور شاہ کوٹ میں پڑے ہوئے تھے حالات سے با خبر ہو کر اس طرف چلے آئے ۔ اور مصلحتاً پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ دن چڑھے ایک بریگیڈ نے سوات کی راہ لی ۔ شام کو یوسفزیوں نے پھر حملہ کیا ۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد واپس لوٹ گئے ۔ تھانہ میں اجتماع کیا ۔ ۵ اپریل کو پھر جنگ ہوئی ۔ سخت مقابلہ کے بعد یوسفزئی دریائے سوات عبور کر گئے تو عمرا خان کا ایک بھائی

امدادی لشکر لے پہنچ چکا تھا ۔ انگریز کا بھی کچھ لشکر کسی نہ کسی طریقے سے دریا کے پار پہنچ گیا ۔ چکدرہ میں عمرا خان کا تعمیر کردہ قلعہ انگریز کے ہاتھوں تباہ ہوا ۔ اور انگریز لشکر نے جندول کی طرف اقدام شروع کیا ۔

۱۰ اپریل کو دوپہر کے وقت دو لشکر دریا کے دونوں کناروں سے آئے دکھائی دئے ۔ شدید جنگ ہوئی انگریز لشکر کا کمانڈر بری طرح زخمی ہو کر گرا تو لشکر نے واپس کمپ جانے کا رخ کیا ۔ یوسفزئی تعاقب میں تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر انگریز لشکر پر پھینکتے رہے ۔ بالآخر رات ہوئی تو افغان واپس لوٹ گئے ۔

اس جنگ و جدل میں انگریز لشکر عمرا خان کے مرکز بروا سے کوئی اٹھارہ میل تک پہنچ چکا تھا ۔ دریائے پنجکوڑہ پر انگریزوں نے پل باندھا ۔ خان دیر کو ہدایت ہوئی کہ وہ تھوڑا سا لشکر لے کر چترال کی طرف چل دے اور راستہ میں یہ مشہور کرتا جائے کہ عمرا خان کو شکست ہو چکی ہے اس نے ایسا ہی کیا لوگوں میں بددلی پھیلی اور عمرا خان کو مزید کمک نہ پہنچ سکی ۔ انگریز نے خط کے ذریعہ عمرا خان کو دعوت دی ۔ کہ وہ اکیلے باہر نکل کر لشکر کے کمانڈر سے گفتگو کرے ۔ عمرا خان نے جواباً لکھا کہ :۔

مجھے آپ سے مل کر بہ اطمنان گفتگو کر لینے میں بڑی مسرت ہوتی اور اس طرح تمام معاملات بہ طریق احسن طے کر لئے جاتے لیکن بدقسمتی سے میں اس وقت تین ہزار غازیوں میں گھرا ہوا ہوں ۔ جو میرے باہر نکلنے کی بات کو سننے کے بھی روادار نہیں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آپ بھی قاتلوں کو ساتھ لئے ہوئے ہیں ان حالات میں بہ اطمینان گفتگو نہیں ہو سکتی میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اپنے قاتل ساتھیوں کو دور کر دیں اور میں اپنے

ساتھیوں کو دور بھیج دوں گا اس کے بعد میں اور آپ کھلے میدان میں مشاورت کر لیں گے ۔

عمرا خان کا جواب قابل قدر تھا مگر انگریز کی نیت خراب تھی ۔ جنگ شروع ہوئی ۔ افغانوں نے شدت سے حملہ کرتے ہوئے انگریز لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا لیکن اسی دوران مذید لشکر معہ توپخانہ کے آ پہنچا جنگ بند ہوگئی عمرا خان کچھ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ راتوں رات وطن عزیز کو خیر باد کہتے ہوئے افغانستان چلا گیا ۔ صبح ہوئی ۔ انگریز لشکر نے اقدام کیا ۔ مقابلہ پر کوئی نظر نہ آیا ۔ اور وہ لہایت فاتحانہ انداز سے منڈا قلعہ میں جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے داخل ہو گیا ۔ یہ ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ع کا روز بد تھا اب انگریز کو مذید اقدام کی ضرورت نہ تھی ۔ وہ عمرا خان کی طاقت کو توڑنا چاہتا تھا توڑ چکا ۔

مذکورہ جنگ کے دوران محمد شریف خان سابق خان دیر انگریز کی مدد کرتا رہا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے انگریز کا پیغام لے کر چترال کی طرف گامزن ہوا تھا ۔ چنانچہ انگریز نے دوبارہ اسے خان دیر تسلیم کر لیا ۔ اس دوران دیر اور سوات ایجنسی قائم ہوئی بعد میں چترال کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا تو وہ مالاکنڈ ایجنسی کے نام سے موسوم ہوئی ۔

حاجی عمرا خان جندولی سے نبرد آزما ہونے کے بعد انگریز نے چترال پر اقتدار قائم رکھنے کی غرض سے پشاور سے چترال تک سڑک تعمیر کی ۔ اور اسے محفوظ رکھنے کے لئے درگئی ۔ مالاکنڈ ۔ خار اور چکدرہ میں حفاظتی چوکیاں قائم کیں ۔ تقریباً دو سال امن و چین سے گزرے تا ہم یوسفزئی افغان مطمئن نہ رہ سکے اور موقع و محال کی تلاش میں رہے ۔ انہی حالات میں ۱۸۹۷ع صوبہ سرحد کے تمام

قبائیلوں میں بیک جنبش انگریز کے خلاف جذبات ابھرنے لگے ۔ وزیرستان سے ایک چنگاری نے اڑتے ہوئے پورے صوبہ سرحد یعنی آفریدی ۔ مہمند ۔ اور علاقہ مالاکنڈ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ بالائی سوات میں بھی شورش برپا ہو چکی تھی ۔ نواب دیر نے انگریز کو پالم ملا صاحب اور ان کے رفقاء کی سرگرمیوں کی طرف متوجہ کیا ۔ جس سے عوام کے جذبات بھڑک اٹھے ۔

۱۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو لنڈاکے کے قریب سلامستان یا سرتور فقیر جس کا اصلی نام سعداللہ خان ولد حمیداللہ اور موضع ریگا بونیر کا رہنے والا تھا اور یوسفزئی ملی کے ذیلی شاخ نوری‌زئی کے ابازئی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کے بھائی کا نام زرداد پہلوان تھا ، نمودار ہوا ۔ جس نے عوام کو جہاد کی دعوت دی ۔ انگریز کو علم ہوا تو اس نے مردان سے گائڈز نامی فوج طلب کر لی ۔ اور فیصلہ کیا کہ راتوں رات امان درہ پر قبضہ کر لیا جائے ۲۶ جولائی کو سلامستان نے لنڈاکے سے تھانہ کا رخ کیا ۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف چند خورد سال لڑکے ہاتھوں میں جھنڈیاں اٹھائے چل رہے تھے ۔ لیکن راستہ میں تین چار سو یوسفزئی نوجوان ساتھ ہوگئے تو مواضعات اللہ ڈھنڈ ۔ بٹخیلہ اور پیر کوروئہ سے ہوتے ہوئے قلعہ مالاکنڈ پر رات ۹ بجے حملہ آور ہوئے ۔ انگریز لشکر نے سراسیمگی کی حالت میں سکھوں کو آگے جھونکا جو اکثر قتل ہوگئے ۔ افغانوں نے کوائٹر گارڈ پر قبضہ کرتے ہوئے تمام اسلحہ اور بارود لوٹ لیا اور صبح تک یہ ہنگامہ آرائی جاری رہی ۔ اس حملہ میں انیس غازی شہید ہوئے اور انگریز سے ایک کرنیل ایک میجر ایک لفٹنٹ اور پانچ سو اکیس سپاہی مارے گئے اور ایک ہزار تیس سپاہی زخمی ہوئے اسی رات سعداللہ کے ہدایت پر افغانوں نے قلعہ چکدرہ پر بھی حملہ کر دیا تھا ۔ وہاں بھی سخت مقابلہ ہوا انگریز نے

مالاکنڈ فیلڈ فورس کی بنیاد ڈالی ۔ جس کا مقصد مالاکنڈ اور ملحقہ چوکیوں پر قبضہ مستحکم رکھنا تھا ۔

۳۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو مذکورہ لشکر کا نوشہرہ چھاؤنی میں اجتماع ہوا جنرل بنڈن بلڈ نے اس کی قیادت سنبھالی ۔ اس رات افغانوں نے چکدرہ کے قلعہ پر پھر حملہ کرتے ہوئے چکدرہ کی چوکی پر قبضہ کر لیا ۔ دو انگریز افسر ۱۶ سپاہی اور ۲۶ گھوڑے مارے گئے ۔ اس کی روداد یوں بیان کی جاتی ہے کہ چکدرہ میں اس جھڑپ کے دوران انگریز تازہ دم فوج لے کر آیا تھا ۔ اور ان کی تعداد بھی پہلے کی نسبت زیادہ تھی ۔ افغان پیچھے ہٹنے لگے دو انگریز افسر تعاقب میں تھے ۔ کہ اچانک جمروز خان نامی ایک بہادر افغان جو مینگورہ (سوات) کا رہنے والا تھا اور ملک تجل نور کا بیٹا تھا اور یوسفزئی کی ذیلی شاخ بابوزئی سے تعلق رکھتا تھا کی للکار سنائی دی وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہا تھا اور اپنا پستول ہاتھ میں لئے اُن کو ٹھہرنے کی ترغیب دے رہا تھا اس کے ہاتھوں رسالہ کے وہ دو انگریز افسر گھوڑ سوار مارے گئے اور کئی سپاہی بھی لقمۂ اجل بنے اُس کا یہ جذبہ چوکی پر قبضہ کرنے میں ممد ثابت ہوا ۔ اس حملہ میں کئی غازی شہید ہوگئے اور انگریز کا ایک صوبہ دار ایک میجر ایک لفٹنٹ اور ۱۱۱ سپاہی مارے گئے اور ۱۲۰ سپاہی زخمی ہوئے ۔ یہ سب کچھ سید اکبر بامی خیل کی ہمت سے ہوا

۲ اگست کو انگریزی لشکر نے اقدام کرتے ہوئے امان درہ پر قبضہ کرنے کے بعد چکدرہ کو بھی محاصرہ میں لے لیا ۔ اور اس قدر بربریت کا مظاہرہ ہوا کہ جو افغان سامنے آیا اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ سکھوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ اپنا انتقام لینے کے لئے بٹ خیلہ پر یورش کریں وہاں بھی قتل عام ہوا ۔ ان جنگوں میں باشندگان سوات ۔ باجوڑ اور اتمان خیلوں کے علاوہ بڑی تعداد میں

مقبوضہ علاقہ کے افغان بھی شامل ہوگئے ۔ اپنے افغان بھائیوں کی امداد و اعانت کے لیے تومہ بائی زئی (ضلع مردان) اور تنگی (ضلع پشاور) سے بھی جتھے آگئے ۔

انگریز نے جوش انتقام میں چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو گو کہ وہ خالی ہو چکی تھیں اور ان کے مکین پہاڑوں میں چلے گئے تھے مسمار کر دیا ۔ اور اسی طرح پائین سوات کے علاقہ کو بھی پامال کرتے ہوئے بڑھتے گئے اور بالائی سوات پر نظر اٹھی ۔ وہاں کے باشندگان نے شرائط صلح طلب کیں لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ اس علاقہ کو بھی پامال کیا جائے ۔ اسی مدعا کے پیش نظر ۱۶ اگست کو جنرل بلڈ کی کمان میں انگریزی لشکر نے تھانہ کی طرف کوچ کیا اور امداد کے لیے مزید لشکر کو مردان میں مقیم کر دیا گیا اسی دن انگریز لشکر نے لنڈاکے پر حملہ کر دیا جس میں توپ خانہ بھی زیر استعمال تھا ۔ افغان مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف سے افراد مرتے اور کٹتے رہے ۔ ۱۸ اگست کو انگریز نے جدید انتظامات کے ساتھ پھر حملہ کیا ۔ قدم قدم پر غازی مدافعت کرتے رہے تاہم ۱۹ اگست کو یہ لشکر منگورہ پہنچ گیا ۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی اور ۲۴ اگست کو بری کوٹ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے کیمپ کی راہ لی ۔

بعد ازاں انگریز کی پیش قدمی جندول کی طرف ہونے لگی تو ۹ ستمبر ۱۸۹۷ع کو غوسم کے مقام پر کیمپ نصب کر دیا ۔ ۱۰ ستمبر کو اس لشکر نے مختلف جماعتوں کی شکل میں وادی میں گھومنا شروع کیا ۔ خوانین سے انفرادی طور پر بات چیت ہوئی ۔ اور بعد ازاں مہمندوں کی گوشمالی کا خیال پیدا ہوا جن پر نواگئی کے راستہ اقدام کیا جا سکتا تھا ۔ چنانچہ لشکر کا ایک حصہ ۱۲ ستمبر کو شمشئو

پہنچا ۔ تو دوسرے حصہ نے علاقہ جار کی راہ لی ۔ اول الذکر لشکر دریائے "وتلئی" کو عبور کرتے ہوئے علاقہ خار میں داخل ہو گیا اور مقابلہ کرنے کے بجائے خان خار نے اُن کا استقبال کیا نیز انگریز کمانڈر کو یقین دلایا کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے ۔ جس پر انگریز کمانڈر نے لشکر کی آمد سے فصلوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس کا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا ۔

اب ایک حصہ لشکر کو "وتلئی" یا وادیٔ میموند کی طرف روانہ کیا گیا اور اس نے رعب ڈالنے کی خاطر وادی میں داخل ہوتے ہی پہلے گاؤں کو نذر آتش کر دیا جس پر افغان جو پہلے ہی سے اپنے گھروں کو خالی کر چکے تھے اور تیار بیٹھے تھے جلدی ان پر حملہ کر دیا ۔ انگریز کے لئے یہ حملہ غیر متوقع تھا ۔ سنبھل نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا ۔ افغان کافی دور تک تعاقب کرتے رہے ۔ انگریز لشکر نے نواگئی جا کر دم لیا ۔ وہاں اطلاع ملی کہ مہمندوں کے مشہور بزرگ پڈہ ملا صاحب لشکر لئے انگریز کا انتظار کر رہا ہے تو اس نے اس وقت مہمندوں کے حملہ کو التوا میں ڈال کر پہلے اس علاقہ کی وفاداری کا اطمینان کر لینا چاہا ۔ جار سے انگریز لشکر کی روانگی پر درہ رمبت کے قریب افغانوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا ۔ نصف رات تک جنگ جاری رہی ۔ تین انگریز ایک دیسی افسر کئی سپاہی اور ۹۸ گھوڑے اور خچر کام آگئے ۔ دن نکلنے پر انگریز نے تعاقب شروع کیا مگر افغان اس وقت تک دور جا چکے تھے راستہ میں ایک آدھ جھڑپ ہوئی ۔ اور جب سواروں نے گھوڑوں سے اتر کر پتھروں کی آڑ لے کر فائرنگ شروع کی تو افغان انہی گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے ۔ اب انگریز نے درہ رمبت کو عبور کرنے کا ارادہ ترک کر کے وادیٔ میموند کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا اور خان خار کے محفوظ ترین قلعہ عنایت میں انگریز

لشکر کا اجتماع ہوا تو ۱۶ ستمبر کو وادیٔ میموند کی راہ لی ۔

رسالہ توپخانہ اور پیادہ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک حصہ صبح ۹ بجے کے قریب داسودلہ پہنچا ۔ افغان مقابلہ پر اتر آئے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ انگریز واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو گیا افغان تعاقب کرتے رہے ۔ دوسرے حصہ لشکر نے بدلئے کی طرف اقدام کیا یہاں پر بھی افغان ڈٹے رہے اور انگریز نے اپنی خیریت واپس لوٹنے میں ہی دیکھی ۔ ادھر تیسرا حصہ جو شاہی تنگی کی طرف کوچ کر رہا تھا مصیبت میں پھنس گیا اور جب افغانوں نے زیادہ پریشان کیا تو اسے بھی واپسی کا حکم ملا ۔ افغان پہاڑوں سے نیچے اتر آئے اور ایسی بھگدڑ مچی کہ سپاہی ایک دوسرے پر گرنے لگے جب نصف کے قریب لشکری مارے جا چکے ۔ تو افغان اس وقت کافی نزدیک آ چکے چنانچہ دست بدست جنگ شروع ہوئی ۔ اور بمشکل باقی ماندہ لشکریوں نے بھاگ کر ایک نالہ میں پناہ لی اور ۱۲ بجے تک یہ جنگ جاری رہی اور اس کے بعد جب افغان واپس لوٹے تو ایک انگریز ڈاکٹر ہیوڈ کو بھی اٹھا لے گئے جس کے انجام کا کچھ پتہ نہ چلا ۔

انگریز کے وقار پر یہ کاری ضرب تھی اس نے فوری طور پر لشکر کو جمع کیا اور اقدام کا حکم دے دیا ۔ افغان اس وقت دور جا چکے تھے ۔ جو تھوڑے بہت رہ گئے تھے انہوں نے جنگ جاری رکھی ۔ انگریز نے بمشکل دو گھنٹوں میں پہاڑی پر چڑھ کر قلعہ تنگی پر بمباری شروع کر دی اور اسے برباد کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا ۔ ان کی واپسی پر افغان ان کے تعاقب میں رہے اور انہوں نے لشکر کے ایک حصہ کو اپنے نرغہ میں لے لیا ۔ شام ہوئی اور انگریزی لشکر نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کو افغان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلے ۔

افغان سائے کی طرح ساتھ لگے رہے بھاگنے والوں کی حالت قابل رحم تھی راستہ میں نڈھال ہو کر خود بخود گرنے لگے اور سکھوں کا تو یہ حال تھا ۔ کہ وہ اپنے اسلحہ اٹھانے کے قابل بھی نہ رہے تھے ۔ شدید بارش ہوئی اور افغان نرغے میں پھنسے ہوئے افراد کو اپنی حالت میں چھوڑ کر واپس چلے گئے ۔

اگلی صبح انگریز نے ان گم شدہ یا نرغے میں پھنسے ہوئے ساتھیوں کی فکر کی اور اقدام کیا ۔ روانگی ہوئی تو راستہ میں لشکروں کے مردے ملے ۔ زخمی ملے ۔ گرا ہوا سامان ملا ۔ اور جب جائے وقوعہ پر پہنچے تو جھونپڑیوں میں اپنے تمام ساتھیوں کو خون میں لت پت پایا جن میں ایک جرنیل بھی تھا اس کا نام انگریز نے صیغہ راز میں رکھا ہر طرف آدمیوں اور خچروں کی لاشیں پڑی تھیں ۔ اس موقع پر ۹ انگریز ۷ دیسی افسر اور ۱۳۶ سپاہی لقمۂ اجل بنے ۔

۱۸ ستمبر کو جذبۂ انتقام کے تحت انگریز نے پوری ایک بریگیڈ فوج کے ساتھ دمدولہ کی طرف اقدام شروع کیا ۔ افغان بھی مقابلہ کرتے رہے اور لشکر پر مسلسل آتش بازی ہوتی رہی جس سے یہی معلوم ہو رہا تھا کہ کافی تعداد میں افغان مقابلہ کر رہے ہیں لیکن جب آتش بازی بند ہوئی تو دیکھا گیا کہ صرف ایک افغان انگریز لشکر کو اس قدر پریشان کر رہا تھا ۔

۲۰ ستمبر کو انگریز نے موضع اغنی کا رخ کیا ۔ اور معمولی جھڑپ کے بعد واپس ہوا ۔ اسی طرح ۲۲ــ۲۳ ستمبر کو داغ اور تنگی کو برباد کیا گیا ۔ درین اثنا انگریز جنگ سے تنگ آ چکا تھا ۔ اسے اپنے لشکر کی ضروریات مہیا کرنا آسان نہیں تھا چنانچہ صلح و صلاحیت کے بہانہ جنگ کو ختم کرنا چاہا اور صرف اس قدر مطالبہ کیا کہ ۱۶ ستمبر کو لشکریوں کو قتل کرنے کے بعد جس قدر بندوقیں چھین

لی گئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں اس پر ایک انگریز مصنف مسٹر چرچل یوں اظہار خیال کرتا ہے :۔

" یہ بندوقیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں اگر اہمیت تھی تو ان افسروں اور سپاہیوں کی کہ جو ہم کھو چکے تھے یہ نامناسب کفایت شعاری تھی - لیکن حقیتاً شہنشاہیت اور کفایت شعاری کا ہمیشہ سے آپس میں ٹکراؤ رہا ہے جیسا کہ دیانتداری اور ذاتی اغراض کا - اسی وجہ سے ہم بری رقموں کے پیچھے اچھی رقمیں پھینکنے کے پالیسی پر عمل پیرا رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں - تاکہ ہماری ساکھ قائم رہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نادہندہ قرضدار ، تاجر کو ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں سامان مہیا کرنے کے آرڈر دینا شروع کر دیتا ہے "۔

۲۶ ستمبر کو وادیٔ میموند کا ایک جرگہ گفتگوئے صلح کے لئے پنجکوڑہ پہنچا - لیکن صلح نہ ہو سکی تو ۲۹ ستمبر کو انگریزی لشکر نے وادیٔ میموند میں پندرہ دیہاتوں کو مسمار کر دیا - افغانوں کو اس کا علم پہلے ہی ہو چکا تھا اور انہوں نے اپنے اپنے اہل و عیال کو پہاڑیوں میں لے جا کر گاؤں خالی کر دئے تھے - اور حتی المقدور مقابلہ کرتے رہے - ۳۰ ستمبر کو آگرہ اور غٹ پر آگ برسائی جانے لگی - افغان مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے ڈھول بج رہے تھے اور والہانہ انداز میں جنگ لڑی جا رہی تھی - دو انگریز افسر مارے گئے پانچ شدید زخمی ہوئے اور ۴۵ سپاہی لقمہ اجل بنے -

لشکر کا کمانڈر پنجکوڑہ میں مقیم تھا ۲ اکتوبر کو وہ تازہ دم فوج لئے آ پہنچا - اس کی آمد سے قبل ۳۰ ستمبر کو بدلئی پر دوبارہ بمباری ہو چکی تھی - پہلی بمباری کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے - بمباری کے بعد جب یہ لشکر واپس لوٹا تو افغان تعاقب کر رہے تھے -

اس کے بعد پھر گفتگوئے صلح کا آغاز ہوا ۔ اور ۱۱ اکتوبر کو خان خار ۔ خان جار اور خان نواگئی کی قیادت میں علاقہ کے معززین پر مشتمل ایک جرگہ عنایت قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر لوان‌کلی میں حاضر ہوا ۔ اور فیصلہ ہوا کہ ایک مقررہ تعداد میں بندوقیں واپس کرنے کے بعد عمرا خان کے طرفداروں کو اپنے علاقہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے ۔ اس پر ۱۲ اکتوبر کو عنایت قلعہ کا کیمپ اٹھا لیا گیا ۔ انگریز نے خان نواگئی کو دس ہزار روپے ۔ خان خار کو ساڑھے تین ہزار روپے اور خان جار کو اڑھائی ہزار روپے بطور " صلہ خدمات " انعام میں دئے تو لشکر کی واپسی ہوئی اور ۲۰ اکتوبر کو جار پہنچ کر اتمان خیلوں سے شرائط صلح طے پائیں ۔ وہاں سے مالاکنڈ جا دم لیا ۔ راستہ میں بمقام جلالہ ایک مختصر نے لشکر کو مقیم رہنے کا حکم ملا تاکہ محاربہ تیراہ میں شمولیت کے خواہشمند بونیر والوں کو روکا جا سکے اور اس طرح انگریز کا ۱۸۹۷ع کا وحشت اور بربریت کا دور ختم ہوا ۔

ریاست دیر

ریاست دیر شمال مغربی سرحدی علاقے میں واقع یوسفزئی قبیلہ کی ایک قدیم اور سیاسی حیثیت سے اہم اور مشہور ریاست تھی جس کی زیادہ تر آبادی یوسفزئی کی ذیلی شاخ ملی‌زئی خواجہ زئی پر مشتمل ہے۔

وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس ریاست کی ابتدا کب اور کن حالات میں ہوئی کیونکہ اس قبائلی علاقہ میں عہد بھاگو خان کے بعد وقتاً فوقتاً صاحبان قوت اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا حکومتیں قائم کرتے رہے جن میں ریاست دیر کو قدرت نے طویل زندگی عطا کی ۔

کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں اخون الیاس نامی یوسفزئی ایک بزرگ نے اپنے زہد و تقویٰ سے اس علاقہ میں اثر و رسوخ پیدا کیا ـ جو بعد میں اخوند صاحب دیر کے نام سے مشہور ہوگئے ـ اور جو سجادہ نشینی کی حیثیت سے قوم کی رہنمائی کرتے رہے اُس کی وفات پر اس کے لڑکے ملا اسمعیل گدی نشین ہوا جو اپنے والد کے نقش قدم پر سجادہ نشینی کے ذریعہ قومی اصلاح و تعمیر میں مصروف رہا اُس کی وفات پر اس کا لڑکا غلام خان گدی نشین ہوا جس کو حکومت کے ظاہری اسباب ـ گھوڑے ـ اسلحہ ـ اراضی اور مال و دولت کافی مقدار میں میسر تھا ـ اس نے مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ خانی کی طرف بھی توجہ کی ـ اور یوں سجادہ نشینی کو حکومت میں تبدیل کر کے ریاست دیر کی بنیاد رکھ دی ـ

غلام خان کے بعد اس کے بیٹے ظفر خان نے مذہبی چادر کو امارت و حکمرانی سے مکمل طور پر بدل دیا ـ اور اپنی حکومت کو بزور گرد و نواح کے اقوام پر ٹھونسنے لگا تھا ـ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا قاسم خان جانشین ہوا جس نے دیر کی حکومت کو بڑی حد تک وسعت دی ـ اِس وقت علاقہ کاشغر میں چار حکمران تھے جن پر قاسم خان نے حملہ کر کے شکست دی اور ان کو محکوم بنا کر خراج کی ادائیگی پر اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دیر سے ملحقہ علاقہ کافرستان کے ایک حصہ پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا ـ اُس کے بعد اقتدار اس کے بیٹے غزن خان کے ہاتھ آیا ـ جس نے ریاست دیر کی حدود وسیع تر کر دیں ـ حکومت میں ریاست کے زیر اثر حدود شمال کو چترال ـ جنوب کو سخاکوٹ ـ مشرق کو علاقہ سوات اور مغرب کو علاقہ اسمار (افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھیں ـ اس کے بعد اس کے ولی عہد رحمت خان نے عنان حکومت سنبھالی اور اس نے اپنے عہد حکومت میں

ریاست دیر کے حدود کو برقرار رکھا۔ رحمت خان کی وفات پر ۱۸۸۴ع میں اس کے لڑکے محمد شریف خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے عہد کے دوران حاجی عمرا خان جندولی سے جو کشمکش ہوئی اس کا حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

محمد شریف خان کی موجودگی میں ہی اس کے لڑکوں میں کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی وفات پر اورنگ زیب خان المعروف بادشاہ خان کو خان دیر تسلیم کیا گیا اپنے بھائی میاں گل جان کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوا جس میں میاں گل جان کو علاقہ جندول میں منڈا کا علاقہ دیا گیا اور جندول و دیر کے علاقوں کا تعین ہوا۔ حکومت ہند نے ۱۹۰۸ع میں بادشاہ خان کو نواب کا خطاب دیا۔ اس کے عہد حکومت میں حالات پر امن نہیں تھے۔ اور اسے کئی معرکوں سے سابقہ پڑا۔ ۱۹۱۵ع میں ایک مذہبی پیشوا سنڈا کے مُلا نے رونما ہو کر باشندگان سوات جن میں سام خان اور حبیب خان شامی زئی پیش پیش تھے، کو ساتھ لے نواب دیر کو شکست دی۔ اور علاقہ بالائی سوات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نواب کے بھائی محمد عیسیٰ خان نے میاں گل جان کی جگہ جندول کی راہ لی۔ مدو اور سرائے کی چوکیوں کو مخالفین نے نذر آتش کر دیا۔ دوسرے خوانین نے بھی مخالفت شروع کی لیکن اس کے باوجود ۱۹۱۶ع میں علاقہ ادین زئی اور شموزئی پر نواب دیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ نیکپی خیل اور شامی زئی کے علاقہ میں اسے شکست کھانا پڑی۔

بادشاہ خان کی وفات پر عنان حکومت اس کے بڑے لڑکے شاہ جہان خان نے سنبھالی۔ اور اپنے بھائی عالم زیب خان کو ایک معاہدہ کی رو سے چند شرائط کے ساتھ علاقہ جندول بشمول پکھال۔ ثمبر بن کال اور جفہ پنج میں اقتدا حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی وعدہ ہوا

تھا کہ اگر وہ دو سال تک نواب دیر پر اپنی وفاداری ثابت کرے گا تو اسے باران گولہ کا علاقہ بھی دے دیا جائے گا لیکن یہ اتحاد دیر پا ثابت نہ ہوا

اور جون ۱۹۲۸ع نواب دیر نے عالم زیب خان کو مذکورہ علاقوں سے بے دخل کر دیا ۔ معمولی سی مخالفت کے بعد عالم زیب خان نے جار میں پناہ لی ۔ لیکن جب ۱۹۳۱ع میں خان خار نے نواب دیر سے دوستی کا معاہدہ کرلیا تو عالم زیب خان کو جار سے نکل جانا پڑا اور وہ اتمان خیلوں کے پاس جا مقیم ہوا ۔ اس کا ایک اور بھائی بختجہان زیبخان المعروف تیمر خان نے ابتدا ہی سے سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی تھی ۔ اور اب بھی وہ تیملگرہ میں آرام کی زندگی گزار رہے ہیں وہ بہت قابل ، نیک اور پارسا آدمی ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں ۔

مارچ اور اگست ۱۹۳۲ع کے دوران عالم زیب خان باجوڑ کے مشہور مذہبی رہنما النگر فقیر کی معیت میں باجوڑیوں کی امداد سے مسلسل جندول پر ناکام یورش کرتا رہا ۔ اگست ۱۹۳۵ع میں اس نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کی اور سالار ژئیوں کا لشکر لے جندول جا پہنچا ۔ قلعہ مسکینی پر قبضہ بھی کر لیا مگر جلد اسے وہ قلعہ چھوڑنا پڑا اور مردان کے علاقہ میں جا مقیم ہوا ۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ع کو مخالفین نے نواب دیر کے پرانے زیر تعمیر نئے محل کو نذر آتش کر دیا ۔ عالم زیب خان تحریک مسلم لیگ میں نمایاں حصہ لیتا رہا حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹٦۰ع کے انقلاب کے بعد حکمران دیر نے اسے وطن واپس لوٹ جانے کی اجازت دے دی ۔

قیام پاکستان کے بعد نواب شاہجہان خان نے ریاست دیر کا الحاق اس اسلامی سلطنت سے کرا دیا ۔ جس کی وجہ سے اس کی سرحدیں محفوظ ہوگئیں اور اسے کسی بیرونی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا ۔ تا ہم

یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ ریاست دیر اور اس کے باشندوں کو اس نے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کی بجائے دور جہالیت کے حکمرانوں کی طرح شخصی حکومت قائم رکھی تھی۔ باشندگان ریاست کو علم سے بے بہرہ رکھا اور عملاً تعلیم کی مخالفت کی۔ پوری ریاست میں نہ کوئی مدرسہ تھا نہ اسپتال۔ باشندے زمانہ قدیم کے رسومات کے مطابق گھریلو علاج کراتے۔ یہی حال زراعت اور تجارت کا بھی تھا۔

حکومت پاکستان کے ذمہ وار افسر وقتاً فوقتاً اس علاقہ کا چکر لگاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو نواب شاہجان خان اور اس کے بڑے لڑکے شہاب الدین خان المعروف خان جندول کو حراست میں لے لیا گیا اور حکومت نے انہیں لاہور میں صرف نظر بند رکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اور نواب کے چھوٹے لڑکے شہزادہ خسرو خان کو حکومت پاکستان نے نواب دیر تسلیم کر لیا۔ اور اسی حیثیت سے اس کی دستار بندی ہوئی۔

نواب خسرو خان نے عنان سلطنت سنبھالتے ہی ملک کی طرف توجہ کی حکومت پاکستان کی طرف سے امداد و اعانت کی بدولت ملک کے فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے شروع کیے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدارس کا اجرا ہوا۔ شفاخانے کھلے۔ سفری شفاخانوں نے ملک کا چکر کاٹنا شروع کیا۔ سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور وہ لوگ جو حکمران کی آمد سے خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے لگے۔ اور آخر کار حکومت پاکستان نے یحییٰ خان کے دور صدارت میں اسے پاکستان میں ضم کر کے اس کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا۔

ریاست سوات

زمانہ قدیم سے درانیوں کے عہد تک پھر انیسویں صدی کے وسط میں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علاقہ سوات پر جو کچھ گذرتی رہی اس کا ذکر گذشتہ اوراق میں اپنے مناسب مقامات پر کیا جا چکا ہے۔ پیشتر اس کے کہ جدید ریاست کے مختصر سے حالات قلم بند کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پس منظر پر بھی قدرے روشنی ڈالی جائے جو اس ریاست کو جدید زندگی دلانے کا باعث بنا۔

اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور والد کا نام عبدالواحد تھا۔ بچپن ہی سے حصول علم کا شوق اور زہد و تقویٰ سے رغبت رہی اور بعد میں وہ اخوند پکارے جانے لگے۔ تعلیم کے مدارج مختلف علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۳۵ع میں موضع سیدو میں سکونت اختیار کی۔ اور ان کی تقدس کی وجہ سے وہ سیدو شریف کہلایا اور بعد میں ریاست سوات کا دارالسلطنت بنا۔

سیدو میں مقیم ہو جانے کے بعد انہوں نے باشندگان وطن کے صلاح و بہبود کی طرف توجہ دی۔ اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے انہیں منظم کرنے میں خاطر خواہ کامیاب رہے۔ ۱۸۴۹ع میں انگریز کے سرحد پر پہنچتے ہی آنہوں نے قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے تلقین کی۔ کہ وہ انفرادیت کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیں۔ تاکہ تحفظ ملت کا انتظام بطریق احسن ہو سکے۔ قوم کو اس پر تیار دیکھ کر آنہوں نے سید علی پیر بابا کی اولاد سے سید اکبر شاہ کو امارت کے لئے پیش کرتے ہوئے خود اس کے ہاتھ بیعت کر لی۔ جس پر خوانین سوات نے بھی آسے اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ جس سے ایک ریاست کی بنیاد پڑی موضع غالیگی اس کا

اس کا دارالخلافہ قرار پایا - اور شریعت اسلامیہ کے نام سے اُس امارت نے کام شروع کیا - شومئی قسمت کہ چھ سات سال بعد سید اکبر شاہ وفات پا گئے - اور اس کی وفات سے اس اولین امارت کا خاتمہ ہو گیا - انگریز کو اس مذکورہ امارت سے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا اُن کا اندازہ سر ہربرٹ ایڈورڈ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے :-

"اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگجو قبائل کا سربراہ سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کے جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا -"

سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد کئی سال تک ملک میں کوئی نظام دکھائی نہ دیا - اس دوران سوات میں مقیم دو قبیلوں نیکبی خیل اور شمو زئی میں اختلافات پیدا ہوئے جس نے جنگ کی صورت اختیار کر لی - نواب دیر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ کر دیا - اور ۱۹۰۸ء میں نیکبی خیل و شمو زئی کے علاقوں پر قابض ہو گیا کچھ عرصہ بعد سنڈا کے ملا صاحب نے نواب دیر کی سیادت کو اس علاقہ سے نکال لیا سنڈا کے ملا کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اخوند سالاک کی اولاد سے تھا جس کا ذکر بھاکو خان کے دور میں کیا جا چکا ہے -

باشندگان ریاست کے آنکھیں کھل چکی تھیں اور انہیں اپنی تنظیم کی فکر ہوئی یہ سب کچھ سنڈا کے مُلا کے ایک ایک خان سے فرداً فرداً ملاقاتوں کے بعد ہوا - اور سب خوانین کو پوشیدہ طور پر موضع مٹہ کے قریب ایک رات قبرستان کے جنگل میں جمع کیا وہاں جرگہ ہوا - شامی زئی شمو زئی سہ بجنی اور نیکبی خیل زعماء نے باہمی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے حلف اٹھایا - کہ وہ اپنے علاقہ سے نواب دیر کو نکالنے میں مُلا صاحب کی امداد و اعانت کریں گے -

نیز یہ بھی طے پایا کہ وہ متفقہ طور پر اپنے لئے ایک سربراہ کا انتخاب کریں ۔ اس تحریک میں ماسم خان ۔ حبیب خان درش خیلہ گل‌دار خان اور تاج محمد خان ملا صاحب کے دست راست کی حیثیت سے کام کام کرتے رہے ۔ نتیجتاً ان سب اراکین جرگہ نے مل کر دیر کی سیادت کا خاتمہ کر دیا ۔

مٹہ کے جنگل میں جن قابل ذکر افراد نے شمولیت کی ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :۔

ماسم خان اور حبیب خان ساکنان درش خیلہ (دارمئی) خوشحال اور خواص خان ساکنان بے درہ ۔ گل‌داد خان ساکن کرے ۔ امیر خان ساکن چون‌لالے ۔ امیر خان ساکن براندے ۔ بہرام خان ساکن شالپین عظیم خان ساکن چالیار ۔ سلو خان ساکن جنگ ۔ میاں آدم خان ساکن فتح پور ۔ سلطان خان ساکن شینشر ۔ محمد افضل خان ساکن روڑیال ۔ شمس خان ساکن چپریال ۔ شریف خان ساکن برہ‌تھانہ ۔ امیر خان نواب ساکن شکدرہ ۔ شہناز خان ساکن خرہڑے ۔

چنانچہ پیر بابا کی اولاد سے سید عبدالجبار شاہ ساکن ستھانہ کو دعوت دے کر اقتدار سونپ دیا گیا اور جنوری ۱۹۱۵ء میں سوات کے پار شمالی علاقہ مٹہ میں اس جدید حکومت کا قیام عمل میں آیا ۔ جس کے حقیقی بانی سنڈاکے ملاصاحب ، اور ماسم خان و حبیب خان شامی زئی تھے ۔ میاں گل عبدالودود اور شیرین جان دونوں بھائیوں کو عبدالجبار شاہ کی قیادت پر اپنا خاندانی وقار خطرہ میں دکھائی دینے لگا تو وہ متحد ہوگئے ۔ عبدالجبار شاہ اور اراکین جرگہ نے یہ حالت دیکھی تو مقابلہ پر آئے کاٹیلئے اور ہوڈی گرام میں شدید جنگ لڑی گئی اور یہ دونوں بھائی بری طرح شکست کھا کر اپنے آبائی مسکن شیدو کو چھوڑ کر ریاست دیر موضع دلبار میں جا مقیم ہوگئے ۔

نواب دیر نے سوات کے خلاف لشکر کشی کی یہ دونوں بھائی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور میاں گل لشکر کی قیادت کرتے ہوئے سیدو تک جا پہنچا ادھر نواب دیر کے کچھ لشکر نے شموزئی پر قبضہ کر لیا ۔ جنگ ہوئی ابتدا میں عبدالجبار شاہ شکست کھا کر پنجی گرام میں جا مقیم ہوا ۔ لیکن اس کے بعد عبدالجبار شاہ نے دوبارہ اقدام کرتے ہوئے انہیں سخت شکست دی اور نکال باہر کیا ۔ بعد میں عارضی صلح ہو گئی میاں گل سمیت نواب دیر کا لشکر واپس چلا گیا تاہم کشمکش جاری رہی ۔ میاں گل بظاہر نواب دیر کے ساتھ تھا تاہم اسے اس پر امداد و اعانت کا کچھ بھروسہ نہ تھا چنانچہ اس نے رخ بدلتے ہوئے خوانین تھانہ کے ذریعے ماسم خان اور حبیب خان کو رضامند کرنے کی کوشش کی اور بمقام تھانہ عنایت خان کے حجرہ میں خوانین کا ایک جرگہ منعقد ہوا ۔ اراکین جرگہ کے قابل ذکر نام یہ ہیں :۔

محب اللہ خان ولد عنایت خان و بہرام خان خوانین تھانہ ۔ ماسم خان درش خیلہ (دارسٹے) صاحب زادہ محمد ایوب خان ساکن تھانہ وغیرہ ، بحث مباحثہ کے بعد فیصلہ ہوا ۔ کہ بابوزئی کے علاقہ پر میاں گل کی حکومت قائم کی جائے اور اباخیل و موسیٰ خیل کو آزاد چھوڑ دیا جائے ۔ اور وہ دوسرے علاقوں پر مداخلت نہ کرے ۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی ہوا کہ عبدالجبار شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے سوات کے علاقوں میں دیر کی سیادت کو ختم کرا دے ۔ چنانچہ میاں گل اور عبدالجبار شاہ نے علاقہ شموزئی میں ترنگ کے مقام پر قلعہ تعمیر کیا تو دیر اور سوات کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل دکھائی دینے لگے ۔ ادھر اندرونی کشمکش بدیں وجہ شروع ہوئی کہ ایک ہی مملکت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے ۔ میاں گل عبدالودود کی جدو جہد کام آئی اور اس نے ماسم خان ۔ حبیب خان شامی زئی اور سنڈاکے ملا

صاحب جو در حقیقت سوات کے بادی کمان تھے ، کو راضی کر لیا اور بمقام کبل تہہ نیکبی خیل جو دریائے سوات کے دائیں کنارے واقع ہے سیبجنی ۔ شامی زئی ۔ نیکبی خیل شموزئی وغیرہ کے خوانین اور عوام کا جلسہ طلب کیا گیا اور آخر ستمبر ۱۹۱۵ء میں اتفاق رائے سے میاں گل عبدالــودود کو ســوات کا بادشــاہ منتــخب کر لیا ۔ اور عبدالجبار شاہ کو معزول کر کے نہایت عزت و احترام اور مال و دولت کے ساتھ واپس ستھانہ لوٹا دیا ۔ اور ابتدا میں اس مملکت کا نام حکومت یوسفزئی اور سرکاری زبان پشتو قرار پایا ۔

میاں گل عبدالودود نے بہت مشکل وقت میں اقتدار ہاتھ میں لیا ۔ اور اپنے دور حکومت میں اسے بیرونی حملہ آوروں سے وقتاً فوقتاً جنگیں لڑنا پڑیں اور اپنے تدبر سے ریاست کو کافی وسعت دی ۔ حتیٰ کہ بونیر چملہ ۔ خدوخیل ۔ کوہستان اور وادی کالام کو ریاست میں شامل کیا گیا ۔ انگریزوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتے ہوئے خوانین سوات سے مشورہ کئے بغیر ان کے ساتھ الحاق کیا تو ۳ مئی ۱۹۲٦ء کو حکومت انگلشیہ (برطانیہ) نے ریاست سوات کو تسلیم کر لیا ۔ جس کی رو سے مملکت کا نام ریاست سوات قرار پایا اور بادشاہ کی جگہ والی (Ruler) کا لقب تجویز ہوا ۔ تا ہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ کہ اس نے صدیوں کی غیر منظم ۔ غیر تعلیم یافتہ اور کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے والی قوم کو اتحاد و تنظیم کا سبق پڑھایا اور ان کی اپنی حکومت قائم کی ۔ ملک کو ترقی کے راستہ پر گامزن کرتے ہوئے زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کیں ۔ اس لحاظ سے بانئے ریاست میاں گل عبدالودود اپنے وقت کا کامیاب ترین حکمران ثابت ہوا ترسٹھ سال کی عمر میں بخوشی دست بردار ہو کر عنان سلطنت اپنے بڑے بیٹے عبدالحق جہانزیب کو سونپ دی ۔ جسے وہ ۱۹۲۳ء میں اپنا ولی عہد مقرر کر چکا تھا ۔

اس نے ریاست کو مزید ترقی دی ۔ اس کے عہد حکومت کے دوران اور صدر ایوب خان کے بعد حکومت پاکستان کے سر براہ یحییٰ خان کے ایک فرمان کے مطابق ریاست کو پاکستان میں ضم کر دیا گیا ۔

یوسفزئی ہندوستان میں

چونکہ ریاستوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان یوسفزئی کا ذکر بھی مختصر طور پر کیا جائے جنہوں نے بحیثیت قوم کے ہندوستان میں کئی ریاستیں قائم کیں ۔ ان میں اکثریت کی بنیادیں قبیلہ یوسفزئی کے افراد کے ہاتھوں رکھی گئی تھیں ۔ اور کچھ ان افراد کا جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر نام پیدا کیا ۔ ان ریاستوں کے بچے کھچے نشانات اب بھی رام پور ۔ جونا گڑھ ۔ ماناوادر ۔ پاگندپور ۔ دوجانہ ۔ ٹونک ۔ جاورہ ۔ اور پلاسنور وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں ۔

ہندوستان میں یوسفزئی ریاست کی بنیاد سب سے پہلے داؤدخان اکاخیل بابوزئی نے رکھی تھی اور اس کے مقبوضہ علاقہ کا نام اسی کی نسبت سے روہیلکھنڈ پکارا جانے لگا ۔ کیونکہ افغان پہاڑی باشندہ ہونے کی کی وجہ سے روہیلہ پکارا جاتا تھا اور پہاڑ کی نسبت سے روہیلکھنڈ یعنی افغانوں یا پہاڑیوں کا ملک یا علاقہ پکارا گیا ۔ داؤد خان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ۱۷۰۵ء میں سر زمین ہند پر نمودار ہوئے اور اپنی زندگی کے مختلف مدراج طے کرتے ہوئے بالآخر کھٹیر اور سنبھل؛ جسے بعد میں روہیلکھنڈ کا نام دیا گیا ، پر قابض ہو گئے ۔ سلطنت روہیلکنڈ میں بدایون ۔ پیلی بھیت ۔ رام پور ۔ بریلی ۔ شاہ جہانپور ۔ بجنور امروہہ اور مراد آباد کے

اضلاع شامل تھے ۔

داؤد خان کی وفات پر رسم قبیلہ کے مطابق اس کے متبنّے علی محمد خان کی دستار بندی ہوئی ۔ دہلی میں اس وقت محمد شاہ مغل کی حکمرانی تھی اُس نے ریاست کو اور بھی مستحکم کیا اور اُس کی عمر کے آخری ایام میں جرگہ کے فیصلہ کے مطابق اس کے بڑے لڑکے سعد اللہ خان کی دستار بندی ہوئی ۔ اور فیصلہ ہوا کہ وہ حافظ رحمت خان کی نگرانی میں کام کرتے رہیں گے ۔ لیکن اسے زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا ۔ اور اس کی وفات پر اقتدار حافظ رحمت خان کے ہاتھ آیا جن کا تعارف باب دوم میں مفصل طور پر کیا جا چکا ہے ۔ اُن کے دور حکومت میں امن و چین رہا ۔ زراعت نے ترقی کی ۔ ایک انگریز مقرر مسٹر برک نے انگلستان کے دارالعوام میں اس وقت کا ذکر یوں بیان کیا :۔

" ان یوسفزیوں کے ملک کی گلستان کی طرح کاشت ہوئی یہ دنیا بھر میں بہادر ترین ۔ معزز ترین اور فیاض ترین قوم ہے "

اور اس کے ساتھ ہی ایک انگریز قانون دان مسٹر مکالے کہتا ہے :۔

" ہندوستان میں ان یوسفزیوں کی آبادی نفیس ترین آبادی ہے "

یوسفزیوں کی یہ ترقی یافتہ ریاست شجاع الدولہ مغل اور انگریز کے اغراض کا شکار ہوئی ۔ کئی حیلوں بہانوں سے اسے ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور بالاخر مردانہ وار جنگ لڑتے ہوئے اپنے دو ہزار ساتھیوں سمیت حافظ رحمت خان ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کو شہید کر دئیے گئے یوسفزئی جس بہادری اور جوانمردی سے نبرد آزما ہوئے اس کا ذکر کرنل چیمپین نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

" دشمنوں (یعنی یوسف زیوں) کی اس بہادری و عزم کی تفصیل بیان کرنے کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں اکثر

ایسے نڈر تھے کہ وہ اقدام کرتے ہوئے مخالف لشکر کے
درمیان پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے تھے تاکہ ان کے رفقا
کے حوصلے بلند ہوں ۔"

حافظ رحمت خان کے عہد میں رام پور پر فیض اللہ خان کا اور بسولی ، مراد آباد، چاند پور اور سنبھل پر دوندے خان کا اقتدار رہا اس وقت نجیب خان المعروف نجیب الدولہ جس کا تعلق یوسفزئی منڈڑ کے ذیلی شاخ عمر خیل خاندان نظرخیل سے ہے ، نے پہلے ہی سے اقتدار اور طاقت حاصل کی ہوئی تھی اور اپنے نام کی نسبت سے نجیب آباد میں برسر اقتدار رہا اس کی تفصیل بھی باب دوم میں بیان کی جا چکی ہے ۔ اور جیسا کہ درانیوں کے دور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے وقت اس کا ساتھ نجیب الدولہ دے چکا تھا احمد شاہ ابدالی نے واپس ہونے وقت اس کو دہلی کا نگران مقرر کیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا ضابطہ خان پھر اس کے لڑکے غلام قادر خان روہیلہ نے بتدریج شہرت حاصل کی ۔ ضابطہ خان کے دوسرے لڑکے بھنبھو خان کو بعد میں انگریزی حکومت نے جاگیر عطا کی تھی اس طرح اس کے دو بیٹوں محمود خان اور جلال الدین خان کو وظیفے ملتے رہے ۔ محمود خان نے ۱۸۵۷ع کے جنگ آزادیٔ ہند میں حصہ لیا تو انگریز کے ہاتھوں میرٹھ جیل میں جاں بحق ہوا جنرل بخت خان بھی اس خاندان میں مشہور اور قابل ذکر حیثیت کے مالک تھے اسی طرح عبدالاسلام خان نے میدان صحافت میں نام پیدا کیا اور نسب افاغنہ اس کی مشہور تصنیف ہے ۔

اکرم خان ولد رحیم خان یوسفزئی منڈڑ کے ذیلی شاخ عمر خیل کے خاندان عذیت خیل سے تعلق رکھتا تھا ۔ وہ ۱۸۵۷ع کے جنگ کے دوران ہندوستان گیا وہاں ملازمت اختیار کی ۔ اور جلد ہی اپنے

عقل و تدبر کی وجہ سے وہاں کے حکمران کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو بخشی اکرم خان کے نام سے وہاں کا وزیر بنا ۔ اس کے تین لڑکے تھے اکبر شاہ ۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ۔ اکبر شاہ اور نادر شاہ کی اولاد ہندوستان میں مقیم رہی جبکہ احمد شاہ وطن اجداد آ گیا تھا اور اس کی اولاد کندی عنایت خیل صوابی میں مقیم ہے ۔

حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد یوسفزیوں کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی ۔ کچھ کمایوں کی پہاڑیوں میں جا گھسے اور بعض چھیتا (چیتو) فتح خان اور امیر خان کی سرکردگی میں برار سی پی کی جنگلوں میں چلے گئے تھے ۔ جہاں سے انہوں نے انگریزوں کے خلاف منظم جنگ کا آغاز کیا ۔ نواب امیر خان بانئے ریاست ٹونک کا تعلق یوسفزیوں کے ذیلی قبیلہ سالارزئی میں ملی خیل کے اللہ داد خیل سے ہے ۔ محمد شاہ مغل کے دور حکومت میں اس کا دادا طالع محمد خان اپنے وطن بونیر کے موضع جَنّوڑ سے نکل کر ہندوستان وارد ہوا تھا ۔ اور روہیلکھنڈ میں دوسرے یوسفزیوں کے ساتھ مقیم رہا ۔ اس کا لڑکا حیات خان ، حافظ رحمت خان کا شریک کار تھا ۔ اور حافظ رحمت خان کی شہادت کے بعد اس نے گوشہ نشینی اختیار کی ۔ اس کے لڑکے کا نام امیر خان تھا جس نے نہایت بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریز کے ساتھ جنگیں لڑیں اور بالاخر ریاست ٹونک پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوا ۔

ریاست جاورہ کی بنیاد نواب غفور خان جو نواب امیر خان والئی ریاست ٹونک کا رشتہ دار تھا ، کے ہاتھوں پڑی جو انگریز اور نواب امیر خان کے معاہدہ کے تحت عمل میں آیا تھا ۔

ریاست جونا گڑھ کی بنیاد یوسفزئی رزڑ کے ذیلی شاخ اکو خیل کے عادل خان بابی کی اولاد میں سے شیر خان نے اپنی ہمت ۔ طاقت اور

تدبیر سے رکھی اور اپنے دو بھائیوں دلیر خان اور شیر زمان خان کو مانا وادر کا علاقہ سونپ دیا تھا ۔ بعد میں ان دونوں بھائیوں نے جائیداد تقسیم کی تو دلیر خان کو مانا وادر اور شیر زمان خان کو بنٹوا اور گیداد (سردار گڑھ) کا علاقہ ملا ۔

ریاست بلاسنور کی بنیاد نواب منور خان نے رکھی تھی ۔ جو یوسفزئی منڈڑ کے ذیلی شاخ بابی خیل سے تعلق رکھتا تھا اور ۱۸۹۰ع میں انگریز سے معاہدہ کرنے کے بعد اس پر متسلط رہا ۔

نامور افراد میں عظیم اللہ خان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جسے مفکر جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس نے انگریزی ۔ فرانسیسی اور مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کی تھی انگلستان ۔ ترکی اور روس کا سفر کیا اور ان ممالک سے راہ و رسم پیدا کیے ۔ وہاں سے واپس ہو کر ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جس کے مطابق یہ جنگ لڑی گئی لیکن اس کے جسد خاکی کا پتہ تک نہ چل سکا ۔ اس کا تعلق یوسفزئی منڈڑ کے ذیلی شاخ عمر خیل سے ہے جو اس وقت بھی مانیری صوابی میں آباد ہے ۔

داؤد خان یوسفزئی کے متبنّٰی علی محمد خان جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے دور اقتدار میں موضع مرغز تحصیل صوابی سے مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کے دادا حیات خان ہندوستان گئے تھے ۔ ان کا نسبی تعلق یوسفزئی منڈڑ کے ذیلی شاخ میر احمد خیل کے بارا خیل سے ہے ۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر جو بعد میں علی برادران کے نام سے موسوم ہوئے ، نے اپنی اہلیت اور قابلیت سے انگریز کے خلاف سیاسی میدان میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی ۔ جس کا ذکر اکثر جریدوں میں ہوتا رہا ۔

اس لئے یہاں اس پر مفصل بحث کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ۔ اور چونکہ یہ اوراق طوالت کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ کس طرح ان مجاہدین نے پاکستان کے شمال مغرب کے سرحدی پہاڑوں سے نکل کر اپنی ہمت ، استقلال ، جوانمردی اور تدبر سے ریاستیں قائم کر لی تھیں -

ریاست فرخ آباد

جیسا کہ یوسف زیوں نے روہیلکھنڈ میں حکومت قائم کی تو اس طرح ان کے قریب پڑوس میں بنگش پٹھانوں نے بھی محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں فرخ آباد میں اپنی ریاست قائم کی ۔ بنگش خاندان کی حکومت کا بانی محمد خان بنگش ہوا ۔ اس نے مالوہ اور بندیل کھنڈ میں بڑے کارنامے انجام دئے ۔ محمد خان بنگش کی وفات پر اس کا بیٹا قائم خان جانشین ہوا جو اودھ کے نواب صفدر جنگ مغل کی سیاست کا شکار ہو گیا ۔ صفدر جنگ نے قائم خان کو حافظ رحمت خان سے لڑوا دیا اور اس کے ایما اور سازش سے قائم خان مارا گیا ۔ صفدر جنگ نے بنگشوں کی فرخ آباد کی ریاست پر ہاتھ صاف کرنا چاہا مگر جلد ہی ہوش میں آ کر محمد خان بنگش کا بیٹا احمد خان بنگش میدان میں آ گیا اور حافظ رحمت خان سے تعلقات بنانے کے علاوہ اس نے خوب مقابلہ کر کے فتح پائی اور صفدر جنگ کو ناک چنے چبوا دئے اس کا صوبیدار نول رائے جنگ میں مارا گیا ۔ احمد خان بنگش بہت سمجھدار اور بہادر شخص تھا اس نے جنگ پانی پت میں بھی اپنے جوہر دکھائے تھے اس کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۶۷ پر ہوا ہے -

آخر میں درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ

سندھ ، سرحد اور بلوچستان کے علاوہ ہندوستان میں انگریزی عملداری کے قیام پر افغانوں کی پہلی مردم شماری ۱۹۰۱ء جس کو تاریخ نسب افاغنہ (صفحہ ۱۲) کے مصنف عبدالسلام خان عمر خیل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے حسب ذیل تھیں -

	صوبہ جات	تعداد
(۱)	اجمیر ، مارواڑ ، راجپوتانہ ، پنجاب ، کشمیر	۴۲۵۹۶۶
(۲)	بمبئی ، بڑودہ	۱۸۲۷۸۹
(۳)	مدراس میسور ملک متوسط برار ...	۲۲۱۴۷۹
(۴)	ممالک متحدہ بہار	۹۱۹۲۶۴
(۵)	بنگال ، آوڑیسہ	۲۴۵۱۶۲
(۶)	آسام ، شکم ، کوچ بہار ٹپرا ...	۱۱۴۵۴
	میزان تمام ہندوستان	۲۱۱۶۷۱۴

افغانوں کی کل تعداد اکیس لاکھ سولہ ہزار ایک سو چودہ

علاقہ چھچھ کے افغان

قطع نظر ان افراد یا خاندانوں کے جنہوں نے سرحدی افغانی علاقہ سے نکل کر ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کیں ۔ یا وہاں سکونت پذیر ہوئے ایک بڑی تعداد خان گجو کے وقت اور پھر مصری خان سالارزئی اور بہاکو خان خدوخیل کی قیادت کے دوران دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے علاقہ چھچھ میں جا مقیم ہوئے اور ان کے ناموں کی نسبت سے آبادیاں ظہور میں آئیں ۔ جو اس وقت تک علاقہ چھچھ میں افغان مالکانہ حیثیت سے بیشتر حصہ پر آباد نظر آتے ہیں ۔ اور علاقہ کے صاحب ثروت تاجر پیشہ ۔ زمیندار اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر

سرفراز افراد کی اکثریت الہی افغان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے ۔

چھچھ کا علاقہ مقام اٹک سے دریائے سندھ کے مشرق کی طرف اور تحصیل صوابی کے بالکل مقابل جنوب کو ہے یہ علاقہ چوراسی ۸۴ دیہاتوں پر مشتمل ہے ۔ اس کے نام کی نسبت کا وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مؤرخین اپنے اپنے خیال کے مطابق اسے کسی کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں البتہ گزٹیر راولپنڈی ۱۸۶۵ع میں ایک انگریز افسر کرنل کریکرافٹ نے اس کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور معتبر بھی ۔ وہ لکھتے ہیں کہ چھچھ کا لفظ اصل میں پشتو کا لفظ " چھج " ہے جو یوسفزیوں نے یہاں آ کر یہ نام اس علاقہ کو دیا ۔ " چھج " پشتو میں ہاتھ کی بنی ہوئی ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے اناج صاف کیا جاتا ہے ۔ اور اس کے تین کنارے محفوظ اور ایک ڈھلان کی شکل کا ہوتا ہے ہو بہو یہ شکل علاقہ چھچھ کی بھی ہے یہی لفظ "چھج" بعد میں چھچھ بنا ۔ کرنل کوریکرافٹ کی تحریر کا ایک پہرہ بہاکو خان اور اورنگزیب کے علاقہ چھچھ میں شدید جنگ کے دوران اوپر تحریر کیا جا چکا ہے آگے وہ لکھتے ہیں کہ

> چھچھ کے علاقہ میں گنجان آبادی یوسفزئی پٹھانوں کی ہے اور مالکوں میں اکثریت بھی یوسفزئی پٹھانوں کی ہے جو اعلیٰ درجہ کے کاشتکار ہیں ۔ افغان جو پٹھان کہلاتے ہیں چھچھ کی وادی اور برہان میں آباد ہیں ۔ ان کے آباؤ اجداد نے دلازاک کو یہاں سے باہر نکال کر خود آباد ہوگئے تھے دلہزاک کے کچھ بقایا لوگ دو یا تین گاؤں میں اب بھی کچھ گھرانے موجود ہیں ۔ یہ پٹھان اچھی نسل اور بہترین قسم کے کاشتکار ہیں ۔ آپس میں پشتو بولتے ہیں اور ملک کی زبان پنجابی سے نا آشنا ہیں ۔ ان کے بہت سے قبیلے ہیں مثلاً سرکانی ۔ متنی ۔

علی‌زئی ۔ وردگ ۔ غرغشت ۔ وغیرہ ان کے خاندان آخری‌زئی یا خیل سے معلوم ہوتے ہیں ۔ علی‌زئی علاقہ برہان اور حضرو میں اور ساغری مکھڈ میں آباد ہیں ۔ چھچھ اور برہان کے معزز اشخاص یہ ہیں ۔ لطیف خان عمرزئی سکنہ ملک مالہ ۔ میر عالم خان غرغشتی ۔ نادر خان علی زئی سکنہ سروانہ ۔ بوستان خان وردگ سکنہ نطوفہ ۔ شیر محمد خان اور فیروز خان علی‌زئی سکنہ برہان ۔ پٹھانوں کی آبادی علاقہ چھچھ میں ۵۶ گاؤں اور برہان میں ۹ اور مکھڈ میں ۷ گاؤں ہیں اس کے علاوہ بھی دیگر دیہات میں حصہ دار ہیں اور سرکار کو ۶۸۱۵۱ روپیہ مالیہ سالانہ ادا کرتے ہیں "۔

ان کے علاوہ علاقہ چھچھ میں مندرجہ ذیل افغان قبائل بھی آباد ہیں مثلاً سیدخیل ، نسوزئی ، ماموزئی ، (موضع شینکی) عمر زئی ، ببوتی ، مایار ، مہانہ ، برہ زئی ، سروانی ، خگوانی ، شیرانی ، پیر زئی ، عدل زئی ، فرملی ، خورہ خیل ، وغیرہ ۔ ان سب قبائل کی شاخیں اور اور ہم نسل لوگ انہی ناموں سے دریائے سندھ سے شمال کی طرف علاقہ یوسفزئی کے سمہ (ضلع مردان) بونیر ۔ سوات اور دیر باجوڑ میں بھی آباد ہیں ۔ قبائل فرملی اور غرغشتی چھچھ آنے سے قبل علاقہ یوسفزئی کے تپہ رزڑ موضع فرملی نزد شیوا اور تپہ خودو خیل کے موضع غرغشتی نزد طوطالی میں آباد ہو چکے تھے وہ گاؤں جس میں یہ لوگ نہیں ہیں پھر بھی اب تک انہیں کے ناموں سے موسوم ہیں ۔

ایف اے رابرٹ سن علاقہ چھچھ کے بندوبست کے بارے میں گزٹیر راولپنڈی ۱۸۸۵ ع میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں :۔ کہ

پٹھانوں کا بندوبست دو حصوں پر مشتمل ہے ایک ضلع کے شمال مغربی کونے پر تحصیل پنڈی گھیب میں مکھڈ کے آس

پاس جو ساغری پٹھان (بلاق خٹک) کہلاتے ہیں ۔ دوسرا تحصیل
اٹک علاقہ چھچھ میں یوسفزئی آباد ہیں ۔ جو پشاور ضلع کے
تحصیل صوابی سے دریائے سندھ کے مخالف سمت میں واقع ہے
پٹھانوں کے ان دو علاقوں کے درمیان دریائے سندھ کے کنارے
پر کھٹڑ اور قطب شاہی آوان آباد ہیں ۔ چھچھ اور برہان کے
علاقے کا پٹھان آپس میں مل جل کر ایک قبیلہ چلا آ رہا ہے ۔
وہ عموماً بہت ہی عمدہ کاشتکار ہیں ۔ اور دریائے سندھ کے پار
اپنی برادری سے مختلف نہیں ہیں ۔ اور نہ ہی ان میں کوئی
مختلف خاندان بنے ہیں ۔ اس وقت کے مشہور خوانین تحصیل
اٹک میں حسب ذیل ہیں ۔ میر عالم خان سکنہ غورغشی ،
آصف خان سکنہ ملک مالہ ، امیر خان سکنہ ویسہ ، علی اکبر
خان سکنہ یاسین ، اکبر خان سکنہ برہان اور غزن خان پٹھان
جو اپنی وفاداری کے لئے مشہور ہے ۔ اور جس نے قضیہ پنڈ
ستارہ کے سلسلہ میں اچھی خدمات انجام دیں ۔ ان کو صلہ
میں تحصیل کہوٹہ میں ایک اچھی ریاست ملی ہے :-

اوپر کے بیانات سے اس امر کی تصدیق تو ہو جاتی ہے کہ یوسفزئی وقتاً فوقتاً دیر سوات ، بونیر اور سمہ ، علاقہ یوسفزئی سے نقل مکانی کر کے اپنے اپنے خاندانوں سے جدا ہو کر علاقہ چھچھ میں آ کر آباد ہو گئے تھے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انگریز کے اس علاقے پر قابض ہونے سے قبل کے مکمل حالات باوجود سخت جستجو کے نہیں مل سکے جن پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ مصروف جنگ و جدل رہے اور برادرت کے جو مظاہرے بونیر سوات اور صوبہ سرحد کے افغانوں پر مغل سکھ اور انگریز حکمرانوں کی طرف سے ہوتے رہے ان میں پہلا نشانہ بھی بنتے رہے ۔ ان

میں ایسے افراد کی کمی نہیں تھی جن کا ذکر ہمارے ان اوراق کی زینت بنتا ۔ ان کے گھرانے لوٹے گئے آبادیوں کو نذر آتش کیا گیا انگریز کے بندوبست ثانی ۱۸۸۷ ع میں ویسا گاؤں کے متعلق سرکاری اندراج یوں کیا گیا ہے :-

آبادی اس گاؤں کی ویسا خان نے کی اس کے نام پر ویسا مشہور ہے عہد مسلمانی میں و نیز عہد سکھان میں یہ گاؤں چند دفعہ ویران ہوا ۔ ۵۰ سال قبل بندوبست قانونی سے برابر آباد ہے ۔

اس وقت اس گاؤں میں بے شمار شہدا کی قبریں اس کی غمازی کر رہی ہیں اسی طرح اور دیہاتوں میں جہاں افغان آباد ہیں ۔ شہدا کی قبریں بکثرت پائی جاتی ہیں ۔ باوجود سخت کوشش کے بھی فی الحال اس کے سوا کچھ نہ مل سکا ۔ جس کی اہم وجہ یہ ہے کہ نئی نسل کے جدید طرز تعلیم و تربیت کے پیش نظر انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اور وہ اپنے آباؤ اجداد کو فراموش کرتے جا رہے ہیں وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ پٹھان ہیں اس سے زیادہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کس خیل سے ہیں ۔ دیگر انگریز کے تقسیم ملک نے ان کو دور لے جا کر پھینک دیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس تقسیم کے پیش نظر پنجابی کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے ۔ معلوم رہے کہ علاقہ چھچھ کو انگریز نے پنجاب میں شامل کر دیا تھا جو بدستور پنجاب کا ہی ایک حصہ ہے ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں کے افغان مقامی باشندوں کے زیادہ قریب آتے گئے اور ان میں باہمی راہ و رسم اور مشترکہ کاروبار کا سلسلہ شروع ہوا نتیجہ یہ کہ وہ ان کے زیادہ قریب اور اپنی برادری سے دور ہوتے چلے گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ان کی اپنی زبان پشتو بدلتے ہوئے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کیونکہ یہ قدرت کا اصول ہے کہ جو قوم اپنی اصلیت اور اپنی زبان کو پس پشت

ڈال دے تو وہ اپنی ملی روایات - تہذیب و تمدن کو تا دیر زندہ و برقرار نہیں رکھ سکتی تاہم مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ قوم کے نونہال اپنے آپ کو شناخت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے اور جس چیز کی ہمیں تلاش ہے اس میں کوشاں رہیں گے فی الحال میری جستجو نے تلاش و تحقیق صرف گزٹیر راولپنڈی ۱۸٦۵ع و ۱۸۸۵ع تک ہی محدود رہی جو عزیز خان ولد عظیم خان افغان متنی (لال خیل) ســوضع ویسا کی کوشش سے میسر آئی اور اس نے میرے ساتھ اس بارے میں کافی مدد کی - اس کے علاوہ ان کے ماموں زاد بھائی سکندر خان ولد محمد ایوب خان جو امیر خان سکنہ ویسا کی اولاد میں سے ہے ، کا جذبہ نہایت قابل تعریف ہے - اس طرح سردار خان ولد وزیر خان نسوزئی سکنہ نطولہ بھی اس مطلوبہ جستجو میں پیش پیش رہے -

ضلع ھزارہ میں افغان

زمانہ قبل میں یوسفزیوں نے ضلع ہزارہ کے موجودہ تحصیل ہری پور و ایبٹ آباد کے علاقے دلازاک و گکڑ وغیرہ سے حاصل کر لئے اور سواتی پٹھانوں سے کچھ تعرض نہ کیا - تو ایبٹ آباد کا علاقہ انہوں نے گدون یا جدون کو دے دیا اور تحصیل ہری پور میں یوسفزئی منڈڑ کی ذیلی شاخیں اکازئی - کنازئی اور علی زئی مقیم ہوگئے اور انہوں نے اپنے ساتھ اسی علاقے میں اپنے حمایتی افغان قبائل ترین - پنی - کاکڑ شلمانی اور شوانی کو بھی آباد کیا - جن کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں :-

گدون (جدون) : یہ پٹھانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے - جو

اس وقت علاقہ اتمان یوسفزئی اور اس کے متصل علاقہ ایبٹ آباد ضلع ہزارہ میں آباد ہے ابتداً یہ قبیلہ بھی دوسرے پٹھانوں کے ساتھ قندہار اور بلوچستان کے درمیانی علاقہ میں مقیم تھا ۔ یوسفزیوں کے کابل سے آمد کے کچھ عرصہ بعد یہ بھی وہاں سے یوسفزئی کے ہاں چلے آئے سید محمود شاہ اپنی تصنیف مفاتح الانساب میں لکھتا ہے کہ :۔

یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے بتدریج خلیل ۔ گگیانی ۔ محمد زئی ۔ کمال زئی ۔ اور اتمان زئی قبائل سے جا کے رہائش مانگی مگر پذیرائی نہ ہوئی تو اس قبیلہ نے دریائے سندھ کا رخ کیا ۔ دریا عبور کرنے کو تھے کہ قبیلہ اتمان زئی نے ان کو مصلحتاً واپس لوٹا کر مواضعات باڑہ ۔ کبل کیا ۔ اچیلئی ۔ چنیئے ۔ کاہائی اور منگل چائی گندف وغیرہ مال مویشی چرانے کے لئے دے دئے ۔ مگر کچھ عرصہ بعد اتمان زیئوں نے باڑہ اور کبل کیا کا علاقہ ان سے واپس لے کر خود وہاں رہائش اختیار کی :۔

مفاتح الانساب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب بہا کو خان یوسف زئی نے ہزارہ پر حملہ کیا تھا ۔ تو گدون اس کے ساتھ تھے اور انہوں نے اس وقت سے دوڑ نامی ندی کے دونوں اطراف کے میدانی علاقہ میں اپنا الدار قائم کر لیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ یوسفزیوں کے ساتھ ابتدا ہی سے رہے ۔ اور ہمیشہ ان کی امداد و اعانت میں پیش پیش رہے تھے ۔ اور تقسیم اراضی کے وقت یوسفزئی نے ان کو اتمان کے ساتھ گندف وغیرہ کا علاقہ ابتدا ہی سے دیا تھا ۔ اور یوسف زئی نے ہزارہ کے نئے مقبوضات میں سے بھی یہ موجودہ علاقہ ان کو دیا تھا ۔

قبیلہ گدون دو حصوں میں تقسیم ہے سالار اور منصور جن کی

ذیلی شاخیں حسب ذیل ہیں :۔
سالار کی شاخیں ۔ مت خوازئے ۔ اتوزئے اور سلیمان زئے ہیں اور منصور کی شاخیں موسیٰ زئے ۔ دولت زئی ۔ خذرزئی اور اسیزئی ہیں ۔

سکھ اور انگریز کی آمد پر یہ قبیلہ غیر جانبدار رہا ۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں انگریز نے بونیر کے یورش کے دوران اس قبیلہ کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ ہندوستانی مجاہدین کو اپنے علاقہ میں قیام کرنے نہیں دیں گے ۔ اور جب قبیلہ سالار اور کبل کیا کے اتمان زئیوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو نا کہ بندی ختم ہوئی ۔ جب معرکہ امبیلہ شروع ہوا تو گدون انفرادی حیثیت سے شریک ہوئے معرکہ امبیلہ کے اختتام پر گدون کے خلاف انگریز نے لشکر کشی کی اور مینی پہنچ گئے ۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی جو قریب قریب مکمل ہونے کو تھی کہ رات کو ملک جہانگیر خان اتفاق نہ کرتے ہوئے گندف سے چلا گیا اور مینی کے اکازئی کی مداخلت پر جنگ نہ ہوئی ۔ انگریز لشکر کبل کیا کی طرف کوچ کرتے ہوئے منڈی پہنچ کر اسے نذر آتش کر دیا ۔ بعد میں سالار اور منصور سے صلح ہو گئی ۔ اس کے بعد بھی انگریزوں سے جھڑپیں ہوتی رہیں ۔ اور سمجھوتے بھی طے پاتے رہے ۔ آزاد زندگی گزار رہے تھے ۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد انہوں نے اس سے الحاق کر دیا افسوس کہ گدون کے وہ لوگ جو ایبٹ آباد تحصیل میں آباد ہو چکے تھے پشتو زبان کو بھول گئے ۔

پنی اور کاکڑ

یہ دونوں افغان قبائل دانی کے بیٹے ہیں اور دونوں کا مشترک

نام دانی ہے اور قبیلہ غرغشت سے متعلق ہیں ۔ ان کے کچھ گھرانے یوسفزیوں کے ساتھ افغانستان سے آئے تھے اور ان کی برادری میں شامل ہوئے تھے ۔ (اگرچہ ان کا بڑا قبیلہ اس وقت شمالی بلوچستان کے علاقہ کوہ سلیمان میں آباد ہے ۔) یہ لوگ یوسفزئی کی ہر تکلیف و راحت میں شریک رہے اور جب یوسفزئی کا موجودہ تحصیل ہری پور پر لیا قبضہ ہوا تو ان کو میدان ہزارہ اور صوابی میرہ میں حسب منشاء حصہ دیا گیا جو اس وقت تک یوسفزئی کے ذیلی شاخ اتمانزئی کے ساتھ تحصیل ہری پور میں آباد ہیں ۔ بموجب تحریر مصنف تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی جلد دوئم صفحہ ۹۳۷ یہ لوگ یوسفزئی کے رشتہ دار بھی تھے وہ یوں کہ ان کے ہاں سے سمی سلیمان پر ملک یوسف بن خشی کی بیٹی بیاہ ہو چکی تھی جب کہ یہ لوگ قندہار کے مغربی علاقہ میں آباد تھے مصنف نے سلیمان کو بنی کے بیٹے بہودا کے پانچویں پشت میں بتایا ہے ۔ اور پھر سلیمان کی اس بیوی سے پیدا شدہ دو بیٹے عیسیٰ (علی) اور موسیٰ کے نام بتاتے ہیں ۔ اگر یہ صحیح ہوں جیسا کہ درست معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ رائے قائم ہوتا ہے کہ یہ یہی لوگ جو موضع پنیاں تحصیل ہری پور میں آباد ہیں عیسیٰ اور موسیٰ کی اولاد ہوں گے جو یوسفزئی کے بھانجے تھے ۔ اور کاکڑ بھیوں کی رشتہ داری اور برادری کے سبب ان کے ساتھ شامل رہے ہوں ۔ اور بنی و کاکڑ کا یوسفزئی کے ساتھ شامل ہونے کا سبب بھی یہی رشتہ داری ایک ذریعہ ہوں۔

یہ بھی معلوم رہے کہ ابتدا میں بنی و کاکڑ کو شیخ ملی کی تقسیم میں تہہ بائی زئی علاقہ مردان کے موضع پیرسدو میں حصہ ملا تھا اور کچھ حصہ موضع قطب گڑھ میں بھی ملا تھا جو اس وقت بھی وہاں یہ سب کاکڑ کے نام سے موسوم اور آباد ہیں ضلع ہزارہ میں ان کو اس نئے مقبوضات میں دوبارہ حصہ دیا گیا تو پیر سدو اور قطب گڑھ

سے کچھ لوگ یہاں ہزارہ میں آکر آباد ہوگئے اور کچھ گھرانے وہاں ہی موضع پیر سدو اور صرف ایک گھرانہ قطب گڑھ میں برحال سابقہ مقیم رہے جو اب تک ان کی اولاد وہاں رہائش پذیر ہیں مگر ان سب کو کاکڑ بولا جاتا ہے ہنی کا الگ نام نہیں پیر سدو اور قطب گڑھ کے علاوہ یہاں اسی تھہ میں ان کو موضع کوٹ جھونگڑہ میں بھی حصہ ملا تھا اور اب بھی یہاں کچھ گھرانے آباد ہیں مگر یہ لوگ ہنی و کاکڑ کے نام سے نہیں بلکہ خرغشتی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ موضع پیر سدو میں کاکڑ کے علاوہ ملاگوری ، اتمان خیل ، دلازاک کے دو گھرانے ، غازی خیل اور شاہی خیل بھی آباد ہیں اور ایک ایک گھرانہ معیار ، میالہ ، پیرخیل ، سواتی وغیرہ افغان بھی آباد ہیں۔

ترین

ان کے کئی خاندان یوسفزیوں کے ساتھ ابتدا ہی میں آئے اور ان کے ساتھ آباد ہوگئے اور جب یوسفزیوں نے اشنغر کا علاقہ محمد زئیوں کو دے کر موجودہ علاقہ میں مقیم ہوگئے تو یہ ترین بھی ترناؤ سے منتقل ہوکر ان کے ساتھ آباد ہو گئے۔ جب شیخ ملی لے ملک احمد خان اور خان لرہ کی قیادت میں اراضی تقسیم کی تو اس میں ترین بھی شامل تھے۔ اس وقت وہ چملہ کے مشرق حصہ میں رہے اور ان کے نام سے تربنان اب بھی ایک گاؤں وہاں آباد ہے جو موضع نگرئی کے قریب واقع ہے دلازاک کو نکالنے کے بعد تقسیم اراضی میں ان کو بھی منڈڑ کے ساتھ حصہ ملا۔ اور یار حسین منتقل ہو گئے چنانچہ موضع یار حسین تحصیل صوابی میں تربنان ونڈ کے نام سے اب بھی اراضی موجود ہے۔ اور وہاں ان کے ایک خاندان بھی آباد ہے۔ اور جب

یوسفزئی نے ہزارہ پر یورش کی تو ترین ان کے ساتھ تھے ۔ اور وہاں کے میدانی علاقوں میں ڈیرے جما لئے تو ان کی آبادیاں درویش ۔ پانڈک ریحانہ اور پڈیانہ وغیرہ کے ناموں سے منظر عام پر آئیں ۔ اور وہ طور ترین کہلائے اس کے علاوہ جٹو ، تور بیلہ میں بھی ان کی مختصر سی آبادی ہے لیکن اب یہ ڈیم کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہی ہے جسے سپن ترین کہتے ہیں ۔

سواتی پٹھان

اس قبیلہ نے سلطان محمد غوری کے عہد میں ان کے حکم سے سوات اور باجوڑ کی راہ لی تھی ۔ اور وہاں سے قدیم باشندوں جو کافر تھے ، کو نکال کر قابض ہوئے اور قریب چار سو سال تک یہاں قابض رہے اور پھر ان میں سے ایک بزرگ شاہ میر بابا نے ہٹخیلہ سے جا کر کشمیر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کی محمد اکرام مصنف آب کوثر لکھتا ہے : کہ

سوات کے ایک بزرگ شاہ میر ۱۳۱۵ ع میں کشمیر کے راجہ سنگھ دیو کے ہاں ملازم ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کر لیا ۔ ان کے بیٹوں کو بھی راجہ نے بڑے اختیارات دئے اور خود ان کو راجہ کے ایک جانشین نے اپنا وکیل مطلق مقرر کیا آخر میں جب ملک کا نظام درہم برہم ہونے لگا تو ۱۳۰۳ ع میں شاہ میر شمس الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے اور سکہ و خطبہ جاری کیا ۔ کشمیر میں اسلام ان کی بدولت پھیلا ۔ شاہ میر نے کشمیر سے اسلام کے سیاسی تعلقات کی بنیاد ڈالی ۔

کیمرج ہسٹری میں شاہ میر کی نسبت لکھا ہے کہ

نئے بادشاہ نے اپنے اختیارات سمجھ اور نیک نیتی سے استعمال کئے کشمیر کے ہندو راجے بڑے ظالم تھے - ان کی ظالمانہ پالیسی یہ تھی کہ رعیت کے پاس معمولی دال روٹی سے زیادہ کچھ نہ رہنے دیا جائے - نئے بادشاہ کی حکومت لبرل اصولوں پر قائم تھی - اس نے بے جا سرکاری لگان اور غیر منصفانہ ٹیکس ہٹا دئے - ٹیکس وصول کرنے کے ظالمانہ طریقے موقوف کر دئے اور سرکاری لگان پیداوار کے چھٹے حصے پر مقرر کیا -

تاریخ فرشتہ میں درج ہے کہ

شاہ میر ۷۱۵ھ میں کشمیر آیا اور راجہ کے اکثر رعیت اور ملازموں کو موافق یعنی مسلمان کیا اور اتنا اثر پیدا کیا کہ ۷۴۲ھ میں اس نے حکومت خود سنبھال لی ' بلاد کشمیر میں حنفی مذہب کو رواج دیا ، شاہ میر کے چار بیٹے تھے بڑا بیٹا جمشید اور دوسرا علی شیر تھا تیسرا شیراشامک اور چہارم ہندال تھا ، یہ سب قابل اور ہوشیار تھے ، شاہ میر نے تین سال تک کامیاب حکومت کر کے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا جمشید کو اتفاق سے تخت پر بٹھایا گیا اور علی شیر اس کا وزیر ہوا اور اپنے باپ کے طریقہ سے نظام حکومت عادلانہ قائم رکھی -

کتاب راج ترنگینی (فارسی ترجمہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی) میں شاہ میر کے اولاد کے متعلق ذکر یوں درج ہے

سلاطین شاہ میری نے کشمیر میں تقریباً دو سو سال تک کامیاب حکومت کی ، اس خاندان کا معروف ترین سلطان ' زین العابدین ' مشہور بہ بڈشاہ ' تھا ، یہ سلطان بڑا عالم ' ادیب اور شاعر تھا ، عربی اور فارسی میں شعر بولتے تھے اور کشمیری

سنسکرت ، اور تبتی زبانوں میں کامل مہارت رکھتا تھا ،
اس سلطان نے کشمیری زبان کے قلمی کتابیں اور نیز آثار عربی
و فارسی و سنسکرت کو جمع کیا اور ایک بڑے کتب خانے
کی بنیاد رکھی اور یہ کتب خانہ سری نگر شہر میں تا عہد
حکومت سلطان فتح شاہ (۸۹۲—۸۹۸ھ) برقرار تھا ،

الغرض سواتی پٹھانوں نے الغ بیگ اور بابر کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے مردانہ وار مقابلہ کیا اگرچہ شکست کھائی تا ہم برسوں تک اس علاقہ پر قابض رہے ۔ یوسفزیوں کی آمد پر ان سے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ہزارہ کا رخ کیا ۔ اور وہاں سواتی پٹھان پکارے جانے لگے ۔ علاقہ سوات سے نکل کر ہزارہ میں جس علاقہ پر انہوں نے قبضہ کیا آسے سلطان پکھال کے نام سے پکھلی نام دیا گیا ۔ پھر اٹھارویں صدی میں سید جلال بابا کی قیادت میں اس قبیلہ نے ہزارہ کے شمالی علاقہ سے ترکوں کو نکال کر تمام پہاڑی اور میدانی علاقہ پر قبضہ کر لیا ۔ یہ قبیلہ کئی ذیلی شاخوں میں منقسم ہے مثلاً گبری ، ماسی ، عالی ، ستراوی اور دودان ، دودگان یا دیگان جو ایک ہی نام ہیں اور اس وقت ان کو دودیال کہتے ہیں ۔ فتوح البلدان کے مصنف لکھتا ہے :-

دودان ایک قوم تھی شام کے سرحد (آرمینیہ) میں جو مدعی ہے
کہ وہ بنی دودان بن عریضہ میں سے ہے ۔

معلوم رہے کہ آرمینیہ میں اسرائیلی جلاوطنوں کا ذکر ہو چکا ہے ۔ بنی اسرائیل میں دودان ایک خاندان بھی تھا یہ لوگ محمد غوری کے ساتھ اشنغر میں آئے تھے ۔

تاریخ حافظ رحمت خانی میں ستراوی قبیلہ کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو یوسفزئی بیان کرتے ہیں ۔ گبری کے وجہ

تسمیہ کے متعلق معلوم رہے کہ کوہ گبر دریائے توچی کے قریب علاقہ میں ورغڑ کے متصل افغانستان کے مشرق سرحد پر جہاں اس وقت بٹنی افغان رہتے ہیں ایک وادی اور پہاڑ کا نام تھا یہ لوگ وہاں پر رہائش پزیر تھے ۔ اور محمد غوری کے ساتھ وہاں سے چلے آئے تھے ۔ وہاں کی رہائش کی وجہ سے ان کا نام گبری اور بعدہ' سوات میں رہائش کی وجہ سے سواتی مشہور ہوئے جو ایک گروپ ہے ان میں چھوٹے چھوٹے مختلف افغان قبائل شامل ہیں جن میں بٹنی قبیلہ کے بھی ایک شاخ تھی جو بٹخیلہ ۔ بٹگرام اور بٹل کے ناموں سے ظاہر ہے ۔ بعض مؤرخین ان کے نسب کے متعلق مخالف رائے رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ افغان قبائل میں سے ہیں ۔ ان کی مادری زبان اب بھی پشتو ہے ۔ اور اس وقت یہ لوگ سواضعات بٹل ۔ الائی شنکیاری ۔ بٹگرام ۔ مانسہرہ ۔ بفہ ۔ اوگئی ۔ گڑی حبیب اللہ اور بالا کوٹ وغیرہ میں آباد ہیں اور یہ لوگ اپنے آپ کو افغان اور پختون بولتے ہیں یہ لوگ بڑے محنتی اور بہادر اور آزادی پسند واقع ہوئے ہیں ۔ سکھوں اور انگریزوں سے جنگیں لڑی ہیں ۔

مشوانی

یہ افغانوں کا مشہور قبیلہ ہے ۔ یوسف زئی جب موجودہ افغانستان میں مقیم تھے تو ان سے اس وقت اچھے مراسم اور تعلقات قائم تھے ۔ ان کے اکثر خاندان اس وقت افغانستان سے نکل کر یوسفزئی کے ہاں پہنچے تھے جب یوسف زئی کا ستارہ چمک رہا تھا ۔ ملک گیری میں یوسف زئی کے ساتھ تھے اور جنگوں میں کارہائے نمایاں سر انجام دئے تھے ۔ ملک فتح کرنے کے بعد ان کو شیخ ملی کے تقسیم میں

علاقہ دیر میں بمقام درہ جندول ایک زرخیز علاقہ مل گیا تھا جس پر اس وقت بھی ان کے کافی گھرانے سکونت پذیر ہیں ۔ اور پھر نئے مقبوضات میں بھی یوسف زئی کے ذیلی شاخ اتمان زئی منڈڑ نے ان کو کوہ گنگر کے علاقہ میں کچھ اراضی بطور انعام دیدی جہاں وہ مقیم ہوگے ان کی کثرت آبادی کوہ گنگر کے سری کوٹ ۔ کنڈی اسر خانہ گدوالیا میں دکھائی دیتی ہے ۔ ان کی خصوصیات میں یہ بھی شامل ہے کہ روز اول سے اب تک ان کی زبان ۔ پوشاک اور بود و باش افغانی ہی ہے اور اس معاملہ میں وہ ضلع ہزارہ کے دوسرے افغانوں سے ممتاز ہیں ۔ ان کے کچھ گھرانے اسماعیلیہ اور ساول ڈھیر میں اور چند گھرانے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہیں آزادی کی خاطر سکھوں اور اس کے بعد انگریزوں سے ان کی لڑائیاں خوب چرتی تھیں ۔

تراوڑہ اکوزئی

ان کا جد اعلی امیر خان نامی موضع شالیگے سوات سے نقل مکانی کر کے ہزارہ میں آباد ہوا تھا ۔ اور یہاں اس کا قبیلہ تراوڑہ کے نام سے پکارا جانے لگا ۔ کچھ عرصہ بعد یہ موضع کنڈر میں آباد ہوگے اور یہاں ایک خانی کی بنیاد ڈالی ۔ جو متصل حسن زئی سے طھارا ۔ کنڈڑ اور چمبڑی تک پھیلی ہوئی تھی اور علاقہ شونگلی پر قابض ہوگے ۔ اور اسی خاندان کے ایک گروہ نے علاقہ تکا والی پر اپنا تسلط جمایا ۔ یہ سبڑیال تراوڑہ کے نام سے پکارے جانے لگے ۔ جو بعد میں علاقہ اگرور کو چلے گئے اور موضع شہتوت میں سکونت اختیار کی ۔ بعد ازاں تناول کے دیگر مواضعات میں منتقل ہوتے گئے ۔ اور بٹل پکوٹی اور چواق تک پھیل گئے ۔ ضلع ہزارہ کے افغانوں کا ذکر ہو چکا

اب آگے دیکھئے

بڑیس یا بڑیچ

یہ افغان قبیلہ ہے اور اس قبیلہ کو قیس عبدالرشید کے بیٹے شرخبون (شرف الدین) کی اولاد بیان کیا جاتا ہے ۔ اور یوسفزیوں کے افغانستان سے ہجرت کرتے وقت اُن کے چند خاندان جن کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے ۔ آ گئے تھے شیخ ملی کے تقسیم اراضی کے وقت پہلے آنکو طورو شامت پور میں آباد کیا گیا ۔ تو بعد میں موضع ڈھو ڈھیر سالم دیا گیا ۔ جہاں اس وقت بھی یہ لوگ آباد ہیں ۔ اور جب یوسفزئی علاقہ چھچھ کی طرف بڑھے تو اس قبیلہ کے چند گھرانے ان کے ہمراہ تھے جو وہاں آباد ہوگئے اس وقت بھی علاقہ چھچھ کے کئی دیہاتوں میں آباد نظر آتے ہیں اس کے علاوہ چند گھرانے موضع یار حسین او موضع البار تحصیل صوابی میں بھی آباد ہیں حافظ رحمت خان روہیلہ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔

ایک مشہور بزرگ پیر ولی جس کے مناظرے اخون درویزہ سے ہوئے تھے ، بھی اس قبیلہ بڑیچ سے تھا ۔

سرکانی ۔ تاران " ماہیار " اطرافی

یہ چاروں افغان قبائل ہیں جو ابتدا میں اپنے قبیلوں سے ان کی کچھ خاندانیں الگ ہو کر یوسفزئی کے ساتھ شامل ہوگے ۔ یوسف زئی کے ساتھ ملک گیری میں کارہائے نمایاں سر انجام دئے اور یوسفزئی نے ان کو اپنے پاس رکھ کر اپنی برادری میں شامل کئے ۔ شیخ ملی

کے تقسیم میں ان کو دیر باجوڑ کے علاقہ میدان میں اراضیات دے کر بسایا گیا تھا جو اب تک وہاں آباد ہیں ۔ اور میدان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی آباد ہو چکے ہیں چھچھ میں بھی ان کی کچھ آبادیاں ہیں ۔

روانڑی ۔ ہوتیان ۔ کنبار :۔

یہ تینوں الگ الگ افغان قبائل ہیں اور ان کے کچھ خاندانیں ابتدا ہی میں یوسف زئی کے پاس آ کر شامل ہو گئے تھے وہ ملک گیری اور نیز ہر تکلیف و راحت میں زیادہ اخلاص و ہمدردی سے پیش آئے تھے ۔ ان کو کمال زئی کے ساتھ موضع ماہار میں تقسیم کے وقت حصہ ملا تھا اور اس وقت بھی یہی لوگ موضع ماہار نزد طورو میں آباد ہیں اور یہاں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جگہ بہ جگہ کچھ گھرانے سکونت رکھتے ہیں مثلاً کنبار کے کچھ خاندان بونیر میں سالار زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں ۔

قبیلہ روانڑی کے چند گھرانے سکنہ ماہار میں کمال زئی کے ساتھ بھی آباد ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد ، بلکہ بحیثیت قبیلہ و بموجب تقسیم شیخ ملی ' تپہ بائی زئی کے سالم موضع جلالہ اور اس کے ملحقہ باندہ جات میں سالکانہ حیثیت سے قابضان اور آباد ہو چکے ہیں ۔ ان میں کئی خیل ہیں مثلاً خواجہ داد خیل ۔ زاہد خیل ۔ طور زئی گوت حسن زئی ۔ اتمان زئی ۔ باتور خیل ۔ حسن خیل ۔

روانڑی قبیلہ کے علاوہ جلالہ میں کچھ دوسرے مختلف افغان خاندان بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں مثلاً شلمانی کے چھ خاندان ۔ بونیر وال دو خاندان ۔ فتح خیل دو خاندان ۔ مندود خیل ایک خاندان مندوری ایک خندان ۔ بارک زئی دو خاندان ۔ لسہ خیل ایک خاندان

خوبشگی ایک خاندان پیر خیل اور ملا زئی ایک ایک خاندان مذکورہ سب نسلاً افغان ہیں لیکن ان کے علاوہ غیر افغان چند گھرانے بھی یہاں قابضان ہیں جس کی تفصیل یہ ہے - چار گھرانے باشندہ - دو گھرانے اوان - دو گھرانے گوجر وغیرہ -

بوقی یا بوئیان قبیلے کی نسبت شام کے شمالی علاقہ جبل الکام کے اطراف میں بیاس کے قریب بوقا نامی گاؤں کو ہے جس کی رہائش وہاں شام میں بوقا نامی قصبہ میں تھی - مشرق کی طرف آنے کے بعد وہی سکونتی نسبت سے یاد اور پکارے جاتے ہیں اور بعینہ اسی طرح روانی یا روانڑی اور کنبار یا کمبار بھی شام کے سکونتی مقامات کے ناموں کے نسبت سے یاد کئے جاتے ہیں -

وردگ

یہ ایک افغان قبیلہ ہے اور ان کے کچھ خاندان یوسفزئی کے ساتھ افغانستان سے آ کر شامل ہوئے تھے اور ملک گیری نیز ہر تکالیف میں یوسفزئی کا ساتھ دیا تھا ان کو شیخ ملی کی تقسیم میں ملی زئی کے ساتھ دیر میں اور بابو زئی کے ساتھ سوات میں اور دولت زئی کے ساتھ کلپانی بنیر میں حصص ملے تھے جو اب تک وہیں آباد ہیں اور جب یوسفزئی نے علاقہ چھچھ پر قبضہ کیا تو اس کو اس نئے علاقہ میں بھی موضع لطوفہ میں اس گاؤں کا تیسرا حصہ ملا جو اب تک وہاں آباد ہیں - اور باقی دو حصوں پر نسو زئی اور سید خیل قابض ہوئے جو دونوں نسلاً یوسف زئی ہیں -

بے سود ۔ رھو ۔ لمغانی

تینوں الگ الگ افغان قبائل ہیں ان کے بھی کچھ خاندانیں افغانستان سے آ کر یوسفزئی کے ہاں پہنچے اور ان کی معاون نے شیخ ملی کی تقسیم میں ان کو سالار زئی کے ساتھ حصص ملے تھے جو اس وقت ان کے ساتھ بونیر میں اور موضع درگئی اشنغر میں آباد ہیں۔

- اتمان خیل

یہ ایک مشہور افغان قبیلہ ہے یوسفزیوں کے کابل سے نقل مکانی کے موقع پر یہ ان کے ساتھ ساتھ رہے - اور امداد کے طور پر عملاً جنگوں میں بھی حصہ لیتے رہے ۔ کاٹلنگ اور شہباز گڑھ کے یوسفزئی دلازاک معرکہ میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے تھے ۔ قبل اس کے یوسفزیوں نے ان کو مالاکنڈ کے مغرب کی طرف کا علاقہ اور باجوڑ سے جنوب کو رہائش کے لئے دیا تھا ۔ جو اس وقت تپہ اتمان خیل کے نام سے مشہور ہے اس میں کمبور پہاڑ اور دیہات رنگ ہرنگ مشہور ہیں ۔ اور یہاں پر الیاس نبی جو غازی پیغمبر کے نام سے مشہور ہے کا مزار ہے ۔

انیسویں صدی کے وسط تک اتمان خیل کی قیادت ایک طاقتور خان کے ہاتھ میں تھی ۔ جو ایک مطلق العنان حکمران تھا ۔ لیکن بعد میں ان کی قوت تقسیم ہوتی چلی گئی ۔ اور انگریز کی آمد پر ان کے کئی معرکے ان کے ساتھ ہوئے جس میں وہ آخر کار مغلوب ہو گئے ۔ اتمان خیل کے کچھ دیہات تہہ‌کالی زئی کے مواضعات میاں خان، سنگاؤ، پیپل، خرکی، اور کھونی برساول میں آباد ہیں ۔ جنگ کاٹلنگ کے بعد بطور انعام

یہاں ان کو مذید حصہ ملا تھا ۔ اور کچھ گھرانے موضع گلیاڑہ میں بھی آباد ہیں ۔

خویشگی پٹھان

اس قبیلے کے کچھ خاندان ابتدا محمد زیٹوں کے ساتھ شریک سفر رہے ۔ حالانکہ ان کا پورا قبیلہ قصور پنجاب کے علاقے میں جا داخل ہوا تھا یوسفزیوں نے جب محمد زیٹوں کو اشنغر کا علاقہ دیا تو خویشگی بھی چارسدہ سے دو میل کے فاصلے پر جانب شمال مغرب رہائش پذیر ہوئے جس کا نام خویشگی ڈھیری پڑا ۔ محمد زیٹوں کو اس کے بعد نوشہرہ کا کچھ علاقہ بھی یوسفزیوں نے دیا تو خویشگی وہاں سے منتقل ہوکر نوشہرہ سے مغرب کی جانب ایک گاؤں میں آ بسے جس کا نام خویشگی مشہور ہوا یہاں ان کے ساتھ کچھ دوسرے قبائل بھی جو یوسفزئی کے حمایتی تھے شامل کئے گئے موضع خویشگی دو حصوں پر موسوم ہے ۔ برکلے اور کوز کلے ، برکلی میں ہنکزئی ، لالی خیل ، شالم خیل ، لگبی زئی ، مثہ خیل اور ماندوری اور درم سالی ہندکی مذکورہ آباد ہیں ۔ کوز کلی میں جنڈا خیل ، گریزی ، کوگیان اور خورا ساران ، کوچیان ، خٹک یہ مذکورہ سب افغان قبائل ہیں جو اس وقت موضع خویشگی میں رہتے ہیں ۔

غلزئی اور لودی

ان دونوں قبیلوں نے تاریخ ہند میں خلجی اور لودی کے نام سے نمایاں مقام حاصل کیا تھا ۔ ان کے چند گھرانے بھی ابتدا میں

یوسفزیوں کے ساتھ ہی آئے تھے - اور شیخ ملی کی تقسیم اراضی میں انہیں حصہ رسدی دیا جانا بیان ہوتا ہے خاندان غلزئی (غلجی - خلجی یا خلجی) کے افراد تہہ رزڑ کے موضع شیوہ اور تہہ اتمان کے سانیری اور زروبی تحصیل صوابی میں آباد اور صاحب املاک ہیں مشہور عالم دین پیر طیب جن کا ذکر اخوندریوزہ نے کیا ہے اور اس کے مخالفین میں سے تھا، بھی اس قبیلہ خلجی سے تھا - لودی خاندان کے افراد بھی علاقہ یوسفزئی میں مقیم نظر آتے ہیں - اور ان کا مشہور خاندان موضع ٹوپی میں آباد ہے جس سے نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان تعلق رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے مختلف قبائل کو بھی یوسفزیوں نے اپنے ساتھ جہاں کہیں وہ رہے آباد کیا اور خیر سکالی کے طور پر ان کو زمین بھی دی تا کہ وہ اپنی زندگی گزار سکیں - اور اس وقت تک وہ مختلف مقامات پر ان کے ہمراہ آباد نظر آتے ہیں -

سید اور میاں

پٹھان لوگ علماء، مشائخ اور سادات کی ابتدا سے عزت واحترام کرتے چلے آئے ہیں - چنانچہ ان کے متعدد خاندان علاقہ یوسفزئی میں مقیم ہیں - شیخ ملی کے تقسیم اراضی میں ان کو جائے سکونت اور اراضی بطور سیری دی گئی تھی ان میں اچھے نامور زمیندار بھی ہیں - حکومت میں اچھے عہدوں پر سرفراز اور میدان سیاست میں دکھائی دیتے ہیں - یوسف زئی نے جہاں بھی تمام پختون خوا میں سمجھدار اور عالم فاضل شخص دیکھا، ان کو اپنے ہاں بلا کر آباد کیا تھا -

خشی قبائل

یہ چار قبیلوں پر مشتمل ہیں (۱) یوسفزئی (۲) گگیانی (۳) ترکانڑی (۴) محمد زئی (وصلی) ان کے مختصر حالات یہ ہیں :-
(یوسف زئی کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)

گگیانی

اس قبیلے کو بمطابق تقسیم ملک احمد یوسفزئی ، تپہ دوآبہ کا علاقہ ملا تھا ۔ تپہ ہذا چارسدہ کے دریائے سوات سے مغرب اور دریائے کابل کے شمال مشرق دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقے کا نام ہے ۔ یہاں پر ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے زیر سایہ آباد ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

موا ضعات نصرت زئی ۔ سوختہ ۔ گونڈہ ۔ دوسہری ۔ سروالی ۔ ٹھرٹیک بکیانہ ۔ سنڈہ سر ۔ تـرخہ ۔ پسریانہ ۔ ہنگـرام ۔ کانگـڑہ ۔ ماہ زارہ ۔ باغی بند ۔ (ہرسہ گاؤں) چکڑ ۔ انبا ڈھیر ۔ نحقی ۔ خرکی ۔ دولت پورہ سربخ ۔ مارو زئی ۔ متھرا ۔ ڈیری ٔ باندہ متھرہ ۔ مندی زئی ۔ مرزا لی ۔ سوٹ مارہ ۔ شبقدر ۔ شنکر گڑھ ۔ موسی زئی ۔ کوٹنک ۔ مٹہ مغل خیل ۔ کیلے ۔ حسن زئی اور بیلہ میں خود قبیلہ گگیانی آباد ہیں ۔

(۲) مواضعات اٹکے ۔ دلازاک ۔ وچہ ولہ میں اولاد شاہ عالم ، میر خان ، عالم ۔ غوث ۔ اکبر ۔ پسران سہندان خان ولد باہو خان ولد پور دل خان ولد نور محمد خان قوم دلازاک افغان آباد و قابضان ہیں ۔

(۳) مواضعات پنجپاؤ اور ابا زئی کے بالائی علاقہ پر برسہمند

آباد ہیں ۔

(۴) مواضعات (۱) کتو زئی (۲) وصدر گڑھی (۳) لوبکلی میں قوم یوسفزئی کے چند خاندان یعنی بہاکو خان بن ماموں خان بن عثمان خان محودو خیل کی اولاد آباد ہیں اور کتسو زئی میں ان کے ساتھ اچینهان افغان قبیلہ بھی رہتا ہے ۔ کدو یا کتوزئی نام بھی یوسف زئی ہی ہے ابتدا میں جب یوسف زئی دوآبہ میں آباد تھے تو یہاں ملک کدو کا ساسوزئی قبیلہ رہتا تھا ۔

(۵) مواضعات جمٹ ۔ گڑھی گکر میں اولاد مسمیان قمردین ۔ اسماعیل اور کالو ہرسہ قابضان قوم اوان کے آباد ہیں ۔

(٦) گڑھی شریف خان میں مسمی شریف خان قوم مغل کی اولاد اور گڑھی ناظر میں ناظر خان قوم مغل کی اولاد آباد ہیں ۔

(۷) موضع گڑھی عبدالرحمٰن میں مسمیان غلام محمد و محمد داؤد قوم سید کی اولاد آباد ہے ۔

(۸) موضع ماسون میں اولاد حاجی محمد قوم پاپینی اور موضع ملا خیل میں لبیب افغان ملا خیل اور موضع حاجی زئی میں یاسین محمد زئی کی اولاد آباد اور قابضان ہیں ۔

(۹) موضع بنیادی میں اولاد مجید افغان قوم خلزئی اور موضع ڈب میں اولاد بخت یار افغان قوم شمو خیل اور موضع گڑھی جالہ بانان میں اولاد فاضل افغان قوم شلمانی آباد ہیں ۔

(۱۰) پنجپاؤ میں مہمند آباد ہیں اور اس کے علاوہ بہلول خیل بھی آباد ہیں جو نہ گیگیانی ہیں اور نہ مہمند ، بلکہ ایک الگ افغان قبیلہ ہے ۔

تپہ دوآبہ پنجپاؤ میں پرمہمند کے آنے کے وجوہات یہ ہیں ۔ ۱۵۸٦ء میں قبیلہ یوسف زئی بر سرکردگی ملک کالوخان اور مغل۔

حکمران اکبر بادشاہ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی ۔ اکبر خود قلعہ اٹک میں مقیم تھا ۔ اور کابل و ہندوستان سے چیدہ فوج بلا کر علاقہ یوسفزئی پر حملہ آور ہوا جس کے نتیجے میں اکبر کی کل فوج جو پچاس یا باون ہزار بیان کی جاتی ہے راجہ بیر بل سمیت یوسفزئی کے پہاڑوں میں مارے گئے اس جنگ میں افغانوں کے اکثر قبائل شامل ہوئے تھے خصوصاً مہمند یوسفزیوں کی امداد و اعانت میں پیش پیش تھے ۔ جو اس وقت پشاور اور لو شہرہ کے درمیان اب جو تپہ خالصہ کے نام سے یاد ہوتا ہے، میں مقیم تھے ۔ اکبر بادشاہ نے بعد میں انتقام لینے اور کابل کا راستہ صاف کرنے کی خاطر مہمندوں پر حملہ کیا اور اپنے مخالف برمہمند کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا ۔ چونکہ اس وقت سوائے علاقہ یوسفزئی کے اور کوئی مقام مغلوں کے اثر سے محفوظ نہیں تھا ۔ ایک طرف دریائے کابل حد فاصل تھا تو دوسری طرف دریائے سندھ ۔ چنانچہ یوسفزئی نے مہمند قبیلہ کے ان خاندانوں کو جن کو برمہمند بولا جاتا ہے تپہ دوآبہ میں پنجپاؤ کا سارا اور اپا زئی کا مغربی پہاڑی علاقہ دے کر پناہ دی ۔ اپا زئی کے پہاڑی علاقہ میں جو اپا زئی خاندان آباد تھے وہ اپنے قبیلہ اپا زئی کے ہاں سوات میں موضع برباڈوان منتقل کئے گئے اور پنجپاؤ کو جو قبیلہ یوسفزئی کی ذیلی شاخ ہے ۔ اپنی برادری کے علاقہ کوٹھہ ٹوپی وغیرہ میں بھیج کر وہاں آباد کئے گئے ۔ اسی مذکورہ پنجپاؤ قبیلے کے سبب اس تپے کا نام ابھی تک انہیں کے نام سے مشہور ہے ۔ پنجپاؤ قبیلہ منڈڑ یوسفزئی کو اس مقام پر خان گجو نے بغرض حفاظت دوآبہ ، غوریا خیل سے بعد از جنگ شیخ تپور آباد کیا تھا ۔ اور اسی طرح قبیلہ یوسفزئی کے کچھ اور خاندان سواضعات کتوزئی ۔ صدر گڑھی میں آباد ہوئے اور اپازئی ابتدا ہی سے یہاں آباد تھے جو ابھی تک وہاں مقیم ہیں ۔

قبیلہ گگیانی جب علاقہ دوآبہ یوسفزئی میں مقیم ہو رہے تھے تو اس وقت ملک حمزہ مغل خیل ۔ ملک میرے لالہ‌زئی اور ملک یحییٰ میر زئی اس قبیلہ کے قائدین تھے اس وقت بھی بڑے باا‌ثر لوگ اس قبیلہ میں موجود ہیں ۔ ملاحظہ ہو شجرہ نسب ۔

ترکانڑی

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ملک احمد یوسفزیوں کو لے کر افغانستان سے نکلے تو ترکانڑی لمغان میں مقیم رہے ۔ جہاں ان کی اپنی ریاست تھی ۔ کچھ عرصہ بعد حکومت مغلیہ کابل سے ان کی کشمکش ہوئی تو وہاں سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے ۔ اس وقت یوسفزئی دوآبہ اشنغر ، سوات ، دیر اور باجوڑ پر قابض ہو چکے تھے ۔ ترکانڑیوں نے خان گجو سے پناہ لینے کی درخواست کی تو ان کو باجوڑ میں مقیم ہونے کی اجازت ملی ۔ یوسفزیوں کے ساتھ ان کے تعلقات ابتدا ہی سے خوشگوار تھے اور یہاں آنے پر آپس میں ایسے گھل مل گئے کہ دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا ۔ ترکانڑی دو حصوں میں منقسم ہیں یعنی ترک کے دو بیٹے تھے ایک موسیٰ دوسرا شعیب ۔

موسیٰ کی اولاد :- (۱) محمود (لوئے ماموند) (۲) اسمٰعیل اسمٰعیل زئی) (۳) حسن (۴) عیسیٰ (ایسوزئی) (۵) مدے جس کے بیٹے خواجے ' معروف ' الیاس ہیں (۶) ہارون (۷) سوّر ۔

باجوڑ میں مقیم ہوتے وقت ان کے چند گھرانے جو کشور کہلاتے تھے بدخشان اور چترال کی طرف بھی چلے گئے تھے اور ککے زئی جو لوئے ماموند کی ایک شاخ ہے پنجاب میں جالندھر ، لاہور ، گوجرانوالہ بٹالہ اور سیالکوٹ کی طرف گئے اور وہاں مقیم ہوئے ۔ ایسوزئی کی ذیلی

شاخ مست خیل سے عمرا خان جندولی متلق تھا ۔ اور ابسوزئی کے ذیلی شاخ موسیٰ خیل سے میاں عمر صاحب چمکنی متعلق ہیں ۔

شعیب کی اولاد :۔ یہ افغانستان میں ہی رہ گئے تھے ۔ اور ابھی تک وہیں مقیم ہیں اور لغمان میں سرہ قلعہ اور علاقہ سہ صدہ و نیز ننگرہار کے مختلف مقامات میں آباد ہیں ۔

چونکہ ترکانڑیوں کا شجرہ نسب آج دن تک کوئی مؤرخ بھی مرتب نہیں کر سکا تھا ۔ جس سے میری راہنمائی ہوتی لہذا مجھے اسے مرتب کرنے میں کافی تگ و دو اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان علاقوں میں مجھے کئی بار جانا پڑا جہاں یہ قبیلے آباد ہیں ۔ چنانچہ کچھ وہاں کے معمر ترین افراد کی مدد سے اور کچھ تاریخ ابراہیم بٹنی کے قلمی نسخہ سے جو مجھے میسر آیا ان کے شجرہ ہائے نسب مرتب کئے ۔ جو آنے والی نسلوں اور پڑھنے والوں کے لئے ضرور دلچسپی کا باعث ہوگی آخر میں ملاحظہ ہو شجرہ نسب ۔

قبیلہ ککی زئی پنجاب میں

یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ جس قبیلہ کو سابق متحدہ پنجاب کی حکومت نے ۱۹۲۵ء میں جرائم پیشہ قرار دیا تھا ۔ ۱۹۵۰ء کے بعد اسی قبیلہ کے افراد اسی سر زمین پنجاب پر گورنر جنرل سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اور مرکزی وصوبائی وزارتوں کے وزارت قانون کے مالک رہے ہیں ۔ میرے خیال میں یہ تاریخ کے صفحات پر عجائبات عالم میں سے شمار کیا جائے گا ۔

معلوم رہے کہ ایک قوم جو افغان قبیلہ ترکلانی ، ترکانی (ترکانڑی) جو شیخے قبیلہ یوسفزئی و گگیانی کے برادری میں ہے کے

ذیلی شاخ ماموند کے نام سے علاقہ باجوڑ میں موجود ہے ۔ جو کہ سات ذیلی شاخوں پر منقسم ہے ۔ بڑوزئی ، ککی زئی ، آریازئی ، سالارزئی ، برم کازئی ، خاوزئی اور بدل زئی اور ککی زئی پنجاب اس لوئے ماموند کے لوگ ہیں ۔ قبیلہ ترکانڑی کا باجوڑ کی جانب مغرب ' علاقہ لمغان افغانستان میں ۱۵۰۸ع کے ابتدا تک اپنی ریاست تھی ۔ مگر مغل حکمران کے ہاتھوں برباد ہوکر بھی لوگ علاقہ یوسفزئی تپہ باجوڑ میں آ کر پناہ حاصل کی تھی ۔ اور یوسفزیوں نے ان کو باجوڑ میں کافی علاقہ خوشی سے امداد کے طور پر حوالہ کیا تھا ۔ تاریخ کے اس متذکرہ عہد میں وادی' جندول کے جنوبی سرے پر رودبار ، باجوڑ کے عین جنوبی کنارے پر واقع ایک پہاڑی نشیبی درہ کلالہ میں قبیلہ ماموند کے ذیلی شاخ ککی زئی کے لوگ آباد تھے ۔ اور اسی مقام کی نسبت سے یہ لوگ کلالہ کے نام سے بھی موسوم ہوئے تھے ۔ اور باجوڑ سے نکل کر پشاور میں بھی رہے ہیں ۔ اور یہاں بھی کلالہ یا کلال (ککی زئی) کے نام سے مشہور ہیں ۔ واضح رہے کہ کلال ایک اسرائیلی نام ہے ۔

تواریخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے کہ قریب ۱۵۰۸ع میں جب قبیلہ یوسفزئی بہ سرکردگی ملک احمد باجوڑ میں دلازاک سے نبرد آزما تھے ۔ اور دلازاک اور یوسفزئی کا سخت مقابلہ تھا ۔ تو ملک سرخابی بن شمو ترکلانی جو اس وقت قبیلہ کا ایک نامور سردار تھا ۔ اپنا لشکر لے کر لغمان سے یوسفزیوں کی امداد کے لئے پہنچا ۔ اور ہیبو سردار دلازاک کو سمجھانے کی کوشش کی ۔ لیکن وہ نہ سمجھ سکا ۔ اور نوبت بجنگ رسید ' قریب تھا کہ یوسفزئی شکست کھاتے لیکن ملک سرخابی بن شمو نے اپنے لشکر کو للکارا جس کے نتیجے میں ہیبو کو پائندہ ترکلانی ککی زئی نے تلوار سے مارا اور برہان ترکلانی

ککی‌زئی نے ہمبو کے بھائی جہان شاہ کی گردن مارا اور سر تن سے الگ ہوگیا مختصر یہ کہ دلازاک قوم کے دونوں سردار ہمبو اور جہان شاہ ککی زیئوں کے ہاتھوں مارے گئے ۔ اور دلازاک لشکر شکست کھاکر بھاگنے پر مجبور ہوا ۔ اور سارا علاقہ باجوڑ یوسفزئی کے قبضہ میں دےکر ککی‌زئی سردار اور ملک سرخابی سالارزئی اپنے لشکر سمیت لغمان واپس چلے گئے ۔ اور جاتے وقت یوسفزئی ملکان کو کہہ گئے کہ یہ ملک باجوڑ تمہارے لئے فتح کیا اس پر اب اطمینان سے رہو ہم اپنے وطن واپس جا رہے ہیں ۔ ملک سرخابی کی وفات کے بعد سر براہ قبیلہ اس کا بھائی مٹہ نامزد ہوا اور غورباخیل کی جنگ میں وہ دو سو گھوڑ سواروں سمیت یوسفزیوں کی امداد کے لئے بمقام شیخ تپورہ خان گجو کے پاس آیا تھا اور اس نے جنگ میں بہت اخلاص اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا ۔

محمد زئی

محمد زئی اشنغر کے تپہ تحصیل چارسدہ میں آباد ہیں ۔ ان کے اپنے قبیلے کے علاوہ جگہ بجگہ کچھ دوسرے خاندان بھی ان کے ساتھ سکونت پذیر ہیں ۔ اور ان کو بھی انہی کے ذریعہ مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ تفصیل یوں ہے ۔

مواضعات رزڑ ، دروگہ ، کوٹ ، اتمان زئی ، چک اتمان زئی امیر آباد ، محمد ناڑی ، خان مائی ، ترناب ، عمرزئی ، فگئی ، چک محمد امیر خان ، سنگر ، دلدار گڑھی ، مرزا ڈھیر ، چارسدہ ، چتلی‌ناپو گانہ بیلہ ، نستہ ، پڑانگ ، اگرہ ، سافہ خیل ، سدو خیل ، سربخ بیلہ پنسین‌زئی ، مینڈاری ، سابوکے ، ترنگزئی ، شیر پاؤ ، ڈاگی ، تنگی

نصرت‌زئی ، قلعہ شیر پاؤ ، پنے ، دو بندی ، باری بند ، گنڈیرے ، حصارہ ، پری چند ، جرعہ ، تنگی بروزئی ، گڑھی میاں صاحب ، پلئے ، بہرام ڈھیری ، سحرانگ ، جرعہ ، عیسوگے ، میں اولاد محمد زئی خود مالکان و قابضان ہیں ۔

مرزا ڈھیر میں محمد زئی کے علاوہ قبیلہ درانی کے مسمیان امیر محمد خان ، عطا محمد خان ، تاج محمد خان و یار محمد خان پسران اباش خان افغان درانی کی اولاد بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہے ۔

اس کے علاوہ سکونتی صورت حال یہ ہے ۔ موضع کانگو میں اولاد دین محمد قوم آوان اور ڈاگی غلام قادر میں اولاد افضل خان یوسفزئی اور ڈاگی فیض اللہ میں اولاد اعظم خان قوم افغان علی خیل اور سپلمئی میں اولاد شہاب‌الدین قوم آوان سکونت پذیر اور قابضان ہیں ۔ اور اسی طرح موضع طوطکے میں اولاد محبت خان افغان درانی اور اولاد ولی محمد شیخ قابضان و سکونت پذیر ہیں ۔ اور موضع گمتی قاضی غلام قادر افغان یوسفزئی کو ماجب میں منجانب احمد شاہ ابدالی ملا تھا ۔ موضع دوسرہ پر اولاد دوست محمد خان خٹک اور شیخ کلے پر اولاد محمد عظیم خان افغان پوپل زئی درانی اور موضع ڈوگر میں میاں محمد یوسف قوم سید بخاری اور ڈھیری زرداد میں اولاد زرداد خان قوم افغان پوپل زئی آباد ہیں اور موضع سلملہ پر اولاد نصرت یا مضرت قوم اوان اور موضع اپا بکری پر اولاد میر احمد خان افغان قوم درانی قابضان ہیں ۔ اور موضع چتلی مانکرائی پر اولاد امیر خان خٹک اور موضع درگئی پر اولاد جہانگیر ، ستار ، شیرگل ، شاہنواز ، احمد وغیرہ قوم افغان بے سود اور موضع ترلاندی پر اولاد زریق قوم افغان گمرانی سکونت پذیر ہیں ۔ موضع نودہ پر اولاد امیر خان افغان محمد زئی سالک خود اور کچھ حصہ قاضی خیل کی ملکیت ہے ۔ اور موضع چتہ پر اولاد عبدالغنی خان

قوم افغان درانی سکونت پذیر ہیں - اور موضع دولت پورہ پر اولاد غزن خان افغان گمرانی اور موضع چک کا کا خیل پر اولاد فضل بابا کا کا خیل اور موضع چینہ پر اولاد موسم قوم آوان آباد ہیں - موضع گڑھی بہادر (بہار) پر اولاد معظم خان افغان افریدی اور موضع ڈانگ قلعہ پر اولاد میر صاحب قوم سید اور چک تر لاندی پر اولاد کالا خان قوم افریدی آباد ہیں -

اس کے علاوہ اولاد کا کا خیل موضع قاضی خیل اورگڑھی قاضیان اس تپہ میں قابضان و مالکان ہیں - موضع ابا زئی میں قبیلہ یوسفزئی کے ذیلی شاخ ابا زئی کے کچھ خاندان مالکان و قابضان ہیں - جو کہ زمانہ قدیم سے اس گاؤں کے مالکان کی حیثیت سے سکونت پذیر رہے ہیں - اس گاؤں کا نام بھی انہیں کے قبیلہ ابا زئی کے سبب موضع ابا زئی مشہور ہے ۔

قبیلہ محمد زئی جب اشنغر میں ۱۵۱۱ ع کے لگ بھگ مقیم ہو رہا تھا تو اس وقت ملک خضر خان اور ملک بیگی خان اور میر پائندہ خان اس قبیلہ کے قائدین تھے اور بہت سمجھدار - مخلص اور قابل سربراہ تھے - تاریخ حافظ رحمت خانی میں اُن کا ذکر آچکا ہے قبیلہ محمد زئی کا شجرہ شامل کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو ان کی شناخت میں آسانی ہو اور وہ متعارف ہو سکیں -

تپہ اشنغر

اشنغر کا ماضی پٹھانوں کے لیۓ شاندار رہا ہے اس سر زمین پر افغانوں کی کئی تحریکات عمل میں آئیں مثال کے طور پر :-

(۱) خاندان غزنوی نے جب غوریوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو

شہاب‌الدین محمد غوری افغان نے پہلی فرصت میں یہ طے کیا کہ پٹھانوں کو یہاں آباد کیا جائے ۔ چنانچہ یہاں کے ہندو آبادی کو پنجاب کی طرف دریائے سندھ کے پار جانے کا حکم دیا ۔ اور یہاں پر پٹھانوں کو لا کر آباد کیا ۔ معلوم رہے کہ ازیں قبل سوات باجوڑ کابل تک ہندو آباد تھے ۔ اور ان کے شمال مغرب میں ترک آباد تھے پٹھانوں کا علاقہ قندہار ، زوب ، ہرات ، غور وغیرہ یعنی غزنی کابل پشاور کے جنوب میں تھا ۔ اس منتقلی سے محمد غوری کو ہندوستان پر حملے کی صورت میں امداد اور لشکر باآسانی مل سکتا تھا ۔ دوئم پٹھانوں کو رہائش کے لیے ایک وسیع علاقہ مل گیا اور محمد غوری افغان کو ہندوستان فتح کرنے میں کافی سہولت ہوئی ۔

(۲) بایزید انصاری (پیر روشن) نے بھی ابتدائی وقت میں یہاں سے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا ۔ اور یہاں ہی ان کے ساتھ مخالفت میں اخوندرویزہ و پیر بابا کے مناظرے ہوگئے تھے ۔ بایزید کی یہ تحریک مغل حکومت کے خلاف افغانوں کو بیدار کرنا اور ایک مرکز پر جمع کرنا تھا ۔

(۳) سید احمد شاہ بریلوی اور اسمٰعیل شہید نے یہاں سے ہی سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر کے نوشہرہ وغیرہ کے جنگ میں شرکت کی

(۴) افغان جرگہ خدائی خدمتگار تحریک جو انگریز کے خلاف تھا ۔ اسی علاقہ سے شروع ہوئی ۔ اسلامی مدرسوں کی تحریک اور پنچایتوں کے ذریعے گھریلو فیصلے اور انگریز کے خلاف فضا کی ہمواری کی سعی و تگ و دو کا آغاز بھی یہیں سے ہوا تھا اور یہیں سے حاجی صاحب ترنگزئی نے بھی انگریز کے خلاف اعلان جہاد کیا اور اسی غرض کے لیے وہ ہجرت کر کے مہمندوں کے ہاں گئے ان کا نام فضل واحد اور والد کا نام فضل احمد تھا ۔ ولادت ۱۲۷۴ھ اور وفات ۱۳۵۶ھ عمر ۸۳ سال

(۵) اس وقت بھی اس علاقہ میں کافی سمجھدار لوگ موجود ہیں ۔ جو ملکی خدمات میں مصروف ہیں ۔ خدا کرے کہ ان کے ہاتھوں ملک و ملت کی بہترین خدمت سر انجام ہو آمین ۔

خٹک

یہ افغان قبیلہ کرلانی کی ایک شاخ ہے اور دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہے ایک تورمان جس کی دو ذیلی شاخیں ہیں تری اور ترک اور دونوں مل کر تری کہلاتے ہیں جو خوشحال خان کا قبیلہ ہے ۔ دوسرا بلاق جو ساغری ، نندرک اور مروزئی کہلاتے ہیں ۔ پھر ان کے بھی بہت سی ذیلی شاخیں ہیں ۔ ابتداً خٹک جنوبی وزیرستان میں آباد تھے ۔ اور بعد میں علاقہ کوہاٹ اور موسیٰ دره میں جا آباد ہوگئے ۔ شیخ ملی کی تقسیم میں نوشہرہ سے خیرآباد تک کا علاقہ خلیل ، مہمند اور داؤد زئی کا مشترکہ طور پر چراگاہ کی صورت میں رکھا گیا تھا ۔ اور ان کی بالقبضہ ملکیت تھی ۔ مغلوں نے ان کے اس علاقہ پر قبضہ کر کے خٹکوں کے حوالہ کیا ۔ واقعہ یوں تھا کہ ۱۵۸۱ع میں اکبر نے بغرض حفاظت شاہراہ پشاور و کابل ، چند آدمیوں کو اٹک بلا کر ان کو شاہراہ افغانستان کی حفاظت کے بارے میں کہا انہوں نے اس کام کے لیے ملک اکوڑے کا نام بتایا جو اس وقت وہ چند آدمیوں کے ہمراہ اٹک کی جانب جنوب مغرب ایک پہاڑ میں قیام کر رہا تھا ۔ اکبر نے اسے بلایا اور راستے کی حفاظت ان کے سپرد کی اور نیز ملک اکوڑے کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا ملک اکوڑے خٹک کے ذیلی قبیلہ تری سے تعلق رکھتا تھا ۔ حفاظت راہ کی ذمہ واری سنبھالنے کے لئے ملک اکوڑے نے ایک مرکز قائم کیا تو گاؤں آباد ہوا جو اس وقت

بھی اس کے نام کی نسبت سے سرائے اکوڑے (اکوڑہ خٹک) کہلاتا ہے۔
یوسفزئی چونکہ مغلیہ سلطنت کے سخت مخالف تھے اور خٹک مغل کے وفادار بن گئے اسی سبب سے یوسفزئی اور خٹک کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے لیکن پھر بھی خاموشی سے وقت گزر رہا تھا۔ بدقسمتی سے بہت جلد خٹک کے دونوں قبیلوں تری اور بلاق میں خانگی معاملات کے سلسلہ میں کشمکش پیدا ہوئی۔ جس کے نتیجے میں ملک اکوڑے اپنے لڑکے یوسف خان اور دیگر کئی ساتھیوں سمیت ساغری نندرک اور مروزئی بولاقوں جن کی قیادت ملک نازو ساغری کر رہا تھا کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ ملک اکوڑے کے بعد قیادت اس کے لڑکے یحییٰ خان کو ملی تو اس نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے بلاقوں پر حملہ کر دیا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے یوسفزیوں کے علاقہ میں جا پہنچے اور پناہ لینے کی درخواست کی۔ یوسفزیوں نے ہمدردانہ طور پر انہیں پنا دے کر اور ان کو دو حصوں میں تقسیم و آباد کر دیا۔ ایک حصہ علاقہ منڈڑ کے مواضعات لاہور غری، جلسئی، جلبئی، موضع نندرک، سانکی، جہانگیرہ اور توردھیر وغیرہ میں آباد کیا گیا تو وہ علاقہ انہی کے نام سے بلاق نامہ پکارا گیا۔ دوسرے حصہ کو تپہ بائی زئی کے کٹی گڑھی، کاٹلنگ، جمال گڑھی، ساول ڈھیر کوٹکی، میاں عیسیٰ، لوندخوڑ، الو، تازہ گرام، قطب گڑھ، دوندیا شیر گڑھ، ڈاگی، جنگی ڈھیر، وغیرہ میں آباد کر دیا گیا جہاں وہ اس وقت تک آباد ہیں۔

مگر کیسے معلوم تھا کہ بلاق کے ساتھ یوسفزیوں کی یہ خوش اخلاقی اور فیاضی ان کے لئے تری خٹک کے ساتھ موجب نزاع بنے گی اور یہی ہوا کہ بعد میں تری خٹک مغلوں کے امداد اور طاقت سے

ہمیشہ یوسفزیوں کے لئے درد سر بنے رہے۔ الغرض بلاقوں کے اس نئے دیہات پر جہاں ان کے قریب تازہ تازہ پناہ لے چکے تھے تری خٹکوں نے حملہ کیا یوسفزئی امداد کو پہنچے سخت جنگ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک یحییٰ خان اور اس کا بیٹا عالم خان دونوں، بلاق اور یوسفزئی کے مشترکہ لشکر کے ہاتھوں اس جنگ میں واصل بحق ہوئے۔ مغل حکومت نے یحییٰ خان کے بیٹے شہباز خان کو سردار قبیلہ تسلیم کیا۔ وہ بھی اپنے پیشروں کے نقش قدم پر چل کر بلاقوں پر حملہ آور ہوتا رہا ایک دفعہ حملہ میں کامیاب ہو کر بلاق کے سردار خادی خان کا لڑکا جلبئی جلسئی کے قریب جنگ میں مارا گیا ملک خادی خان اور فرید خان بلاق ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جنہیں پشاور کے قید خانہ میں بند کر کے تہ تیغ کر دیا گیا۔ حالات یونہی چلتے رہے۔ یوسفزیوں کی قیادت بہاکو خان اور تری خٹکوں کی قیادت شہباز خان کر رہے تھے اس کے بعد شہباز خان نے پھر اچانک بہت زیادہ طاقت کے ساتھ بلاقوں پر جلبئی، جلسئی اور مانکی کے مقامات پر حملہ کر دیا۔ تو بہاکو خان کی قیادت میں یوسفزئی ان کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ یوسفزیوں اور بلاق خٹکوں نے مل کر تری خٹکوں کو شکست دی اور جہانگیرہ تک جا پہنچے شہباز خان کا لشکر تباہ ہوا۔ اور صرف وہ معہ اپنے اٹھارہ سالہ لڑکے خوشحال خان کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شہباز خان نے پھر حملہ کر دیا۔ اور اس دفعہ اس نے یوسفزیوں کے تپہ کمالزئی کی ایک آبادی کو نذر آتش کر دیا یہ واقعہ ۱۰۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس حملہ میں خوشحال خان۔ اس کا بھائی جمیل بیگ اور ایک برادر زادہ ساق بیگ ولد آدم خان ساتھ تھے۔ مقابلہ ہوا۔ ساق بیگ مارا گیا شہباز خان و خوشحال خان اور جمیل بیگ زخمی ہوئے۔

بلکہ ایک سوار بھی ایسا نہ رہا جو زخمی نہ ہوا ہو ۔ اختتام جنگ کے چوتھے روز شہباز خان زخموں کی تاب نہ لا کر جان بحق ہوگیا ۔

شہباز خان کی وفات پر مغل حکومت نے خوشحال خان کو قائد قبیلہ تسلیم کیا خوشحال خان نے زخموں سے چالیس دن بعد صحت یاب ہو کر رات کے وقت اچانک کمال زیوں پر حملہ کر دیا ۔ اور ان کے ایک گاؤں اپتم کو جو اسمٰعیلہ سے مغرب کی جانب تھا نذر آتش کر دیا ۔ اس وقت اس گاؤں میں کمال زئی کی ذیلی شاخ اکاخیل رہائش پذیر تھی ۔ وہ سب تباہ ہوگئے ۔ کمال زئی امان زئی اور رزڑ امداد کے لئے دوڑے تو خوشحال اپنا لشکر لے واپس ہو گیا ۔ مگر بلڑ کے مقام پر یوسفزئی پہنچ کر ایک اور جنگ ہوئی ۔ جس میں خوشحال خان بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا ۔

چھیڑ خانی کا یہ سلسلہ جاری تھا ۔ جیسا کہ پہلے عہد بہاکو خان میں ذکر کیا جا چکا ہے البتہ خوشحال خان نے ۱۶۶۸ع میں قید سے رہائی کے بعد قلعہ لنگرکوٹ کے تعمیر کی مخالفت کی اور یوسفزیوں سے تعلقات کو معمول پر لانے کی فکر میں تھا ۔ اور بعد میں یوسفزیوں کے علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے سوات تک جا پہنچا ۔ یوسفزئی عزت و احترام سے پیش آئے لیکن اظہار اعتماد نہ کر سکے ۔ تو ان کی مذمت میں مثنوی سوات لکھ کر واپس لوٹ گیا ۔ بعد میں خوشحال خان اور اس کے بیٹے بہرام خان میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو نتیجہ کے طور پر خوشحال خان نے مواضعات سوڑی زئے ، ڈنگرزئے ۔ شیدو اور نرے کو نذر آتش کر دیا ۔

اورنگ زیب نے اوائل ۱۶۷۶ع میں اپنے بیٹے شاہ عالم کو پشاور کی طرف بھیجا ۔ تو اس نے خوشحال خان کو دعوت ملاقات دی ۔ خوشحال خان نے موقع کو غنیمت جان کر تمام مخالفت کو نظر انداز

کر دیا اور شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کے ساتھ پشاور سے کابل کی طرف روانہ ہوا ۔ راستہ میں خلعتیں عطا ہوئیں ۔ اور جلال آباد سے رخصت کیا اور اس کے بیٹے سکندر خان کو شہزادہ نے اپنے ہمراہ کابل لے گیا ۔

خوشحال خان سطمئن تو ہو گیا ۔ تا ہم جو اقتدار وہ کھو چکا تھا وہ خود خٹکوں کے ہاتھوں آپے دوبارہ نہ مل سکا ۔ اس کے دوسرے بیٹے بھی ہمنوائی نہ کر سکے ۔ قبیلہ کی حمایت وہ پہلے ہی سے کھو چکا تھا ۔ مختصر یہ کہ مذکورہ شہزادہ سے ملاقات کے بعد اس نے مغلوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کی البتہ خانہ جنگی میں مبتلا رہا ۔ اور اپنے چچوں ۔ بیٹوں اور پوتوں کے ہاتھوں پریشان ہو کر تیراہ کی راہ لی ۔ ۲۰ فروری ١٦٨٩ء کو وہیں فوت ہوا اور اس کی لاش کو لا کر موضع اسوڑی نزد اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن سپرد خاک کیا گیا ۔

مندوری اور کخار ، کہار یا کشار

یہ دونوں افغان قبائل ہیں جو یوسف زئی کے ساتھ ابتدا ہی سے شامل ہوئے تھے اور یوسف زئی کے ملک گیری میں انہوں نے ساتھ دیا تھا اور ان کو شیخ ملی کی تقسیم میں کمال زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا جو اس وقت مندوری موضع ہوتی و چک ہوتی میں زیادہ تعداد سے اور کچھ گھرانے شامت پور طورو میں آباد ہیں ۔ اور اس طرح قبیلہ کخار یا کشار بھی موضع طورو ساہار میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں ۔

منده اور کشار

واضح ہو کہ منده ایک قصبہ تھا جو طورسینا کے مشرق میں

طبریہ اور عکہ کے سڑک پر واقع تھا جس سے مندوری افغانوں کی سکونتی نسبت ہے اور اسی طرح شام میں کشار ایک شہر کا نام تھا جو حنیوں کا مرکزی شہر تھا ۔

تیراھی اور گمرانی

یہ دونوں افغان قبائل ہیں تیراہی قبیلہ کے زیادہ لوگ مواضعات تسارو ، ناصر پور اور قاسم تہہ خالصہ ضلع پشاور میں آباد ہیں اور گمرانی افغان علاقہ یوسف زئی کے علاوہ محمد زئی کے ساتھ اشنغر میں بھی آباد ہیں ۔

یوسف زئی علم و ادب

قبیلہ یوسفزئی کو ابتداً ہی سے علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل رہا ہے اور ان میں بہترین مشائخ ۔ عالم ، فاضل ۔ شعراء اور ادباء پیدا ہوئے ۔ تبلیغ اسلام اور اشاعت دین میں انہیں فوقیت حاصل رہی ۔ بلکہ دوسرے قبائل میں بھی جب کوئی قابل ہستی نظر آئی ۔ تو اسے بھی انہوں نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس لا کر جگہ دی ۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس قبیلہ میں نہ تو علماء قدیم کی کبھی کمی محسوس ہوئی اور نہ علماء جدید کی ۔ بہترین قسم کے لوگ اس علاقہ میں دوسرے علاقوں سے آکر اپنی قابلیت کے سکے جمانے رہے ۔ طوالت سے بچنے کے لیے دور گزشتہ کے صرف چند افغان قابل ذکر شعراء ۔ ادباء ۔ مشائخ و بزرگان دین پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے ۔

افغان مشائخ

حافظ الپوری

ان کا نام عبدالصمد ہے ۔ اور وہ نسلاً رزڑ مندڑ یوسفزئی سے متعلق ہیں ۔ وہ ایک بڑے عالم اور اچھے شاعر تھے آن کا اپنا ایک کتب خانہ تھا اور وہ کتابیں اب بھی موجود ہیں مگر افسوس کے آن کے ورثاء کسی کو دینا نہیں چاہتے ۔ جس وقت مندڑ لوگ بالائی حصہ میں رہائش پذیر تھے تو یہ بھی ان کے ساتھ وہاں رہے اور وہیں الپوری کے مقام پر ۱۰۱۱ھ میں وفات پا کر مدفون ہوگئے ۔ ان کے متعلق یہ بہت ہی مختصر حالات بمقام چکیسر جناب صدف صاحب جو چکیسر کے قاضی ہیں ، نے بتائے صدف صاحب مذکور کا نسلی تعلق یوسفزئی کی ذیلی شاخ مرلی خیل سے ہے ۔ انہوں نے مجھے چند قلمی کتابیں بھی عنایت کیں ۔

اخون پنجو بابا

دسویں صدی ہجری میں جب بزرگان دین نے صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی ۔ اور اصلاح باطن پر خاص زور دیا ان میں سے ایک اخون پنجو بابا بھی تھے ۔ جن کی خانقاہ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کا مرکز تھی ۔ آن کا اصلی نام عبدالوہاب تھا ۔ اور چونکہ ابتدا ہی سے ارکان خمسہ اسلام کی تعلیم دیتے تھے اس لیے عوام میں پنجو بابا کے نام سے مشہور ہوگئے ۔ ان کے والد غازی خان افغان

مقام سنبھل (ہندوستان) میں رہتے تھے اور ابراہیم لودی کے امراؑ میں شمار ہوتے تھے ابراہیم لودی کے بابر کے ہاتھوں شکست کے بعد وہ اپنے علاقہ یوسفزئی میں خان گجو کے ہاں آ کر رہائش پذیر ہوگئے اور جان خان المعروف دیوانہ بابا کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی ۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ دیوانہ بابا کو کسی اور نام سے موسوم کرنا سرا سر غلط ہے آن کا اصلی نام جان خان ہی ہے اور وہ قبیلہ یوسفزئی کے ذیلی شاخ عمر خیل سے متعلق ہیں ۔ یہیں بہ مقام چتہ ڈھیری (صوابی) اخون پنجو بابا کی ولادت با سعادت ہوئی ۔ خان گجو کی وفات کے بعد غازی خان نے ترک وطن کر کے پشاور آ گئے اور موضع چوھا گوجر میں سکونت اختیار کی ۔ یہیں پر اخون پنجو نے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر ہندوستان تشریف لے گئے اور تعلیم کے حصول کے لئے روہیلکھنڈ میں کافی عرصہ رہ کر علوم ظاہریہ کی تکمیل کی ۔ اور نو سلجام گاؤں میں رہائش کی وجہ سے افغانی نوسلجامی کے لقب سے مشہور ہوگئے ۔ اس اثناؑ میں آپ کے والد غازی خان نے موضع چوھا گوجر سے منتقل ہو کر شاہ ڈھنڈ نزد بالاحصار پشاور سکونت پذیر ہوئے یہاں وفات پائی اور یہیں بالاحصار کے نیچے دفن کئے گئے ۔ ۹۹۰ھ میں اخون پنجو بابا نے پشاور سے سکونت ترک کر کے موضع اکبر پورہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور عہد شاہ جہانی میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ع میں وفات پائی ۔ ان کی تجہیزو تکفین میں میاں عثمان ۔ اخون سالاک بابا کابل گرامی ، شیخ علی ، شیخو شاہجہان پوری اور شیخ رحمکار (لمکار) جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے اور موضع اکبر پورہ کے قریب مصری پورہ میں دفن کئے گئے ۔ آپ نے اپنے پیچھے چار صاحبزادے چھوڑے ہیں عثمان ۔ سلیمان ۔ لقمان اور فریدالدین ۔ فریدالدین لاولد رہے باقی تینوں

کی اولاد موجود ہے اور وہ صاحبزدگان سے یاد کیے جاتے ہیں - جو مواضعات گجرات - پحزہ کوٹ - آدینہ - اسمٰعیلہ - چمکنی - ماشو - خوش مقام اور اتمانزئی میں آباد ہیں -

اخوند سالاک

وہ طوغہ کے تھے اور طوغہ اصل میں ترین افغان ہیں - ان کے والد ماجد علاقہ خٹک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے اخوند صاحب بہاکو خان کے عہد میں علاقہ یوسفزئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاقہ پسند آیا - شب و روز یہی شغل رہتا تھا جس کا کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے - ان کے چار بیٹے میاں بابا ، شیخ بابا ، پاچا بابا ، اور سیری بابا ہیں - میاں بابا کی اولاد کابل گرام کچھ کلالئی علاقہ بورن میں آباد ہیں - سیری بابا کی اولاد سیری نزد مارتونگ اور کچھ کابل گرام میں آباد ہیں - شیخ بابا کی اولاد دریائے سندھ پار مشرق جانب دوڑمیرہ میں آباد ہیں - پاچا بابا کی اولاد سیری علاقہ بورن میں آباد ہیں - اخوند سالاک کی کچھ اولاد میر احمد خیل کے ساتھ مرغز میں آباد ہیں - جو اخون خیل سے مشہور ہیں - اور ان کے کچھ گھرانے مواضعات چینئی علاقہ گدون اور سہابن کے اوپر اور کچھ موضع جلالہ تہہ بائی زئی اور موضع درہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں اور ان کا ہم نسل خاندان طوغہ موضع جلگدرہ خدو خیل کے ساتھ رہتے ہیں - اخوند سالاک کے بھائی پیر سباک کی قبر سدوم میں موضع رستم کے قریب سکنہ بازار میں واقع ہے اور اس کی اپنی قبر کابل گرام میں ہے - انہوں نے دین اسلام کی بہت خدمت کی ہے

قاضی خیل پشاور

پشاور شہر کے مشہور خاندان قاضی خیلوں کو بھی قبیلہ یوسفزئی کی شاخ امانزئی سے نسلاً تعلق ہے ۔ اور کاغذات مال سے پتہ چلتا ہے کہ قبیلہ امانزئی میں ترکمان بن تاج خان بن مدت بن حسن ایک بزرگ تھے جنہوں نے اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے اخولد کا لقب حاصل کیا ۔ ان کے فرزند محمد غوث نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عالمانہ حیثیت سے شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ ان کی شہرت نے احمد شاہ ابدالی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تو احمد شاہ ابدالی نے " خان علوم " کے خطاب سے نوازتے ہوئے محمد غوث کو پشاور میں عہدہ قضا عطا کر دیا ۔ کتاب رؤسائے باالختیار و نامی خاندان پنجاب میں تحریر ہے کہ

پشاور کے قاضی خیل دولت زئی (امانزئی) شاخ کے یوسفزئی افغان ہیں ۔ پشاور کے میدان میں جب یوسفزئی آئے ۔ تو اس وقت مدت خان ان کا سر کردہ تھا ۔ اس کی دسویں پشت میں محمد غوث خان تھا جس نے احمد شاہ درانی کی ملازمت اختیار کی ۔ اور اس کے ساتھ پانی پت آیا ۔ آپ خان علوم کا خطاب ملا ۔ اور مشہر میشہ تعلیم مقرر ہوا ۔ یہ خان بڑا عالم شخص تھا ۔ اس نے بہت کتابیں تصنیف کیں ۔ اور خاندان قاضی خیلان پشاور اس کی نسل سے ہیں ۔

تعلیقات نوائی معارک میں یوں تحریر ہے کہ

این خاندان از عصر احمد شاہ ابدالی در سیاست علم و ادب دست قوی داشتند و پدر بار ہائے شاہان کابل شہرت بسزائی را کسب کردہ اند ۔

محمد غوث کی وفات پر ان کے دو لڑکے قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی اللہ داد خان اپنے والد کی مسند پر رونق افروز دکھائی دئے انہی کی اولاد سے موجودہ خاندان قاضی خیلان عالم وجود میں آیا ۔ جو اس وقت تک بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ قاضی محمد اکبر شاہ کے پوتے قاضی طلا محمد خان بن قاضی محمد حسن خان اپنے وقت کے مشہور عالم اور صاحب تصنیف گزرے ہیں ۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں ۔ دیوان طلا محمد ، فارسی ، دیوان عربی ، جواہرالنفر ، صلوۃ التحریر ، محبت الملک لستدالعقول ، صلوۃالکہیب ، قصیدہ بانیہ اور عمل بالحدیث ۔ اور مجاہد سرحد قاضی محمد ولی خان جو انگریز کی مخالفت میں چالیس سال تک جلاوطن رہنے کے بعد واپس لوٹ کر ١٩٦٠ع پشاور میں واصل بحق ہوئے اسی خاندان سے تھے ۔ قاضی رحیم اللہ خان جنہوں نے سر جارج روس کیپل اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے ساتھ پشتو مینول (انگریزی) نامی کتاب لکھی تھی اور میجر جنرل قاضی عبدالرحیم خان جو مشرق پاکستان کے مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے ہیں ۔ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں ۔

شیخ محمد شعیب توروڈھیری

ان کا اصل نام محمد شعیب اور والد کا نام حافظ گل بن ملک غازی خان تھا ۔ وہ نسلاً درانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ جب احمد شاہ ابدالی نے افغانستان کی زمام حکومت سنبھالی اور ملک کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے بعد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا ۔ تو اس کے لشکر میں شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا بھی شامل تھے ۔ احمد شاہ ابدالی سر ہند تک سکھوں اور ہندوؤں کے تعاقب میں گیا اور

جب واپس ہوا ۔ تو بعض یوسفزئی دوستوں کی خواہش پر شیخ محمد شعیب کے والد اور دادا نے علاقہ یوسفزئی میں سکونت اختیار کی ۔ میاں عمر صاحب کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے ۔ حافظ گل صاحب کبھی کبھی اپنے صاحبزادے محمد شعیب کو لے کر میاں عمر صاحب کے گھر جاتے میاں عمر ان کو دیکھکر پیار کرتے ۔ اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے آئندہ چل کر یہ بچہ بہت بڑا آدمی ہوگا ۔ محمد شعیب سن شعور کو پہنچ کر مرشدکامل کی تلاش میں نکلے ۔ اس زمانے میں حافظ ملا محمد ، محمد زئی کی زیادہ شہرت تھی ۔ جو موضع عمر زئی اشنغر کے رہنے والے تھے ۔ اور علم و عمل کا آفتاب تھے ۔ وہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ سڑابنی اسرائیلی لکھا کرتے تھے ۔ شیخ محمد شعیب نے ابتداً ان کے حلقہ' درس میں شریک ہو کر علوم ظاہری کی تشکیل کی اور چند دن کے بعد ان کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے سلسلہ' قادریہ میں عرفان و تصوف کے منازل طے کئے ۔ چنانچہ وہ اپنے پیر کی ہدایت پر اپنے گاؤں تور ڈھیر تشریف لائے ۔ شیخ محمد شعیب کو درس و تدریس اور مدارس کے قیام کا بے حد شوق تھا ۔ انھوں نے تورڈھیر میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا ۔ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ع میں شیخ محمد شعیب نے وفات پائی ۔ ان کا مزار آج بھی تور ڈھیر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ ان کے دو صاحبزادے تھے سعیدالدین اور صدرالدین ، ان دونوں صاحبزادوں کی اولاد علاقہ یوسفزئی کے مواضعات تور ڈھیر ، قاسم ، سوکٹی ، بخشالی ، قاضی آباد ، اوڈی گرام اور موضع عمر زئی میں آج بھی موجود ہیں ۔ جو صاحبزادگان کے نام سے موسوم ہیں ۔

میاں گلو بابا تور ڈھیری

آن کا اسم مبارک گل محمد تھا ۔ لیکن عوام میں میاں گلو بابا کے نام سے مشہور ہوئے ۔ آن کے والد کا نام مراد تھا ۔ ذات سے افغان اور علاقہ ننگرہار کے درہ چپرہال کے موضع شغلانی کے رہنے والے تھے ۔ اور اسی گاؤں کے ایک بڑے عالم ملا ہوردل افغان سے بیعت کئے تھے ۔ ابتداً وہ ننگرہار سے موضع طورو میں آئے ۔ پھر وہاں سے موضع تورڈھیر تحصیل صوابی میں سکونت اختیار کی ۔ کچھ عرصہ بعد ایک خان نے آپ کو ایک کنواں اور چھ کنال زمین بطور سیری دے دی ۔ آنہوں نے اس اراضی میں ایک مسجد تعمیر کرائی ۔ اور ساری عمر اس گاؤں میں عبادت میں بسر کی ۔ ۱۰ رمضان ۱۱۸۰ھ کو وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے ۔ آن کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے ان کے چار صاحبزادے جان محمد ، خان محمد ، فتح محمد ، اور خیر محمد تھے جن کی اولاد اب تک موضع تورڈھیر میں آباد ہیں ۔

سید امیر کوٹہ ملا صاحب :

سید امیر صاحب کا جد اعلیٰ عبدالغفور ولد سہر بیگ ولد شاہ بیگ باد غیس علاقہ غور سے آیا تھا ۔ وہ نسلاً افغان تھا ۔ سکنہ پجمن و گجٹی کے درمیان اور جھنڈا ہوتہ سے شمال کو پہاڑ کے دامن میں کنڈل نامی ایک گاؤں علاقہ یوسفزئی میں سکونت پذیر ہوا ۔ یہ گاؤں نادر شاہ کے حملہ میں ویران ہوا ۔ عبدالغفور وہیں مدفون ہیں اور کنڈل بابا سے مشہور ہیں ۔ کنڈل کی ویرانی کے بعد کنڈل بابا کے دو بیٹے جان محمد و یار محمد رہ گئے تھے جان محمد کی اولاد موضع

پابینی میں سکونت پذیر ہوئے اور یار محمد کی اولاد موضع کوٹہ تحصیل صوابی میں سکونت پزیر ہوئے کوٹہ ملا صاحب اسی مذکورہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ہی وہ کوٹہ ملا صاحب پکارے جانے لگے وہ اپنے وقت کے ایک جید عالم دین ، صاحب عمل اور سالک فہم و فراست تھے۔ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ انہیں ملکی سیاسیات سے بھی دلچسپی رہی اور انہی کے مشوروں سے تحریک مجاہدین (جس کا ذکر ہو چکا ہے) نے نمایاں ترقی حاصل کی تھی۔ انہیں اس وقت تک بڑی عزت اور وقعت سے دیکھا جاتا ہے ان کی اولاد نے علوم قدیم و جدید میں نمایاں حیثیت حاصل کی۔ صاحبزادہ محمد خورشید کرنل ڈاکٹر آفتاب احمد خان اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مکمل شجرہ نسب آخیر میں ملاحظہ ہو۔

جھنڈہ بابا جی

ان کا اصلی نام حسام الدین تھا۔ عوام میں جھنڈہ بابا جی کے کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ نسلاً افغان قبیلہ یوسفزئی میں منڈڑ کی ذیلی شاخ خضر زئی سے متعلق تھے۔ ان کا اولین مسکن موضع امیر شاہی تھا جو نارنجی سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب شمال مشرق آباد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز کی آمد سے کچھ عرصہ قبل خضر زئی اور محمود زئی میں شدید جنگ ہوئی تھی جس میں موضع امیر شاہی کلیتاً برباد ہوا تو جناب حسام الدین صاحب کسی نہ کسی طرح تن تنہا زندہ بچ کر پریشان حال مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے طور ڈھیر پہنچے۔ جہاں انہیں شیخ صاحب طور ڈھیر کی خدمت کا [illegible]

اور اُن کے حلقہ کے خلیفہ نامزد ہوگئے ۔ وہاں سے نکل کر کچھ عرصہ موضع کھنڈہ میں قیام کیا ۔ اور بالاخر موضع جھنڈہ پہنچ کر مستقل اقامت اختیار کر لی ۔ بقیہ زندگی وہیں گزاری ۔ اور اسی جگہ فرشتہٗ اجل کو لبیک کہتے ہوئے سپرد خاک کئے گئے ۔ ان کے تین بیٹے محمد انور ۔ محمد حسن اور غلام حسین تھے جن کی اولاد اس وقت بھی موضع جھنڈہ تحصیل صوابی میں مقیم ہیں ۔

اڈہ ملا صاحب

ان کا اصلی نام نجم‌الدین اخون زادہ تھا عوام میں اڈہ مُلا کے نام سے مشہور ہوگئے ۔ موضع اڈہ علاقہ سہمند سے متصل مغرب کی طرف واقع ہے ۔ ملا اڈہ اصل میں تو افغانستان کے علاقہ شیلگر کے رہنے والے تھے جو غزنی کے ملحقات میں شامل ہیں ۔ اس علاقے میں احمد زئی اور سلیمان خیل قبائل کے لوگ آباد ہیں ۔ اڈہ ملا صاحب نسلاً افغان اندڑ ، سلیمان خیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ لیکن ان کے نام کے ساتھ اخون زادہ کا لقب وابستہ ہونے سے قیاس غالب یہ ہے کہ ان کا خاندان صاحب علم و فضل خاندان تھا اور اسی خاندان کے ایک روشن چراغ یہ بھی تھے ۔

اڈہ ملا صاحب نے ابتدائی تعلیم علاقہ شیلگر میں پھر غزنی میں حاصل کی پھر حصول علم کے لئے کابل تشریف لے گئے اور وہاں محلہ تندور سازاں میں مقیم رہ کر وہاں کے مختلف علماؑ سے تعلیم حاصل کی ۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر جلال آباد تشریف لائے اور وہاں سے اس شہر سے کچھ فاصلہ پر اڈہ نامی موضع میں سکونت پذیر ہوئے اسی وجہ سے وہ اڈہ ملا سے موسوم ہوئے اڈہ ملا صاحب باطن بھی تھے

اور صاحب سیف بھی ۔ انہوں نے جہاں اپنے فیوض روحانی سے افغانوں کو منور و درخشاں بنایا وہاں انگریزوں کے استبداد کے خلاف تلوار اٹھائی ۔ اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ جہاد بالسیف میں گزارا ۔ وہ پچیس سال تک آن تمام جنگوں میں شریک رہے جو انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ہوئیں ۔ ان کے جہاد کے محاذ زیادہ تر مہمند اور مالاکنڈ ایجنسی رہے ہیں ۔ ان کی تمام ترکوشش یہ تھی کہ اس پاک سر زمین سے انگریزوں کے اقتدار کو ختم کر کے اسلامی ریاست کے وجود کو عمل میں لایا جائے انہوں نے ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ع میں وفات پائی ۔

اخون بالول بن بازید (بائیز خیل) عمرزے خضرزئی

وہ اپنے وقت کے مشائخ اور بزرگان دین میں سے اور قبیلہ خضرزئی کے راہنما تھے۔ وفات ہونے ور انہوں نے تین بیٹے چھوڑے جو اپنے والد کے نقش قدم پر ٹھیک چلے ۔ ان کا بڑا بیٹا ملا اہمل اور دوسرا کیمل اور تیسرا کالو تھا ۔ تینوں بھائی اپنے زمانہ کے بزرگوں اور عالموں میں سے تھے ۔ جب خضر زئی سوات سے یہاں آ کر آباد ہو رہے تھے تو یہ تینوں بھائی بزرگان کی حیثیت سے ان کے ساتھ موجود اور دینی و دنیاوی راہنمائی میں پیش پیش تھے ۔ ملا اہمل موضع اگارنی چملہ جا کر بمطابق تقسیم شیخ ملی اپنی حصہ داری پر قابض ہو کر مقیم ہوا اور وہیں وفات پا کر دفن ہوا ۔ اس کی زیارت علاقہ چملہ میں زیادہ مشہور ہے ۔ کیمل نے موضع کالو خان میں رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پا کر دفن ہوا ۔ کالو جو اب کالا بابا سے مشہور ہے موضع شیوہ میں اس کی قبر ہے اور اس کی زیارت خاص و عام میں کافی شہرت رکھتی ہے ۔

ان کی اولاد مواضعات کالو خان ، تختہ بند ، شیوہ ، مداخیلہ اور اگارئی میں آباد ہیں ۔ اخون بالول کے لقبی نام اخون کے سبب ان کی اولاد اخون زادہ گان سے یاد کیے جاتے ہیں ۔ اخون بالول کے ایک بھائی کا نام حق تھا اس کو شیخ کا خطاب دیا گیا تھا جس کے سبب وہ شیخ حق سے مشہور تھا ۔

میاں نور بن ملا ارادت سطان خیل ملی زئی خواجہ زئی

وہ اپنے زمانے میں ایک راہنما اور قبیلہ یوسفزئی کا ایک با اثر مذہبی پیشوا تھا ۔ اس کے وقت میں جب خوشحال خان خٹک نے اورنگزیب کے خلاف یوسفزئی سے تعاون اور امداد حاصل کرنے کی غرض سے سوات کا سفر اختیار کیا تھا تو میاں نور ہی نے تمام جرگہ کے حاضری میں خوشحال خان کے خلاف فیصلہ صادر کر کے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا اور تعاون و امداد سے انکار کیا جس کے سبب خوشحال خان سوات سے خفا ہو کر آیا تھا ۔

میاں نور ایک بڑا بزرگ تھا اس کی زیارت جو ہنڈ بابا سے شہرت رکھتے ہیں علاقہ دیر کے موضع خال میں واقع ہے ۔ میاں نور کا اعزازی لقب اخون تھا اس وجہ سے ان کی اولاد اس معزز نام سے اخون زادگان پکارے جاتے ہیں ۔ میاں نور کا والد ارادت بھی ملا کے معزز لقب سے ملا ارادت یاد کیے جاتے ، وہ بڑا بزرگ شخص تھا اور اپنے قبیلے کا مذہبی پیشوا تھا ۔ اسی طرح میاں نور کے تینوں بیٹے بھی باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے رہے ۔ اس کا بڑا بیٹا حافظ بابا دوسرا ملا بابا اور تیسرا پاچا بابا سے یاد کیے جاتے تھے اور تینوں اپنے وقت کے مشائخ اور بزرگوں میں سے تھے ۔ ان کی اولاد موضع خالونہ میں آباد ہیں

اسوٹا بابا جی

ان کا نام حمید اللہ اور والد کا نام شرف شاہ بن قطب شاہ ہے ان کا شمار نامور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ تعلیم کے مدارج سے فارغ ہو کر انہوں نے ساری زندگی تبلیغ اور اصلاح میں گزاری اور ۱۲۰۳ھ میں بمقام اسوٹا وفات پائی اور وہیں ان کی زیارت ہے ان کی تقدس کی وجہ سے اسوٹا شریف کہا جاتا ہے۔ وہ نسلاً افغان اور قبیلہ ماموزئی کے ذیلی شاخ ہوہا خیل میں ٹل علی شیر خیل سے متعلق ہے جدی گاؤں بمطابق تقسیم شیخ ملی موضع شیخ جانا تھا ان کا جد امجد مسعود شاہ بڑا عالم فاضل شخص تھا جس کو موضع اسوٹا کے لوگوں نے مجبور کر کے اپنے پاس رہائش پذیر کیا تھا اور ان کی گزر اوقات کے لئے اراضیات وغیرہ بھی وقف کر دی تھی ساکنان اسوٹا ان کے عزیز دار یعنی اکا خیل ماموزئی تھے جس کے سبب وہ وہاں منتقل ہو جانے اور مستقل سکونت پر راضی ہو چکے تھے۔

مسعود شاہ کے تین بیٹے تھے وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلے ان کا بڑا بیٹا قطب شاہ تھا جس کا نواسا حمیداللہ المعروف اسوٹا باباجی ہے جن کی اولاد باچاگان سے یاد کیے جاتے ہیں اور وہ عبدالغفور اخوند سوات کے پیر بھائی اور شیخ محمد شعیب تور ڈھیر کا مرشد تھا۔

مسعود شاہ کا دوسرا بیٹا مہدی شاہ اور تیسرا محسن شاہ تھا۔ مہدی شاہ کا پہلوٹا بیٹا قاضی صفی اللہ تھا۔ جس نے تعلیم کے مدارج مختلف علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد موضع فرملی میں سکونت اختیار کی۔ بعد میں اس کا ایک بیٹا حافظ عبدالجلیل موضع اسوٹا میں جا کر آباد ہوا اور اس کی اولاد حافظان قرآن سے مشہور ہیں اور قاضی صفی اللہ کا دوسرا بیٹا قاضی عبدالمجید موضع فرملی ہی میں مقیم رہا

جس کی اولاد قاضیان ترملی سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ محسن شاہ بن مسعود شاہ کے دو بیٹے محمد شعیب اور نوراللہ تھے جو موضع اسوٹا میں آباد تھے اور ان میں بھی بڑے بڑے علماؑ اور قاضیان ہوگئے - اس وقت بھی یہ پورا خاندان علمی گھرانہ ہے - شجرہ نسب آخر میں درج ہے -

یوسفزیوں کے حرکات و سکنات پر ایک سرسری نظر

یوسفزیوں کے حالات پر ایک سر سری نظر ڈالتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ روز اول سے ہی یہ قبیلہ کشمکش حیات میں مبتلا رہا ۔ بیرونی حملہ آوروں سے یہ کسی وقت بھی آرام سے نہیں رہے اور اندازاً گذشتہ پانچ صدیوں سے یہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے ابرد آزما رہے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور اندرون ملک کے نظم و نسق کو بھی قائم رکھا ۔ فیاضی اور خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ اگر کسی دوسرے قبیلے نے مدد مانگی تو تن من دھن سب کچھ قربان کردیا یہاں تک کہ اگر دشمن نے پناہ مانگی تو اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر امداد پر آمادہ ہو گئے اور اپنے ہاں ان کو پناہ دی اور ان کی مہمان نوازی اس طرح کی کہ انکی حفاظت کے لئے انہیں کئی جنگیں لڑنا پڑیں - جب بھی کوئی دوسرا قبیلہ کسی طاقتور حکومت کا نشانہ بنا اور وہ نقل مکانی پر مجبور ہوا ۔ تو یوسف زئی قبیلہ نے اسے اپنے ہاں جگہ دی ۔ مثال کے طور پر پہلے گگیانیوں کو جگہ دی پھر محمد زئی اور خویشگی ، بعد میں ترکانی جب اس طرف آنے پر مجبور ہوگئے تو انہیں اپنی جگہ رہائش کے لئے پیش کی ۔ بعینہ ٗ مہمند قبیلہ کو اکبر کے زیر اعتاب آ کر نقل مکانی پر انہوں نے اپنی جگہ رہائش کے لئے دی

Qaiser Khan University of Malakand

نیز دیگر کئی چھوٹے چھوٹے قبائل کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ بسایا اور جیسا کہ باب خٹک میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلے بلاق خٹک کو پناہ دے کر خوشحال خان کے تری قبیلہ اور مغل کا نشانہ بنے اور ان کی حفاظت کی خاطر بے انتہا قربانیاں دیں ۔ اور پھر خوشحال خان کی درخواست پر اس کے بال بچوں اور ان کے ساتھ ایک سو دوسرے خاندانوں کو مغل کے پنجہ سے بحفاظت نکال کر اپنے ہاں پناہ دینا صرف کہدینے اور لکھ دینے میں تو آسان ہے مگر عملاً ایسا کرنا بہت معنی رکھتا ہے ۔ اور یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر یوسف زئی فخر کر سکتا ہے ۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنی شاندار روایات کا متحمل قبیلہ پھر بھی اپنی حقیقی اہمیت کے لئے ہمیشہ مؤرخین کی توجہ کا محتاج رہا ہے ۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ نے ہمیشہ ان پر زیادتی کی اور جو جس کے جی میں آیا مخالفت میں لکھ دیا ۔ یوسفزیوں کے کارناموں اور فتوحات کو اپنا ظاہر کر کے قلم بند کیا اور تعجب ہے کہ اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور ہر پڑھنے والے کی نظر میں یوسف زئی کا وقار کم ہوتا چلا گیا حالانکہ یہ یوسف زئی ہی تھے جو اپنے سرحدی علاقہ سے بے دست و پا ہندوستان گئے اور وہاں پر اپنی حکومتیں قائم کیں

یوسف زئی کی تقسیم اراضی کا بہترین کارنامہ اپنی مثال آپ ہے بلکہ میں تو یوں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ شیخ ملی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات و تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے تقسیم اراضی کا آغاز کیا تھا ۔ اور بعد میں یوسف زئی قبیلہ وقتاً فوقتاً دوسرے پریشان حال قبائل کو اپنے ساتھ یوں آباد کرتا رہا جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے پر وہاں کے باشندگان نے

نے کیا تھا ۔ ایسی حالت میں یوسف زئی کو اگر انصار کہلایا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یوسف زئی قبیلہ کو جنگ و جدل سے اتنی فرصت ہی نہ مل سکی کہ وہ کسی وقت اپنی اقتصادی و تعلیمی حالت پر بہ اطمینان غور کر سکتے اور جو بلند توقعات اس سے وابستہ کی جا سکتی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں ۔ تا ہم ان کا سیاسی شعور بہت بلند رہا ہے جس کا اعتراف وقتاً فوقتاً باہر کے بعض مؤرخین کر چکے ہیں ان کی فیاضی - خوش اخلاقی - اعلیٰ کردار مہمان نوازی - ہمت و جرأت - بہادری - خودداری - غیر مسلموں سے اچھا سلوک اور مظلوم کی حمایت یہ ایسے کارنامے ہیں جن کو ضبط تحریر میں لانا کوزے میں دریا سمونے کے مترادف ہے -

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یوسف زئی قبیلہ کی اپنی کوئی تاریخ باقی نہیں رہی تھی جس سے اصل واقعات پر روشنی پڑتی اور موجودہ نسل اس سے کما حقہ' روشناس ہو سکتی بلکہ یہ حقیقت ہے کہ نئی روشنی کے اس دور یا بالفاظ دیگر اس ترقی پذیر دور میں جب ان کا آباؤ اجداد کے کارنامے ان کے سامنے اصلی روپ میں پیش کئے جاتے ہیں تو وہ انہیں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی نامعلوم چیز سے تشبیہہ دیتے ہیں - جیسے کہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ایک دلچسپ واقعہ " قصہ ایک وزیر کا " لکھتا ہے :-

" اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک وزیر پر جب بادشاہ کا عتاب ہوا تو اس کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور وزیر سالوں وہاں رہا ۔ اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ اس نے بھی وہاں ماں باپ کے ساتھ پرورش پائی - جب اس نے ہوش سنبھالا تو ایک روز باپ سے پوچھنے لگا کہ یہ گوشت جو ہم کھا رہے ہیں

کس چیز کا ہے ۔ باپ نے کہا بکرے کا ۔ بیٹا بولا بکرا کیسے ہوتا ہے ۔ باپ نے اس کا پورا حلیہ بیان کیا ۔ لڑکے نے کہا ابا جان کیا وہ چوہے کے مانند ہوتا ہے ۔ باپ نے کہا سبحان اللہ کہاں بکرا کہاں چوہا ۔ اسی طرح گائے اور بھینس کے گوشت کے بارے میں گفتگو چلی وجہ اس کی یہ تھی کہ وزیر کے لڑکے نے قید خانہ میں زندگی گزارنے کے سبب سوائے چوہے کے اور کوئی جانور دیکھا ہی نہ تھا اس لئے وہ ہر جانور کو چوہے کی نسل سے جانتا تھا ۔"

مساکن یوسف زئی بمطابق شجرہ ہائے نسب

افغان قوم کی نئی زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوا ۔ جب بنی اسرائیل کے جلاوطن قبیلے مشرف بہ اسلام ہوگئے ۔ دین اسلام نے ان میں نئی روح ڈالی ۔ اور انہیں متحد ہونے کا سبق سکھایا ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی منتشر قوم کو اکٹھا کیا ۔ اور جیسا کہ وہ زیادہ مشہور اور بڑے گروہوں کی صورت میں چار مرتبہ شام و عراق سے جلا وطن کیے گئے تھے ۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنے تعارف کے لیے ان کے چار گروپ بنائے ۔ اور ان کے یہ نام مقرر کئے سڑبنی ، بٹنی ، غرغشتی اور کرلانی ۔ ان گروہوں میں وہ قبائل شامل کیے گئے ۔ جن میں نسبتی یا علاقائی قرابت موجود تھی ۔ اس تعارف کی خاطر انہوں نے ایک قومی پیشوا قیس عبدالرشید جس کا ذکر باب دوم میں ہو چکا ہے ، کو اپنا مورث اعلیٰ (اعزازی باپ) متفقہ طور پر مقرر کیا ۔ اور یہیں سے افغان قوم کا ایک نیا شجرہ نسب مرتب ہوا ۔ جن سے بعد میں بے شمار قبیلے بنے ۔ کتاب ہذا میں ہمارا تعلق چونکہ خشی یا خاشی

قبائل خصوصاً قبیلہ یوسف زئی سے ہے ۔ اور یہ سڑابنی کی ایک ذیلی شاخ ہے ۔ لہذا ہم نے خشی قبائل کے شجرہ ہائے نسب مرتب کر کے شامل کئے ہیں ۔

ان قبائل کے شجرہ ہائے نسب کو شامل کرنے کے بعد ہم ان کی موجودہ رہائش گاہ پر نظر ڈالتے ہیں اور مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ان کی ذیلی شاخیں اس وقت کہاں کہاں پر مقیم ہیں ۔ معلوم رہے کہ زئی اور خیل کے معنی اولاد کے ہیں جو ذیلی خاندان کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر ملی زئی اور اپاخیل ۔ ملی اور اپا مورث اعلیٰ کے نام ہیں اور ان کے جو خاندان بنے وہ ملی زئی اور اپا خیل پکارے جانے لگے ۔ یعنی ملی اور اپا کی اولاد ۔ یہ تشریح اس لئے ضروری سمجھی گئی تا کہ ہر پڑھنے والا با آسانی سمجھ سکے ۔ خشی قبائل کے تین شاخوں یعنی گگیانی ، ترکانڑی اور محمد زئی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب چوتھی شاخ قبیلہ یوسف زئی کا تعارف پیش خدمت ہے ۔

قبیلہ یوسف زئی

واضح رہے کہ مندے بن خشی یا خاشی (خوښے) کے دو بیٹے مسمیان یوسف اور عمر تھے ۔ یوسف بڑا اور عمر چھوٹا تھا ۔ عمر نے وفات پائی تو اس کا ایک ہی شیر خوار بچہ مندڑ رہ گیا ۔ جس کی تربیت و پرورش اس کے چچا یوسف نے بہت اعلیٰ طریقے پر کی ۔ اور بالغ ہونے پر اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی ۔ یوسف اپنے بھتیجے اور داماد مندڑ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ چاہتا تھا ۔ بلکہ یوسف نے مندڑ کے باپ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور رسم ملک کے مطابق

منڈڑ اپنے چچا کا والد کی طرح احترام کرتا رہا ان وجوہات سے منڈڑ کی اولاد بھی اُس کے چچا یوسف ہی کے نام سے مشہور ہوئی ۔ اور افغان قوم کا یہ ایک دستور بھی رہا ہے کہ بڑے بھائی کے نام سے چھوٹے بھائی کی اولاد موسوم ہو جاتی تھی ۔ جس کی کئی مثالیں خود قبیلہ یوسف زئی میں موجود ہیں ۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یوسف کو اپنے بھائی عمر کے اکلوتے لڑکے منڈڑ سے بے حد پیار تھا یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے آج تک یوسف اور منڈڑ میں کسی قسم کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو سکا اور ہر کوئی انہیں یکجان تصور کرتے ہیں جو کہ حقیقت پر مبنی ہے ۔

یوسف کے پانچ بیٹے مسمیان (۱) اکو (۲) موسیٰ (۳) عیسیٰ (۴) ملی اور (۵) اوریا تھے اور یوسف کی بیٹی سے منڈڑ کے چار بیٹے مسمیان (۶) منو (۷) رزڑ (۸) خضر اور (۹) محمود تھے ۔ اور ان سب کی اولاد یوسف زئی کہلائے البتہ آپس میں شناخت کے لئے صرف یوسف اور منڈڑ کے جدا جدا ناموں سے بھی گاہے گاہے یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان کا مشترک اور مجموعی نام یوسف زئی ہے ۔ اب میں مذکورہ بالا مورثیان یوسف زئی جو اکو سے محمدد تک ہیں ، کا مختصر تعارف اور ان کی اولاد کے مساکن پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں ۔ ان کے شجرہ ہائے نسب مکمل طور پر ذیلی شاخوں تک کتاب کے آخیر میں درج ہیں ۔

(۱) اکو بن یوسف

اس کی اولاد اکو زئی سے مشہور ہے ۔ جو تعداد میں دوسری برادری میں زیادہ ہیں ۔ ملک اکو کی دو بیویاں مسماۃ گوہرہ اور

مسماة رانٹی تھیں مسماة رانٹی کی اولاد رانی زئی سے مشہور ہوئی جس کا ذکر بعد میں اپنی جگہ پر آئے گا ۔ مسماة گوہرہ سے ملک اکو کے چار بیٹے تھے ۔ بازید ، خواجہ ، ابا اور خــادک ۔

بائی زئی : بازید کی اولاد بائی زئی سے مشہور ہیں ۔ جن کے تین بیٹوں ، سہیل سلیمان اور بابو (بابو زئی) کے نام سے الگ الگ خیل بھی یاد کیے جاتے ہیں ۔ سہیل بن بازید کی اولاد سولیزئی سے مشہور ہیں ۔ اور سہیل کے دد بیٹے ابا اور عزیز تھے ۔ بڑے بیٹے ابا کی اولاد ابا خیل اور چھوٹے بیٹے عزیز کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں ۔

ابــا خــیــل : ابا کے پانچ بیٹے تھے ۔ شاہ بیگ ، شخالی ، شرعا خاصی اور اسمٰعیل ۔ شاہ بیگ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شرف اور دوسرے کا خانا تھا شرف کے تین بیٹے تھے ۔ اول ملک متہ دوئم ملک جانا جن کی اولاد لنگر خیل سے مشہور ہیں ۔ اور سوئم ملک پاچا جس کی اولاد پاچا خیل سے مشہور ہیں ۔ خانا بن شاہ بیگ کے چار بیٹے تھے ۔ اول بازید جس کی اولاد بازی خیل سے مشہور ہیں دوئم علی جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہیں ۔ سوئم کنڈا جس کی اولاد کنڈا خیل سے مشہور ہیں ۔ چہارم سمیل جس کی اولاد سمیل خیل جو ناگوال سے مشہور ہیں ۔ سمیل خیل پہلے تقسیم کے مطابق موضع ناگوا میں مالکان اور رہائش پذیر تھے ۔ بعد میں یہ لوگ موضع ناگوا سے اپنے بھائیوں کے ہاں موضع تھانہ منتقل ہوئے اور لنگر خیل و پاچہ خیل اولاد شرف کو موضع ناگوا ' کو موضع تھانہ کی جائداد کے بدلے میں دے دیا ۔ اس وجہ سے سمیل خیل کو ناگوال یعنی ناگوا والے سے شہرت ہوئی ۔ شرف کی اولاد یعنی لنگر خیل و پاچا خیل موضع پرڑئی سوات میں آباد ہیں اور موضع ناگوا بھی اُن کی ملکیت ہے اور ملک متہ کی اولاد موضع متہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں آباد ہے موضع متہ ، ملک متہ

ہی کے نام سے موسوم ہے ۔ واضح ہو کہ موضع متہ کی جائداد شرف اور خانا کی اولاد کی ملکیت تھی ۔ لیکن خانا کے اولاد نے اپنا نصف حصہ اولاد جلال قوم اوتمان خیل کو بطور صلہ خدمات، انعام میں دیا تھا ۔ لہذا موضع متہ کے نصف رقبہ پر اولاد متہ بن شرف بن شاہ بیگ اپا خیل یوسف زئی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں اور خانا خیل کے نصف پر اولاد جلال اوتمان خیل قابض ہیں ۔

خانا کی اولاد خان خیل سے مشہور ہیں ۔ اور ان کا مسکن موضع تھانہ سوات ہے ۔ صرف قتلان خان کی اولاد چکھسر میں عزی خیل کے ساتھ آباد ہے ۔ معلوم رہے کہ اپا خیل کی جائداد میں شاہ بیگ کی اولاد کا پانچواں حصہ تھا ۔ اس لئے کہ اپا خیل پانچ بھائی تھے ۔ مگر بڑے بھائی اور خانی کے سبب دوسرے بھائیوں نے خوشی سے شاہ بیگ کو ایک حصہ زیادہ یعنی دو حصے دئے تھے جو اس وقت تک ان کی ملکیت ہے ۔ اس کی ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں باہر سے تمام قبیلہ یوسف زئی کے ملک بدر لوگ تھانہ آ کر پناہ لیتے تھے اور ان کو بسانا اسی بڑے گھرانے کا کام تھا ۔ شاہ بیگ کی اولاد میں ملک متہ اور ملک حمزہ بڑے نامور گزرے ہیں ۔ ملک متہ مصری خان کا وزیر بھی رہا تھا ۔ معلوم رہے کہ تھانہ کے ملحقہ باندہ جات بھی خان خیل تھانہ کی مقبوضہ ملکیت ہے جیسے کٹ کوٹھے جلالہ ، ایبٹ گرام ، کھڈے ، بختہ ، گنہار ، نل ، بازدرہ ، شیر خانئی زور منڈئی ، پلئی ، مورہ نامی پہاڑ کے مغربی اور جنوبی اطراف ۔

اپا کے دوسرے بیٹے شخالی جس کی اولاد شخالی خیل سے مشہور ہیں ۔ موضع شینگردار سالم گاؤں اور کچھ گھرانے گروتئی میں آباد ہیں۔ اپا کے تیسرے بیٹے شرخا کی اولاد جو شرخا خیل سے مشہور ہیں ۔ اور ان کی ذیلی شاخیں میر خیل ، زمان خیل ، اکا خیل ، خانا خیل اور

شیخ علی جس کی اولاد ملا خیل سے موسوم ہیں ۔ یہ سب موضع بری کوٹ سوات میں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ بانڈہ جات نجی گرام ، ناٹ سیرا بھی ان کی ملکیت ہے ۔ البتہ خانا خیل اور زمان خیل کے چند گھرانے موضع گروتئی میں بھی آباد ہیں ۔ ان میں شیخ علی ابا خیل نامور شخص گزرا ہے ۔

ابا کے چوتھے بیٹے خاصی (جس کی اولاد خاصی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے سلطان خیل ، حقداد خیل ، ترخان خیل اور میراحمد خیل ہیں یہ سب موضع غالیگی (سوات) میں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ مواضعات ناوا گئی ، اسلو کودرہ کے بھی مالکان ہیں ۔

ابا کے پانچویں بیٹے اسمٰعیل (جس کی اولاد اسمٰعیل خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے نتوخیل ، بسے خیل ، علی خان خیل اور شیرخان خیل ہیں جو سب موضع مانیار علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔

عــزی خــیــل :۔ عزیز کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں ۔ اس کے تین بیٹے اول بارک جس کی اولاد بارہ خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم لقمان اور سوئم احمد ہیں ۔ بارک یعنی بارہ خیل کے چار بیٹے اول ادرالی جس کی اولاد ادرالی خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم مہر علی جس کی اولاد مرلی خیل سے مشہور ہیں ۔ سوئم شاہو جس کی اولاد شاہو خیل سے مشہور ہیں ۔ چہارم نماز جس کی اولاد ازخیل سے مشہور ہیں ۔ بارک کے بھائی لقمان کے تین بیٹے اول رستم جس کی اولاد رستم خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم اسمعیل جس کی اولاد اسمعیل خیل سے مشہور ہیں ۔ سوئم جلال جس کی اولاد جلال خیل سے مشہور ہیں ۔ بارک اور لقمان دونوں بھائیوں کی اولاد عزی خیل سے مشہور ہیں ۔ اور یہ سب لوگ مواضعات خوازہ خیلہ ، بانڈئی ، کاشکوڑ ، ٹٹابٹ ، کٹ کوڑ ، اوبل ، چالیار ، ٹکدارئی ، تاروگے ، لنگر ، شالپین ، لقیرا

چنکولئی ، چمتائی ، باہو ، مشکومئی ، جانو ، لنگر ، مارتونگ ، چکیسر اور تپہ سہنکڑئی کے مواضعات بشام ، بوٹیال ، ھنگ ، لالکو ، دندئی علاقہ مشرق سوات میں آباد ہیں ۔ بارک اور لقمان کے تیسرے بھائی احمد کے دو بیٹے تھے ۔ اول جنکی دوئم قلندر ۔

جنکی (جن کی اولاد جنکی خیل سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے عیسوا خیل ، سندڑ خیل ، بشری خیل اور عبدالرحمن خیل ہیں یہ سب لوگ مواضعات ڈینڈڑ ، مان پیتئی ، لویکلے ، فتح پور ، جرے ، بتوڑئی ، مچا ، اسالا ، کولئی پیا ، بارام پٹی ، جوختئی ، سینئی ، خیر آباد ، سیاں دم ، لیٹئی ، لاخار بارگین اور شنگلہ پار علاقہ قانا (کانا) دلائی (شاہور) کارشٹ ، داسوڑئی لٹ پاتڑئی ، اجمیر ، ولندر اور پیر خیل میں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ علاقہ غور بند میں بھی عزی خیل اور جنکی خیل اپنے حمایتی لوگوں کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ مواضعات غور بند یہ ہیں ۔ لوباؤنڑی الپوری ، کسولہ ، شمانو کلے ، لیولو بابا ، کوز کوئکے ، بر کوئکے بازار کوٹ ۔

جنکی کے بھائی قلندر کے دو بیٹے تھے اول غالی ، جس کی اولاد غالی خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم جان بابا ، جس کے تین بیٹے تھے ۔ اول امیر خان دوئم سلیم خان سوئم خواجہ جس کی اولاد خواجہ خیل سے مشہور ہیں ۔ خواجہ خیل جنکی خیل کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ اور جنکی خیل سے ہی یاد کئے جاتے ہیں ۔ غالی کا ایک بیٹا معروف تھا معروف کے دو بیٹے اول باڈو جس کی اولاد باڈو خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم پیر داد جس کی اولاد پیر داد خیل سے مشہور ہیں ۔ امیر خان خیل ، سلیم خان خیل ، باڈو خیل اور پیر داد خیل موضع شموزئی تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں ۔ اور ان

کے عزیز، بھائی خان بن رستم بن لقمان عزی خیل کی اولاد موضع کاللنگ میں مالکانہ حیثیت سے سکونت پزیر ہیں ۔

سلیمان (سوہل) جو سہل کا بھائی اور بازید کا بیٹا ہے اس کا ایک بیٹا ایسکو، تھا جس کے تین بیٹے تھے اول متوڑے جس کی اولاد متوڑی زئی سے مشہور ہیں ۔ دوئم بائی اور سوئم موسیٰ ہیں ۔ متوڑی کے دو بیٹے الاخیل اور ابہلول خیل ہیں ۔ یہ لوگ مواضعات گلی باغ چار باغ ، ڈ کوڑک ، عالم گنج ، مالالی ، اللہ آباد ، سیر اور تلی گرام میں آباد ہیں ۔ بائی لاولد ہے ۔

موسیٰ خیل :- موسیٰ کی اولاد موسیٰ خیل سے مشہور ہیں ۔ موسیٰ کی دو بیویاں تھیں ایک دردانئی دوسری خاتون ۔ دردانئی کی اولاد دردانئی خیل اور خاتون کی اولاد خاتون خیل سے مشہور ہیں ۔ دردانی کے چار بیٹے میر فتح خان جس کی اولاد فتح خان خیل سے مشہور ہیں ۔ بسے خیل ، خنڈی خیل اور ابیے جس کی اولاد بی بی خیل سے مشہور ہیں ۔ موضع ابوہہ علاقہ سوات میں رہائش پزیر ہیں اور باندہ جات نری بنڑ ، شاہ بنڑ ، جربانڈئی ، بلوکلے ، املوک ، کرتئی ، مشال ، ڈڈ ، دربندئی ، بانکر ، جہانگیر اور کانڈا میں بھی یہ لوگ مالک و قابض ہیں ۔ خاتون کے تین بیٹے اول بارہ خان جس کی اولاد بارہ خان خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم دولت جس کی اولاد دولت خیل سے مشہور ہیں ۔ سوئم ولی جس کی اولاد ولی خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ لوگ موضع کوٹھہ ، لوبکلے علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔ اور باللہ جات سورہ نامی پہاڑ کے شمال مشرق جانب اور مواضعات چوا ، سدو خان کس ، سنڈوکا ، ولوکس ، تلنگ ، لنڈاکے اور چورخئی کے بھی مالک و قابض ہیں ۔ موسیٰ خود بھی اور اس کی اولاد میں میر فتح خان بارا خان اور ظریف خان نامور اشخاص گزرے ہیں ۔

بابو بن بازید :۔ اس کی اولاد کو بابو زئی کہتے ہیں اس کی دو بیویاں تھیں زوجہ اول سے تین بیٹے ابا خیل ، برت خیل اور بامی خیل ہیں ۔ ابا کے تین بیٹے تھے اول مغدود جس کی اولاد مت خیل سے مشہور ہیں ۔ دوئم پیر مدے بابا جس کی اولاد پیر یل سے مشہور ہیں ۔ سوئم بازید جس کی اولاد بازید خیل سے مشہور ہیں ۔ اور یہ لوگ مواضعات بلوگرام ، کمبر ، کاڈھیلئی اور تخته بند میں آباد ہیں ۔ برت کے تین بیٹے دادی خیل ، قاضی محمد اور زلکا خیل ہیں جن میں سے دادی خیل اور زنکا خیل مواضعات اوڈی گرام ، کوگدرہ ، تیندو ڈاک اور بچی گرام میں آباد ہیں اور اولاد قاضی محمد ضلع مردان کے مواضعات بابوزئی ، کاٹلنگ ، ڈھیری لکپانی اور جرجوڑ میں اباخیل کے ساتھ مشترک طور پر آباد ہیں ۔ بامی کی دو بیویاں تھیں زوجہ اول سے ایک بیٹا علی خان جس کی اولاد علی خان خیل سے مشہور ہیں اور زوجہ دوم سے دو بیٹے عیسیٰ اور فتح خان ہیں جن کی اولاد عیسیٰ خیل اور فتح خان خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ لوگ مینگورہ ، نوبکلے ، منگلور اور کوکارئی علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔ بابو کی زوجہ دوم سے دو بیٹے اکا اور معروف تھے جن کی اولاد اکاخیل اور معروف خیل سے مشہور ہیں ۔ اور یہ لوگ مینگورہ جام بیل ، دنگرام ، منگلورپار ، سینگوٹہ اور اینگر و ڈھیری میں آباد ہیں ۔ بابو زئی کے ملکیتی بانڈہ جات یہ ہیں ۔ سیدو سرسردارے ، گلوگرام ، کوکڑی ، پٹودہ ، سہل بانڈئی ، شیراترپ اور سلام پور وغیرہ ۔ ان کے مشترکہ سب قبیلے علاقہ پورن میں موضعات کوٹکے ، الوچ ، بن کلئی ، سندوئی ، چاگم اور سنیلا میں بھی آباد ہیں ۔ اور بابو زئی کے ساتھ وردگ ، دہکان ، کوتوال ، سواتیان گدیان جو ان کے حمایتی افغان قبائل ہیں بھی رہتے ہیں ۔ ان کے علاوہ اخولدرویزہ کی اولاد (اخون خیل) کے کچھ گھرانے بھی بابوزئی کے پاس رہتے ہیں

اخون صاحب سوات بھی انہیں کے ہاں موضع صیدو میں قیام پزیر ہوا اور صیدو میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ نیز موضع کلالئی کو یوسفزی نے اخوند سالاک کو بطور سیری دے دیا تھا اب بھی اخوند سالاک اور اس کے بھائی پیر سباک کی اولاد یہاں آباد ہے۔ مذکورہ مساکن اور مقبوضات کے علاوہ قبیلہ بابوزئی کے اباخیل اور برت خیل کے کئی خاندان مواضعات کاٹلنگ، بابوزئی، جرجوڑ، ڈھیری لکپانی وغیرہ تپہ بائی زئی ضلع مردان میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

موضع غازی بابا سالم پر اولاد ملک غازی بابا ولد شیخ ہنس افغان قبیلہ شمو زئی بن خوجہ زئی بن اکوزئی یوسفزئی مالکانہ حیثیت میں ابتدا ہی سے آباد ہے۔ اور یہ گاؤں ملک غازی کے نام ہی سے غازی بابا مشہور ہے۔

واضح ہو کہ اگرچہ موضع شموزئی میں قبیلہ شموزئی کے کوئی باقی نہیں لیکن وہاں ان کی پہلی رہائش پر وہی نام چلا آ رہا ہے۔ اب یہاں عزی خیل آباد ہیں۔ قبیلہ شموزئی کا یہاں اس تپہ میں صرف ملک غازی خان شموزئی کی اولاد موجود ہے باقی قبیلہ شموزئی دریائے سوات کے شمالی حصہ میں اس وقت مالکان اور سکونت پزیر ہیں۔

داؤد خان بانیٔ حکومت روہیلکھنڈ اس قبیلہ بابو زئی سے متعلق تھا۔ پیر سدے بابا اور ملا آدم بن زانکی ان میں نامور اشخاص گزرے ہیں ان کی قبریں جلالہ کے جنوب مغرب ندی کے پار ایک قبرستان میں واقع اور مشہور ہیں اور زائرین بکثرت ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ پیر صالح بن زانکی جس کی اولاد موضع اوڈی گرام میں پیران سے مشہور ہیں، بھی مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے گزرے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آدم درخانئی کے تعلقات استوار ہوتے وقت پیر صالح موجود تھے۔ اس کا قبر تحصیل نوشہرہ کے مغربی

علاقہ میں ہے ۔ اور اسی طرح آدم و درخانئی کی قبریں بھی تحصیل نوشہرہ کے مشرقی علاقہ میں واقع ہیں ۔ ان کے زمانہ میں قبیلہ یوسف زئی میدانی علاقہ یعنی سمہ میں دریائے سندھ اور نوشہرہ تک اور سندڑ سوات ، دیر وغیرہ میں آباد تھے ۔

پیر صالح بابو زئی پیر وو
د عشاقو دستگیر وو

واضح ہو کہ قبائل سولیزئی یعنی ابا خیل و عزی خیل اور اور متوڑی زئی و موسیٰ خیل اور بابو زئی کے سب کا مشترک نام بائی زئی ہے ۔ ان کے کچھ لوگ تہہ بائی زئی ضلع مردان میں مواضعات ڈھیرئی ، لکپانئی ، بابو زئی ، شمو زئی متہ اور کاٹلنگ میں بحیثیت مالکان تہہ ہذا آباد ہیں ۔ معلوم رہے کہ تہہ بائی زئی ضلع مردان میں ایک وسیع علاقہ ہے ۔ اور یہ سارا تہہ قبیلہ بائی زئی کی ملکیت تھی جس میں مشہور گاؤں پیر سدو جلالہ ، پاتئی ، تکر لوند خوڑ ، میسا ، ڈاگئی ، شیر گڑھ ، قطب گڑھ ، پاتھیان ، پرخے ، تازہ گرام ، دوندیا ، کالو ، متہ ، کھاڑی بابا ، سوٹھے ، کوٹکے ، جنگی ڈھیر ، ڈھیرئی ، لیکپانڑئی ، جمال گڑھی ساول ڈھیر ، تخت بائی تک کا شمالی حصہ ، کھوٹے ، برمول ، میاں خان ، سنگاؤ ، پیپل ، خرکی اور کاٹلنگ وغیرہ ہیں ۔ مواضعات میاں خان ، سنگاؤ ، پیپل ، کھوٹے اور برمول میں اتمان خیل کے کئی خاندانوں کو ابتدا ہی سے اس تہہ میں قبیلہ بائی زئی نے آباد کیا تھا ۔ جن کی شاخیں عمر خان خیل ، پائندہ خیل ، ہیبت خیل ، بہرام خیل ، برمی خیل ، دادو خیل ، طور زئی اور ایذب زئی سے یاد کئے جاتے تھے ۔ جو اس وقت تک یہاں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ قبیلہ بائی زئی نے بعض دیگر مواضعات میں جلا وطن بلاق خٹکوں کو آباد کیا تھا ۔ جو اس وقت

تک وہ یہاں آباد ہیں ۔ لیکن اب اکثر یہ لوگ اپنے اپنے خیل نہیں جانتے ، سب کچھ بھول چکے ہیں بلکہ تری اور بلاق تک بھی نہیں جانتے، صرف اتنا کہ وہ اپنے آپ کو خٹک ہی سمجھتے ہیں ۔ واضح ہو کہ دونم جتھہ تری خٹکوں کا جن کو یوسف زئی نے موضع اکوڑہ سے خوشحال خان کی درخواست پر لا کر شکری بابا میں مغلوں سے محفوظ کیا تھا بعد میں وہ لوگ خوشحال خان کے ہندوستان میں اورنگ زیب کی نظر بندی سے رہائی اور اپنے وطن واپس ہونے پر اپنی خوشی کے ساتھ یہاں سے واپس چلے گئے تھے ۔ یہ علاقہ تہ بانی زئی کے نام سے ابھی تک موسوم ہے ۔

ایک گزارش :

تہ بائی زئی میں بائی زئی کے رہنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں یوسفزئی اکابرین کی قبریں جو بہت خستہ حالت میں موجود ہیں ۔ ان پر توجہ کریں ۔ وہ دعا کے محتاج ہیں ۔ جن کا تعارف یہ ہے ۔

(۱) ملک سر ابدال بن یحیی ادینزئی موضع سنگاؤ میں مدفون ہے ۔

(۲) ملک سر ابدال بن موسیٰ لیکبی خیل موضع شیر خانئی میں مدفون ہے

(۳) ملک بارہ خان بن موسیٰ بائی زئی موسیٰ خیل ، کی قبر موضع کلپانی اسٹیشن سے کلپانی ندی کے پار مشرق میں راستے کے کنارے ایک قبرستان میں واقع ہے اور بارہ خان سے مخفف ہو کر اب ان کی زیارت بارہ خو بابا کے نام سے مشہور ہے ۔

ان تینوں کا ذکر پہلے تواریخ حافظ رحمت خانی میں گزر چکا ہے ، جو ہر ایک اپنے اپنے وقت میں سربراہان یوسفزئی تھے ۔

خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے امین

سالہا بر تو بگزرد کہ گزار ، نہ کنی سوئے تربت پدرت
تاہجائی پدر چہ کردی خیر ، تا ہمان چشم داری از پسرت

سعدی

خواجہ زئی :۔ خواجہ بن اکو (جس کی اولاد خواجہ زئی سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے ملی‌زئی ، سہ بجنی ، ھاسی‌زئی ، لیکبی‌خیل شموزئی اور علاؤالدین جس کی اولاد اندل زئی یا ادین‌زئی سے مشہور ہیں

ملی زئی :۔ ملی بن خواجہ کے چار بیٹے ملک پائندہ نصرت دین سلطان اور اوسا ہیں جن کی اولاد بالترتیب پائندہ خیل ، نصرت دین خیل ، سلطان خیل اور اوسا خیل سے مشہور ہیں ۔ ملک پائندہ کے چار بیٹے مبارک ، موسیٰ ، بازید اور عزیز ہیں ۔ مبارک کی اولاد مبارک خیل اور موسیٰ کی اولاد بامت خیل اور بازید کی اولاد بازید خیل اور عزیز کی اولاد عزیز خیل سے مشہور ہیں ۔ اور پانچواں وصلی کریم داد بن ملک کدو ہے ۔ پائندہ خیل اخگرام سے لے کر جوخہ بند تک آباد ہیں ۔ جن کے مشہور گاؤں جاٹ گرام ، خاگرام سندل کوپان ، شالکاہ ، واڑئی ، بانڈئی ، دیر ، تورمنگ ، شیر‌بن‌گل ، کارو اور نیاگ درہ ہیں ۔ اور مرکزی مقام موضع دیر ہے ۔ ان کے ذیلی شاخ بامت خیل میں اخون الیاس بن تور بن شاؤس بن بامت بن موسیٰ مشہور بزرگ گزرا ہے اس کا مقبرہ لاج بوق میں ہے جو تیمرگرہ کے سامنے دریا سے پار تقریباً چار میل کے فاصلہ ایک اونچائی پر واقع ہے ریاست دیر کی بنیاد اس کی اولاد نے رکھی تھی جو پاکستان بننے تک چلتی رہی ۔ ملک مبارک جو ملک احمد کا شریک کار تھا اسی خاندان سے متعلق تھا ۔ پائندہ خیل کے ساتھ ان کا وصلی بھائی کریم داد بن ملک کدو افغان ماموزئی سنڈر کی اولاد بھی جغا بند درہ ، سہار

درہ ، کلکوٹ ، جٹی ، باغ اور منزئی میں آباد ہیں جو کدے خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ ملک کدو ابتدا میں اپنے قبیلہ ماموں‌زئی کے ساتھ دوآبہ میں رہتا تھا ۔ وہ گاؤں کدوزئی یا کتوزئی اسی کے نام سے موسوم ہے ۔ اسے پائندہ بابا کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی ۔ اس کی وفات کے بعد اس کا ایک ہی لڑکا کریم داد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر والدہ سمیت اپنے ماموں کے گھر چلا گیا ۔ انہوں نے اس کو جغا بند درہ رہائش کے لئے دے دیا اور وہ وہیں آباد ہوگئے ۔ کریم داد کی قبر تیمرگرہ سے شمال مشرق کی جانب چند میل کے فاصلے پر ہے ۔ ملک کدو بن مترک قبیلہ ماموں‌زئی کا سربراہ اور ملک احمد کا دست راست تھا ۔ باجوڑ کی جنگوں میں اس نے نمایاں خدمات انجام دئے تھے ۔

نصرت دین بن ملی جس کی اولاد کو نصرت دین خیل کہتے ہیں ، کے چار بیٹے اول متی دوم فتح سوئم لالی چہارم ببو جن کی اولاد علی الترتیب متی خیل (متی نی) ، فتح خان خیل ، لالی خیل اور اور ببو خیل (ببوتی) سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ یہ لوگ تیمرگرہ سے کچھ آگے مقام اشاڑی گٹ سے شروع ہو کر رباط تک دریا کے آر پار آباد ہیں جن میں مواضعات کنہ ٹیر ، دم کٹہ ، حواسیرنی ، لڑم سر ، منجے ، سوجادے ، کوٹھو ، کٹہ ، کالا ڈاک ، رانی اور دوڑان وغیرہ ہیں ۔ اس میں مرکزی گاؤں رباط ہے سلطان بن ملی جس کی اولاد سلطان خیل سے مشہور ہیں کے دو بیٹے ابا بکر اور دلخک ہیں ابا بکر کے دو بیٹے اول سید احمد جو برتوئی سے مشہور ہے دوئم خواجہ خضر جو کوز توئی سے مشہور ہے ۔ دلخک کے دو بیٹے الیاس اور اباز خیل ہیں ۔ یہ لوگ جنوب میں نام سیرخوڑ اور ہارون کڑپہ سے شمال کی طرف جھکٹ خیبہ اور شکانی کے سرے تک اور خالولہ سے تورسنگ کے قریب تک آباد ہیں ۔ ان کا مرکزی گاؤں خالونہ ہے ۔ سلطان خیل میں میاں نور بن

ملا ارادت مشہور اور بزرگ شخص گزرے ہیں ۔

اوسا بن مسلی :۔ جس کی اولاد اوسا خیل سے مشہور ہیں ، کا ایک بیٹا موتی تھا ۔ جس کے دو بیٹے اول شیخ عثمان جس کی اولاد شیخ خیل سے مشہور ہے ، دوئم ملک نورا جس کی اولاد نورا خیل سے مشہو ہیں ۔ شیخ عثمان کے پانچ بیٹے اول شیخ جلو جس کی اولاد جلو خیل سے مشہور ہیں ، دوم خواجہ خضر جس کی اولاد خیدر خیل سے مشہور ہیں ۔ سوم الوزئی ، چہارم بلی خیل ، پنجم شیخ محمد ے ہیں ۔

ملک نورا کے چار بیٹے جو نورا خیل سے مشہور ہیں ۔ اول سردار بابا جو لاولد تھا ، دوم حسن ، سوم ابراہیم ، چہارم عمر جن کی اولاد علی الترتیب حسن خیل ، ابراہیم خیل اور عمر خیل سے مشہور ہیں ۔ سب اوسا خیل تیملگرہ سے شروع ہو کر کامرانی تک اور وہاں سے تلاش کاٹ گلہ تک مغرب میں موگیاڑ کمالہ تک جن کے گاؤں تیملگرہ ، خیمہ ، دیارون ، خزانہ ، سدو ، شکولئی ، بلامبٹ ، کوٹکے اور علاقہ تلاش کے مواضعات اسلو کدرہ ، گمبت ، باجوڑو ، مجوسرائے ناساپہ ، نگرئی ، بانڈہ ، گمبتکے ، اجو اور کمانگرہ ہیں ۔ ان میں شیخ عثمان اور اس کا بیٹا شیخ جلو مشہور اشخاص گزرے ہیں ۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نیز شاہے اور خواجہ خضر الوزئی بھی قابل ذکر اشخاص تھے ۔ شیخ جلو کی مزار تیملگرہ میں سڑک کے مغربی جانب واقع ہے شیخ عثمان کابل میں مرزا الغ بیگ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا اور وہاں ان کا مزار ہے ۔ یہ بھی معلوم رہے کہ علاقہ میدان اور درہ جندول بھی قبیلہ ملی زئی کے حصہ داری میں تھے جس میں انہوں نے اپنوں کے علاوہ اپنے ہمسایہ ترکانی اور دیگر افغان قبائل سرکانی ، تاران ، ماہار اطرافی ، مشوانی ، وردگ وغیرہ کو بھی بسائے تھے ۔ ان علاقوں کے

مرکزی مقامات سنڈہ اور بروا ہیں ۔ سنڈہ جندول کا صدر مقام ہے جہاں پر نواب دیر کا نمائندہ ایک افسر کی حیثیت سے رہتا تھا ۔

سہ بجنی :۔ سہ بجنی کے دو بیٹے جونا خیل (کوزخسنڑے) اور سبت خیل (برخسنڑے) ہیں ۔ جونا کے تین بیٹے لظر خیل زنگی خیل اور سندو خنل ہیں ۔ سبت یا صحبت کے تین بیٹے بہلول خیل سینا خیل اور شما خیل ہیں ۔ یہ لوگ مواضعات شکردرہ ، شیر پالم پیر کلے ، گواڑہ ، جورہ ، شانگوٹئی ، ارکوٹ ، بہاکند ، گواڑہ باندی اور رونیال سے بکارگٹ تک جن میں مواضعات رونیال ، سیج بنڑ ، سمان کلے میرہ ، وہنئی ، رونی کار ، کوزشور ، لاشور ، ڈاگئی ، چنگلالئی، نل کوٹ گوالیرئی ، گٹ ، پیوچار ، پشتونڑئی ، بہا اور سرباندہ میں آباد ہیں ۔ قبیلہ شنواری افغان کے کچھ گھرانے بھی جو ابتدا میں یوسفزئی کے پاس آگئے تھے ۔ وہ یہیں بمقام جرہ اور شیرپلم میں آباد ہیں ۔ اور ان کی عزیزداری کی چند اور خاندان جو یوسفزئی کے ساتھ تھے ، ان کو موضع مساگے میں (جو ناوہ گئی کے قریب جالب جنوب مغرب اور کمہور کے مشرق میں واقع ہے) ابتدا ہی سے یوسفزئی نے آباد کئے تھے ۔ وہ شنواری لوگ اب تک وہیں سکونت رکھتے ہیں ۔

شامی زئی :۔ شامی بن خواجہ کی اولاد شامی زئی سے مشہور ہیں شامی کے تین بیٹے اول ملا خلیل جس کی اولاد ملا خیل سے مشہور ہیں ۔ دوم حسن جس کی اولاد حسن خیل اور سوئم محمد جس کی اولاد محمد خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ قبیلہ سہ بجنی کے شمال کی جانب ایک ندی کے پار دور تک آباد ہیں ۔ جن کے مشہور مواضعات یہ ہیں ۔ ان میں ملاخیل کے مواضعات آغل ، برتھانہ ، سم بٹ ، ٹالگار بکوڑ ، خربڑئی ، لٹ پانڑئی ، تونکے ، قرے ، شوخ درہ ، چپرپال ، گڑھی اور سین پوڑئی وغیرہ ۔ اور حسن خیل کوزہ پامہ خیلہ ، برہ پامہ خیلہ

بوڈی گرام ، سمبٹ ، بیدرہ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ اور محمد خیل برہ درویش خیلہ ، اشاڑے ، باز خیلہ ، کلا کوٹ ، لنڈے ، دوشا گرام دارسئی ، نوخارہ ، سخرا ، لنڈی اور گڑھی وغیرہ میں آباد ہیں ۔ ان کا مرکزی مقام موضع شد ہے ان میں ملاخلیل ، ماسم خان اور حبیب خان قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں ۔

نوکبی خیل :۔ لیکبی کی اولاد لیکبی خیل سے مشہور ہیں ۔ اس کے چار بیٹے ابا خیل ، شیخ سینا ، موسیٰ اور عائشہ خیل ہیں ۔ جو توتانو بانڈی ، چاچو ڈھیری ، (شاہ ڈھیری) ، نیم گولئی ، کنبارئی ، ٹال ، درزیال ، میرا ، کوچ ، سر سنڑئی ، ماوچ ، چندہ خورہ (کبل) سم دیولئی ، لردیولئی ، کالا کلے ، اسرت ، مام ڈھیرئی ، غم جبہ ، علی گرام ، شنڑ ، تغمہ ، برہ بانڈئی ، کوز بانڈئی ، غوربجہ طوطکے ، سمئی ، سیکمئے ، منجا ، ڈڈہ بارہ ، ڈاگئی ، کاڑور ، اخون کلے ، ڈہلے ، ڈھیرئی ، دمغار ، کانجو ، وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔

لیکبی خیل میں شیخ سینا اور سر ابدال بن موسیٰ بڑے نامور اور مشہور اشخاص گزرے ہیں ۔ ملک سر ابدال بن موسیٰ ، خان گجو کا وزیر اعظم تھا اور جنگ غوریا خیل میں شریک تھا ۔

شموزئی :۔ شمو بن خواجہ کی اولاد شمو زئی سے مشہور ہیں ۔ اس کے چار بیٹے اسمٰعیل خیل ، دولی خیل ، علی خان خیل اور عمرزئی ہیں ۔ جو مواضعات چنکی ، تیرنگ ، گڑھی ، خزانہ ، چاپرہ ، گم کوٹ زرہ خیلہ ، لیمو گرام ، رنگیلہ ، ملک آباد وغیرہ میں آباد ہیں ۔ علی خان بن شمو ان میں مشہور اور قابل ذکر اشخاص میں سے تھے ۔

ادین زئی :۔ علاؤالدین کی اولاد اندیل زئی یا ادین زئی سے مشہور ہیں ۔ اس کے تین بیٹے یحییٰ (بختے) اتمان زئی بابو خیل ہیں ۔ یحییٰ کے تین بیٹے سر ابدال ، کیمل اور محمود ہیں ۔ اتمان زئی

کے دو ذیلی شاخ مرجان خیل اور شرغا خیل ہیں ۔ اور بابو جس کی اولاد بابو خیل سے مشہور ہے ، کے پانچ بیٹے میرحسن خیل ۔ فاضل خیل باچا خیل ۔ رکمین خیل اور کیمل خیل ہیں ۔ بحیوا کے تینوں بیٹے سر ابدال ۔ کیمل اور محمود یکے بعد دیگرے سربراہ قبیلہ تھے ۔ ادین زئی مواضعات تازہ گرام ۔ کیتارئی ۔ خان پور ۔ ٹھکنئی ۔ راسوڑہ شوا ۔ اوچ چکدرہ وغیرہ علاقہ سوات میں آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ مواضعات علی سس ۔ سہ سدہ ۔ ماڑونگے ۔ دربار ۔ تندوڈاک ۔ جھنگئی ۔ اسپنٹر ۔ باسبولئی ۔ کوٹی گرام کے بھی قابض و مالک ہیں ۔ یہ تمام ریاست دیر میں شامل تھا ۔

ابازئی :۔ ابا بن اکو جس کی اولاد کو ابا زئی کہتے ہیں ۔ اس کے چار بیٹے فتح خیل الیاس زئی ۔ تھانے اور کامل (کیمل خیل) ہیں ۔ جو برباڈوان ۔ بڑنکولا ۔ اور تحصیل اشنغر کے موضع ابا زئی میں آباد ہیں ۔ فتح (جس کی اولاد فتح خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے کرم خیل ، خواجہ خیل اور بابا خیل ہیں ابتدا میں فتح خیل اشنغر کے موضع اباذئی زئی سے مغرب کی طرف پہاڑی علاقہ میں آباد تھے ۔ جس وقت یوسف زئی نے مہمندوں کو اکبر سے پنا دی تھی تو ان لوگوں نے جرگہ کے فیصلہ کے مطابق وہ علاقہ مہمندوں کو چھوڑ کر یہ اپنی برادری کے لوگوں الیاس زئی اور کیمل خیل کے پاس آکر آباد ہو گئے ۔ تھانے کی اولاد جو موضع ابا زئی اشنغر میں آباد تھے وہیں رہ گئے ۔ الیاس بن ابا جس کی اولاد الیاس زئی سے مشہور ہیں ، کے دو بیٹے شاہان اور عثمان ہیں ۔ کامل بن ابا جس کی اولاد کیمل خیل سے مشہور ہیں ، کے چار بیٹے الائی خیل ، جوگی خیل ، آریا خیل اور الگور خیل ہیں ۔ برباڈوان کے شمال میں قریب ہی زاوڈھیرئی کے نام ایک بڑا تاریخی ٹیلہ ہے جس کا ذکر کتاب حافظ رحمت خانی نے کیا ہے ۔ یہ

حسین اور دلکش مقام ہے (میں جب اس ٹیلہ پر چڑھا تو قدرتی طور پر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی ۔ اور اترنے کو جی نہیں چاہتا تھا ۔) قبیلہ ابا زئی میں محمود اور کریم داد الیاس زئی اور میر رستم بن عمر ناسور اشخاص گزرے ہیں ۔ یہ علاقہ چکدرہ کے بالمقابل دریا سے شمال کی طرف واقع ہے ۔ اور ریاست دیر میں شامل تھا ۔

خادک زئی :۔ خادک ابن اکو جس کی اولاد کو خادک زئی کہتے ہیں ۔ اس کے پانچ بیٹے اول سدو جس کی اولاد کو محمد خیل کہتے ہیں ۔ دوم اکا جس کی اولاد کو اکا خیل کہتے ہیں اور اس کے بیٹے احمد کے نام سے احمد خیل بھی پکارے جاتے ہیں ۔ سوم محسن جس کی اولاد کو محسن خیل کہتے ہیں محسن خیل میں دو ذیلی شاخیں ہیں ناصر خیل اور خان کوری ۔ چہارم ابراہیم جس کی اولاد کو ابراہیم خیل اور ملک کوری بھی کہتے ہیں ۔ پنجم حمزہ بابا جس کی اولاد کو ہنزوسی کہتے ہیں ۔ یہ سب خادک زئی کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ایک ہی گاؤں میں رہتے ہیں جس کا نام انہی کی نسبت سے خادک زئی ہی ہے اور ایک ندی اس گاؤں کے بیچ میں سے گزرتی ہے جس نے گاؤں کو دو حصوں یعنی کوز کلے اور بر کلے میں تقسیم کیا ہے ۔ یہاں اوسا خیل ملی زئی کے چند گھرانے بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہیں ۔ یہ قبیلہ بھی ریاست دیر میں شامل تھا ۔

رانی زئی :۔ یہ اکو کی دوسری زوجہ کی اولاد ہے جس کا نام رانی تھا ۔ رانی سے اکو کے تین بیٹے سخا، اتمان اور حلیم تھے ۔ ان کی اولاد رانی زئی سے مشہور ہیں ۔ سخا بن اکو کے دو بیٹے سلطان خا خیل اور عثمانی خیل ہیں ۔ سلطان خاخیل مواضعات شکنی ، تونکان اور سیخ بند میں آباد ہیں ۔ عثمانی خیل ڈھیری اور جولا گرام میں آباد ہیں سلطان بن سخا (جس کی اولاد سلطان خاخیل سے مشہور ہیں) کے پانچ

بیٹے مردان خیل ، اسبارا خیل ، کری خیل دادی خیل اور اسماعیل خیل ہیں ۔ عثمانی بن مخا (جس کی اولاد عثمانی خیل سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اول لنڈا خیل دوم عزیز جس کی اولاد عزخیل سے مشہور ہیں ۔ اور سوم واڑہ عثمان ہیں ۔ اتمان بن اکو (جس کی اولاد اتمان زئی سے مشہور ہیں) کے پانچ بیٹے ملا حسین ، میر داد ، محمد ، مدے اور ابراہیم ہیں ۔ ملا حسین کی اولاد سین خیل سے مشہور ہیں ۔ اور اکثر اتمان‌زئی موضع بٹ خیلہ میں آباد ہیں ۔ ملا حسین اور اس کا بیٹا کوثر نامور اشخاص میں سے گزرے ہیں ۔ حلیم بن اکو کے تین بیٹے علی خیل ، بہرام خاخیل اور خوزہ خیل ہیں ۔ علی خیل مواضعات اللہ ڈھنڈ اور ڈھیرئی میں ، بہرام خاخیل موضع خار میں ، اور خوزہ خیل کچھ موضع امان درہ اور کچھ اللہ ڈھنڈ اور ڈھیرئی میں آباد ہیں ۔ علی خیل میں ملک کچے اور ملک شیر دل اور خوازہ خیل میں شیخ زنگی مشہور اشخاص گزرے ہیں رانی زئی کے جن سکولتی دیہاتوں کا ذکر ہوا ۔ یہ کوز سوات اور مالاکنڈ کے جانب شمال کو ہے ان کی ملکیت میں مالاکنڈ بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تپہ سم رانی زئی بھی انہی کا ملکیتی تپہ ہے جو مالاکنڈ سے جنوب میں شیر گڑھ کے قریب تک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے ۔ مشہور گاؤں ورتیر' دوبندئی درگئی خرکئی ، موسولی مینہ ، عثمانی خیل گڑھی ، کوٹ ، ٹوٹئی مینہ ہرچند ، خان گڑھی ، کچے ، کوہر ، مخاکوٹ وغیرہ ہیں ۔ یہاں یہ لوگ خود بوجہ بارانی علاقہ ہونے کے نہیں رہتے تھے بلکہ اس علاقہ میں انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو بسایا تھا اور انہوں نے تپہ ہذا سے مالکانہ حقوق حاصل کرتے تھے لیکن انگریز کی آمد پر اور عرصہ دراز گزرنے کے سبب یہاں قابض لوگ رہ گئے اور مالکان یعنی لسلا رانی زئی یہاں بہت ہی کم رہ گئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اور اس

وقت بھی یہ تپہ رانی زئی کے نام سے موسوم ہے ۔

(۲) موسیٰ بن یوسف

موسیٰ کا ایک بیٹا الیاس اور الیاس کے چار بیٹے ہیں اول سالار دوم ممی سوم لسو چہارم تاجے جس کی اولاد اس کے بیٹے گدائی کے نام سے مشہور ہے ۔

سالار زئی :- سالار بن الیاس (جس کی اولاد سالارزئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ایوب خیل ، سانی‌زئی اور سلی خیل ہیں ۔ اور سالار زئی کے مواضعات جوڑ ، بام‌پوخہ ، بازارگے ، کنکرلئی ، نان‌سیر گرارے ، کاٹ‌کلہ ، چڑئی ، لیکانڑئی اور کھوٹے میں آباد ہیں ۔ ان کے ساتھ حمایتی افغان قبائل ابتدا ہی سے رہتے ہیں جو راہو خیل ، بےسود کمبار ، دلو خیل اور لمغانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ان میں کرم علی ، ملک‌جوکے ، علی اصغر المعروف مصری خان ، شیخ کمبو ملا ابراہیم الیاس زئی (جس کا مزار موضع چینہ کے قبرستان میں ہے) (اور شیخ کمبو جس کا مزار سوات میں دریا کے شمال کی طرف موضع کوٹلی کے راستے پر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے) اور نواب امیر خان والیٔ ٹونک مشہور اور نامور اشخاص گزرے ہیں ۔ امیر خان کا شجرہ نسب یوں ہے نواب ' امیر خان بن حیات خان بن طالع خان بن کالی خان بن بابو خان بن مولا خان بن سید علی خان بن فتح خان بن خانان خان بن اللہ داد خان جن کے نام سے اللہ داد خیل مشہور ہے ۔

عائشہ زئی :- ممی کی زوجہ عائشہ کے نام سے اس کی اولاد عائشہ زئی سے یاد کی جاتی ہے ۔ اور ان کے چار بیٹے ہیں ۔ اباخیل ، خدین خیل ، موساڑہ خیل ، اور خاکی‌زئی ہیں ۔ جو مواضعات

توروسک ابلئی ، انغاپور بولیر میں آباد ہیں ۔

نســـو زئـــی :۔ نسو بن الیاس (جس کی اولاد نسو زئی سے مشہور ہیں) کے دو بیٹے مخوزئی اور پنجپاؤ ہیں ۔

مخوزئی کے تین بیٹے کابل خیل ، علی خیل اور ابا خیل ہیں یہ مواضعات پاندوڑیا اینور ، ھکولئی ، کوزپاؤ ، برجوکانڑے ، سربگ زئی سنگڑئی ، گمبت اور چوگا وغیرہ میں آباد ہیں ۔ اور ان کا مرکزی گاؤں چوگا ہے ۔

پنجپاؤ کے چھ بیٹے علی خوازہ خیل ، اکا خیل ، ملک دین خیل میروس خیل ، سین خیل اور حسن خیل ہیں ۔ یہ موضعات ڈگر ، پگڑا گوکنددرہ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ حسن خیل اصل میں موضع چوگا کے مخوزئی کی اولاد میں سے ہیں ۔ موضع چوگا میں حسن خان مخوزئی قبیلے کا ایک معزز ملک تھا لیکن پنجپاؤ کی اولاد کے ساتھ سربراہی ملنے اور آباد ہونے کی وجہ سے اسی کی اولاد تصور کیا گیا ۔ اور اس وقت بھی یہی خاندان قبیلہ پنجپاؤ میں معزز اور با اثر ہے ۔

گـــدائـــی زئـــی :۔ تاجے بن الیاس کا ایک بیٹا گدائی تھا جس کی اولاد گدائی زئی سے مشہور ہیں ۔ اس کے پانچ بیٹے حسن ، بہرام علی شیر ، حسین اور ابراہیم تھے ۔ جن کی اولاد بالترتیب حسن خیل بہرام خیل ، علی شیر خیل اور سین خیل سے مشہور ہیں ۔ پہلے چاروں کی اولاد مواضعات پاچا ، بائی ، کلاخیلہ ، سلطانوس ، غازی خانے بلوخان ، بھٹی ، ملک پور ، دوکڈہ ، نوربٹول علاقہ بولیر میں آباد ہیں پیر بابا کا مزار بھی اسی جگہ پر ہے ۔ گدائی کا پانچواں بیٹا ابرہیم کی اولاد ضلع بنوں میں آباد ہے ۔ جس کا مرکزی مقام موضع ھوریوالہ ہے ابراہیم کابل میں اپنے قبیلہ یوسفزئی سے جدا ہوکر کورمہ میں قیام پذیر ہوا تھا بعد میں اس کی اولاد بنوں میں منتقل ہوئی ۔ ابراہیم کا ایک

بیٹا حسن خان جس کی اولاد حسن خیل سے مشہور ہے۔ حسن خان کے دو بیٹے عمر خان اور سمل خان تھے۔ عمر خان کی اولاد عمر خیل کے نام سے اور سمل خان کی اولاد اس کے والد کے نام پر حسن خیل سے مشہور ہیں عمر خان (عمر خیل) کی اولاد میں مغل خان بن ظفر خان نامور شخص گزرا ہے اور اس کے نام پر اس کی اولاد مغل خیل سے مشہور ہیں۔ یہ زمانہ قدیم سے ضلع بنوں میں اونچا گھرانہ چلا آ رہا ہے ان میں جعفر خان نامی بھی ایک مشہور شخص گزرا ہے جس نے ایک عالی‌شان مسجد بنوں شہر میں بنوائی تھی اور وہ مسجد جعفر خان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ (اس خاندان کا شجرہ نسب ضلع بنوں کے سرکاری کاغذات مال میں اور نیز اس خاندان والوں سے بنوں اور ھوریوالہ میں ملاقات اور گفتگو کر کے تصدیق کر چکا ہوں اور اسی کے ساتھ میں شیر علی خان ولد میردل خان سورانی غوث امیر کلہ داخلی موضع حسنی علاقہ سورانی ضلع بنوں کا مشکور ہوں جس کے مدد سے مجھے کافی معلومات حاصل ہوئیں)۔

(۳) عیسوی بن یوسف

اس کی اولاد عیسیٰ زئی کے نام سے مشہور ہے اور اس کے تین بیٹے اکا، حسن اور یعقوب ہیں۔

اکا زئی :- اکا بن عیسیٰ (جس کی اولاد اکازئی سے مشہور ہیں) کے چار بیٹے برت خیل، عزیز خیل، تاسون خیل اور پائندہ خیل ہیں۔

حسن زئی :- حسن جس کی اولاد حسن زئی سے مشہور ہیں کے تین بیٹے اول مندو جس کی اولاد مندو خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ دوم کالا جس کی اولاد کلا خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ سوم کا کاخیل۔

سـنـدا خـیـل :۔ یعقوب بن عیسیٰ کا ایک بیٹا مدا ہے جس کی اولاد مندا خیل کے نام سے مشہور ہیں ۔ مدا کے پانچ کے بیٹے حسن خیل ، بازہ خیل ، بازید خیل ، موسیٰ خیل اور بوسعید خیل ہیں ۔ یہ سب اس علاقہ میں آباد ہیں جو قوم ڈوما سے حاصل کیا گیا تھا ۔ وہ علاقے اب ان کے اپنے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں جیسے تومہ حسن زئی - تہہ اکا زئی اور تہہ مدا خیل ۔ ان کی سرحد مشرق میں اگرہور اور تھنول سے ملتی ہے اور جنوب میں کوہ سیاہ ہنٹر کا علاقہ ہے ۔ ان کے شمال میں تہہ چغر زئی جو ملی زئی کی ذیلی شاخ ہے ، بھی سکونت پذیر ہے اور یہ لوگ دریائے سندھ کے آر پار مشرق کی طرف بڑھتے چلے گئے ہیں ۔ اکا زئی ۔ حسن زئی اور مدا خیل کا اپنا الگ الگ تقسیم ہے لیکن ان کا مشترک نام عیسی زئی ہے ۔ اور یہ اب تک ہمیشہ سے آزاد رہے ہیں اور ان کی آپس میں نظام، ارا کین جرگہ اور سر براہ کے شکل میں چند برس قبل تک قائم تھا جب سے یہ لوگ یہاں آباد ہوگئے تو ان کا پہلا سربراہ بالاتفاق ملک شہباز بن گیکیا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا مقام خان پھر اس کا بیٹا باور شاہ اس کے بعد اس کا بیٹا علی خان اس کے بعد اس کا بیٹا حسن علی اور اس کے بعد اس کا بیٹا قبول خان اور اس کے بعد اس کا بیٹا ملک امان خان اور اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی احمد علی خان ولد غلام خان اور اس کے بعد اس کا بھائی ہاشم علی خان تھا جس نے بڑا نام پیدا کیا تھا اور ان کے بیٹوں میں شیر علی خان اور سالار خان بھی قابل ذکر اور مشہور ہوگئے ۔ سالار خان زندہ ہے جو ایک بڑا عالم اور دانا شخص ہے ۔شیر علی خان فوت ہو چکا ہے اور اس کے دو بیٹے نعمت خان اور عالم زیب خان زندہ ہیں اس وقت بھی یہ گھرانہ معزز اور با اثر ہے ۔

سـاکـن حـسـن زئـی :۔ مواضعات سیرئی، سربڑ ، پلوسہ ،

قرنا ، بہو ، کنار ، نادرئی ، گڑھی ، نوبکلے ، رہل بوڑیان ، وغیرہ ہیں ان میں صاحبزدگان حسن زئی کنار شریف مشہور گھرانہ ہے ان کے جد امجد کا نام زیارت گل تھا وہ نسلاً افغان اور حسن زئی میں کلا خیل کے ذیلی شاخ نصرت خیل سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کی اولاد صاحب زادہ گان سے مشہور ہیں ۔ وہ اپنے وقت کے بڑے عالموں اور بزرگوں میں سے شمار ہوتا تھا ۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تحصیل علم سے فراغت کے بعد نام پیدا کیا تھا ۔ جن کے نام یہ ہیں عبدالعفو ، محمد نبی، احمد سعید ، محمد سعید جو سب نیک اور سمجھدار تھے ۔ ان مین بڑابھائی مشر صاحب سے مشہور تھے وہ اپنے والد کے مسند پر قائم رہے اور علاقہ میں مقبولیت حاصل کی ۔

ملاخیل ساکن رہل بوڑیاں :۔ قدیم سے یہ ایک مشہور علمی گھرانہ ہے ۔ ان کا جد اعلیٰ ملا الیاس نسلاً افغان اور قبیلہ ابا خیل عائشہ زئی الیاس زئی سے متعلق تھا اور اس وقت بھی ابا خیل عائشہ زئی میں ملا خیل مشہور شاخ ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آٹھ پشت قبل جس زمانہ میں عائشہ زئی مارتونگ کے علاقہ میں آباد تھے تو وہ موضع دیدل میں اس وقت اپنے گھر اور قبیلہ سے بغرض تعلیم جدا ہوکر مختلف علمی مدارج طے کرنے کے بعد حسن زیوں کی خواہش پر ان کے ہاں مقیم ہوگے وہ بڑا عالم اور بزرگ شخص تھا ان کی اولاد بھی اپنے والد اور دادا کے نقش پر صحیح چلے ۔ ملا الیاس ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوا تھا ان کا باپ اور دادا بھی علما' طبقہ سے تھے اور اس سبب ابتدا سے اب تک ابا خیل عائشہ زئی بونیر مین ملا خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ پہلے وقتوں میں افغان اکابرین کے لئے ملا ، شیخ ، پیر ، اخون ، میاں ، صاحبزادہ وغیرہ نام یوسف زئی کے معزز القاب اور خطابات تھے ۔

مسـاکـن منـدا خـیـل :- یہ ہیں مواضعات منجا کوٹ میرا ، کاروڑ ، ڈوبا ، شنئی ، ڈاڈم ، اہو ، چڑا کوٹ ، چوڑ ، سونیا ، ٹیٹے ، کوز کلے ، ار کلے ، کوٹ ، گواندلہ ، زیڑلرگے ، بدر ، گڑھی ، سلیمانے ، نیکڑا وغیرہ ۔ مندا خیل کے ساتھ قریش کے کئی خاندان بھی آباد ہیں ۔

مدو بن حسن اور مدا بن یعقوب دونوں نامور بزرگ گزرے ہیں اور کابل میں وہ یوسفزئی کے پیشوا تھے۔ انہوں نے کابل میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوگئے ۔ تذکرہ اخون درو یزہ میں ان کا ذکر ہوا ہے ۔

مسـاکـن اکازئـی :- مواضعات لدخوڑ ۔ بکیانہ ۔ لد تنـد ۔ دارو ۔ بیرن ۔ بمبل ۔ بلیانڑئی ۔ بکرئی وغیرہ ہیں ۔

(۴) ملی بن یوسف

ملی کی اولاد ملی‌زئی کے نام سے مشہور ہیں ۔ اور اس کی تین ذیلی شاخیں چغر زئی ، دولت زئی اور لوری زئی ہیں ۔

چـغـر زئـی :- چغر بن ملی کے دو بیٹے اول بختور جس کی اولاد اس کے بیٹے اسمٰعیل کے نام پر اسمعیل خیل سے مشہور ہیں ۔ دوم فیروزے جس کی اولاد اس کے بیٹے بہائی کے نام پر بہائی خیل سے مشہور ہیں ۔ بختور کا بیٹا اسمٰعیل کے چار بیٹے اول علی خوازہ (جس کی اولاد بسی خیل اور نصرت خیل سے مشہور ہیں) دوئم بہلول خیل سوئم خدے خیل اور چہارم مکی خیل ہیں ۔ فیروزے کا بیٹا بہائی کے چار بیٹے جونا خیل ، مدی خیل ، شغال خیل اور سنڈ خیل ہیں ۔ الغ بیگ شاہ کابل کے دوران محمود چغر زئی ان میں نامور شخص گزرا ہے ۔

مسـاکـن چـغـر زئـی :- چغر زئی کی حدود دیوالہ بابا

سے کچھ آگے جو بونیر کا مشرقی حصہ ہے ، سے شروع ہو کر مشرق کی طرف اباسین سے پار تک چلا گیا ہے - ان میں مشہور مواضعات بودال ، کلونو ، بوڑئی ، بشاڑہ ، بام ڈھیر ، شمنال ، ٹانکوڑہ ، گنبت ، مرادو ، ٹوپی ، سرقلعہ ، میراگئی ، بانی خانے ، فولادئی ، شنگڑہ ، چلندرئی ، بانی رو ، تیراج ، کس ، کوٹ ، راج کند ، بانڈہ ، ہشیم پور کوہی ، شیر علی ، ڈیلئی ، الاگرام ، تیتالان ، پشلوڑ ، منی خیل اور رہال وغیرہ ہیں ۔ ان کے ساتھ ایک اور حمایتی افغان قبیلہ عزیزوانی جو تقریباً اڑھائی ہزار گھرانوں پر مشتمل ہے ایک الگ علاقہ میں آباد ہیں ۔ ان کا گاؤں برتونی ہے ۔ ان کے ساتھ شمال کی جانب دریا کے کنارے خود قبیلہ چغر زئی مواضعات کابل گرام ۔ چودہا بہار ۔ دانکول ۔ راج بنسٹر ۔ دیدل ۔ کماچ اور نصف کوٹکی میں بھی آباد ہیں ۔

دولت زئی :۔ دولت بن ملی جس کی اولاد دولت‌زئی سے مشہور ہے ۔ اس کے تین بیٹے منڈے زئی ۔ برکا زئی اور اسمعیل زئی ہیں ۔ منڈے زئی کلہالی اور کیاڑی میں آباد ہیں ۔ برکا زئی مواضعات مثوانی اور باچکٹہ میں آباد ہیں ۔ اسمعیل زئی مواضعات امنور اور شال بانڈئی علاقہ بونیر میں آباد ہیں ۔ ان میں دادے ، سلیم خان ، سید جوکا ، ملک باما اور کاکو مشہور اشخاص گزرے ہیں ملک باما کی قبر موضع کلپانی میں ہے ۔ موضع کیاڑئی میں ونڈ باما اور ونڈ حافظ بابا مشہور ہیں ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ملک باما نے اس رقبہ کو حافظ افغان ڈیر بابے جو ملک باما کا قاضی تھا ، کے حوالہ کر دیا تھا اور نصف ملک باما کے پاس رہا تھا ۔ لہذا یہ اراضی اب تک دونوں مذکورہ ناموں سے مشہور ہے ۔ ملک متہ اور ملک کاکو کی قبریں بھی یہاں پر ہیں ۔ جو کالی مشہور ہیں ۔

لـوری زئـی :۔ لورے بن ملی (جس کی اولاد نوری زئی سے مشہور ہے) کے تین بیٹے علی شیر ، ابا اور ابسوڑے ہیں ۔ علی.شیر (جس کی اولاد علی شیر خیل سے مشہور ہے) کے چار بیٹے ارت خیل ، باہکر خیل ، کنزل خیل اور خماری خیل ہیں ۔ ارت خیل مواضعات ملا یوسف ، نوبکلے ، بانڈہ اور کچھ امبیلہ علاقہ چملہ بونیر میں آباد ہیں ۔ باہکر خیل مواضعات ڈھیرئی اور کچھ امبیلہ میں ۔ کنزل خیل مواضعات چناڑ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ خماری (جس کی اولاد خماری خیل سے مشہور ہے) جلال ، کے بیٹے کے چار بیٹے حمزہ خان زوجہ اول سے اور اسمعیل خان، خوشاب خان، امیر خان، زوجہ دوم سے ہیں۔ اولاد حمزہ خان ملندری اور ایک گھرانہ بامبوخہ میں آباد ہے ۔ اسمعیل خان کی اولاد ربکا میں اور خوشاب خان کی اولاد برکلے اور امیرخان چناڑ میں آباد ہیں ۔

ابـا زئـی ابـن لـوری زئـی :۔ ابا جس کی اولاد ابا زئی سے مشہور ہے ، ربکا میں آباد ہیں۔ ابسوڑے جس کی اولاد ابسوڑی زئی سے مشہور ہے ' کے دو بیٹے پنجپاؤ اور میرک ہیں ۔ پنجپاؤ کا ایک بیٹا مرگٹ (مرکت) ہے جس کی اولاد مرگٹ خیل سے مشہور ہے ۔ یہ لوگ مواضعات کڑپہ ملا یوسف ، لو بکلے میں آباد ہیں ۔

مرگٹ کے ایک اواسے کالو کی اولاد امبیلہ اور کنکوئی میں آباد ہے جو کالو خیل کے نام سے مشہور ہے ۔ میرک کے دو بیٹے میر اور پیر علی ہیں ۔ میر کی اولاد کو میرو خیل کہتے ہیں - اور یہ موضع چینہ بولیر میں آباد ہیں ۔ پیر علی کی اولاد کو پیرا خیل کہتے ہیں اور یہ لوگ ابازئی کے ساتھ موضع ربکا میں آباد ہیں - ان میں نامور اور قابل ذکر اشخاص مرکت ، میر اور پیر علی تھے ۔ سعداللہ المعروف سر تور فقیر ابازئی قبولہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ برت خیل میں غازی خان یوسفزئی سر براہ مملکت گزرے ہیں ۔ غازی خانے گاؤں انبی کے نام

پر موسوم ہے ۔ معظم خان نوری‌زئی سکنہ رپگا کا نام بھی قابل ذکر اشخاص میں شمار ہوتا ہے ۔

(۵) اوریا بن یوسف

اس کی اولاد کو بادی خیل کہتے ہیں ۔ اور یہ تعداد میں اس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ، ۔ اور یہ لوگ مواضعات منگ کے نزد شنکہ میں کچھ گھرانے اور موضع سپینے ابو اور وہاں کے گردو نواح میں چند گھرانے آباد ہیں ۔

(۶) منو بن منڈڑ

اس کے دو بیٹے عثمان اور اتمان ہیں ۔ عثمان کے دو بیٹے کمال اور امان ۔

کـمـال زئـی :۔ کمال بن عثمان (جس کی اولاد کمال‌زئی سے مشہور ہے) ۔ کا ایک بیٹا عنایت ہے جس کی تین بیویاں تھیں زوجہ اول مشروانی جس کی اولاد مشران‌زئی سے مشہور ہیں زوجہ دوم کشروانی جس کی اولاد کشران زئی سے مشہور ہیں ۔ زوجہ سوم سے اکا جس کی اولاد اکاخیل سے مشہور ہیں ۔ عنایت کے مشران زئی سے چار بیٹے اباخیل یوسی خیل ، موسیٰ خیل اور منیر (منی خیل) ہیں یہ سب طورو اور ساہار وغیرہ میں آباد ہیں ۔ عنایت کے کشران زئی سے تین بیٹے مغدود قاسم اور رستم ہیں ۔ جن کی اولاد علی الترتیب مغدود خیل قاسم خیل اور رستم خیل سے مشہور ہیں ان کی اولاد ہوتی اور مردان میں آباد ہیں ان کے علاوہ موضع ساہار میں کشمیریان ، اور ہوتیان ، کمبار

روالڑی اور پوتی میں مدوری اور شامت پور اور طورو میں کمار اور مندوری جو حمایتی انغان قبائل ہیں بھی رہتے ہیں ۔ موضع مایار میں اکاخیل کے علاوہ کمال زئی کے سدی خیل ، کرہ خیل ، آموخیل ، میاخانی صدیق خیل ، بھی آباد ہیں ۔ کمال زئی موضع سوراچملہ میں بھی آباد ہیں ۔

کمالزئی کے ساتھ (پیر خیل جو پیران سے مشہور ہیں اور پیر مدے بابوزئی یوسفزئی کی اولاد ہیں) انہی میں سے مردان میں مسمیان عالم شاہ ،محمدگل ، شکور ، پیرسہ کی اولاد مالکانہ (سیری) کی حیثیت سے آباد ہیں ۔ اور ان کے چند گھرانے گوجرگڑھی میں بھی آباد ہیں ۔

امـان زئـی :۔ امان بن عثمان جس کی اولاد امانزئی سے مشہور ہے کی دو بیویاں تھیں ۔ زوجہ اول سے دو بیٹے دولت اور حسام ہیں ۔ دونوں کی اولاد دولت‌زئی سے مشہور ہیں ۔ زوجہ دوم سے اسمعیل اسحاق اور اوربم ہیں ۔ ان تینوں کی اولاد بڑے بھائی اسمعیل کے نام اسمعیل زئی سے مشہور ہیں امانزئی تقریباً مشترکہ طور پر رہتے ہیں اور ان کے مرکزی گاؤں گڑھی امانزئی اور شہبازگڑہ ہیں ۔ گڑھی امانزئی البتہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ کا نام گڑھی دولت زئی اور دوسرے کا گڑھی اسمعیل زئی ہے ۔ ابتدا میں امانزئی کے کچھ خاندان سکی‌پور اور کنکرئی چملہ میں بھی آباد تھے بعد میں وہ ڈوما کے فتح شدہ علاقہ مہابنڑ کے شمال مشرق کی جانب چلے گئے اور وہاں آباد ہوگئے یہ علاقہ سورے اور پیتاؤ امانزئی سے مشہور ہے اس میں لگرئی ، شیرگڑہ ، شیرآباد ، ساکا ، چروڑئی ، منڈاؤ ، کوہڑئی ، کالی‌لاڑ ، بیکرا کہلہ ، لاڑہ ، فاریہ وغیرہ مشہور گاؤں ہیں ۔ اس کے علاوہ ضلع مردان میں مواضعات گمبت ، گیدڑ ، کہنڈرے ، گجرات ، بخشالے ، جونگڑے چملہ ھیرے ، لرشک ، بارو ، چارغلئے ، لنڈئی ، باریکاؤ ، کوشہ‌خٹ ، کھنڈا ، کمس چراگاہ ، پلو ، جلول ، حمزہ کوٹ ، نوان‌کلی ، خیرآباد ، چارگل ، گلباڑہ

اوسئی ، مجے ، جلال ، تاجا ، کوتربان ، سورکاوٹی ، الے ، لنڈے رستم اور بازار وغیرہ میں آباد ہیں ۔ ان میں مشہور خاندان قاضی خیلان پشاور بھی دولت زئی کے ذیلی شاخ سے متعلق ہیں ملا میرو ، میر جمال میرولیس ، میر بابو ، مصری خان ، جمون ملک ، کفور خان اور صاحب خان بھی نامور اشخاص گزرے ہیں ۔

امان‌زئی کے ساتھ بوق افغان بھی آباد ہیں ۔ جن کو تقسیم شیخ ملی میں امان زئی کے ساتھ حصہ ملا تھا ۔ یہاں ان کی دو شاخیں یعنی عمرخیل اور حسین خیل ہیں ۔ یہ لوگ مواضعات گنبت ، کنڈر ، چک تاجہ مجی اور گڑھی اسمعیل زئی میں مالکانہ (سیری کی) حیثیت سے آباد ہیں ۔

اتمان بن منو کے چار بیٹے زوجہ اول سے اکا ، کنا اور علی (جس کی اولاد علی زئی سے مشہور ہے) اور زوجہ دوم سے سدو (جس کی اولاد سدو زئی سے مشہور ہے ۔

اکا زئـــی :۔ اکا بن اتمان (جس کی اولاد اکازئی سے مشہور ہے کے تین بیٹے مسمیان سارنگ ، محمود اور چارسدہ ہیں ۔ سارنگ کی اولاد کو سارہ خیل ۔ محمود کے بیٹے ابرہم کی اولاد کو ابرہم زئی کہتے ہیں ۔ چارسدہ کے تین بیٹے پیرک زئی صاحبی خیل اور پائندہ خیل ہیں ۔ موجد تقسیم اراضی شیخ ملی ، پیرک کا بیٹا ہے ۔ حبیب خان شیخ ملی کا بھتیجا جو بہاکو خان کا وزیر تھا ۔ اسی قبیلے سے متعلق ہے ۔ اکا زئی موضع مینئی سالم کجھ ٹوپی اور باقی ہزارہ میں آباد ہیں ۔

کوٹھہ تخت ٹوپئی بازار دے
مینئی ڈیلے دَ اکا زئی اورسدو

شیخ ملی کا مزار مواضعات بلوگرام اور قمبر کے درمیان سوات میں پرانے راستے پر واقع ہے ۔

کـــنـــا زئـــی :۔ کنا بن اتمان (جس کی اولاد کنازئی سے

مشہور ہے) کے دو بیٹے ابابکر و سہ سدہ ہیں - ابابکر کے چار بیٹے اول موسیٰ (جس کی اولاد موسیٰ خیل سے مشہور ہیں) دوم محمد خان سوم غلام خان اور چہارم اخون سید ہے - سہ سدہ کے دو بیٹے سنا خیل اور بارہ خیل ہیں - ان کی اکثریت کوٹھہ ، بعض لوپی میں اور دریا پار ہزارہ میں بھی آباد ہیں - ان میں موسیٰ ولد ابابکر ملک احمد کے مشیر تھے - اور سوات میں موضع تھانہ کے مغرب میں بختہ کے مقام پر دفن ہیں -

علی زئی :- علی بن اتمان (جس کی اولاد علی زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے پنجپاؤ ، بوبا خیل اسمعیل خیل اور سمو خیل ہیں - پنجپاؤ کے دو بیٹے پائندہ اور عمر ہیں - بوبا خیل کے دو بیٹے ابراہیم خیل اور میکی خیل ہیں - اسمعیل خیل کے چار بیٹے سیدو خیل ، پائندو خیل زنگی خیل اور ہیرا خیل ہیں - سمو خیل (شمون خیل) کے دو بیٹے اسو خیل اور علی خیل ہیں - ان سے بے شمار شاخیں اور خاندان بنے ہیں - جو شجرہ ہائے نسب میں دکھائے گئے ہیں - علی زئی کی اکثریت موضع کوٹھہ ، کچھ ٹوپی اور مواضعات حضرو ، برہان ، اور باقی ہزارہ میں نیز ٹیکسلا تک آباد ہیں -

سدو زئی :- سدو بن اتمان (جس کی اولاد سدوزئی سے مشہور ہے) کی دو شاخیں جلوزئی اور دروزئی ہیں - جلوزئی کے دو بیٹے ابا اور عمر جن کی اولاد ابا خیل اور عمر خیل سے یاد کئے جاتے ہیں -

ابا خیل :- ابا (جس کی اولاد ابا خیل سے مشہور ہے) کے دو بیٹے نصرت اور دولت ہیں - نصرت کے پانچ بیٹے روسی خان سیفو ، دراپتی ، محب اللہ اور عبداللہ تھے - دولت کے چھ بیٹے سرسدہ کوزا ابراہیم ، موتی ، دینا خان ، قاسم اور محمد اسیم تھے - ان کی اولاد آپس میں نصرت اور دولت سے یاد کئے جاتے ہیں - اور ان کی اولاد

مواضعات پنج پیر ، کھلے ، شاہ منصور ، زیدہ ، کھنڈا ، انبار ، ہنڈ لاہور مشرق ، اربان ، ذکریا ، شیخ ، نبے ، ہوکا اور صلاح میں آباد ہیں ۔ ابا خیل کے تاجو خیل شاخ میں میر جان شاہ اور اس کا بیٹا بختے ۔ ملک خوئیداد اور اس کا بیٹا ملک بین خان اور نیز باہو بن سیفو بن نصرت نامور اشخاص گزرے ہیں ۔ بلڑ خیل میں لطاف خان ، بلند خان پسران ضابطہ خان اور خادی خان محمد امیر خان ، پسران محب‌اللہ خان ، اشرف خان ، بن لطاف خان اور اس کے تینوں بیٹے مقرب خان ، فتح خان اور ارسلا خان یکے بعد دیگرے بھی قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں ۔ جو ہر ایک اپنے وقت کا حکمران تصور ہوتا تھا ۔

عـمـر خـیـل :۔ عمر (جس کی اولاد عمر خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے محمد خان ، متی خان اور ہسو خیل ہیں ۔ ان کی اولاد مواضعات درہ ، کالا ، صوابی اور مانیری میں آباد ہیں ۔ ان میں میراحمد خان ولد محمد خان (جس کی اولاد میر خیل سے مشہور ہے) خان گجو کا مشیر تھا ۔ اور ملک ترکیال بن قمک جو مصری خان کا مشیر تھا نامور اشخاص تھے ۔ نجیب‌الدولہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا ۔ دیوانہ بابا جس کا اصلی نام جان خان بن مراد خان تھا بہت بڑے عالم اور شاعر تھے ۔ ان کا تخلص جان تھا ان کا تعلق بھی عمر خیل میں شیر داد خیل سے ہے ان کی زیارت کاپانڑی اور مثوانی (بونیر) کے درمیان ایک اونچی جگہ پر واقع ہے اور بہت مشہور ہے ان کا ایک قول ہے

" چہ خدائے لہ کہ ' جان دیوانہ بئے شہ کہ "

افغان قوم میں ایک ہوش بہا ضرب‌المثل کی حیثیت رکھتا ہے ۔

درو زئـی :۔ درو کے تین بیٹے بہزاد ، میراحمد اور خدو ہیں ۔ جو پہلے وقت میں دروزئی سے یاد کیے جاتے تھے ۔

بـہـزاد خـیـل :۔ بہزاد (جس کی اولاد بہزاد خیل سے

مشہور ہے) کے تین بیٹے ملک قرہ ، الکی اور علی ہیں - ملک قرہ (جس کی اولاد قرہ خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے جلوخیل ، گل محمد (گلاخیل) میرداد خیل ، یوسبی خیل ، خان گجو (سر براہ مملکت) اور مزید خیل ہیں - الکی لاولد ہے - علی (جس کی اولاد علی خیل سے مشہور ہے) کے تین بیٹے ولی‌داد خیل ، گوار خیل اور نبی خیل ہیں - اور بہزاد خیل مواضعات کلابٹ ، مناره ، یوسفی ، خزانه اور نصف سلیم خان اور کلان میں مالکان اور آباد ہیں - ملک قرہ ، الکی ، خان گجو اسمٰعیل اور مذید کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں تفصیل سے آ چکا ہے - خان گجو کی قبر صوابی اور ڈاگی کے درمیان ایک پہاڑی کے جنوبی دامن میں واقع ہے - بہزاد خیل کے ساتھ بطور ہمسایہ باکڑ قوم بھی رہتی ہے - موضع کلان میں ایک بزرگ عبدالغنی بن یوسبی کی زیارت ہے جو بہزاد خیل سے متعلق ہے -

میراحمد خیل :- میراحمد (جس کی اولاد میراحمدخیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے بابو خیل ، جانا خیل ، اکا خیل ، شاخان خیل اور بارا خیل ہیں - میراحمد خیل مواضعات مرغز ، ٹنکوئی ، کاڑ اور نصف سلیم خان میں آباد ہیں - ملک بارا خان اور اس کا بیٹا خوئیداد ، خان گجو کے یکے بعد دیگرے وزیر رہے تھے - مولانا محمد علی جوہر و شوکت علی بھی اسی بارا خان کی اولاد سے تھے - ان کے دادا حیات خان بن محمد خان مرغز سے روہیلکھنڈ (ہندوستان) گئے اور وہاں مقیم ہوگئے -

خدو خیل :- خدو (جس کی اولاد خدو خیل سے مشہور ہے) کے چھ بیٹے بام خیل ، قاسم خیل ، خواجہ ویس خیل ، موسیٰ خیل ، عثمان خیل اور لال‌خیل ہیں - ان میں سرگین لال خیل مشہور اشخاص میں سے تھا جس کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں ہو چکا ہے -

مشہور قائد یوسفزئی بہاکو خان اسی قبیلے خدو خیل کے ذیلی شاخ عثمان خیل سے متعلق تھا اور ان کا قبر علاقہ چملہ میں موضع کنکوئے کے جنوب مغرب قبرستان میں واقع اور مشہور ہے۔ اور ان میں ملک بام (جس کی اولاد بام خیل سے مشہور ہے) ایک بڑا بزرگ تھا ۔ اس کا مزار سوات بالا میں مٹہ کے مشرق ایک قبرستان میں ہے

قبیلہ خودو خیل مواضعات ، باجا اور بام خیل میں اور بقایا ڈاگی ، طوطالی ، خرغشتی ، خلی کلے ، چینگلئی ، سواوئی ، سرونے درکلئی ، دکاڑہ ، پنجتار ، لوگرام ، نیکڑے ، جنگدرہ ، تیہ خدو خیل میں قابض اور آباد ہیں اس کے علاوہ ان کے کچھ گھرانے علاقہ چملہ کے خانان ڈھیرئی ۔ مخرانئی اور کوزکلے وغیرہ میں بھی آباد ہیں ۔ ان میں مشہور اشخاص جو اپنے علاقہ میں ہر ایک اپنے اپنے وقت میں حکمران کا درجہ رکھتا تھا بالترتیب یہ ہیں ۔ زبن خان بن بہاکو خان پھر اس کا بیٹا محبت خان ، اس کا بیٹا رحمت خان ، اس کا بیٹا نامدار خان ، اس کا بیٹا الف خان ، اس کا بیٹا فتح خان اور آخر میں فتح خان کا بڑا بیٹا مقرب خان تھا جس پر اس خالدان کا سلسلہ امارت ختم ہوا ۔ ان میں سے نامدار خان کا بھائی ہمت خان علوم فارسی عربی میں ماہر اور مصنف تھا ۔ وہ ایک بڑا عالم گزرا ہے ۔ دینی مسائل پر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ میر باز خان بن انور شاہ بن نامدار خان اور اس کا بیٹا مبارس خان کا نام بھی قابل ذکر ہے ۔

خدو خیل نے مشترکہ طور پر اپنے حمایتی توخی افغان قبیلہ کو جنگدرہ میں آباد کیا تھا ۔ یہ لوگ اخون سالاک کے ساتھ آئے تھے ۔ اور قبیلہ باہنی اور سرکی افغان حمایتی قاسم خیل کے ساتھ رہتے ہیں ۔ اور یہاں کے علاوہ سرکی وغیرہ کے کچھ خالدان چھچھ اور دیر میں آباد ہیں

مقرب خان بن فتح خان کی قبر موضع باجا کے قبرستان میں ہے ۔

(ے) رزڑ بن منداڑ

رزڑ کے چار بیٹے مانے ، ملک قاسم ، اکو اور خوازے ہیں ۔

مانی زئی :- مانے (جس کی اولاد مانی زئی سے مشہور ہے) کے دو بیٹے بازید اور بہلول ہیں ۔ اور یہ لوگ مواضعات ڈاگئی ، ترکی رھکی ، ترلاندی ، ادینہ اور قرملی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ اس کے علاوہ کچھ کوکا علاقہ چملہ میں بھی آباد ہیں ۔ ان میں مشہور اشخاص میں سے ملک کالو خان کا نام قابل ذکر ہے ۔ ملک کالو خان سربراہ مملکت کی قبر ترلاندی اور چک لودہ کی سرحد پر کالو ڈھیر میں موجود ہے ۔

ملک زئی :- ملک قاسم (جس کی اولاد ملک زئی سے مشہور ہے) کے چار بیٹے تاج الدین (تازہ دین) یونس (یونس خیل) بادین خیل اور معروف خیل ہیں ۔ تازہ دین کے چھ بیٹے ملک سلطان شاہ ، بہرام ، خیرالدین ، ملک سلیمان شاہ (سلیمان خابابا) ھوسول اور نیکی خیل ہیں ۔ ملک سلطان شاہ کا بیٹا قائد یوسفزئی ملک احمد بھی اس قبیلے سے متعلق تھا ۔ ملک سلیمان شاہ (سلیمان خابابا) کے بیٹے طاؤس خان و شاہ منصور کا ذکر تواریخ حافظ رحمت خانی میں کیا گیا ہے ۔ جو بڑے نامور اشخاص تھے اور اس قبیلہ میں تاجک بن معروف بھی بہادر شخص گزرا ہے اور نیز غازی خان بن خان منداڑ ملک زئی جو جنگ شیخ تہور میں مرا تھا بہت نامور شخص تھا ۔ اس کے نام سے اب تک غازی کوٹ موسوم ہے ۔ جو یار حسین کے قریب جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہاں اس کی قلعہ اور رہائش تھی یہ

لوگ سواضعات یار حسین ، یعقوبے ، شیردرہ تحصیل صوابی میں مشترکہ طور پر آباد ہیں ۔ اور کچھ موضع چملہ میں بھی آباد ہیں ۔ انہوں نے موضع سوڈہر اولاد قیاس قوم سیالہ افغان کو بطور سیری دیا تھا ، اور غازی کوٹ میں بھی اپنے حمایتی آباد کئے تھے ۔ ملک احمد کے چار بیٹے اللہ داد ، میر داد ، کریم داد اور اسمعیل ہیں ۔ ملک احمد کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں کچھ اختلافات پیدا ہوگئے اور وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ان کی اولاد کے ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ حالانکہ شجرہ نسب میں ان دونوں ناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ تحقیقات کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی ۔ کہ موضع یار حسین میں ملک زئی کے ایک گروپ کا جرگہ کندے کریم داد خیل اور سلیمان خا کے درمیان پتھروں کے درمیانی احاطہ میں ہوا کرتا تھا ۔ یہ پتھر ابھی تک موجود ہیں ۔ اور ملک زئی کا دوسرا گروپ شکنی نالہ کے نزدیک جانب جنوب مغرب جس میں کندی بلاڑ خیل ابھی آباد ہیں ۔ جرگہ کیا کرتا تھا ۔ اس مقام کو اس وقت زیدہ ڈھیری کہا جاتا تھا ۔ اس مناسبت سے پہلے گروپ کا نام خاتو اور دوسرے کا زیدہ ہوا ۔ اور ان دو گروہوں کو خاتو خیل اور زیدہ خیل کے نام دئے گئے ۔ واضح رہے کہ انگریز کے آنے سے کچھ قبل اور پھر انگریز کے وقت میں ملک زئی کا ملک ، ویسہ اخون زادہ تھا ۔

اکــوخــیــل :- اکو بن رزڑ (جس کی اولاد اکو خیل سے بشہور ہے) کے دو بیٹے بابی اور منا تھے ۔ بابی کی اولاد بابی خیل سے اور منا کی اولاد منا خیل سے مشہور ہیں ۔ یہ لوگ اسماعیلہ ، دوبیان سڑہ چینہ ، بازارگے ، دولت ، میرالے اور چند گھرانے کوکا علاقہ چملہ میں آباد ہیں ۔ اکو خیل میں ابراہیم خان ولد لخکر خان بابی سکھوں

کے ساتھ جنگ میں معہ سو آدمیوں کے بمقام گیلا کنڈاؤ شہید ہوا تھا یہ مقام اسماعیلہ سے شمال کی جانب ہے ۔ اس کے بھائی اسمعیل خان نے سکھوں اور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا جس کے صلے میں انگریز نے اسے خان رزڑ کا خطاب دیا تھا اس کے مرنے کے بعد خادی خان کو رزڑ کا خان بنایا تھا ۔ والیان جوناگڑھ و مانا وادر بھی اس قبیلے اکو خیل کے بابی کے اولاد سے تعلق رکھتے ہیں ۔

خوزے بسن رزڑ :۔ اس کے تین بیٹے اوریا ، میرک اور ولی ہیں ۔ افغان جرگہ کے قانون کے مطابق کسی جرم کے تحت اسے تپہ رزڑ کی تقسیم میں حصہ داری سے محروم کر دیا گیا تھا ۔ چونکہ اکو کو اس سے پیار و محبت تھا اس لئے اکو نے اسے اپنے حصہ میں سے کچھ حصہ دیا اور وہ ان کے ساتھ موضع اسماعیلہ وغیرہ میں رہائش پزیر ہوئے

(۸) خضر بن منڈڑ

خضر (جس کی اولاد کو خضر زئی کہتے ہیں) کے چار بیٹے شمو زئی ، یوسف خیل ، عمر زئی اور گدائی خیل ہیں ۔ جو مواضعات کالو خان ، ڈیرا ھنڈ ، مدا خیلہ اور ڈوا میں آباد ہیں ۔ اور خاہل سنبٹی تخته بند ، نصف امان کوٹ کے مالک بھی ہیں ۔ موضع خلمل میں ان کے ہاں قبیلہ کٹلڑ آباد ہے ۔ اس گاؤں میں ان کو حصہ ملا تھا ۔ حمزہ ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی ۔ جسے انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام میں سید حسین میاں کو دیا تھا ۔ سید حسین میاں نے اورنگزیب مغل کے خلاف لنگر کوٹ کے جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے ۔ نیز قبیلہ خلجی افغان اور چند گھرانے اوان قوم کے بھی ان کے پاس موضع شوا میں آباد ہیں اور ان کو تقسیم میں حصہ ملا تھا ۔

جس پر وہ قابض ہیں ۔ اور دلازاک کے چند گھرانے بھی موضع کالوخان میں ان کے پاس آباد ہیں ۔

واضح ہو کہ خضر زئی کے علاوہ سید حسین سہان اور ان کے ساتھیوں کو قبیلہ مانی زئی نے موضع غلاماں ، قبیلہ امان‌زئی نے موضع جلال و تاجہ ، قبیلہ خدو خیل نے موضع نوگرام ، قبیلہ کمال زئی نے موضع محب بانڈہ اور قبیلہ اکو خیل نے موضع لذر بانڈہ بطور صلہ خدمات انعام میں دیے تھے ۔ خضر بن منڈؒ کی اولاد میں مشہور اشخاص رحیم داد ولد احمد بن منان شیخ فاضل جس کی اولاد موضع شوا میں شیخان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ۔ انند اور مشکار جنہوں نے سیداحمد شاہ کے ساتھ شمولیت کی تھی ۔ سب قابل ذکر اشخاص گزرے ہیں ۔ خضر زئی موضع اکارئی جملہ میں بھی مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں ۔ اور ان میں سے عمر زئی شاخ کے چند گھرانے چھچھ میں بھی آباد ہونا بیان کیا جاتا ہے ۔

(۹) محمود بن منڈؒ

محمود یا مامو (ماموں) (جس کی اولاد ماموزئی سے مشہور ہیں) کے تین بیٹے اکا ، بوبا اور بدین المعروف خانے کے ناموں سے ان کی اولاد بالترتیب اکا خیل ، بوبا خیل اور خانی خیل سے یاد کئے جاتے ہیں ۔

اکا خیل :۔ اکا بن محمود کے تین بیٹے نیک خیل مترک اور ولی خیل ہیں ۔ اور اولاد مترک کے علاوہ باقی دونوں خیل موضع اسوٹا میں رہتے ہیں ۔ موضع کانگو ڈھیر بھی ان کی ملکیت تھی مگر انہوں نے جہانگیر خان بلڑ خیل ساکن زیدہ کو انعام میں دیا تھا جس پر اس کی اولاد آباد ہیں ۔

بوبا خیل :۔ بوبا بن محمود کے چار بیٹے احمد خیل، علی شیر خیل ، قرہ خیل اور نکو خیل ہیں جو موضع شوخ جانا میں آباد ہیں اور موضع سپین کانی و احد خان بھی ان کی ملکیت ہے ۔ دونوں

جگہ میں تمناؤلی لوگ رہتے ہیں ۔

خــانــی خــیــل :۔ بدین المعروف خانے (جس کی اولاد خانی خیل سے مشہور ہے) کے پانچ بیٹے سدین وڑوکے ، خواجہ ویس ، خدر، (جس کی اولاد کو خدر خیل کہتے ہیں -) سدین لوگے، اور جان محمد، تھے۔ جان محمد کے تین بیٹے زوجہ اول سے سرگند زوجہ دوم سے خماری خیل اور شمشو خیل ہیں ۔ شمشو خیل کی ایک ذیلی شاخ شانور خیل بھی ہے جو نارنجی میں آباد ہے ۔ سرگند کے چار بیٹے ہیں ۔ زوجہ اول سے بابلی (بابا علی) حیدر ، سار خان اور زوجہ دوم سے کرم ۔ حیدرکا ایک بیٹا سید خان ہے ۔ جس کی اولاد سید خالی سے مشہور ہے ۔ سید خان اور سار خان کی اولاد کاغذات مال میں کندی بابا علی خیل کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں ۔ سار خان کی اولاد خشکہ کور سے نارنجی میں مشہور ہے ۔ کرم کی اولاد پہلے وقتوں میں کرم کور سے یاد کیے جاتے تھے مگر اب اس کے نواسوں (یعنی کاچو اور بہادر) کے ناموں سے کاچو خیل اور بہادر خیل یاد کئے جاتے ہیں ۔ خانی خیل نواں کلی اور نارنجی میں آباد ہیں ۔ اور ماموزئی مشترکہ طور پر چند خاندان موضع اکارلی چملہ میں بھی مالکانہ حیثیت سے رہتے ہیں ۔ ماموزئی کے تینوں ذیلی شاخوں سے چند گھرانے موضع شینکے علاقہ چھچھ میں بھی آباد ہوگئے تھے ۔ موضع منصبدار خانی خیل کی ملکیت تھی جسے انہوں نے اولاد میاں اللہ داد کو بطور صلہ خدمات ، انعام میں دیا تھا جو اورنگ زیب مغل کے خلاف جنگ لنگر کوٹ میں بونیر سے آ کر شامل ہوگئے تھے ۔ نصف موضع امان کوٹ ماموزئی کی مشترکہ ملکیت تھی ۔ اسی طرح وہ بھی سید حسین میاں کو انہوں نے بطور صلہ خدمات انعام دیا تھا۔ ماموزئی میں مشہور و نامور اشخاص ملک کدو بن مترک، ملک کاچو، ظریف، موزہ خان اور رحیم خان گزرے ہیں ۔ رحیم خان کے

متعلق کتاب حیات افغانی میں صفحہ ۱۶۹ پر درج ہے کہ " رحیم خان راست گو آدمی ہے " اور اسی طرح خوانین طورو نے اس کو دانشمند رزڑ سے یاد کیا کرتے ۔ راقم الحروف کا نسبی تعلق بھی اسی قبیلہ ماموزئی سے ہے ۔

تپہ رزڑ : جیسا کہ ہم نے یوسف اور منڈڑ کے سلسلہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ افغان قوم میں یہ ایک رسم تھی ۔ کہ چھوٹے بھائی یا بھتیجے کی اولاد بڑے بھائی یا چچا کے نام سے یاد ہوتی رہی بعینہ اس رسم کے مطابق رزڑ میں ماموزئی اور خضر زئی کی اولاد بھی بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم ہوئی ۔ چنانچہ انگریز کے بند و بست اراضیات ۱۸۷۰ء میں تپہ رزڑ کے جرگے کا ایک فیصلہ صوابی تحصیل میں محفوظ ہے جس کی نقل ہم یہاں درج کرتے ہیں ۔ بیان میں اس تپہ کو بڑے بھائی رزڑ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس سے ان کے شجرہ اور تقسیم اراضی اور خانگی رواداری کا بھی صحیح پتہ چلتا ہے ۔

چنانچہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

" درمیان ہم مالکان تپہ کے ذیل تپہ جات مندرجہ ماتحت برمانی زئی ، ملک زئی ، اکو خیل ، خضر زئی ، محمود زئی ، قطعہ وند تقسیم بوجہ رسمی ہو رہی ہے ۔ وجہ رسمی ہونے کی یہ ہے کہ رزڑ ، خضر ، محمود ، ہرسہ برادران یعنی مورثیان تھے ۔ تپہ کو سلسلہ وراثت کی رو سے بوجہ برابر مستحق تھے ۔ لیکن رزڑ کی وفات تک عمل بالا جما رہا تھا ۔ بعد فوتیدگی رزڑ کے خضر و محمود نے ہمراہ مسمیان ماٹے ملک (قاسم) اور اکو پسران رزڑ کے حسب رضامندی پانچ جگہ پر حصہ مساوی تقسیم کرلی ۔ طوزے ولد رزڑ کو تقسیم میں حصہ نہیں ملا تھا ۔ اکو نے اپنی خوشی سے اس کو اپنے حصہ میں شریک کر لیا تھا ۔

شیخ ملی

کتاب کے متن اور حواشی میں شیخ ملی کا ذکر بار بار آیا ہے لیکن ان کے تعارف کا مناسب موقع ابھی تک نہ آیا تھا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے خاتمے سے پہلے مختصر طور پر یوسف زئی کی اس شخصیت کا تعارف بھی کرا دیا جائے*۔

شیخ ملی موجد تقسیم اراضی ان ایر ک ابن چارسدہ، یوسف زئی کی

---

* تاریخ پشاور مؤلفہ گوپال داس ١٨٧٠ء کے فصل سوم از صفحہ ٣١٠ تا ٣٢٧ میں درج ہے کہ آخر کار خرد بون ابن مڑہ بن کی گیارویں پشت میں قبیلہ اکا زئی سے ایک شخص شیخ ملی نام پیدا ہوا یہ شخص اپنے وقت میں سر گروہ قوم اور معاملہ فہم تھا مردمان قوم افغان کو اس کے اقوال و افعال پسندیدہ معلوم ہوتے تھے اکثر لوگ اس کی اطاعت سے روگرداں نہ تھے قوم افغان کے خواص و عوام ہمیشہ اپنے گھریلو تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرتے اور فیصلہ جات میں اس کے حکم کو حکم حاکم عادل جانتے۔ اس نے املاک اراضی تقسیم کیا۔ اراضی چھ قطعہ پر بانٹا تعین حدود کے بعد ہر ایک قطع ہر ایک قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ ہر شش قطعات چھ نام سے موسوم و مشہور ہوگئے۔ ملک یوسف زئی، ملک محمد زئی، ملک گ.گیانی، ملک داؤد زئی، ملک خلیل، ملک مہمند، اور اسی طرح سے اقوام مذکور قابض قطعات مسطور ہیں البتہ تپہ خالصہ اس وقت شامل ملک مہمند تھی اور اب بقبضہ اقوام مختلف غیر افغان ہے عرصہ دراز سے قوم مہمند یعنی اصلی مالکان، اس زمین کو چھوڑ کر کوہستان میں خارج از ضلع ہذا، مقیم ہوگئے۔ چونکہ وہ زمین مقبوضہ سرکار (مہل) تھی، خالصہ نام رکھا گیا۔ تقسیم شیخ مذکور اس قدر معتبر اور مشہور ہے کہ اب تک ہر شش پرگنہ مذکور میں ہر ایک مالک زمین، مملوکہ جدی کو، بنام دفتر شیخ ملی یاد میں لاتا ہے اور افغانان بپاس سنت شیخ ملی عامل ہیں'

ذیلی شاخ اکا زئی اتمان منڈڑ سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کی اولاد اور خاندان والے اس وقت مواضعات ٹوپی ، مینی ، کوٹھہ ، تحصیل صوابی ضلع مردان اور ضلع ہزارہ میں آباد ہیں ۔ آثار سے ظاہر ہے کہ ابتدائی تقسیم میں یہ لوگ علاقہ سوات میں آباد تھے ۔ خصوصاً شیخ ملی اور ان کا قبیلہ اکا زئی موضع غالیگی میں رہائش پذیر تھا ۔ شیخ ملی نے غالیگی میں وفات پائی اور اراکین جرگہ کے مشورے اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر سوات کے عین درمیانی حصہ میں دفن کئے گئے ۔

شیخ ملی تقسیم اراضیات میں کامل مہارت رکھنے کے علاوہ ایک سیاسی مدبر و منتظم اور قابل جرنیل تھے وہ ایک اچھے شاعر، بلند پایہ ادیب اور مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں دو کتابوں کا پتہ چلا ہے ۔ یہ دونوں کتابیں پشتو (پختو) زبان میں لکھی گئی تھیں جس میں سے ایک کتاب نثر میں اور دوسری نظم کی صورت میں بیان کی جاتی ہے ۔ دونوں کتابوں کا ایک ہی نام "فتح سوات" ہے ۔ یہ تاریخ کی کتابیں ہیں ۔ چنانچہ اس بارے میں امین اللہ خان زمرلانی سالنامہ کابل مطبوعہ کابل ۱۹۳۳ء (صفحہ ۲۹۹) میں پشتو زبان میں لکھتا ہے کہ

شیخ مالی یوسف زے' چہ د تاریخ د صوات د فتح لے یو نظم سره لیکلے دے او پخپلہ شیخ مالی رئیس د خپل قوم وه او دا فتح هم ده پخپلہ کړیده ۔ دا اولین کتاب د پښتو دے چہ موجود دے ، تر دے وړاندے چہ لیکل یا آثار د پښتو د چاولاس ته نه دی راغلی۔ دا کتاب یه کتاب خانہ کبنی (برلش میوزیم) د لندن موجود دے "

ترجمہ ۔ شیخ ملی یوسف زئی جس نے "فتح سوات" نامی ایک تاریخی کتاب نظم کی شکل میں لکھی ہے چونکہ شیخ ملی اپنی قوم کا رئیس تھا اور سوات کا علاقہ انہوں نے خود فتح کیا تھا ۔ پشتو (پختو) زبان کی یہ اولین کتاب ہے اس کے سوا پشتو کی تحریر یا آثار، اس سے قبل کا کسی

کے ہاتھ نہیں آیا ہے - یہ کتاب برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے -

عبدالسلام خان عمر خیل یوسف زئی مصنف نسب افاغنہ اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتا ہے کہ

" پشتو زبان میں پہلی کتاب نثر " فتح سوات " شیخ ملی نے تصنیف کی "

اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتا ہے کہ

" تصنیف شیخ ملی میری ذاتی انتخاب (یعنی میری لائبریری) میں درج (یعنی موجود) ہے "

یہ کتاب ابھی تک میرے ہاتھ نہیں آئی - برٹش میوزیم لندن سے حصول کی کوشش کر رہا ہوں اور بعض دوستوں سے بھی اس کے لئے کہا ہے اگر یہ کتاب تواریخ حافظ رحمت خانی کے دوسرے اڈیشن کی اشاعت سے پہلے دستیاب ہوگئی تو اس سے استفادہ کیا جائے گا - ممکن ہے یوسف زئی کے حالات میں اور شیخ ملی کی زندگی اور خدمات پر اس سے روشنی پڑے - نیز اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اصل متن بھی چھاپ دیا جائے گا -

مرحوم شیخ ملی کی ہستی اظہر من الشمس ہے - انہوں نے آج سے سینکڑوں برس پیشتر اپنے دور قیادت میں جو کارنامے انجام دئے ہیں - پختون قوم اور خصوصاً یوسف زئی قبیلہ کا بچہ بچہ رہتی دنیا تک اسے فراموش نہیں کر سکتا - موصوف کے حسن تدبر اور فراست کی وجہ دیگر امورات کے علاوہ تقسیم اراضیات کا مسئلہ اس خوش اسلوبی سے طے کیا گیا - کہ آج تک کوئی بھی اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا - بلکہ اسے ایک دوامی بند و بست کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - اور بوقت تقسیم اراضی ہر پختون کے لب پر مرحوم موصوف کے نام ہوتا ہے -

جب قوم افغان یعنی یوسف زئی ، گگیانی ، محمد زئی ، داؤد زئی ، خلیل ، مہمند ، علاقہ پشاور میں آکر اباد ہوئے تو ان کے درمیان میں

اراضی منقسم نہیں تھی اور نہ حصص معین تھے لہذا آپس میں فتنہ و فساد برپا ہونے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا تو شیخ ملی نے قوم افغان مذکورہ کے مختلف فرقوں، خیلوں کے درمیان ویش یعنی تقسیم اراضی کا مشکل مسئلہ ایسے اصول پر حل کیا کہ آج تک اسی اصول پر فیصلہ جات اراضی ہوتے رہتے ہیں ۔ اس موجد نے حیثیت اراضی کو نہیں دیکھا بلکہ ہر ایک خاندان اور قبیلہ کی تعداد کا لحاظ رکھ کر ایسے حصے مقرر کئے کہ قبائل کی نقل مکانی کے باوجود بھی ان حصص میں فرق نہیں آتا ۔ ایسی بنا پر دوامی بندوبست کردیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں اٹھتا ۔ اس وجہ سے شیخ ملی کا نام افغانی قبائل میں ہمیشہ کے لئے نمایاں رہے گا ۔

ایک ایسے محسن کی گمنامی ساری قوم کے لئے باعث افسوس ہے ۔ مناسب ہے کہ ہم سب ان کے مزار کی قدر اور حفاظت کریں ۔ تا کہ آئندہ نسل اپنے ابا و اجداد کے زرین کارناموں سے درس عبرت حاصل کرے اور اُن کا نام صفحۂ ہستی پر روشن رہے ۔

پرون د ټول خپلې سردار وے
نن د جلات په خاوره پروت مسافره

حرف آخر اس وقت جب کہ تواریخ حافظ رحمت خانی کے حواشی کے آخری صفحات بھی پریس کے حوالے کر دئے گئے ہیں ۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور طباعت کی اغلاط کے بارے میں اپنا عذر بھی آپ کی خدمت میں پیش کردوں ۔

میری مادری زبان پشتو ہے ۔ اردو نہ تو میری مادری زبان ہے نہ میں نے اس کی باقاعدہ تحصیل کی ہے اور لکھنے کی مشق تو ان حواشی کی تالیف سے پہلے بالکل نہ تھی ۔ اس کے علاوہ یہاں میری ساری توجہ زبان کی درستگی اور عبارت آرائی کی بجائے صرف تاریخ کے

بیان اور حقیقت کی ترجمانی پر مرکوز رہی ہے۔ اس لئے اگر آپ اس کی زبان میں تذکیر و تانیث یا واحد و جمع یا الفاظ کے تقدم و تاخر اور تراکیب میں غلطیاں پائیں تو یہ بات قرین قیاس ہے۔

دوسرا عذر طباعت کی صحت کے بارے میں ہے۔ ہر چند کوشش کی کہ کتاب طباعت کی اغلاط سے پاک ہو لیکن یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کئی مقامات پر نظر چوک گئی اور الفاظ غلط چھپ گئے۔ اگرچہ کوئی غلطی سنین یا اسماء میں نہیں ہے اور طبیعت کو اطمینان ہے کہ تاریخی واقعات کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوگی لیکن خوشی اور خواہش یہی تھی کہ معمولی غلطی بھی نہ ہوتی تو اچھا تھا افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ نہ صرف زبان و بیان کی اغلاط و تسامحات کے سلسلے میں بلکہ طباعت کی اغلاط کے سلسلے میں بھی آپ سے معذرت کروں۔ امید ہے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے درگزر فرمائیں گے۔ العذرعند الکرام مقبولٌ۔

جو غلطیاں ہیں وہ ایسی نہیں کہ ان کی تصحیح کے لئے غلط نامہ لگانے کی ضرورت ہو۔ یہ کتاب عام قارئین کے لئے نہیں بلکہ تاریخ کے طالب علموں اور اس کا خاص ذوق رکھنے والوں کی دلچسپی کی چیز ہے اور امید ہے وہ ان اغلاط کی درستگی فرمالیں گے۔

دوسرے ایڈیشن میں انشاءاللہ یہ غلطیاں بھی نہ ہوں گی اس لئے کہ اس کے جو پرچے محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ ان میں ان اغلاط کی درستگی کر دی جائے گی۔ اور مزید غلطیاں پیدا ہونے کا امکان نہ ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ دو سال کی گردش قلم نے آج اپنی منزل کو پا لیا۔ خدا میری اس محنت کو حسن قبول کی دولت سے نوازے۔

آمین یا رب العالمین (روشن خان)

ملا میرو (پیرخیل) دولت زئی امازئے از صد ۲۸

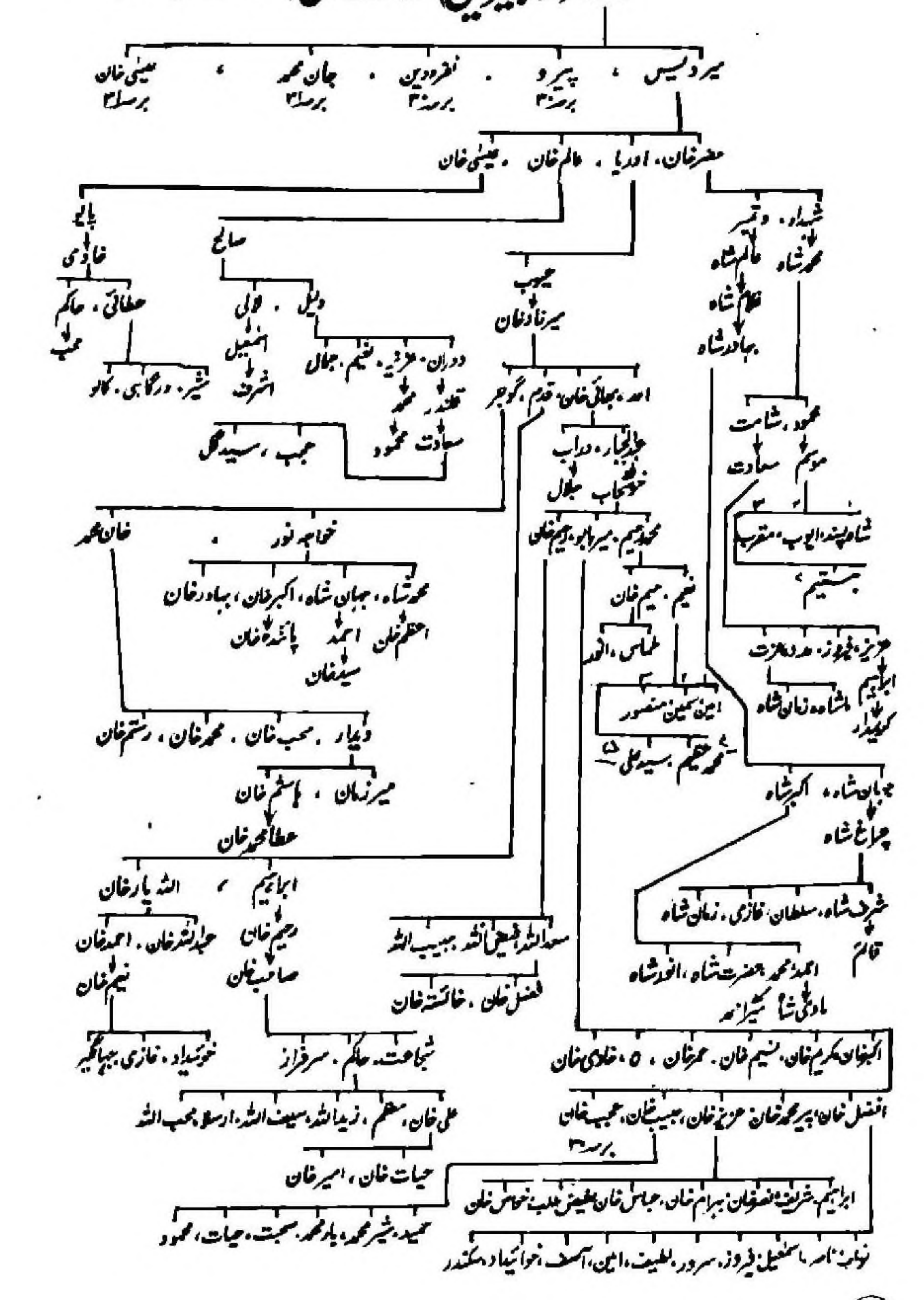

پیر و لسپر ملا میرو (پیرخیل) دولت زئی اماں زئی از ص ۲۹ ۷۰۶

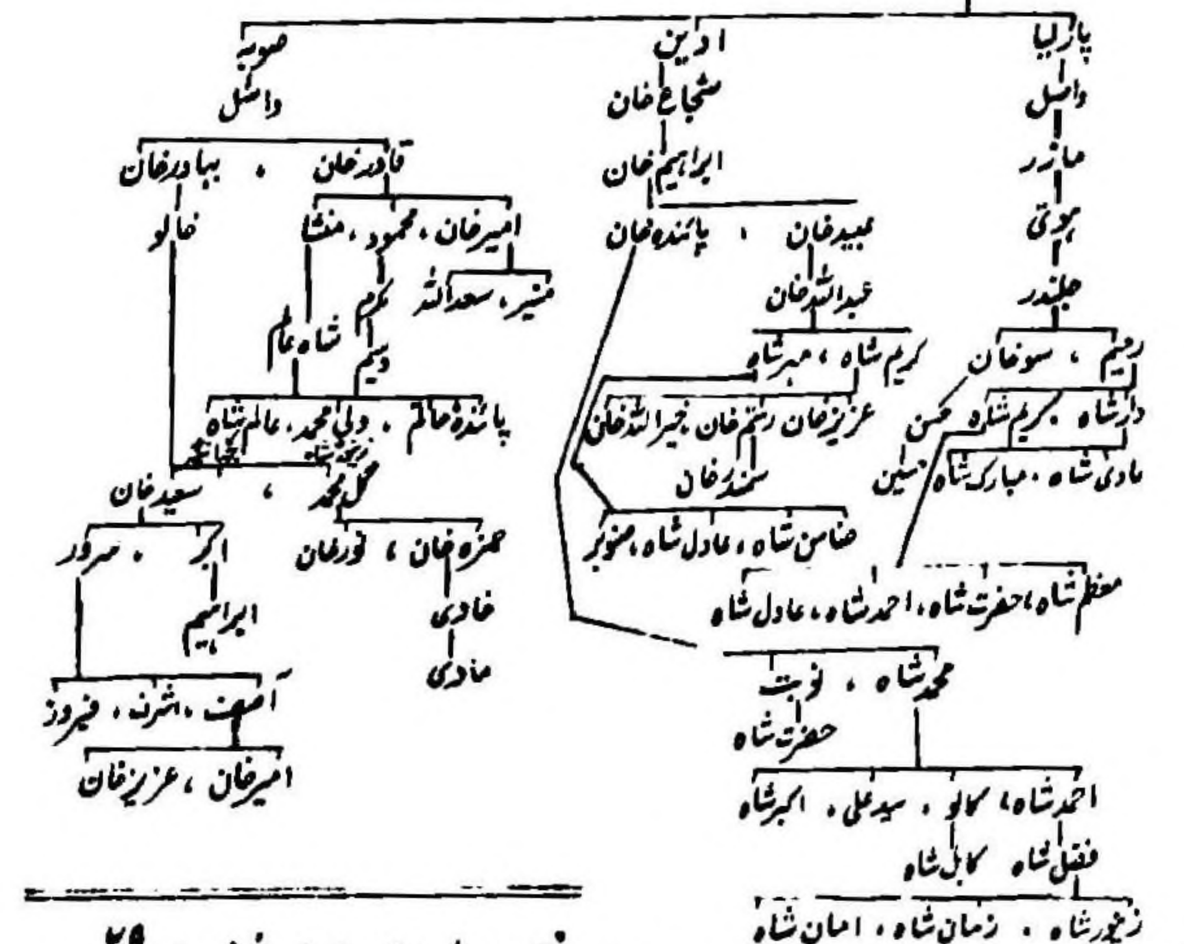

نقره دین پسر ملا میرو (پیرخیل) از ص ۲۹

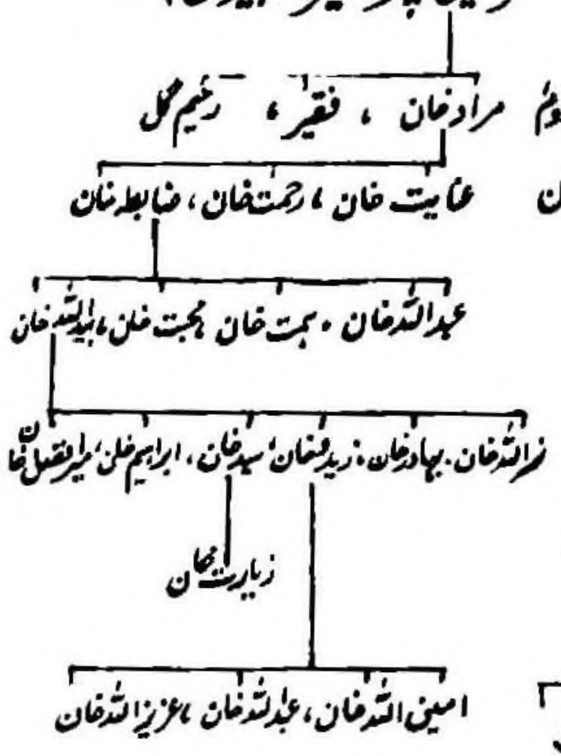

عجب خان ولد میر بابو میر پس خیل پیرخیل اماں زئی از ص ۲۹

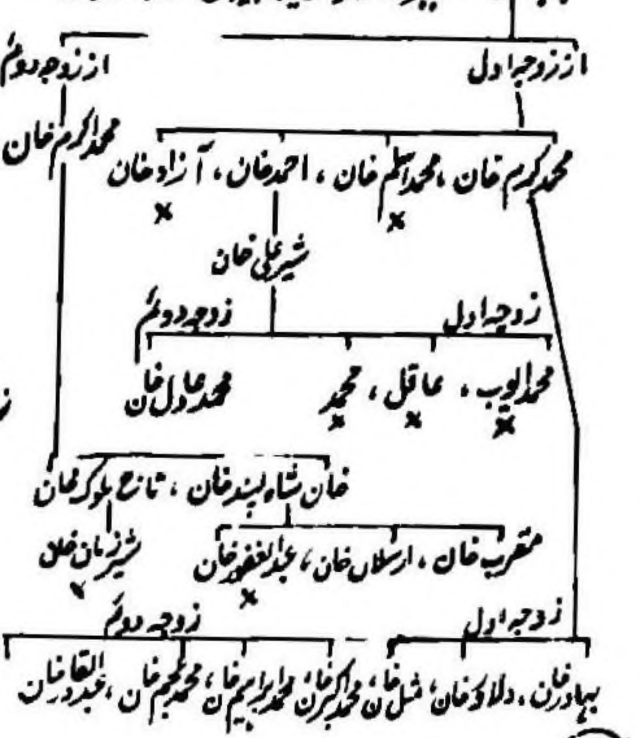

جان محمد (جانو خیل) پسر ملا میرو (پیر خیل) دولت نئے ص۲۹ ۲۰۷

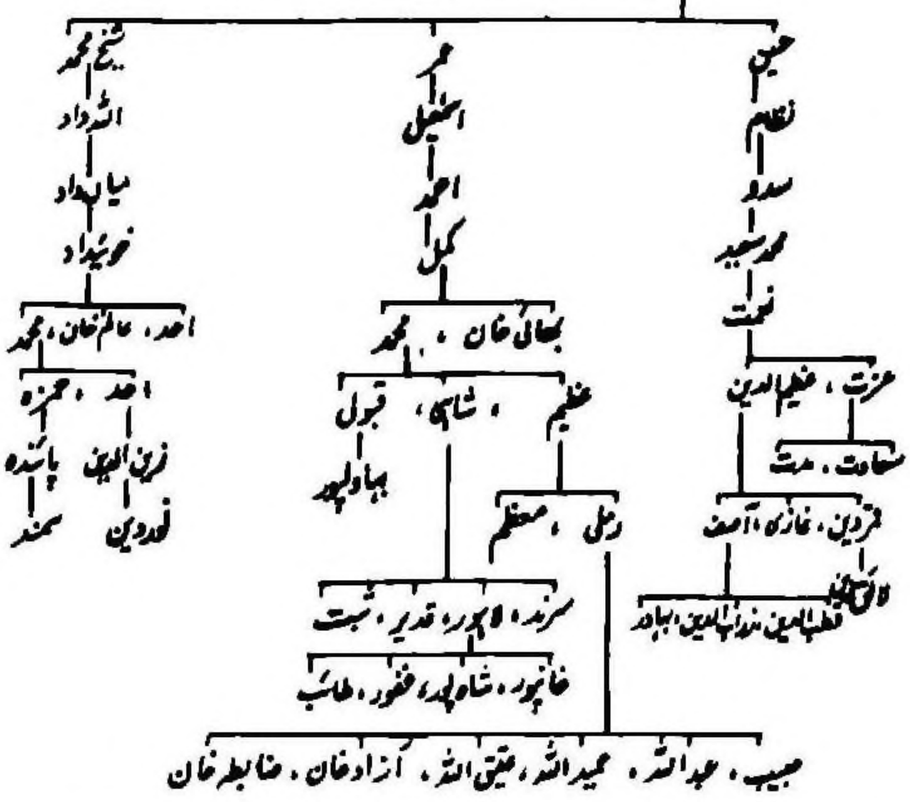

عیسیٰ خان پسر ملا میرو (پیر خیل) دولت نئے از ص۲۹

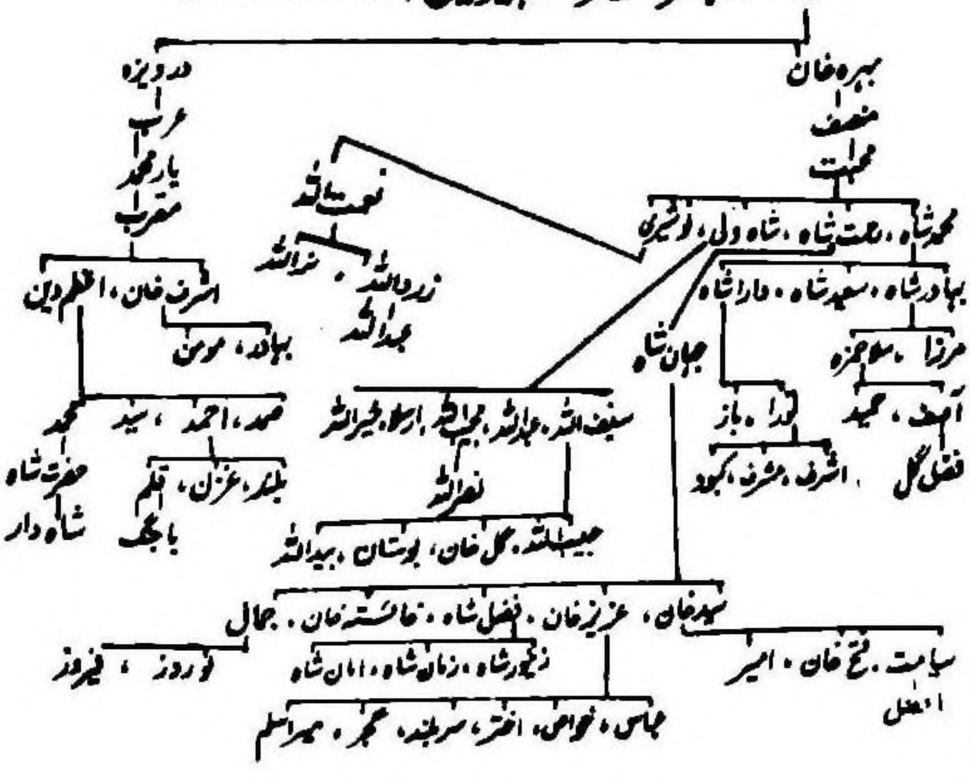

اتمان بن منو (مندڑ) از صٹ ۲۳

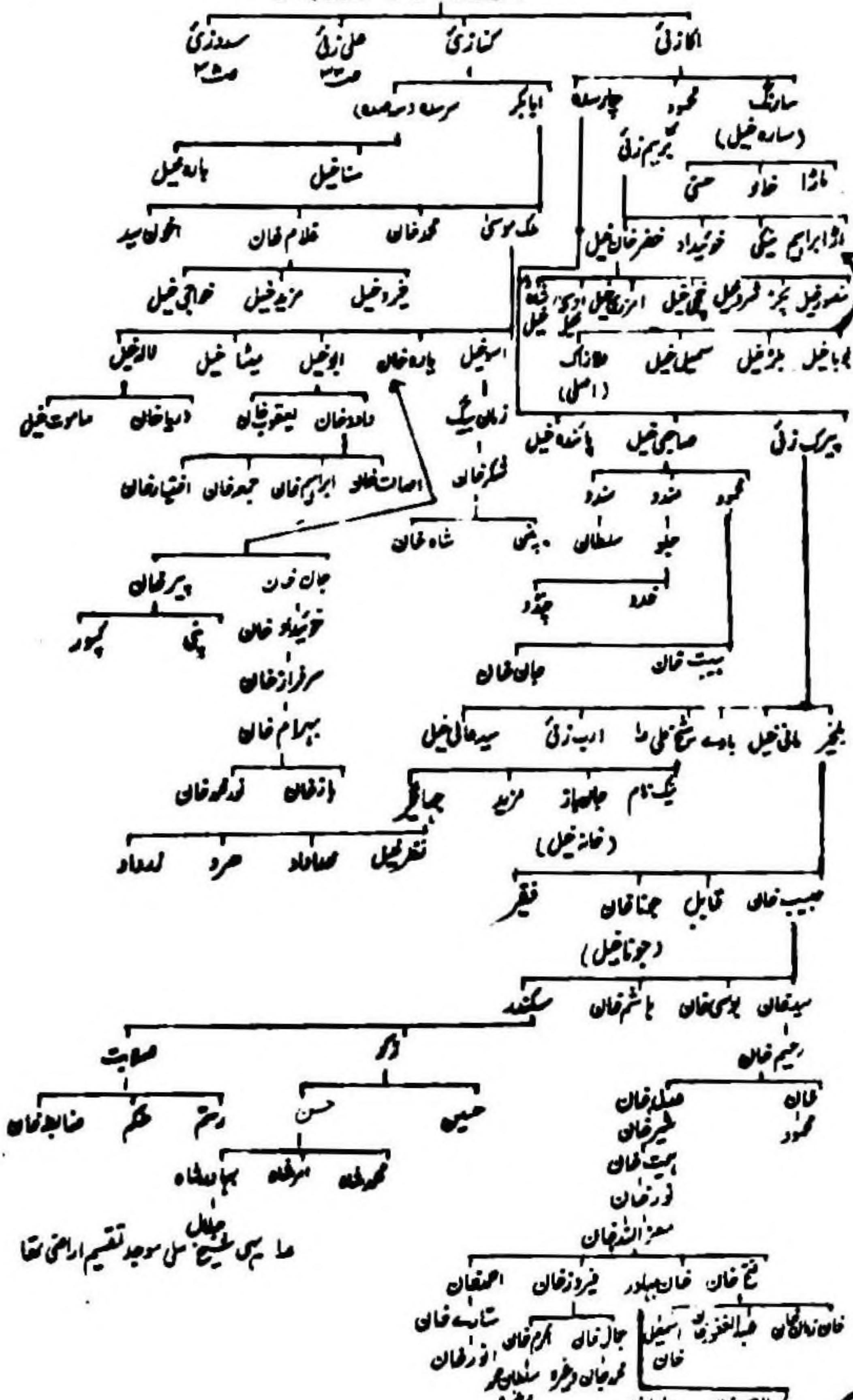

علاقہ میں شیخ جلال سلسلہ موجود تقسیم اراضی تھا

علی زئی (اتمان زئی) از صد۳۲

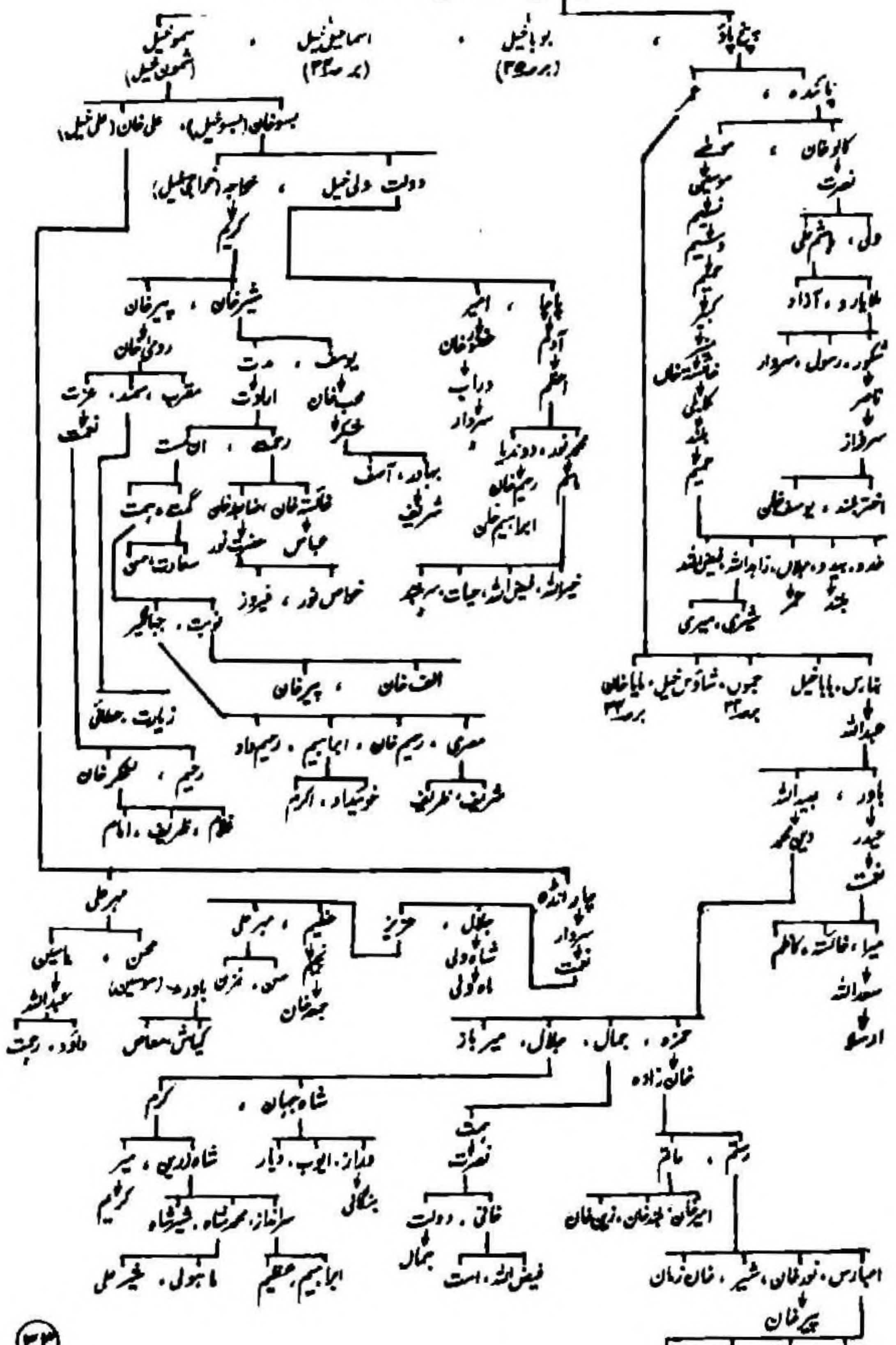

اسمٰعیل خیل علی زئی (اتمان زئی) از صـ ۳۳

- سیدا خان (سید خیل)، پائند خیل، زنگی خان (زنگی خیل)، پیر خان (پیر خیل)
- پائند خیل: الیاس، نظام
- سیدا خان: جوگی، موبین، دریا خان
- جوگی: اولیاء دین — طاہر خان (زنا خیل) — شامت علی، مثال خان، تاج خان
- نعمت اللہ، ہمت — دولت — جلال، صفت، ابراہیم
- عباس، امیر اللہ — سمند خان، بلند علی — امیر خان
- رحمت خان، خان بہادر — فتح خان، ایاز خان — سرگند — آصف، خریف
- ظفر خان، مہلک شاہ، مقرب خان، انجم خان
- (معرفت علی خان نزد زیارت)
- ابراہیم، ولایت، نامدار
- نجو، ہمت، نسیم — نما اللہ، زرغون
- نعمت — شاہباز — حیات
- محمد خان، لطف علی
- شرف — کمال — عنایت خان — زیارت — نعمت، فضل، رحیم — صاحب خان — شاہ منصور — گوہر، سعادت
- سہیل — یوسف، احمد شاہ — رحمت — حکمت، حرمت، صفت — خلیل، فتح اللہ — کمال، ایام، شبیر — بہادر، نواب، عزیز، حسن
- زنگی خان: بابا علی، جمیع — چنگیز — قرعلی، مردان
- یوسف — خانی — زیارت — مہر احمد، سید میر، سید علی، امیر علی
- یعقوب — شیر خان — صاحب خان — احمد زمان، حسین
- پیر خان: ظریف، مردان، سرگند، ہارون — خلیل — محمد — ابراہیم، معزاللہ، حیات — خاوی — نامدار، عزیز خان — شہباز — خائستہ خان

جمول ولد عمر بن پاؤ علی زئی از صـ ۳۳

- دولت خان، صالح محمد
- دولت خان — ریحان — محمد — اعظم، بنگالی
- اعظم — کاظم
- بنگالی — احمد، مقرب

مایال ولد عمر بن پاؤ علی زئی از صـ ۳۳

- خداداد، جلندر
- جلندر — حکیم — منعم
- خداداد — عالم — مالک — کرم، زینون
- کرم — معزاللہ، نازن
- نازن — بلند — عالم خان
- زینون — لطافت، نواب
- لطافت — امیر، جلال

بوباخیل علی زئے اتمان زئے از صد ۳۳

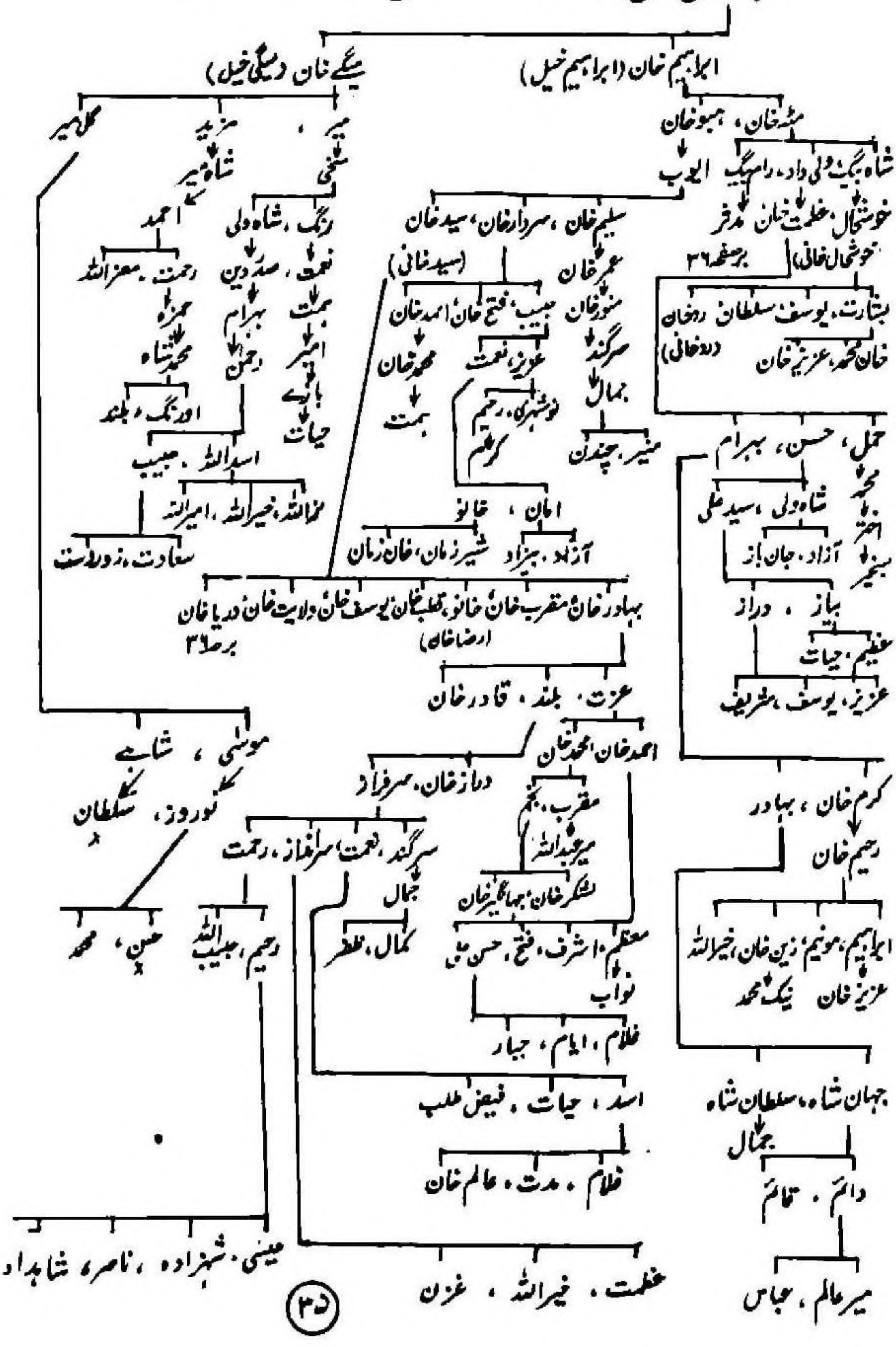

مدثر بن رام بیگ بوباخیل علی زئی اتمان زئی از حصہ ۲۵

سید علی ، گل ، دولا خان

ناصر ، احمد ، حمند ، غلام خان

خادی ، نجیم ، سلام ، اکرم ، زمان

کمال ، تاشی ، جلو ، ابراہیم ، فقیر ، منیر

فضل ، بہادر ، خلیل ، عجب ، چندن ، حیات ، کرم

خلیل خان ، احمد خان ، روخان ، اول خان

دریا خان بن سید خان (سید خانی) بوباخیل علی زئی اتمان زئی از حصہ ۲۵

میرباز خان ، شہباز ، حمزہ خان ، عمر خان ، اٹل خان ، عاقل خان ، تاج خان ، اگر خان ، اعتبار خان ، بہرام خان ، اختیار خان

عباس خان ، سعد اللہ خان ، ابراہیم خان ، افضل ، عزیز ، احمد خان ، محب خان

صاحب خان ، نور خان

محمد زمان ، معواز خان ، ارسلا خان ، عنایت خان ، فضل ، حیات ، ریحان ، جہان خان

حید خان

فتح خان ، میرزمان خان ، قلندر خان ، عبد اللہ خان

معظم ، اختیار ، حمید اللہ ، فیض اللہ ، علی اکبر خان ، معز اللہ خان ، کرم شان

تاج محمد خان

کالو خان ، ولایت خان ، کفایت خان ، سیف اللہ ، اکبر علی ، خانی ، زمان خان ، علی بہادر خان ، دوست محمد خان ، فیض محمد خان

اشرف خان ، احمد خان ، غفور خان ، ظفر خان ، شکر خان ، جہانگیر خان

محمد امان خان ، پیر محمد خان ، محمد حسین خان ، شیر محمد خان ، خواص خان ، ناصر خان ، محمد سرور خان ، محمد اسلم خان ، محمد یوسف خان

محمد زمان خان ، مہدی زمان خان

فخر الزمان خان ، حبیب الرحمن خان

مدت (می خیل) دولت زئی امان زئی مندڑ از ص۲۸

شجرہ قاضی خیلان ساکنانِ پشاور اولادِ مدت (می خیل) یوسف زئی

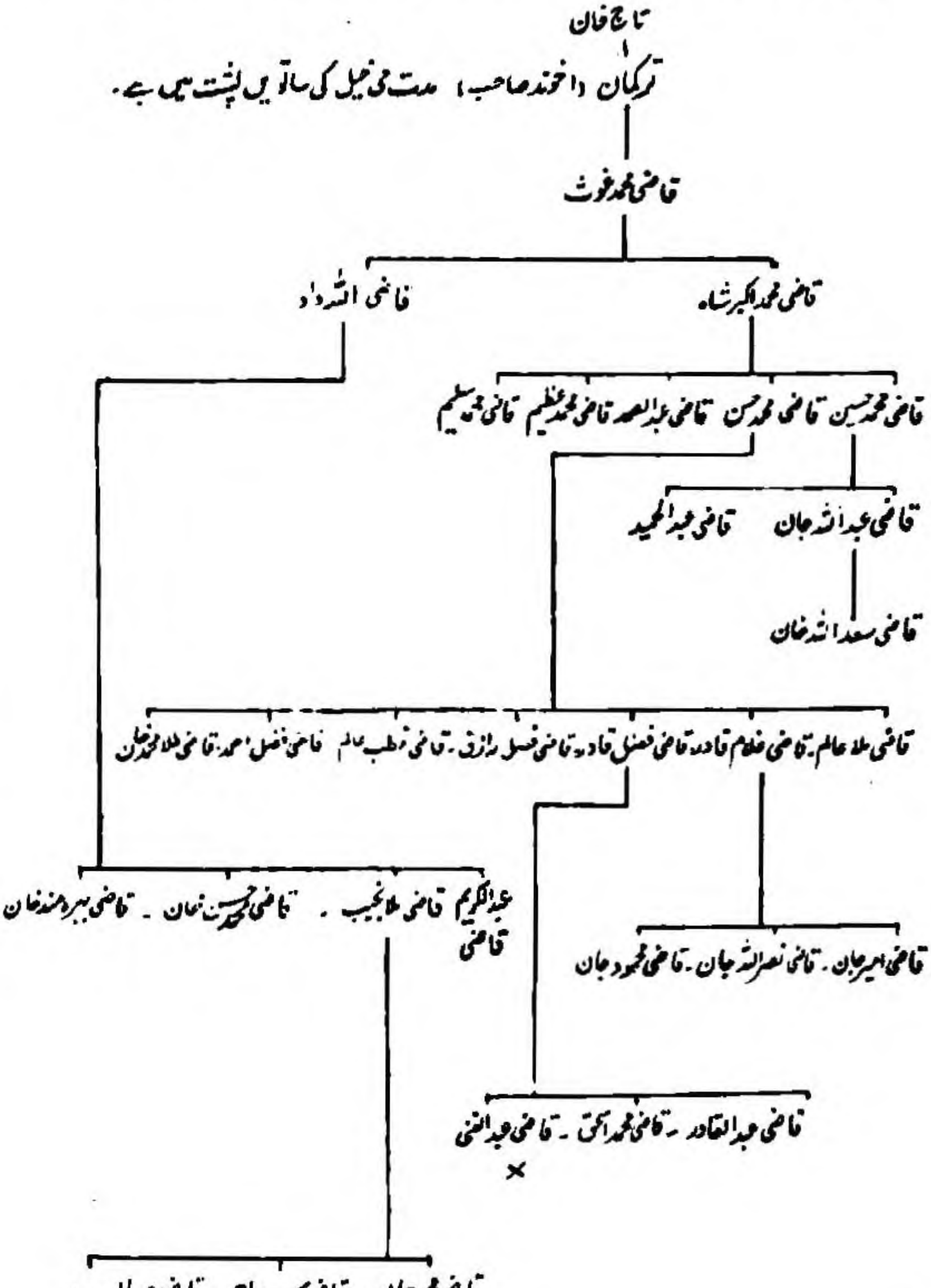

سدوزئے (اتمان زئے مندڑ) از ص ۲۳

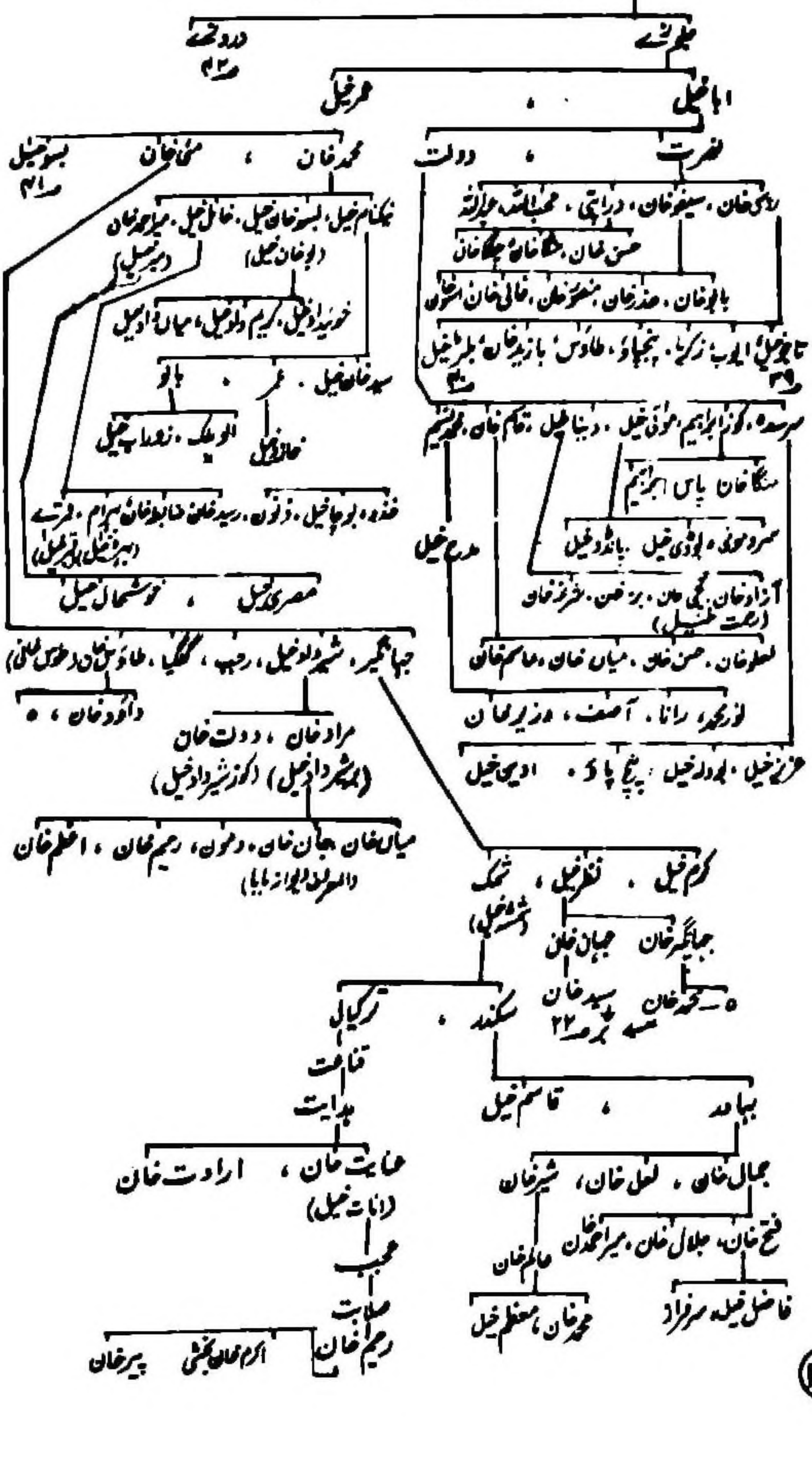

تاجوخیل (سدوزئے) از ص۳۸

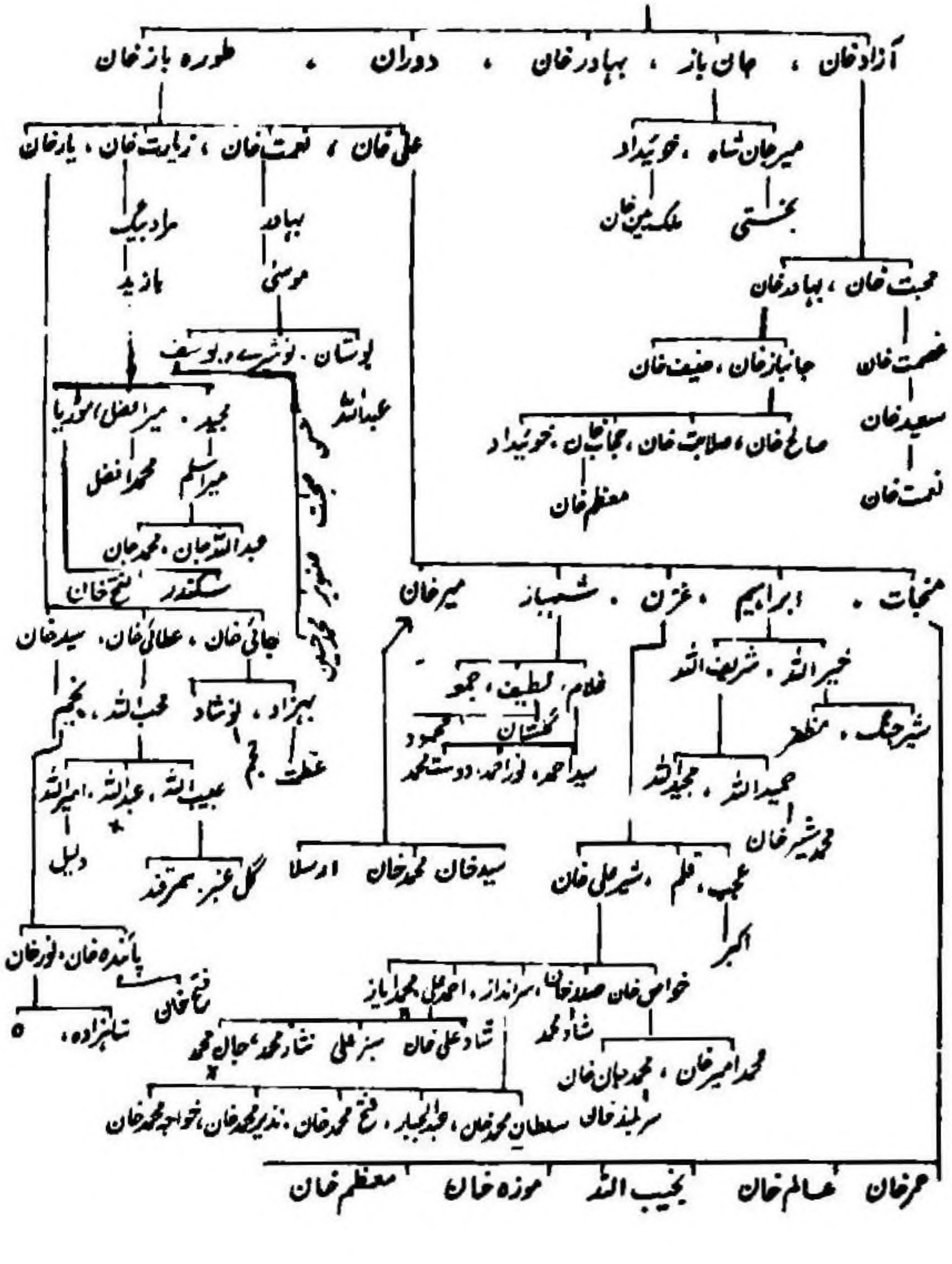

بلڑخیل جلوزی سدوزئے مندڑ از صـ ۳۸

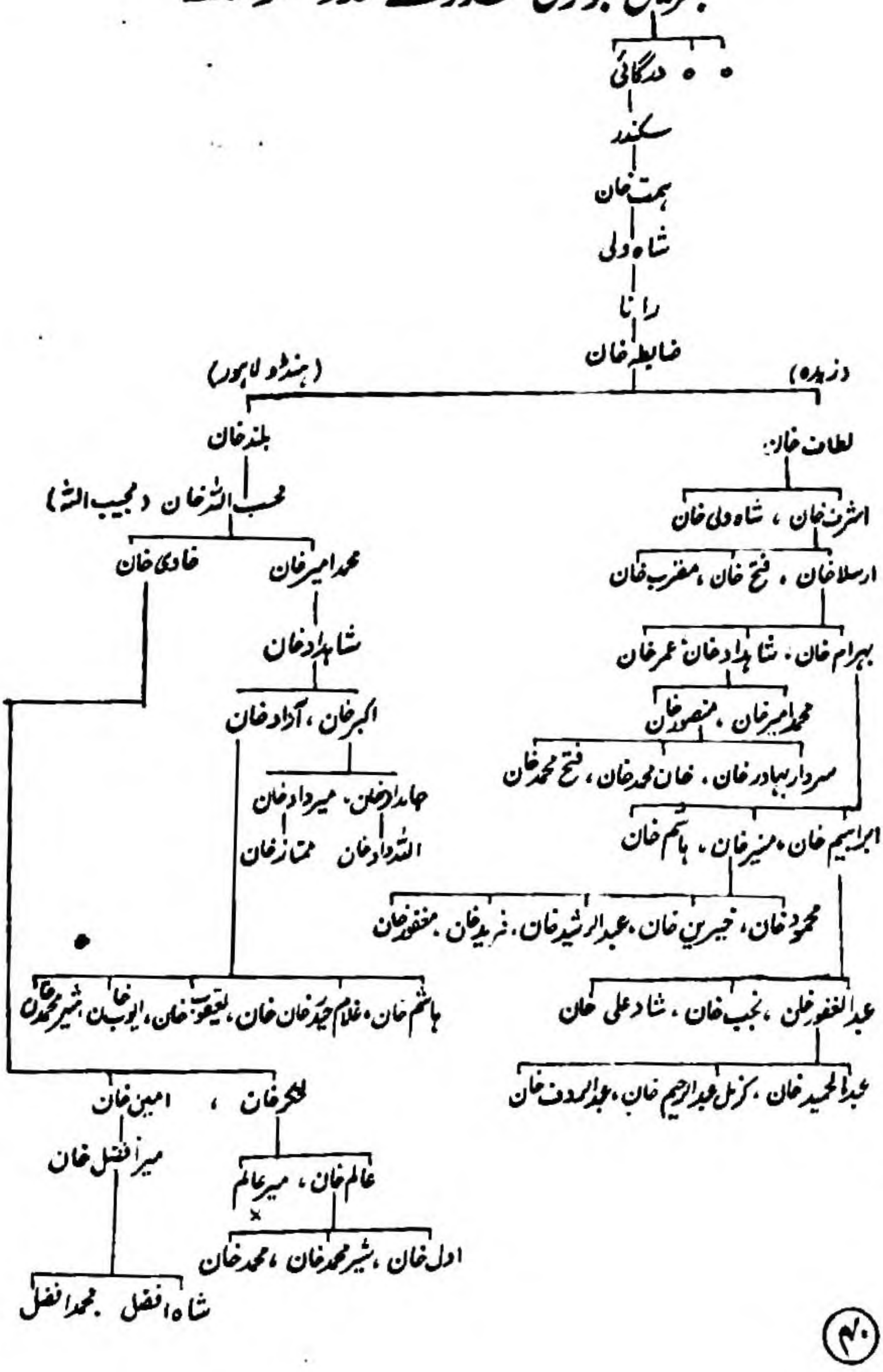

بنوخیل عمرخیل جلوزئے سدوزے مندڑ ازم۳۸

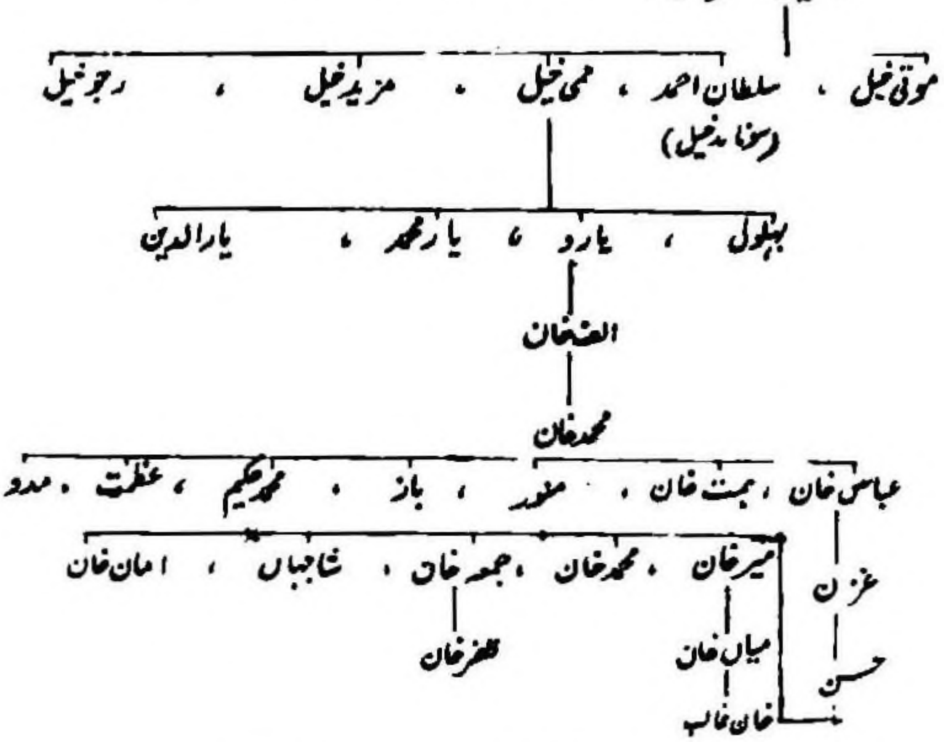

شجرہ قوم سید گیلانی ازسال ۱۸۷۰ء موضع میاں ڈھیری. صوابی. مردان

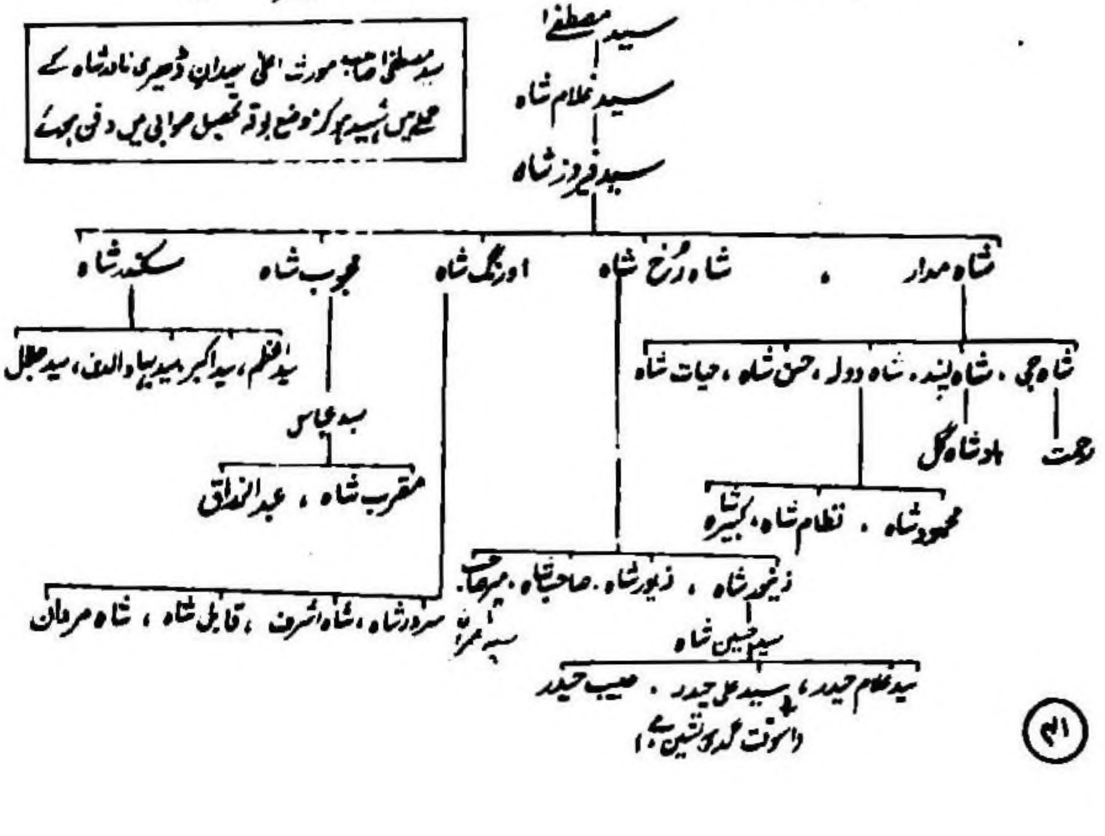

دروزئے سدوزئے منڈڑ از صہ ۳۸

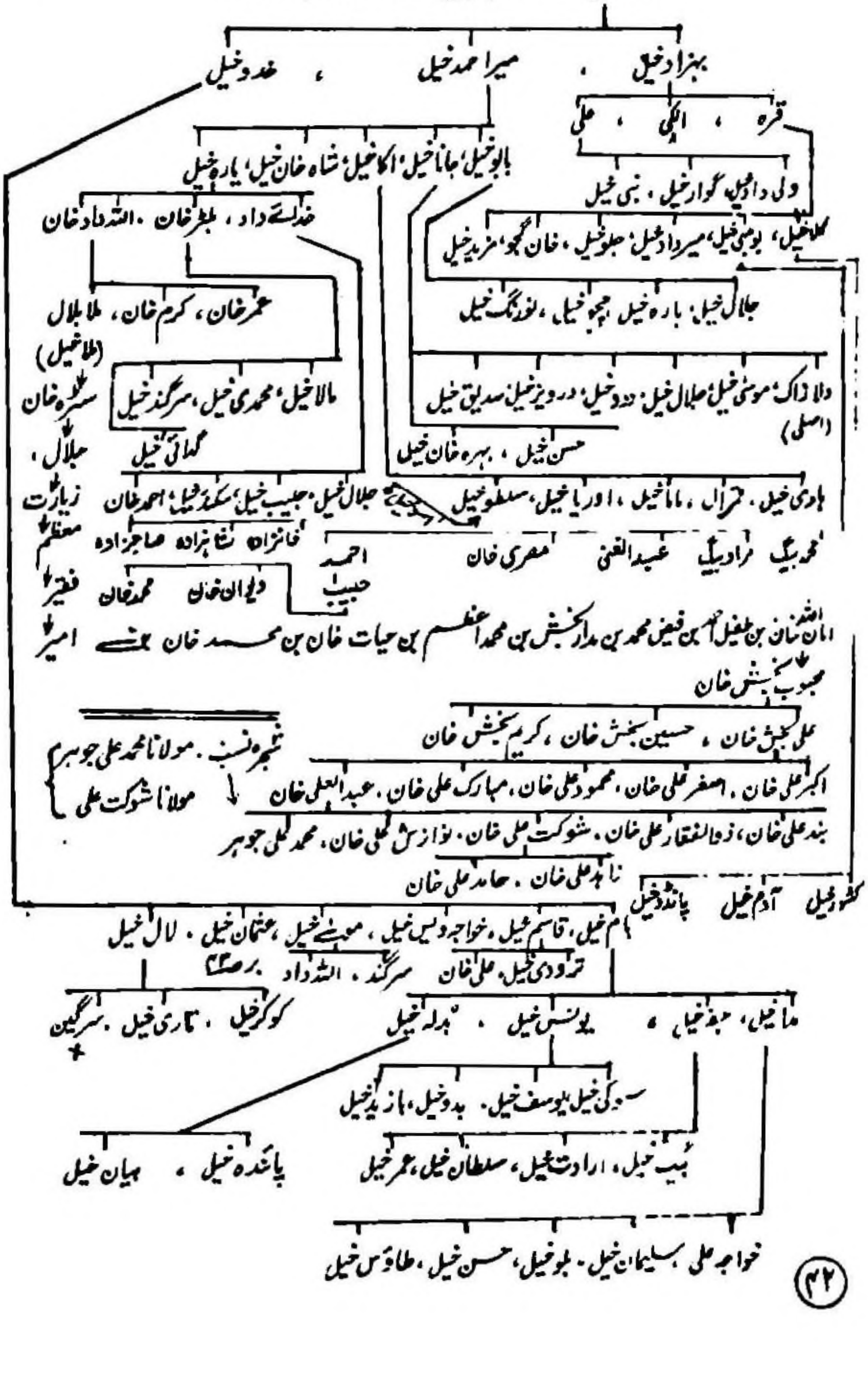

عثمان خیل خدو خیل سدوزے از صہ ۴۲

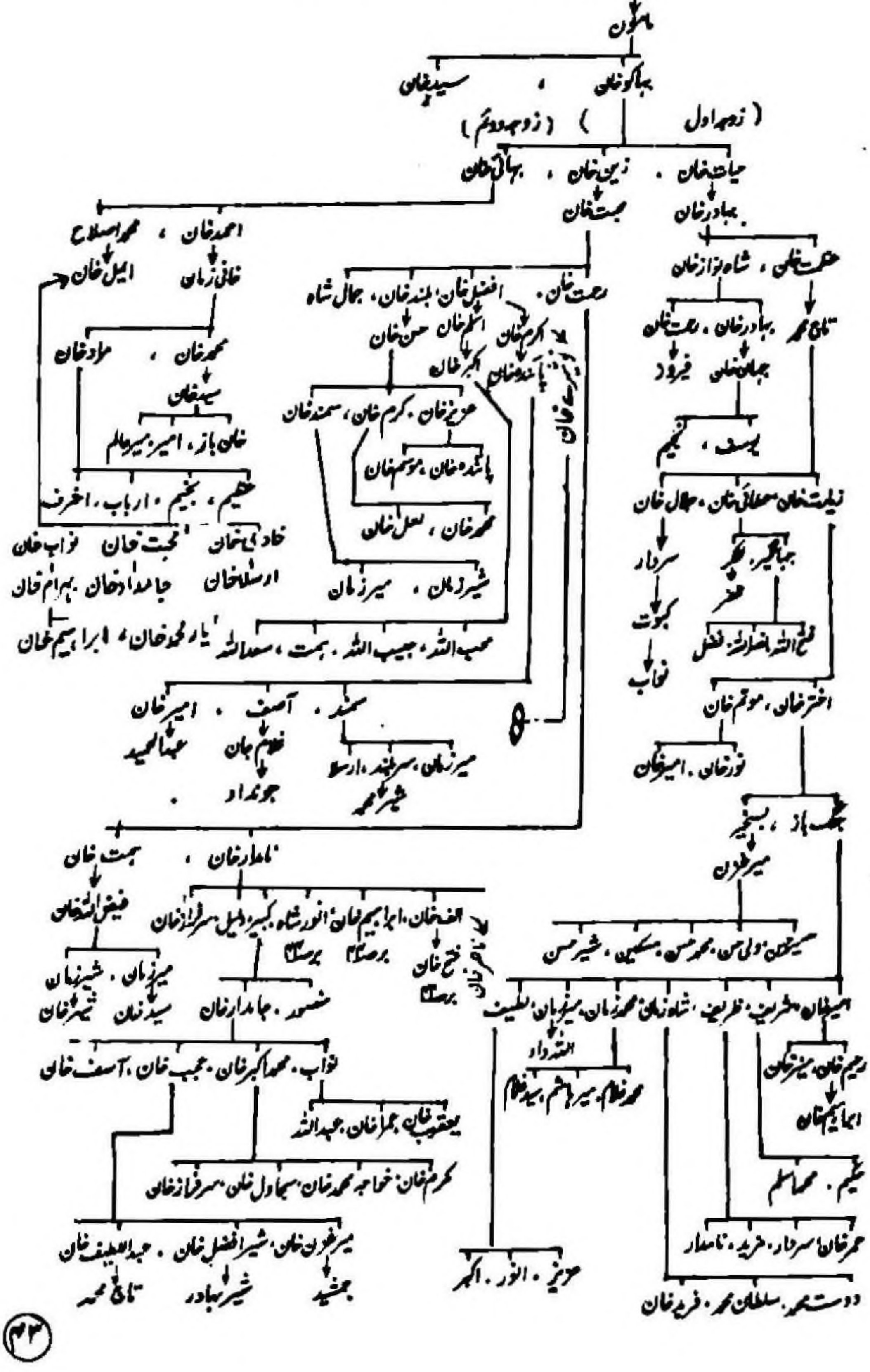

مبارس خان بن میر بازخان بن انور شاہ بن نامدار خان خدوخیل سدوزئے ازصفحہ ۴۳

(زوجہ دوم)

خوشحال خان ، جعفر خان ، خواص خان ، جانس خان ، کالاخان

نوبت خان ، عمر خان ، دلاور خان ، یعقوب خان ، سردار خان ، قادر خان ، محبت خان ، ہاشم خان

ایوب خان ، سرفراز خان ، عیسٰی خان ، پردل خان ، اجون خان ، جبار خان

میرا خان ، سلطان امیر ، امیر سلطان ، یعقوب خان ، شہزادہ ، داؤد خان

علی بہادر خان ، میر بہادر خان

ابراہیم خان بن نامدار خان خدوخیل سدوزئے ازصفحہ ۴۳

سعداللہ خان ، فضل خان ، میراللہ خان ، بہادر خان

میر عالم خان ، اکبر خان ، منیر خان ، شیر افضل خان ، شیر اسلم خان ، میر اعظم خان

حکمت خان ، یعقوب خان ، خواجہ محمد خان ، میر اسلم خان ، جمداد خان ، جس خان ، آزاد خان

اسلم خان ، عظیم خان ، ایوب خان ، محمد حیات خان ، شیرین خان

غلام حیدر خان ، سیفور خان ، عبدالکریم خان ، جانس خان ، محمد امیر ، محمد امین

فتح خان بن الف خان بن نامدار خان خدوخیل سدوزئے ازصفحہ ۴۳

مقرب خان ، غفور خان ، عالم خان ، بہرام خان ، مدد خان ، شریف خان

اکبر خان ، میر عبداللہ خان ، عمر خان

عبدالجمیل خان ، عبدالرحمٰن

ارسلا خان ، میر افضل خان ، شیردل خان ، قادر خان ، حیدر خان ، اکرم خان

تاج محمد ، عطا محمد خان ، فردوس خان ، سلطان محمد ، عمر خان ، دوست محمد خان

صحبت خان ، فرید خان ، شاہ پسند خان ، ابراہیم خان ، یار محمد خان ، عجب خان

یوسف ، شیر محمد ، مزید

میرزمان خان ، شیرزمان خان ، خان زمان ، شمروز خان ، فیروز خان

شاد محمد خان ، دلاور خان ، نثیر خان

قیسؒ عبدالرشید کا شجرہ نسب

از تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی

قیس بن عیص بن سلول بن عتبہ بن نعیم بن مرہ بن جلندر بن اسکندر بن رمان بن عینن بن مہلول بن شلم بن صلاح بن قارود بن عثم بن نہلول بن کرم بن عمال بن حذیفہ بن منہال بن قیس بن عیلم بن اشمول بن ہارون بن قمرود بن ابی بن صبیب بن طلل بن توئی بن خائیل بن تارج بن ارزند بن مندول بن سلم بن افغنہ بن ارمیا بن ساردل الملقب بملک طالوت بن قیس بن عتبہ بن عیص بن ردئیل (وبہ روایتی بن یامین) بن یہودا بن یعقوب اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام بن تارخ کہ اورا آذر نیز می گفتند

ممکن ہے کچھ نام درمیان میں بھول سے رہ گئے ہوں لیکن نسبی تعارف کے لیے اتنا بھی کافی سمجھنا چاہیے

روشن خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برگ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد
گل ز گل پیوستہ شد گلدستہ شد

شجرہ ہائے نسب

یوسف زئی

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر !!
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

(اقبال)

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر شجرہ نسب از قیس عبدالرشید تا یوسف و مندڑ

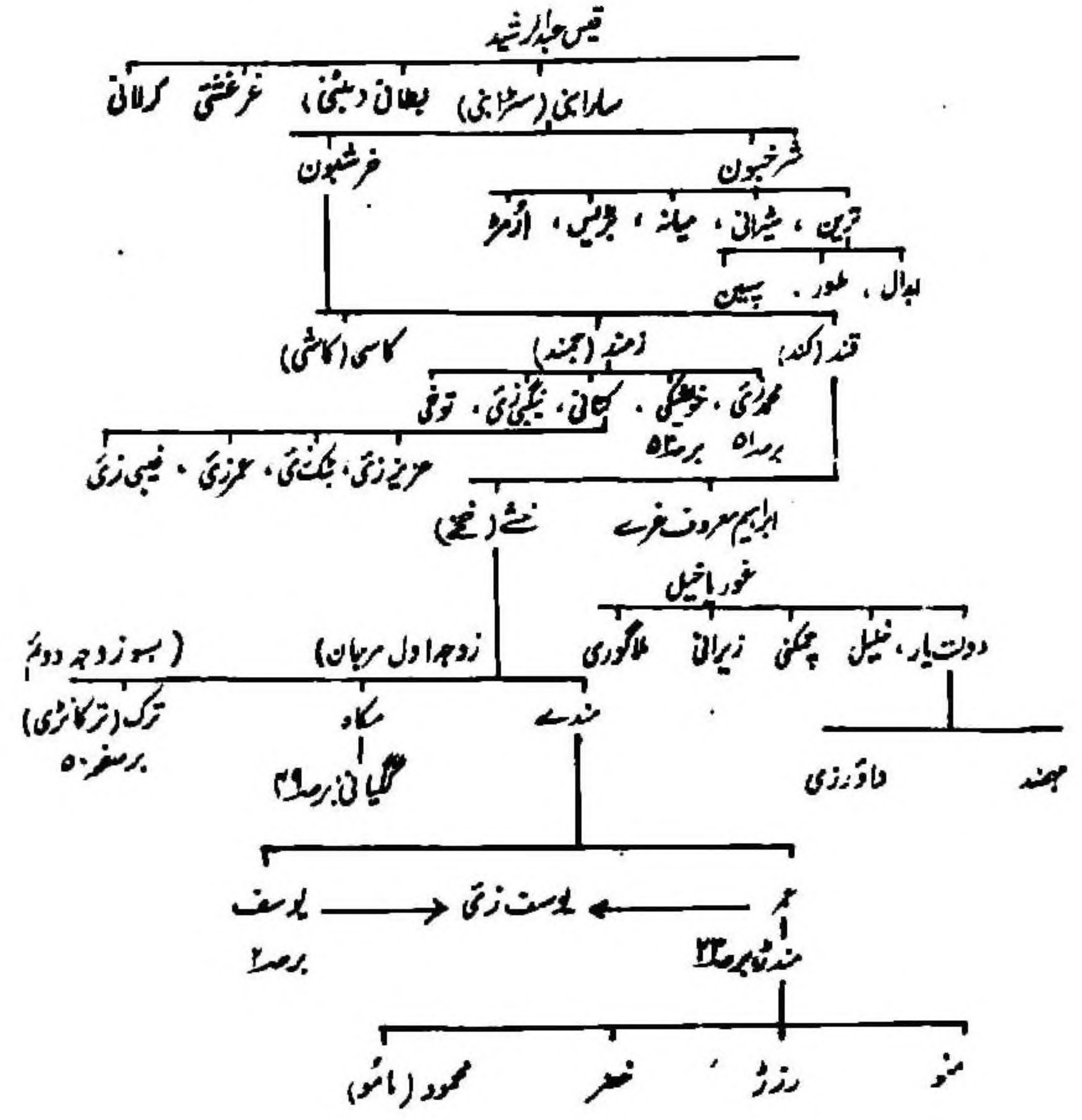

شجرہ نسب اولاد ملک یوسف (یوسف زئی)

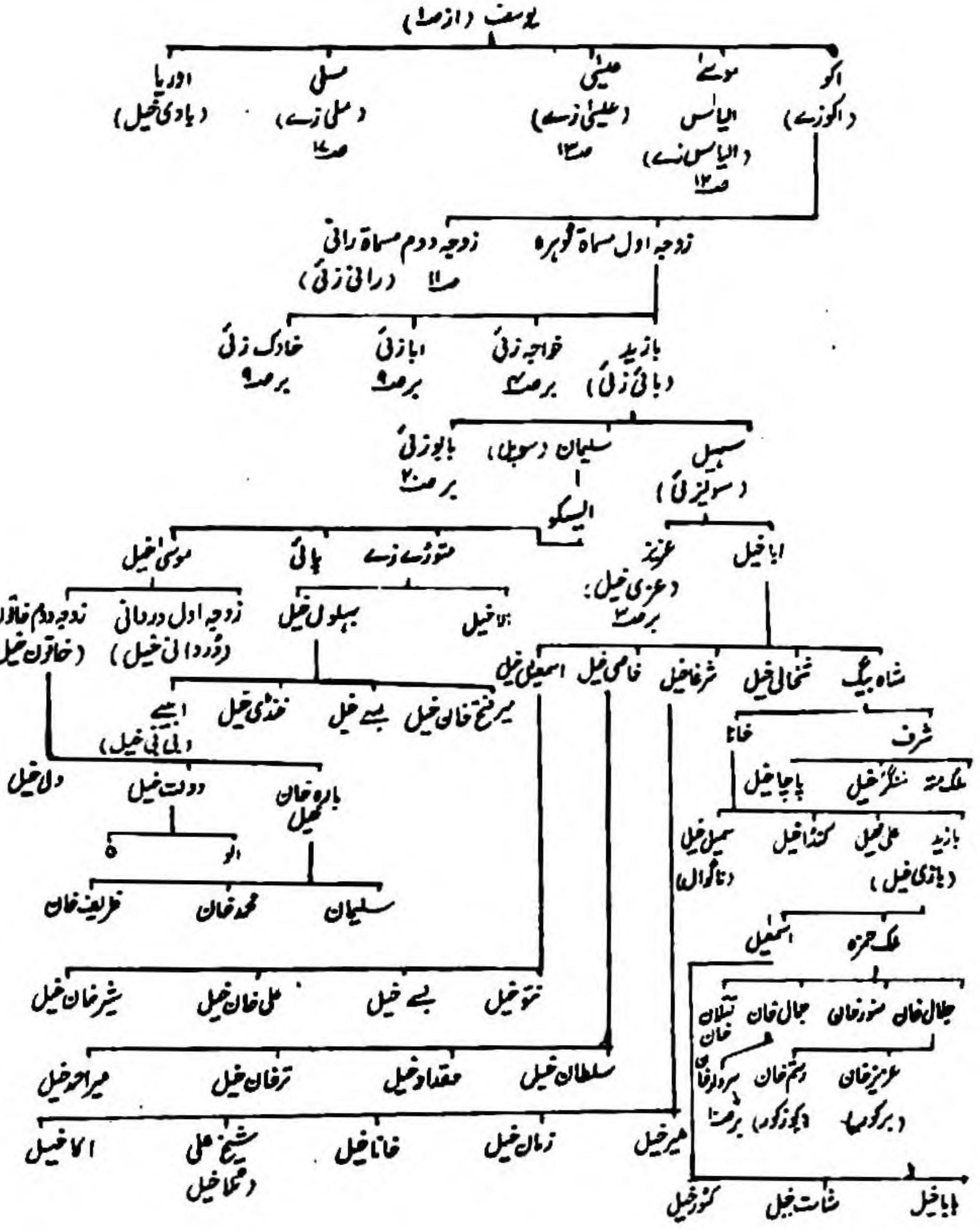

Qaiser Khan Khattak
University of Malakand

عزیز (عزی خیل) بائی زئی اکوزئی از صفحہ ۲

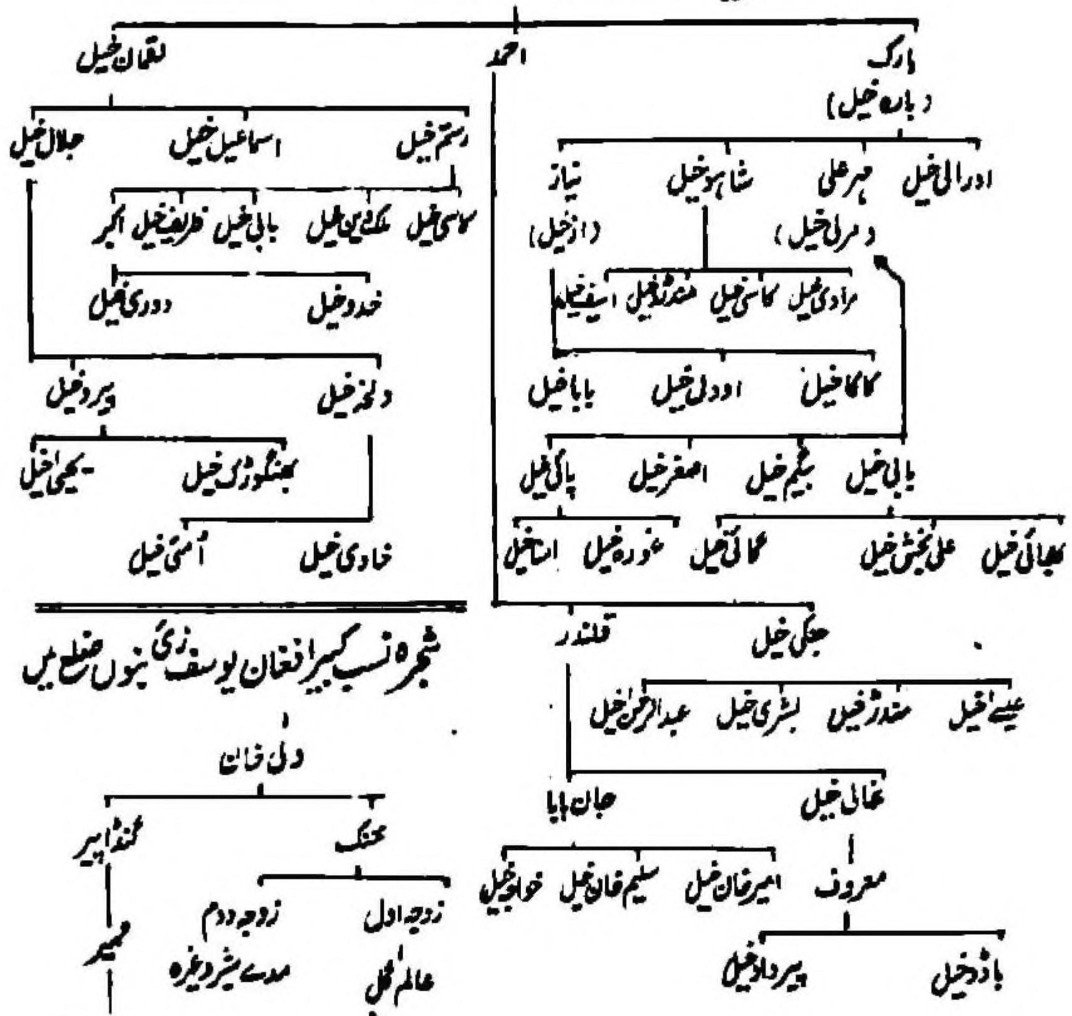

شجرہ نسب کبیر افغان یوسف زئی بنوں ضلع میں

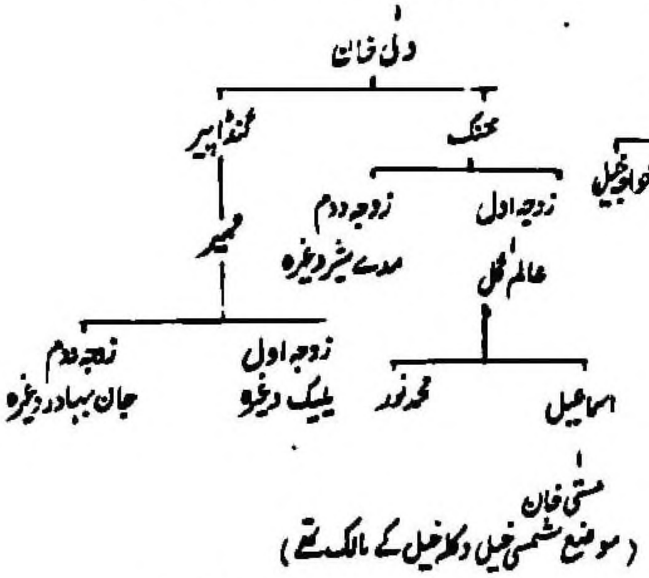

(کبیر اور گلی خان یوسف زئی کی اولاد موضع حسن خیل میں اولاد زبردست خان اسمعیل خیل کے ساتھ مشترک آباد ہیں)

خواجہ زئے اکوزئے از صد ۲

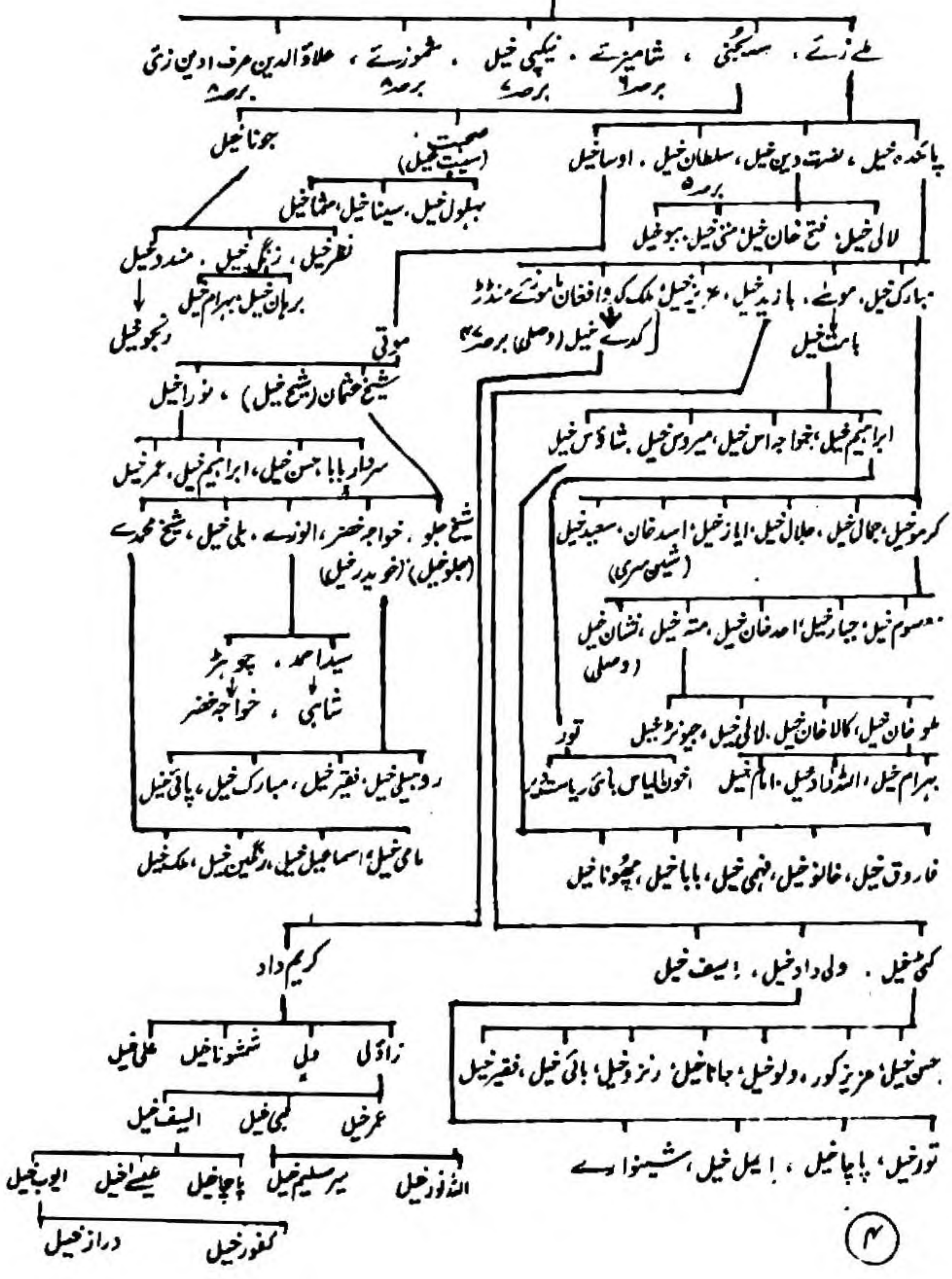

سلطان خیل خواجہ زے اکوزئے مدا زئی

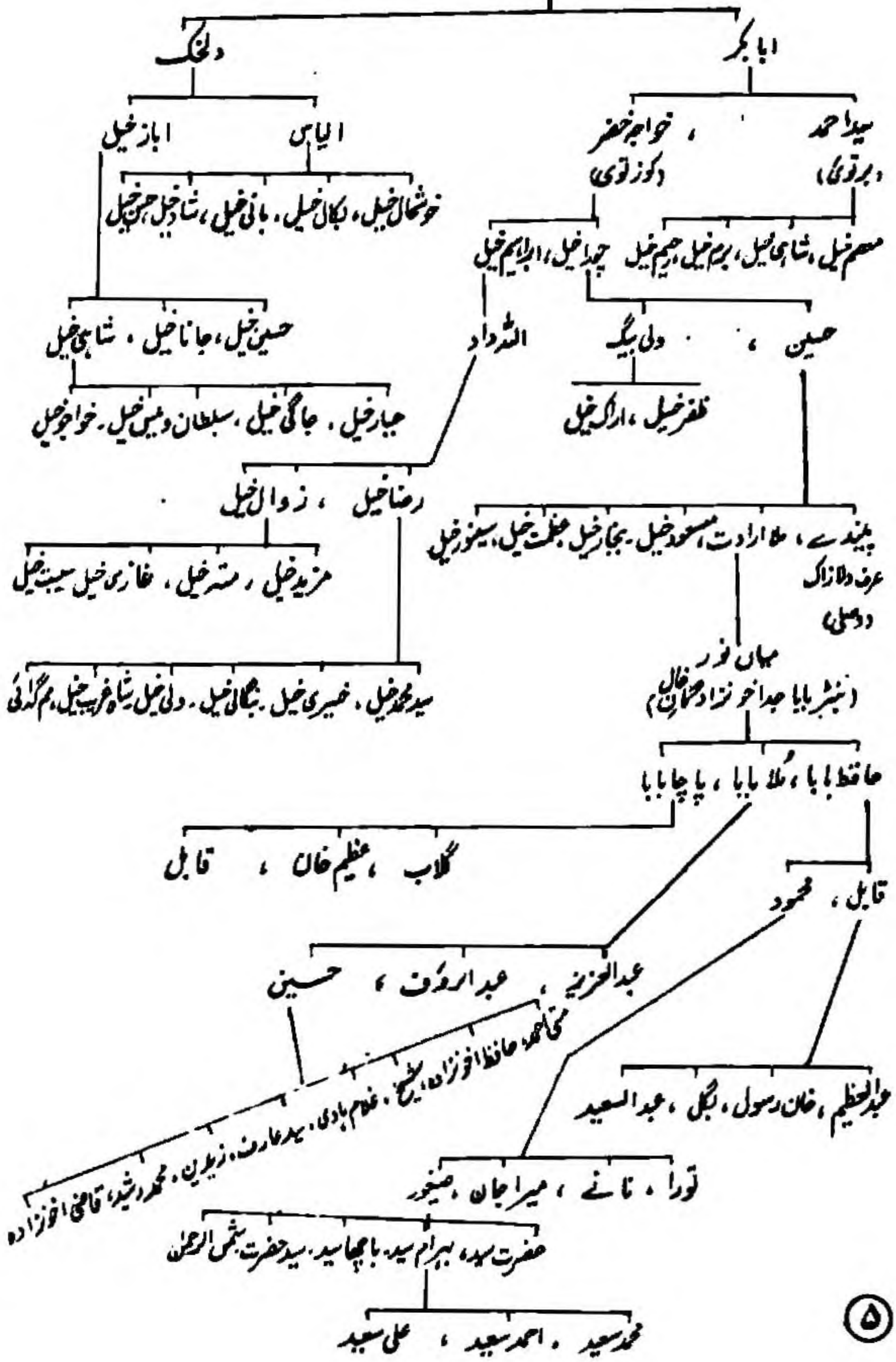

شامیزئی خواجہ زئی از ص۴

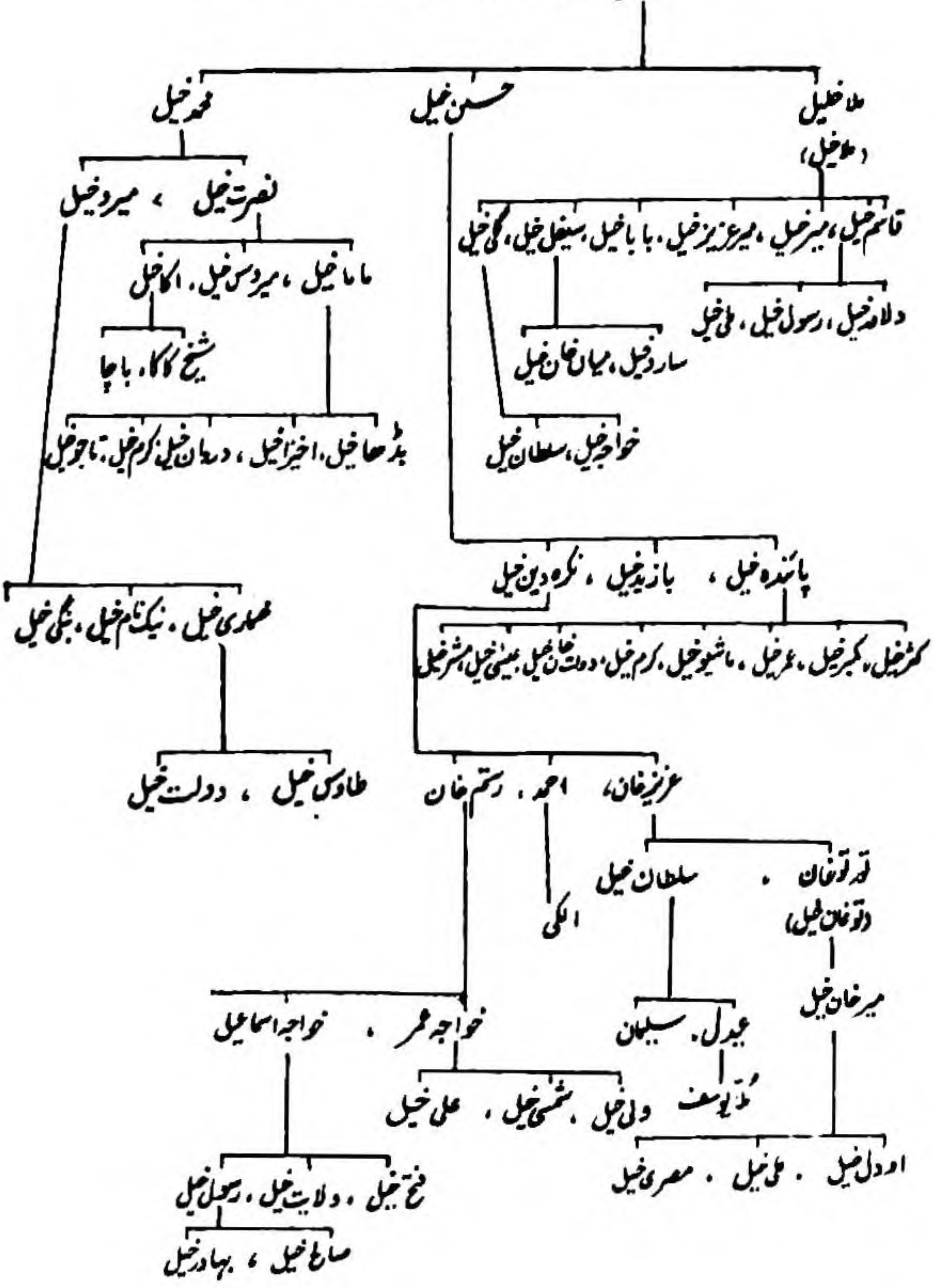

نیکپی خیل خواجہ زے از صہ ۲

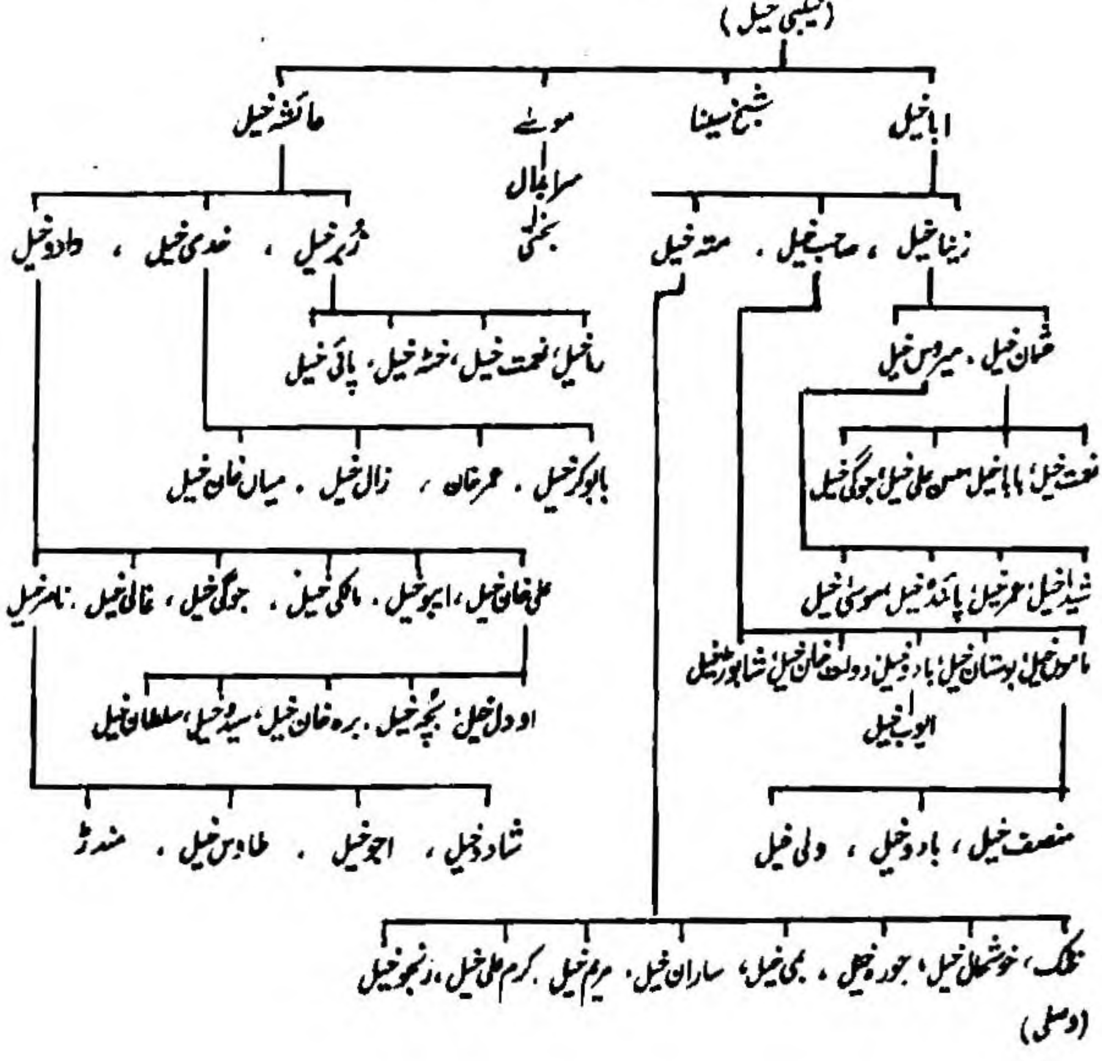

شموزے خواجہ زے ازصہ۴

- اسماعیل
  - بانی خیل ، تاجہ خیل ، مریم خیل ، یعقوب خیل ، بی بی خیل
    - برہ خان خیل ، تنتر خیل
- ڈوڑی خیل
  - بازید خیل ، عوریز خیل ، حیدر خیل ، بلگنج
- علی خان خیل
  - موسیٰ ، عیسیٰ ، ہندال ، کامران
- عمرزئی
  - اکاخیل ، سلطان خیل ، ملیرحم خیل ، بہرام خیل ، باباخیل ، اریا خیل

علاؤالدین عرف ادین زئی خواجہ زئی ازصہ۴

- یحییٰ (بختی)
  - سرابدال
    - ٥
      - ملک باؤ
  - کیمل
    - احمد
  - محمود
- اتمان زئی
  - مریان خیل
    - عمر خیل ، پیراخیل ، چندڑ خیل
  - شرنا خیل
    - بہرام خیل ، نامر ، زوردست خیل ، بوبوخیل
- بابو خیل
  - میرحسن خیل ، فاضل خیل ، پاچاخیل ، رکمین خیل ، کیمل خیل

ابازئے اکوزے ازصہ ۲

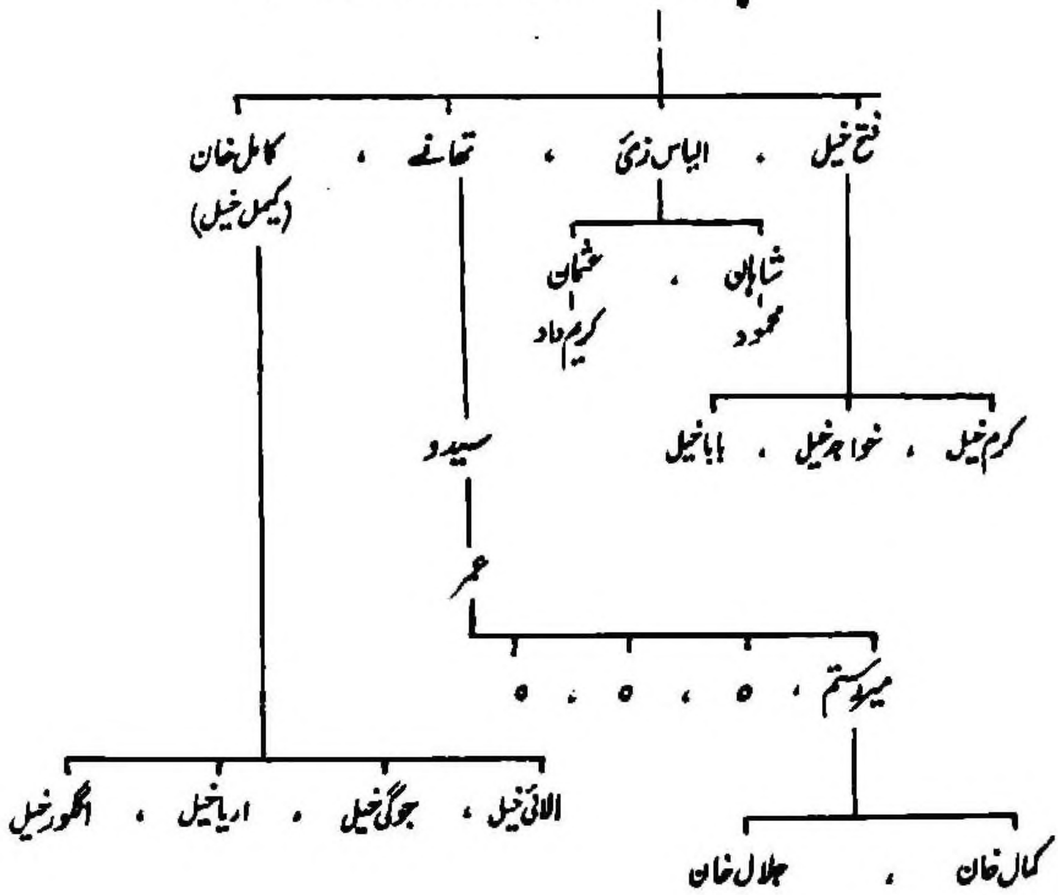

خادک زئ اکوزئ ازصہ ۲

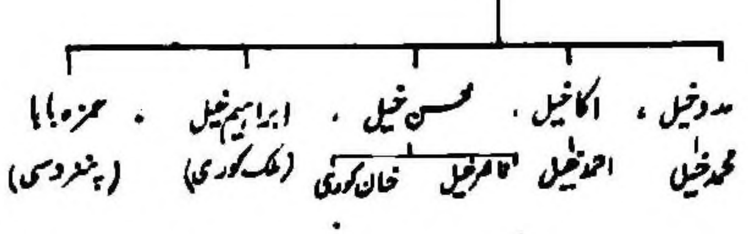

سردار خان بن جمال خان بازی خیل (بائی زے) از صہ ٢

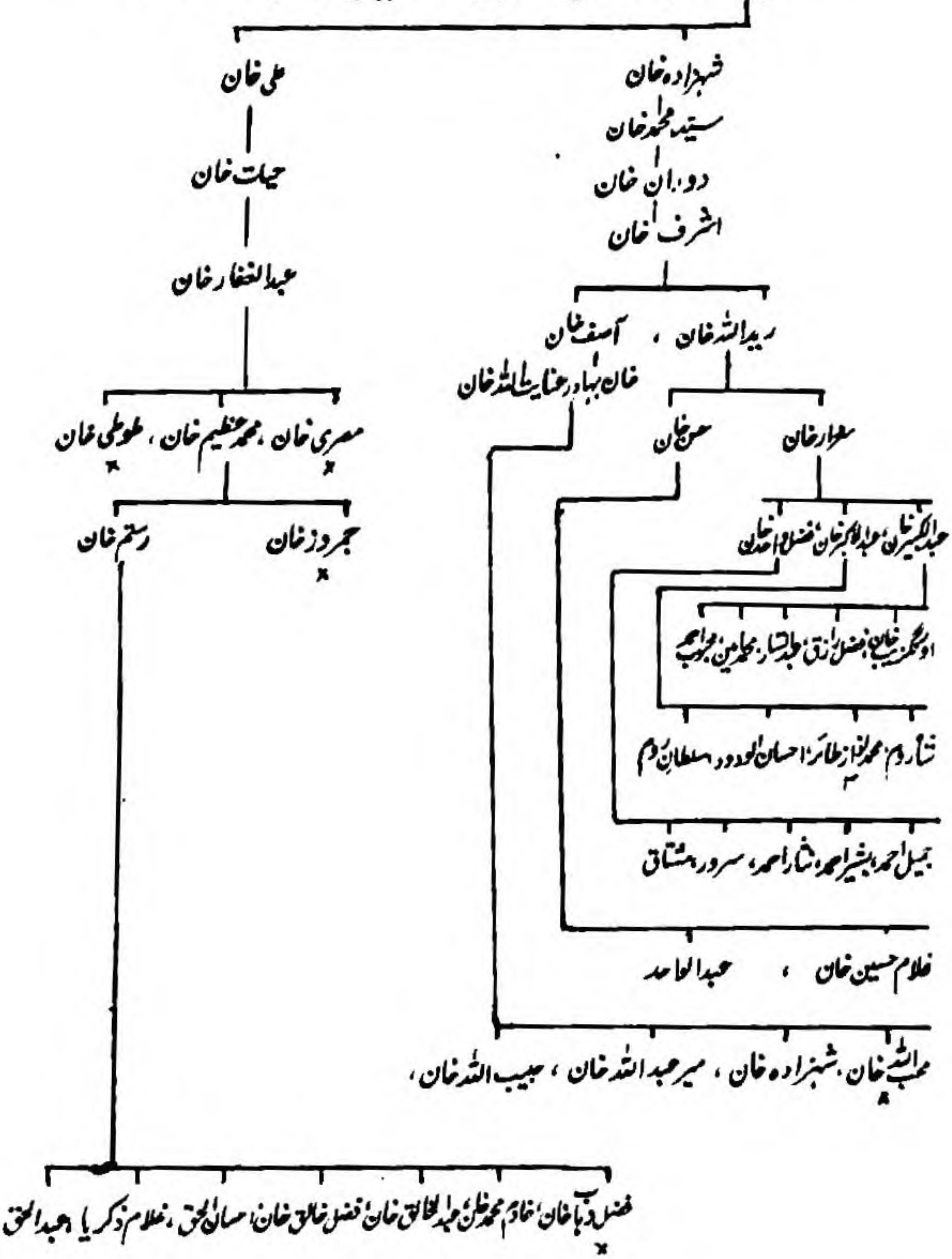

رانی زئے اکوزئے ازصہ۲

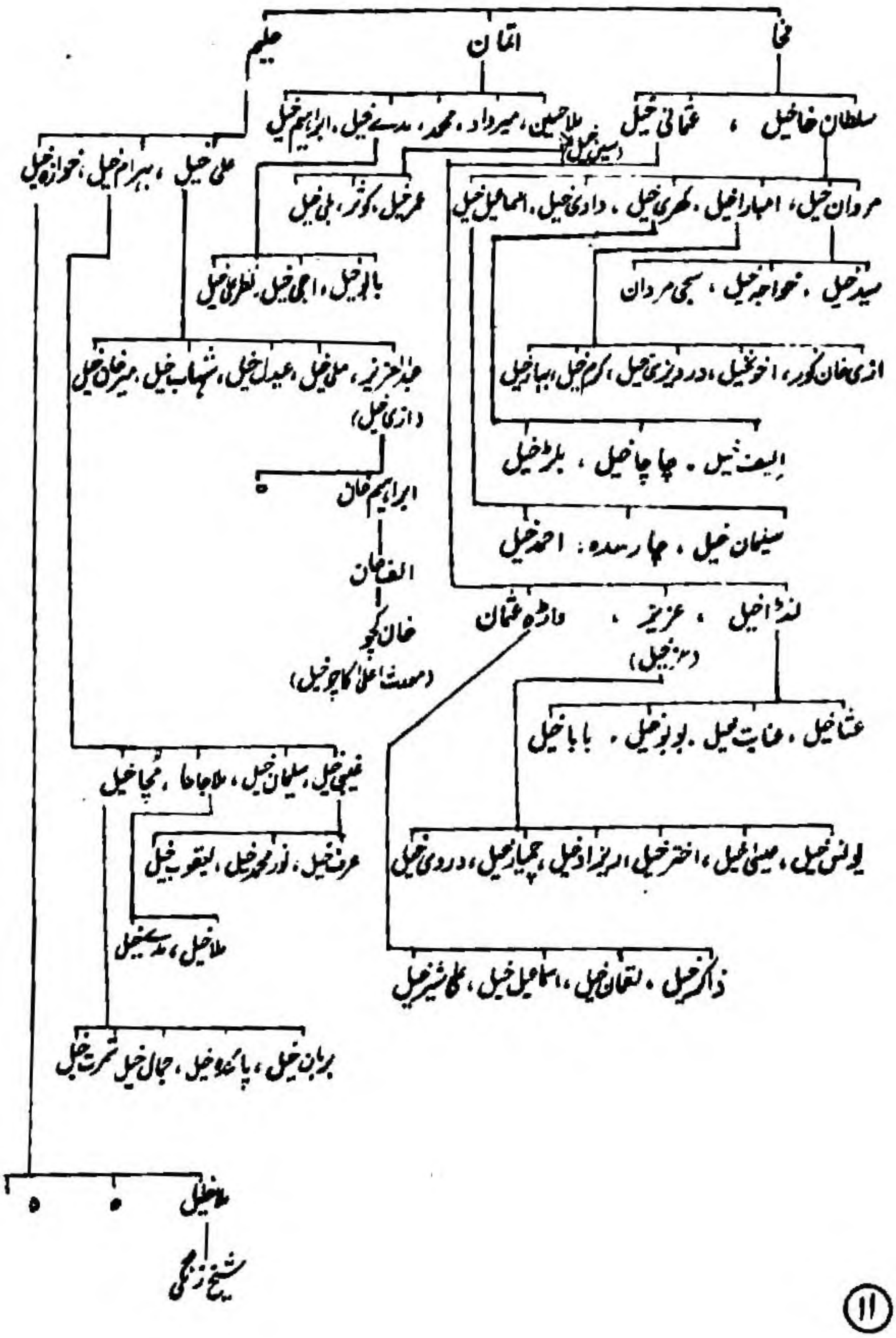

موسے ازم ۲

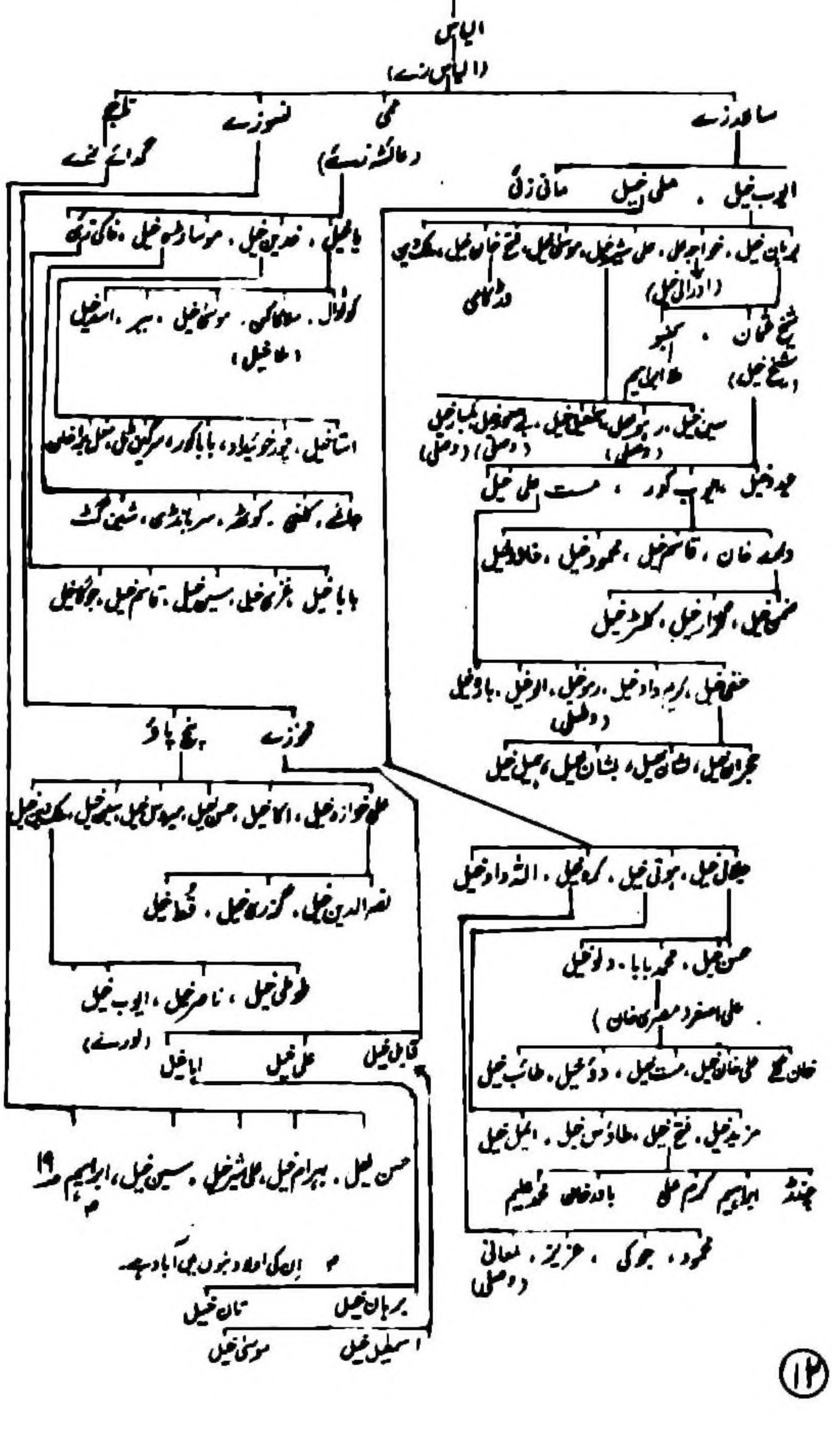

الیاس
(الیاس زے)
سالارزے
می
(عائشہ زے)
لسوزے
تلیم
گدائی زے
ایوب خیل ، علی خیل ، مانی زئی
برہان خیل ، خواجو خیل ، علی شیر خیل ، موسیٰ خیل ، فتح خان خیل ، ملک دین
ولدھی
(اذان خیل)
شیخ عثمان ، کبجو
(شیخ خیل)
ملا ابراہیم
سین خیل ، دریو خیل ، بختی خیل ، بی خیل
(وصلی) (وصلی) (وصلی)
محمد خیل ، ملا بیگ ، کورر ، مست علی خیل
دلمد خان ، قاسم خیل ، محمود خیل ، خالدا خیل
محمد خیل ، گوار خیل ، کلر خیل
حق خیل ، کریم داد خیل ، دریو خیل ، الو خیل ، باد خیل
(وصلی)
مجرد خیل ، اشان خیل ، بشان خیل ، حسن خیل
یا خیل ، خدرین خیل ، موسا خیل ، مانی زئی
کو لوال ، سلاکو ، موسیٰ خیل ، ببر ، اسد خیل
(ملا خیل)
اسا خیل ، محمد خوئیداد ، بابا کور ، سرگین ، علی شیر خیل
جانے ، کنجی ، کوٹ ، سرباندی ، شین گٹ
بابا خیل ، عزیز خیل ، سیمن خیل ، قاسم خیل ، جوگا خیل
عوزے
پنج پاؤ
علی خواز خیل ، اکا خیل ، حسن خیل ، سیدوس خیل ، بیبر خیل ، ملک دین خیل
نصر الدین خیل ، گزرا خیل ، قطا خیل
طوطی خیل ، ناصر خیل ، ایوب خیل
(لورسے)
قابل خیل
علی خیل
ابا خیل
جلال خیل ، ہوتی خیل ، کرم خیل ، اللہ داد خیل
حسن خیل ، محمد بابا ، دلو خیل
علی اصغر (مصری خان)
خان گل ، علی خان خیل ، مست خیل ، دو خیل ، طالب خیل
مزید خیل ، فتح خیل ، طاؤس خیل ، ایمل خیل
چھند ، ابراہیم ، کرم علی ، باد خان ، محمد علیم
محمود ، جوکی ، عزیز ، معانی
(وصلی)
حسن خیل ، بہرام خیل ، علی شیر خیل ، سین خیل ، ابراہیم ۱۹
* ان کی اولاد دیروں میں آباد ہے۔
برہان خیل
تان خیل
اسمیل خیل
موسیٰ خیل

عیسیٰ (عیسے زئے) از م۲

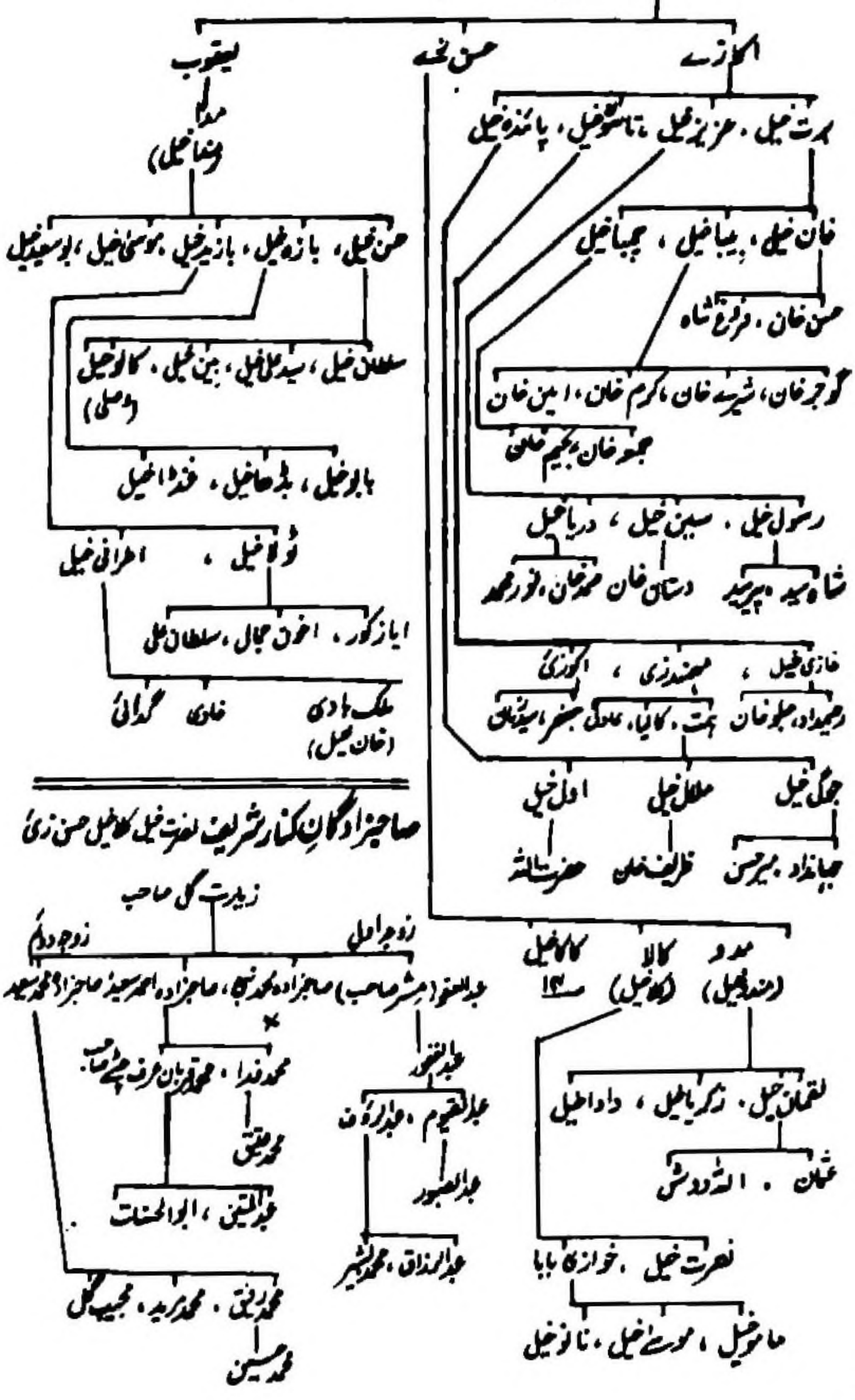

کاکاخیل (حسن زے، عیسے زے) از حصہ ۱۳

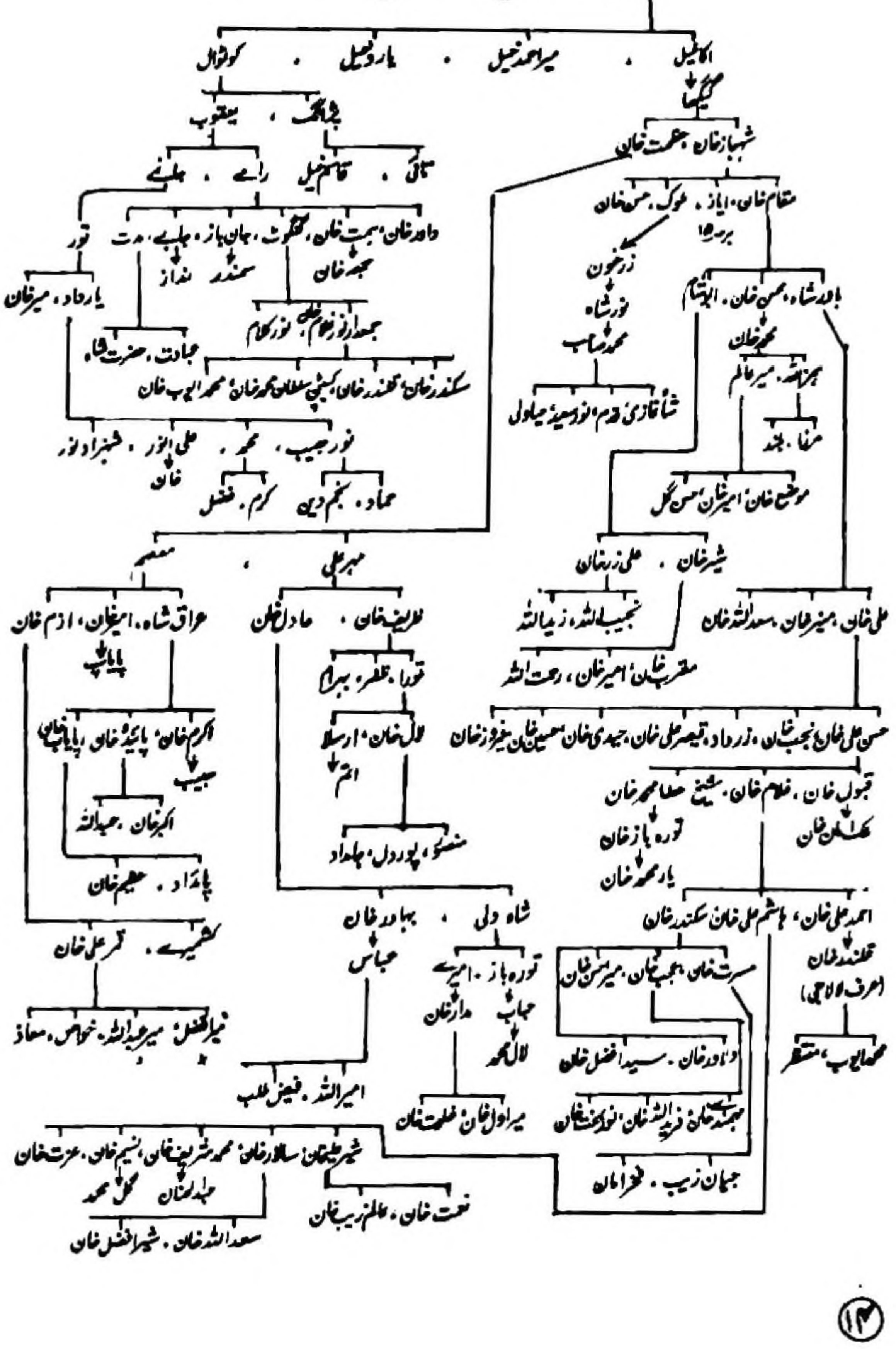

ایاز بن شہباز خان حسن زئے از ۱۴۱

- مجید
  - بہادر
    - نور محمد، احمد گل
  - قاسم
    - خواص میر
  - سید گل
    - نورداد، حضرت غلام، داد خان
  - بہرام
    - فضل
  - تورہ باز
    - زرے
      - رسول خان، جمال خان
- صاحب
  - محمد حسن
    - میر حسن، میر اعظم، سید اعظم
  - سعید
    - سید عالم، محمد عالم
- جلو
  - علی، آزاد، اعظم خان

شجرہ ملایانِ ساکن ریل بوڑیان علاقہ سیری حسن زئی

ملا صالح (یا خیل عائشہ زئی الیاس زئی) ۔ حن ملا الیاس

- ملا نیکیا (ملا خیل)
  - شاہ باز
    - محمد جی
      - نیک محمد
        - گل محمد
          - نور محمد
        - گاگو
          - موسیٰ شاہ
      - دین محمد
        - عبدالحمید، رحم دین، نصیا، عبدالمنان، صادق
          - (عبدالمنان) سبق دین، محمد رفیق، حاکم دین
          - (صادق) صبغت اللہ، عبدالرزاق
    - احمد
      - حضرت شاہ
        - محمد علی، حسن شاہ، شریف اللہ، نصیب شاہ
          - صبر علی شاہ، سید علی شاہ، اوشاہ
            - رحمت اللہ، گل حسن، رحمت حسین
      - حضرت جی
        - گلاب، گل زمان، گل شریف، اسیم شاہ، رحمت شاہ، عبدالرحیم
          - نعمت شاہ
          - محمد یار، محمد حق
          - اظہار الحق، مبارک شاہ
  - باز گل
    - گل احمد
      - سید احمد
        - خانی ملا
          - عمر خطاب
        - رحیم اللہ
          - رحمن اللہ، زلابے
    - غلام
      - میر محمود
        - احمد شریف
      - ولی احمد
        - محمد شریف
      - احمد سعید
        - عبدالرحمن
          - سعید الرحمن
        - عبدالعزیز
          - عبدالرزاق
  - گل بابا
    - زیارت
      - حمید گل
        - مستقیم، رحم دین، فضل دین، شرف دین

شجرہ نسب قبیلہ تراوڑہ اکوزی یوسفزی

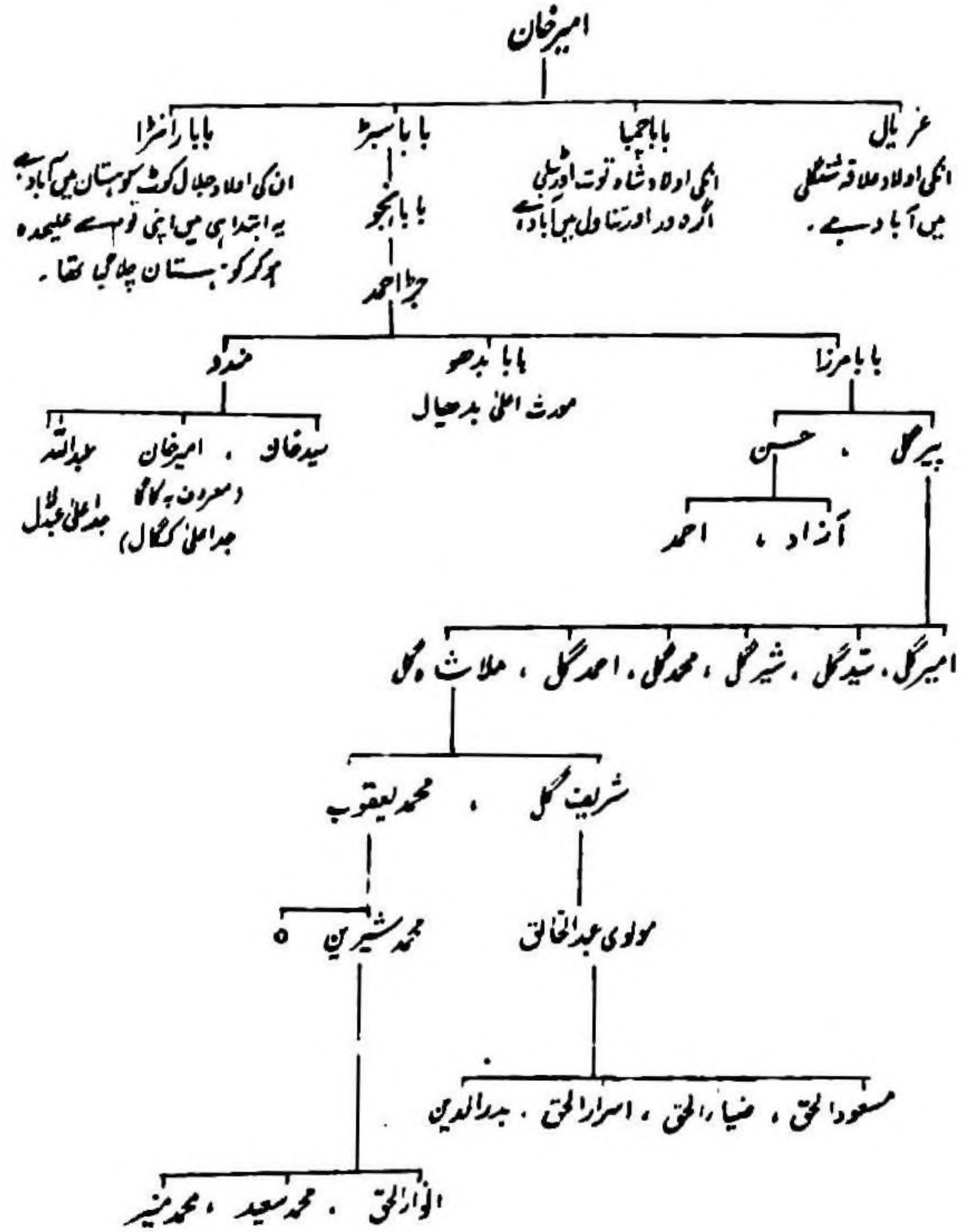

قاضی عبدالخالق صاحب ولد شریف گل کتاب ارمغانِ افغان کا مصنف ہے بموضع شرڑہ

علاقہ تناول نزدِ کوہِ سیاہ میں سکونت پذیر ہے۔ اس وقت بقیدِ حیات ہے۔

ملی (سملزئے) بن یوسف از ص۲

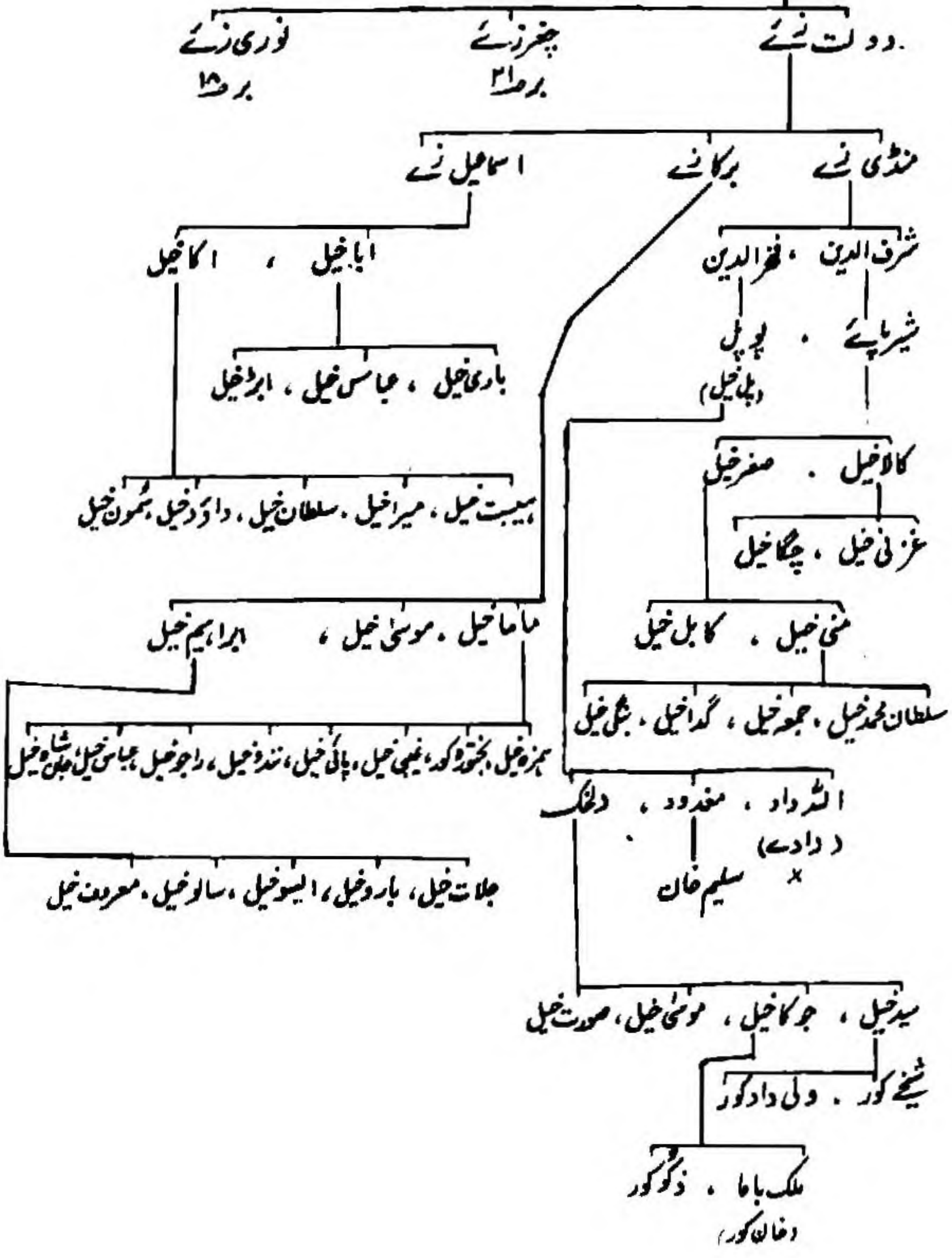

لوری زے بن ملی (ملی زے) از صہ ۱۷

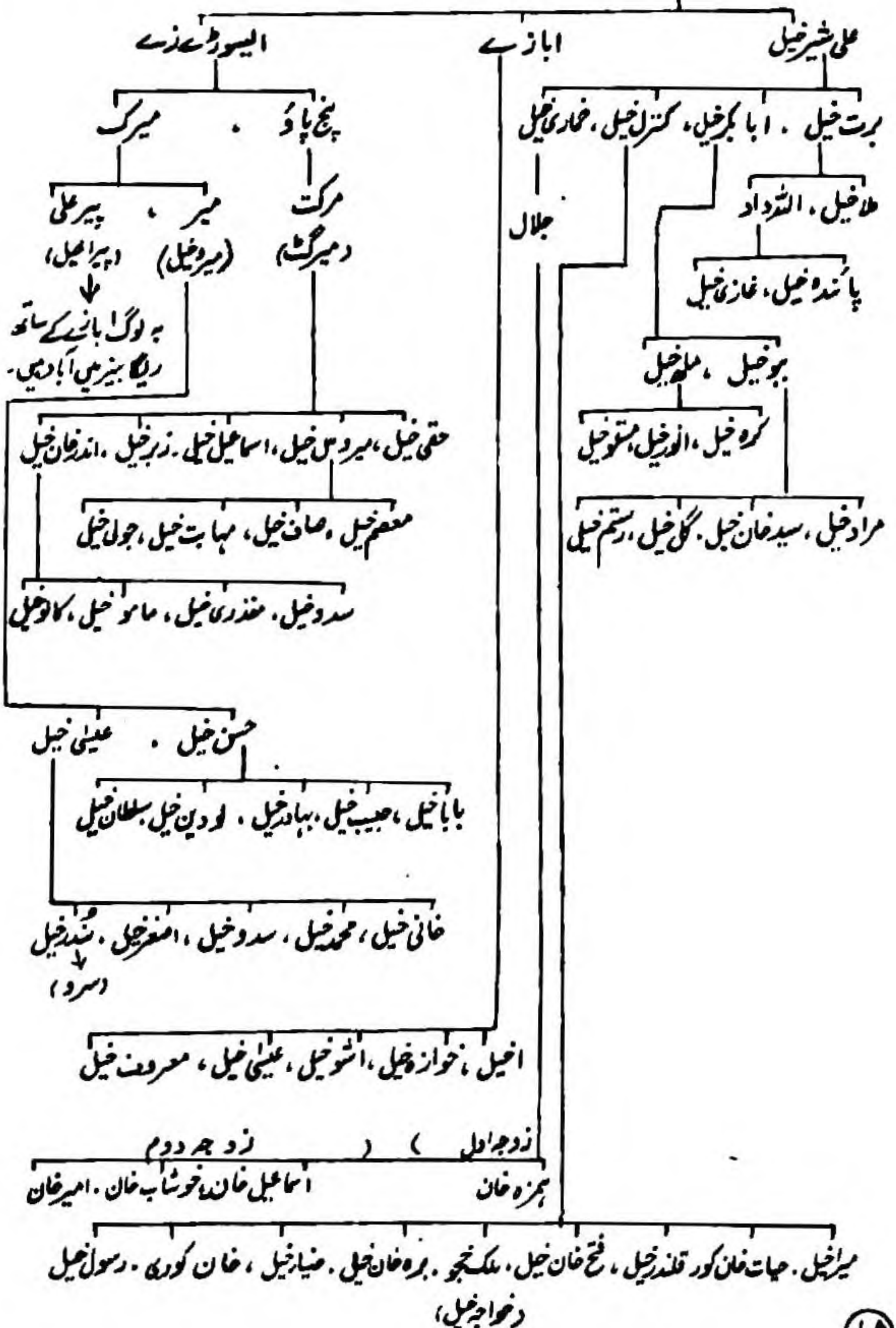

ابراہیم گدائے زئے الیاس زئے یوسفزئی از صہ ۱۲

شجرہ نسب حسن خان ساکن غوریوالہ بنوں ضلع میں

(حسن خیل)

سمل خان ، عمر خان

اس کی اولاد کو حسن خیل کہتے ہیں۔ موضع حسن خیل میں ماسوائے اولاد زبردست خان کے باقی اولاد سمل خان اس گاؤں سے غیر قابض ہو کر دیگر دیہاتوں میں آباد ہیں۔

عمر خان
(عمر خیل)

کرک خان ، خٹک ، تتر خان ، خدر خان

عمر خان ، ظفر خان ، مہر شاہ

قطب ، منگل ، مغل خان ، جنگی خان ، چپاڑ
(مغل خیل)

غلام

سرفراز خان ، قتال خان ، سینی خان ، دراز خان ، غاسم خان ، قاسم خان ، محمد حسن ، منصور خان ، نصرت خان ، نواز خان ، لاچو خان

حکیم خان ، امین خان ، بہرام خان ، جعفر خان ، دلوانہ خان

خان صوبہ خان ، ظالم خان ، ضابطہ خان

جنگی خان ، سکندر خان

سرداد خان ، فیض اللہ ، میر اکبر ، لپودل ، غلام حسن

اللہ داد خان ، زر خان ، میر افضل خان ، غلام خان ، غنی خان

دوست محمد خان

محمد خان ، سردار علی خان

صاحب داد خان ، آغا جان وغیرہ

محمد لطیف خان ، سمیع اللہ خان

بابو (بابوزئی) بن بازید (بائی زئی) از ص۲

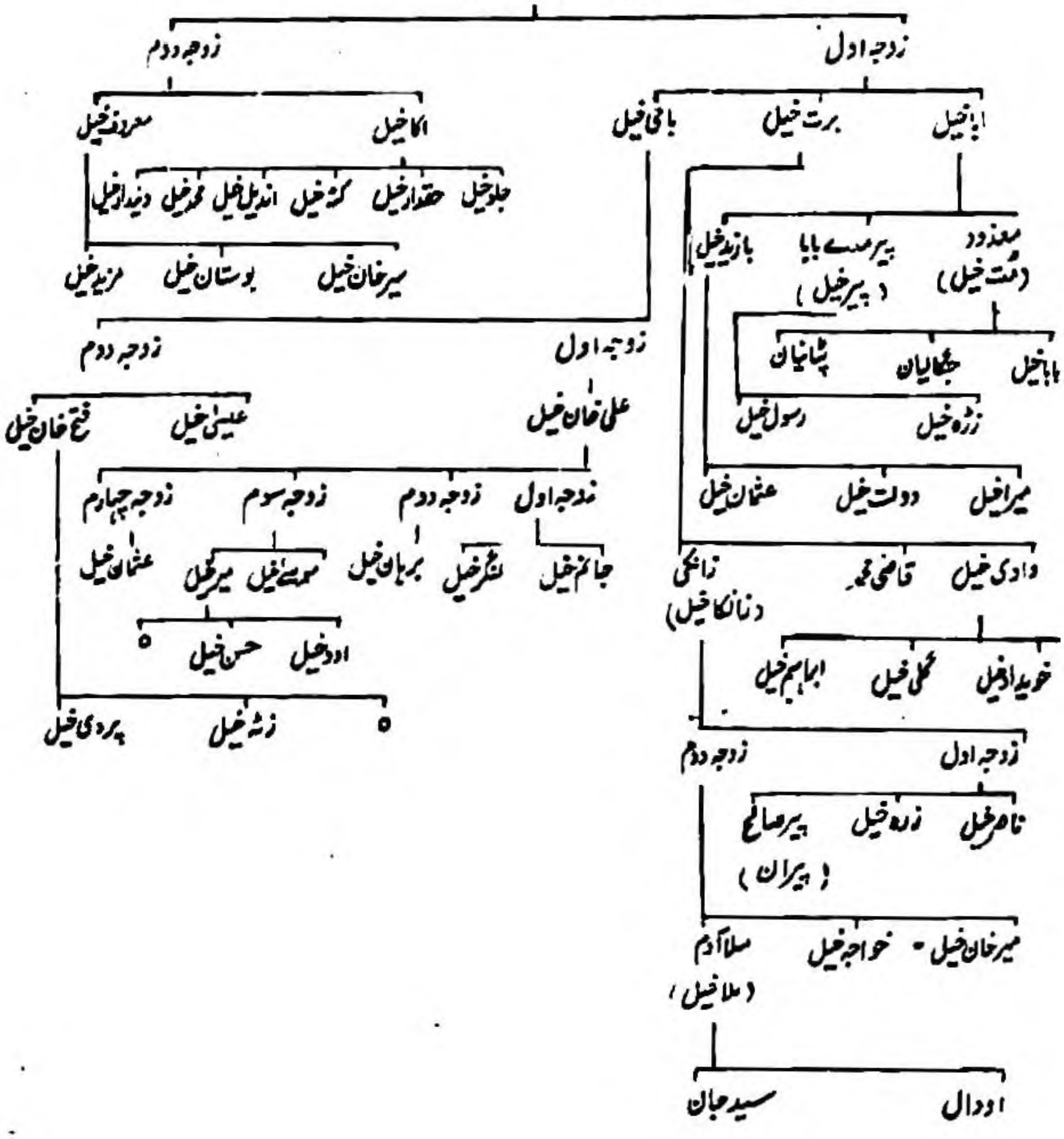

چغرزے بن مسلی (ملی زے) یوسفزئی از صا

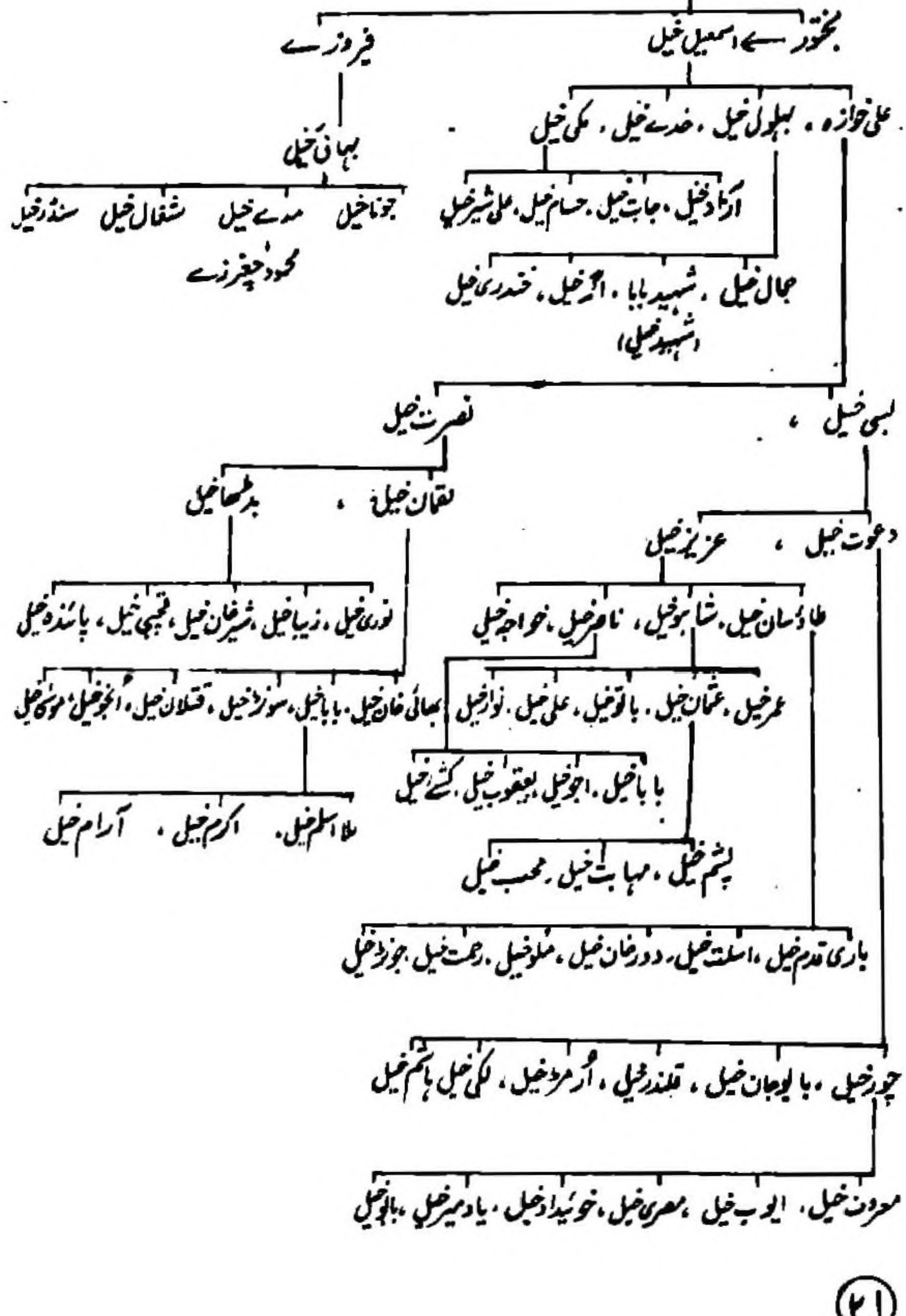

شجرۂ نسب نجیب الدولہ امیر الامراء روھیل کھنڈ

محمد خان، سید خان نظر خیل مئی خان عمر خیل یوسف زئی از حصہ ۳

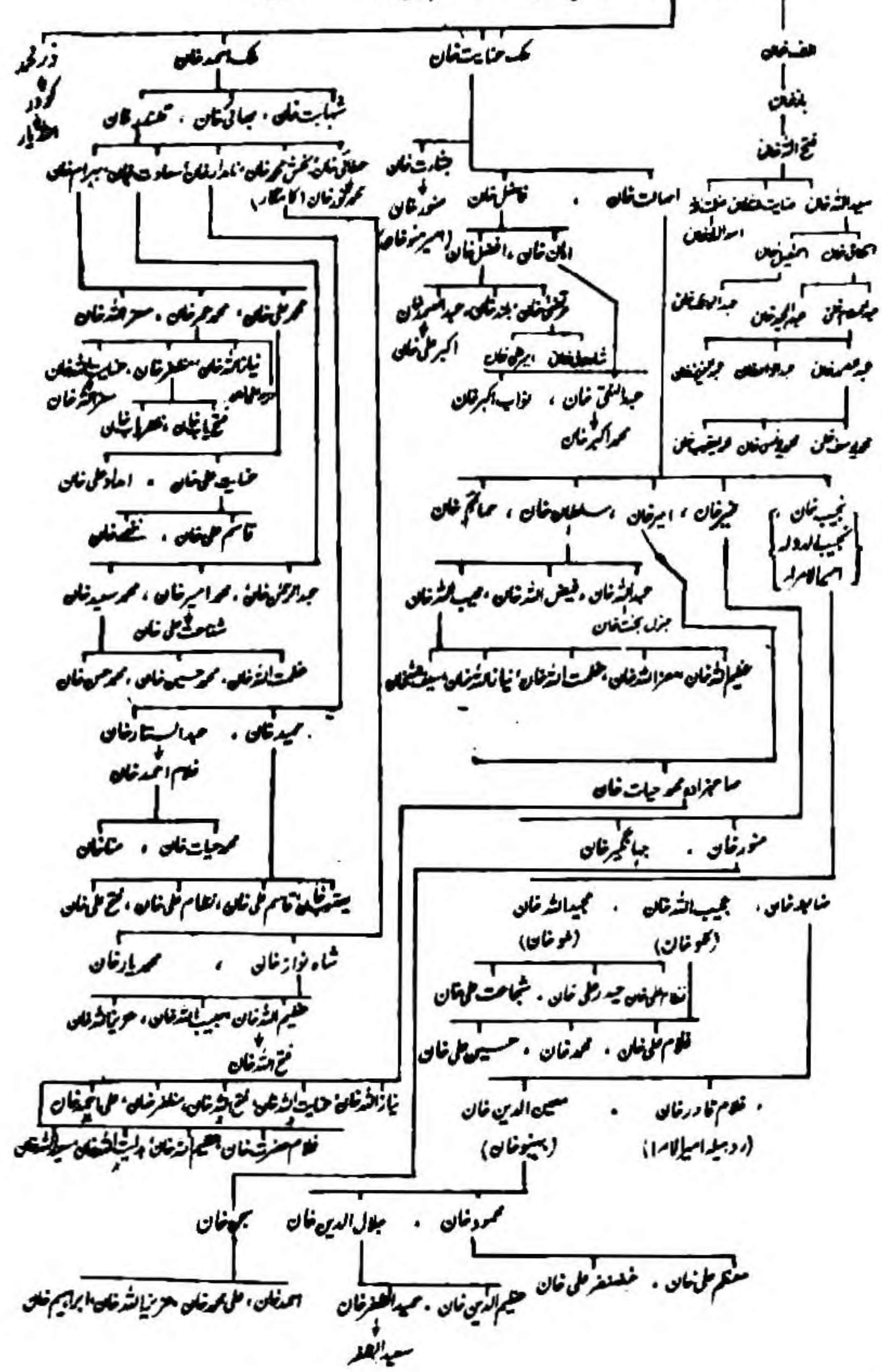

یوسف زئی مندڑ (مختصر شجرہ)

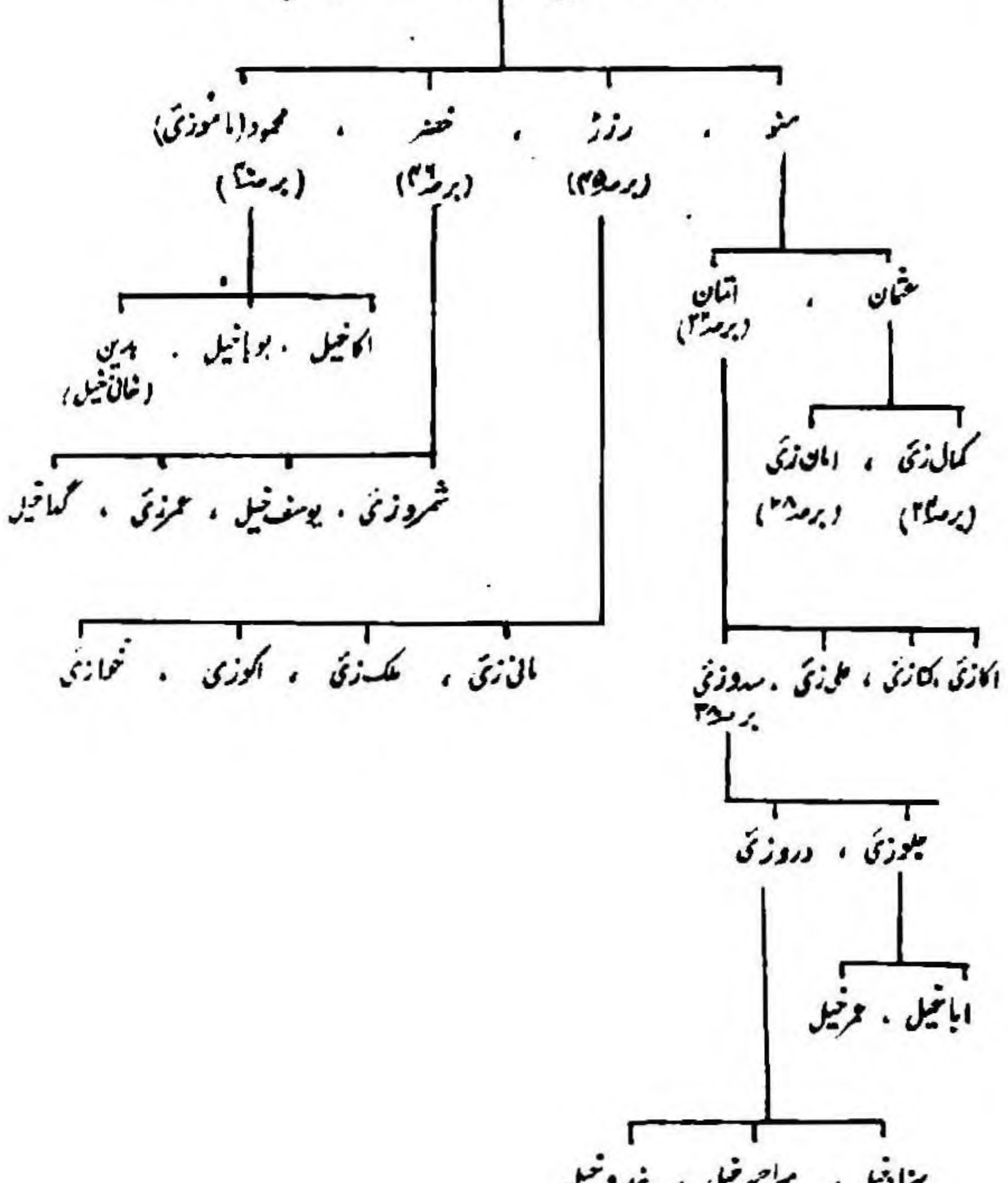

کمال زئی بن عثمان مندڑ از ۲۳

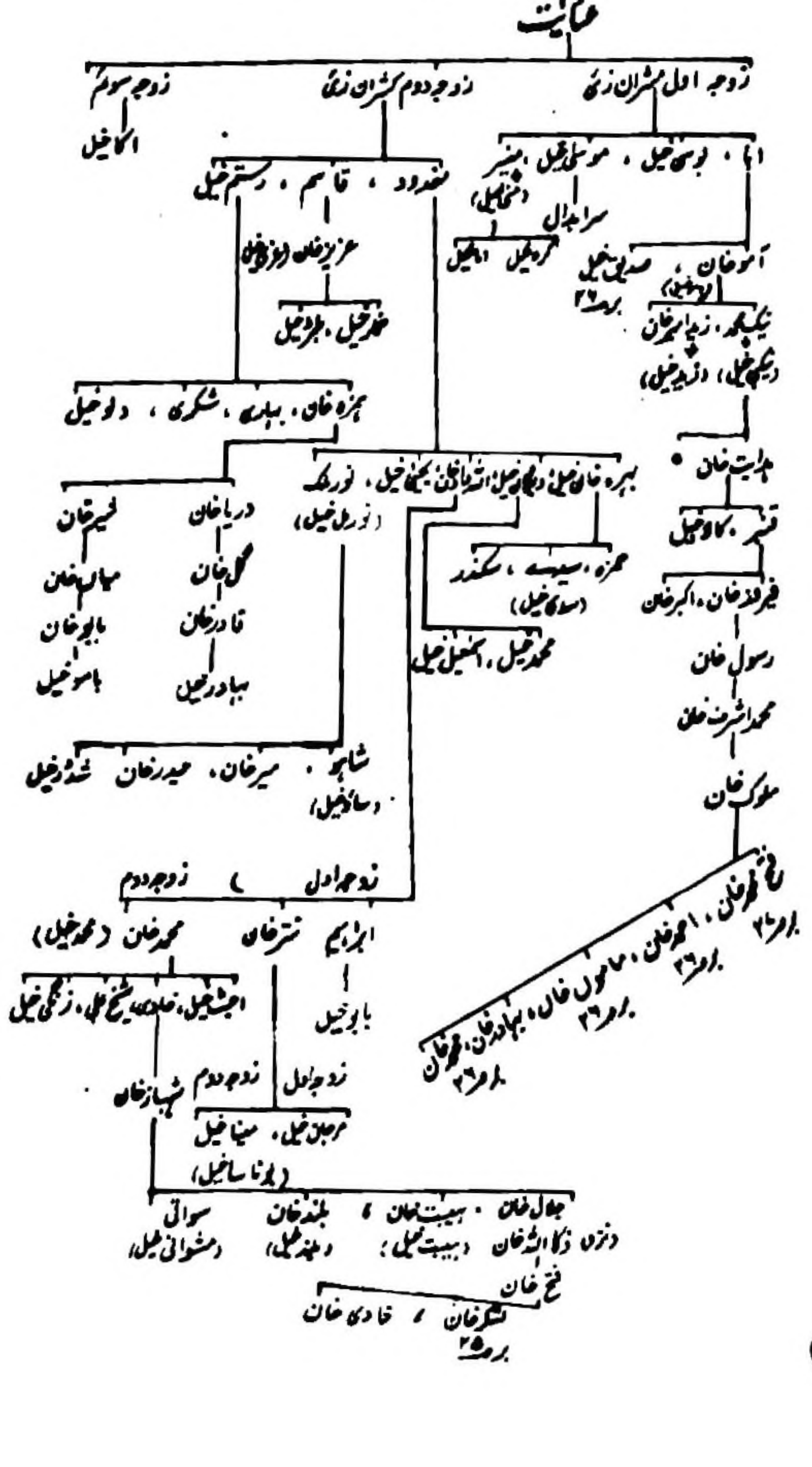

لشکر خان (کشران نڑے کمال نڑئے) از ص ۲۴

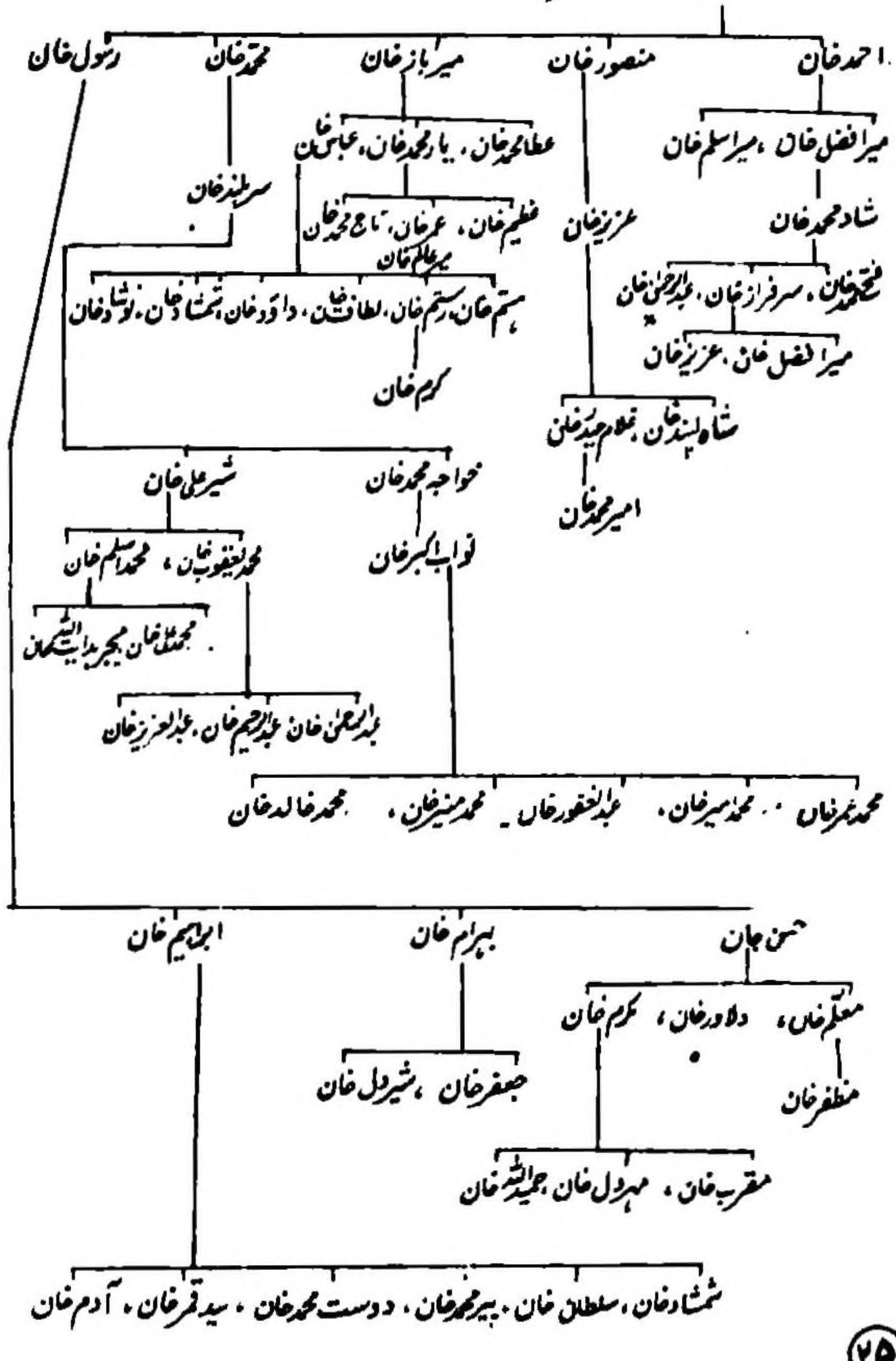

صدیق خیل (کمال زئے) از ص ۲۴

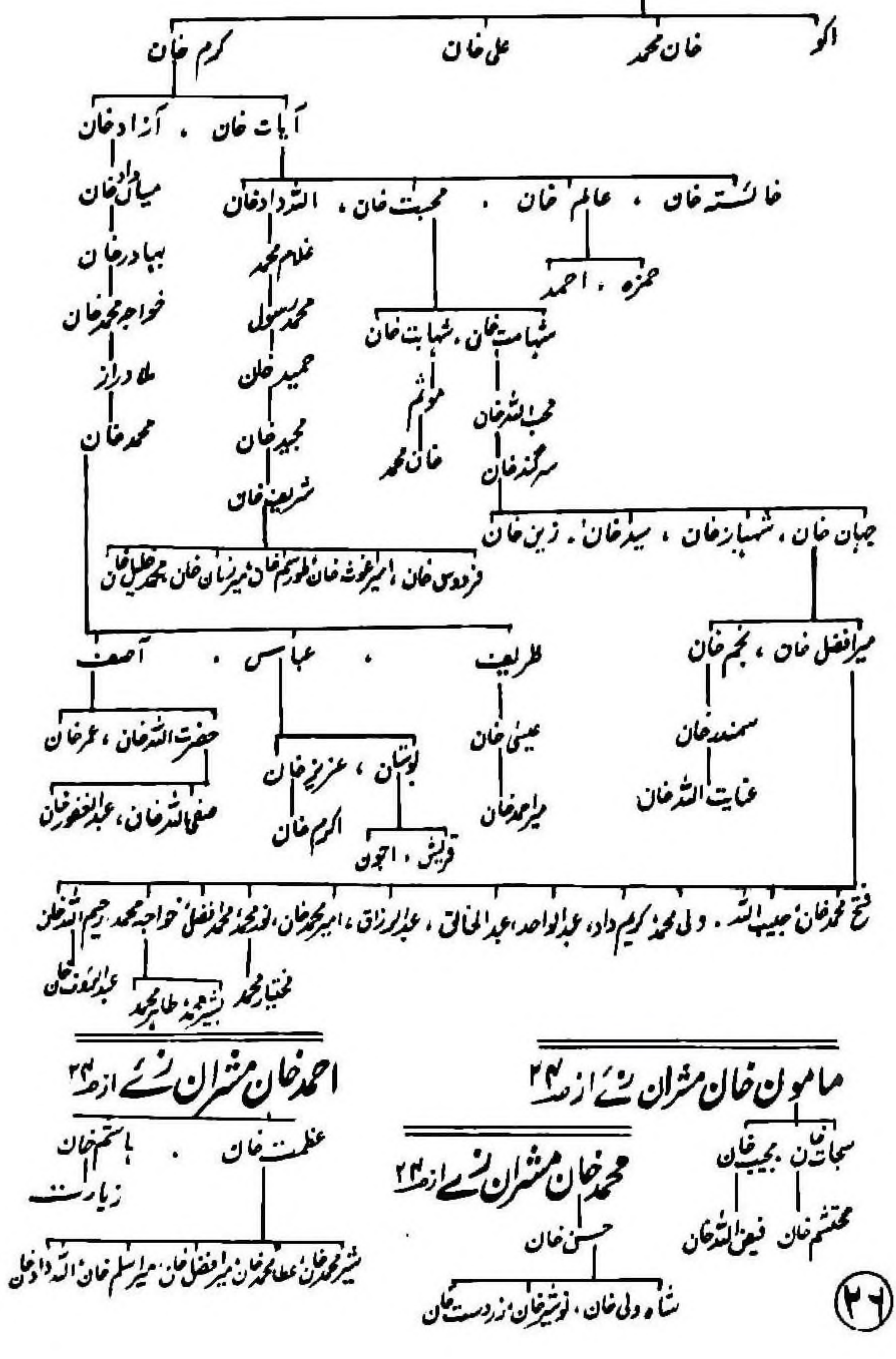

فتح محمد خان کمال زے، از صفحہ ۲۴

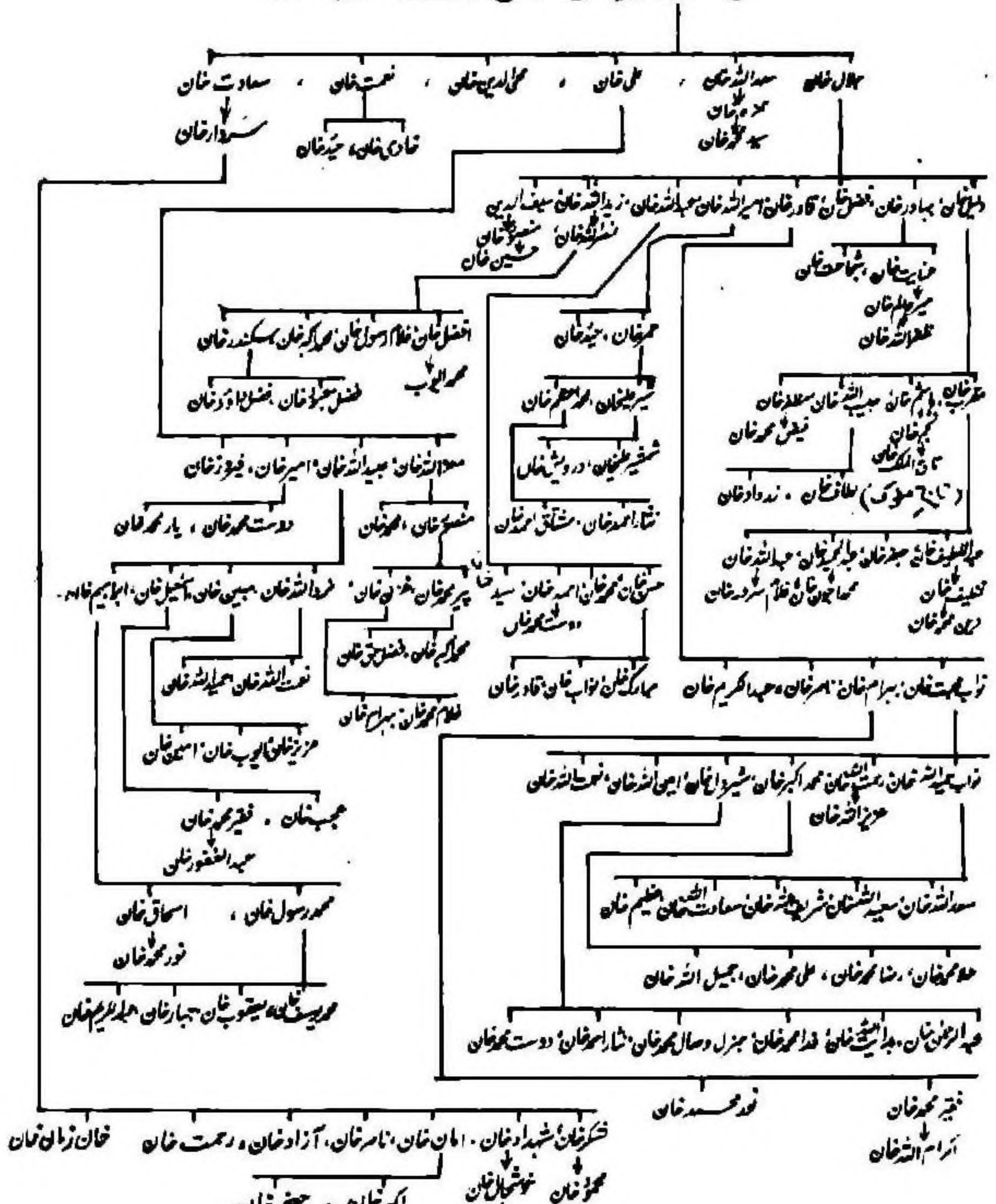

امان بن عثمان (امان زئے) از صفحہ ۲۳

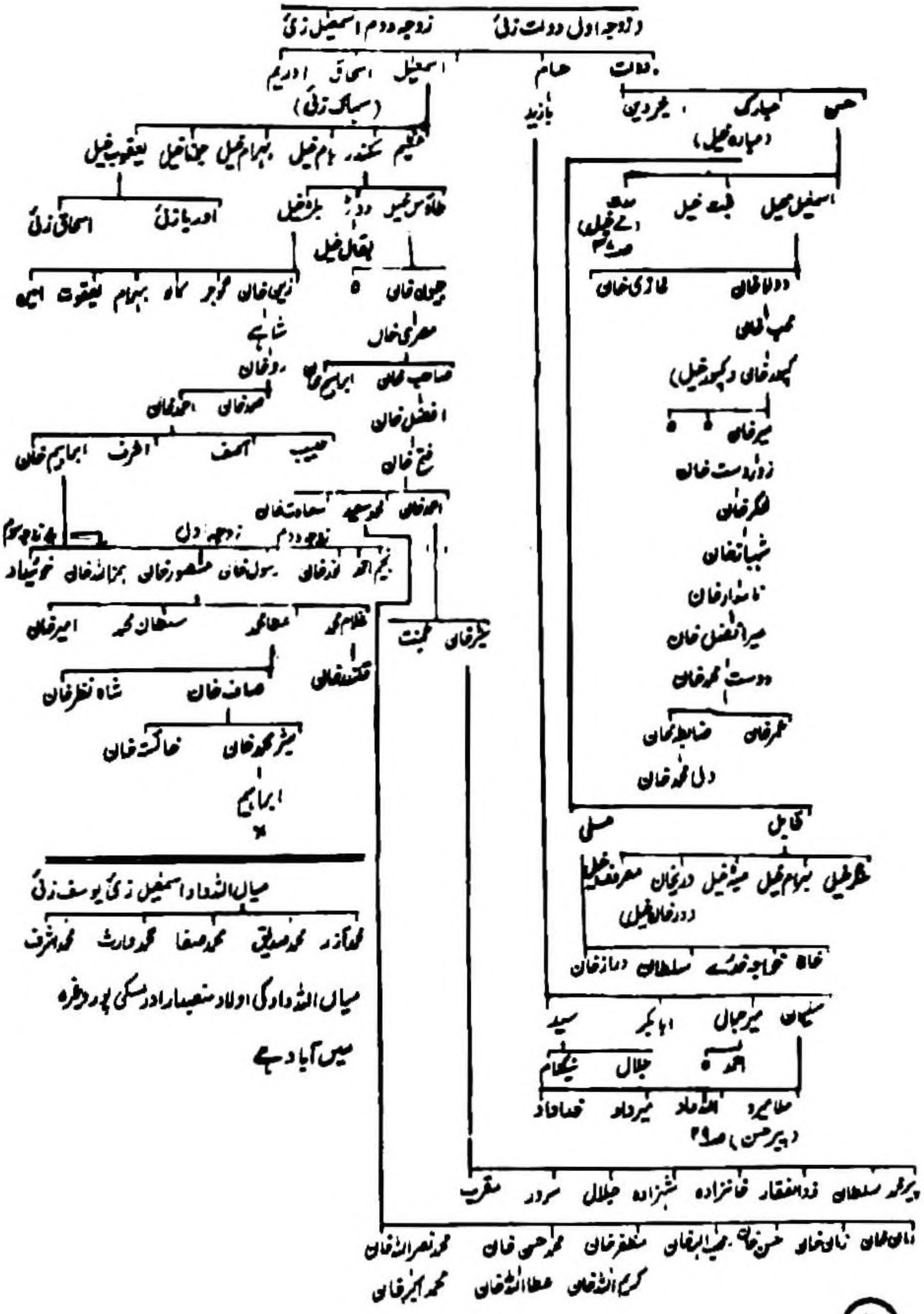

رزڑ منډڑ یوسف زئی از صه ۲۳

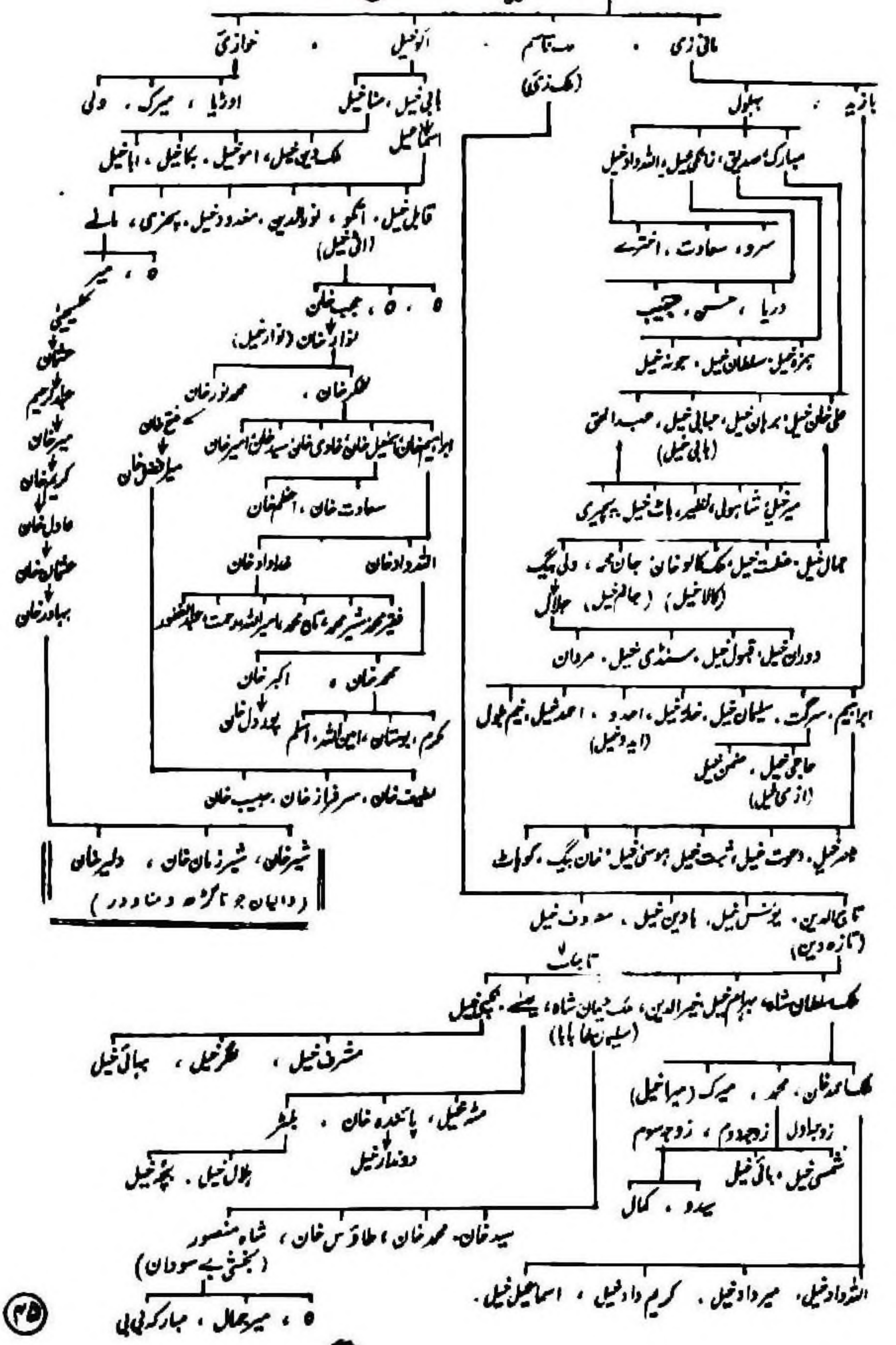

(خضرزیٔ) خضرمندڑ از صفحہ ۲۳

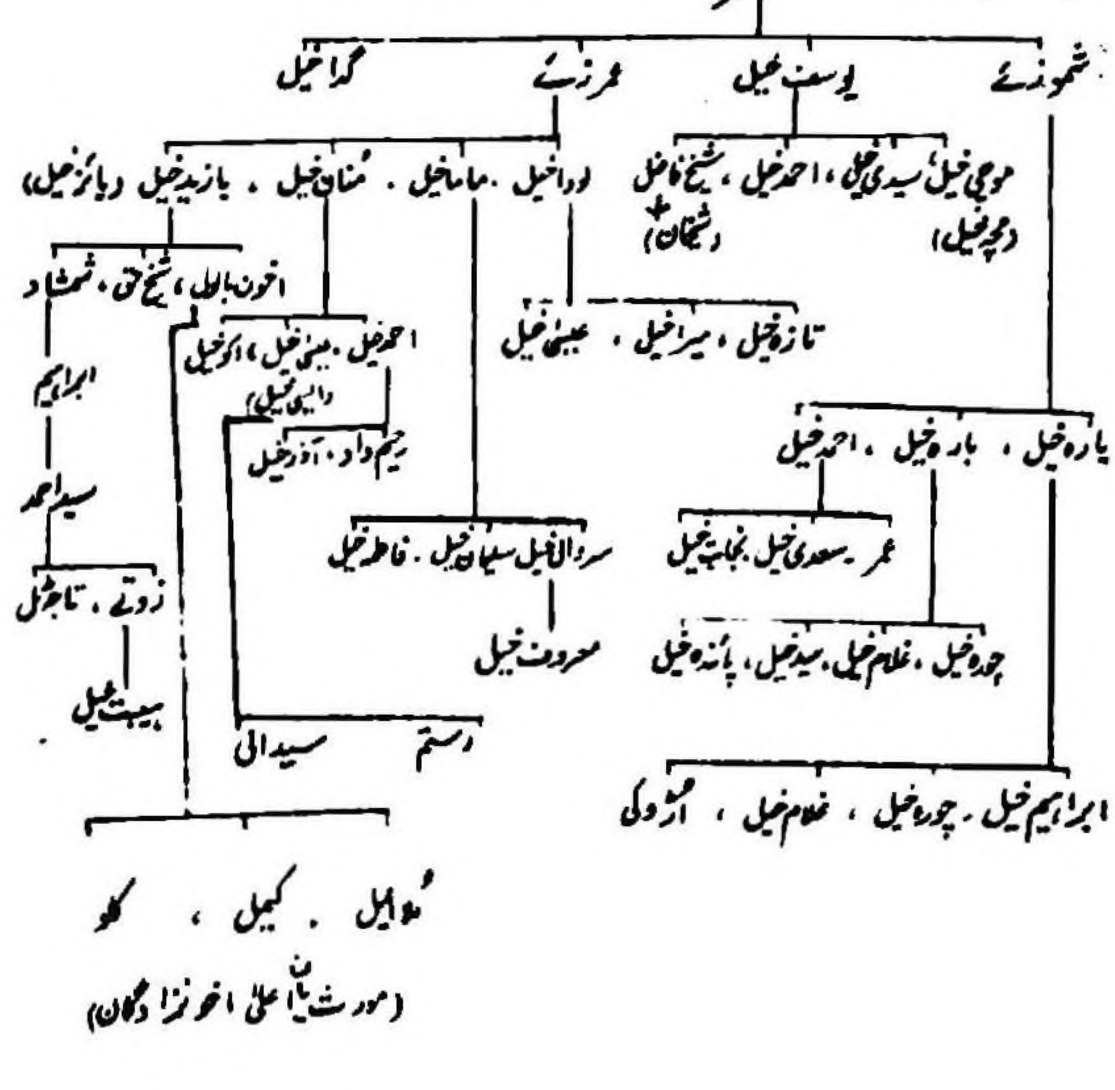

محمودؒ (ماموزئی) مندڑ از ۔۔۔ ۲۳

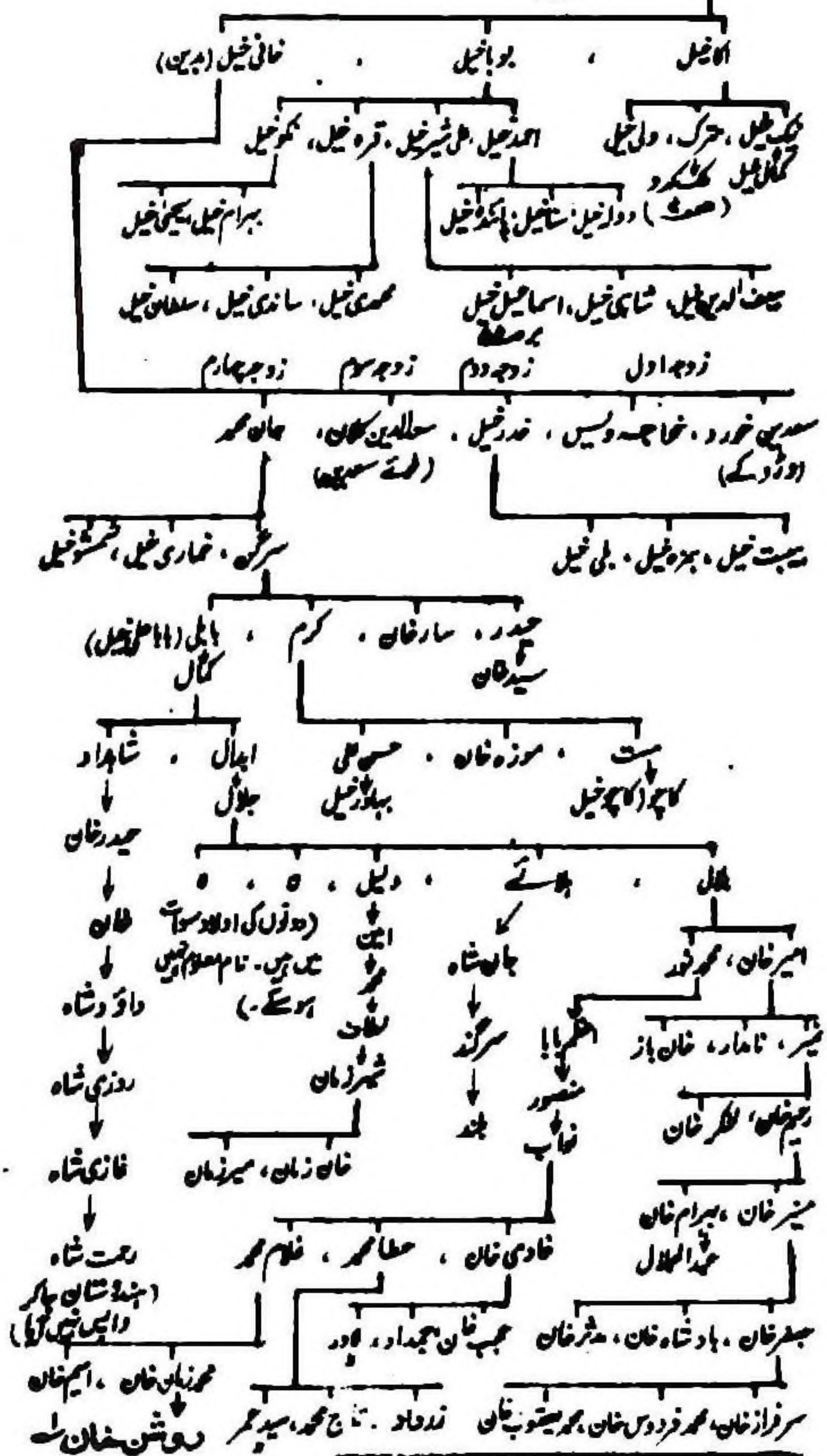

لہ مرتب کنندہ شجرہ ہائے نسب شامل کتاب ہذا۔

شجرہ سید امیر المعروف کوٹہ ملا صاحب موضع کوڑ تحصیل صوابی

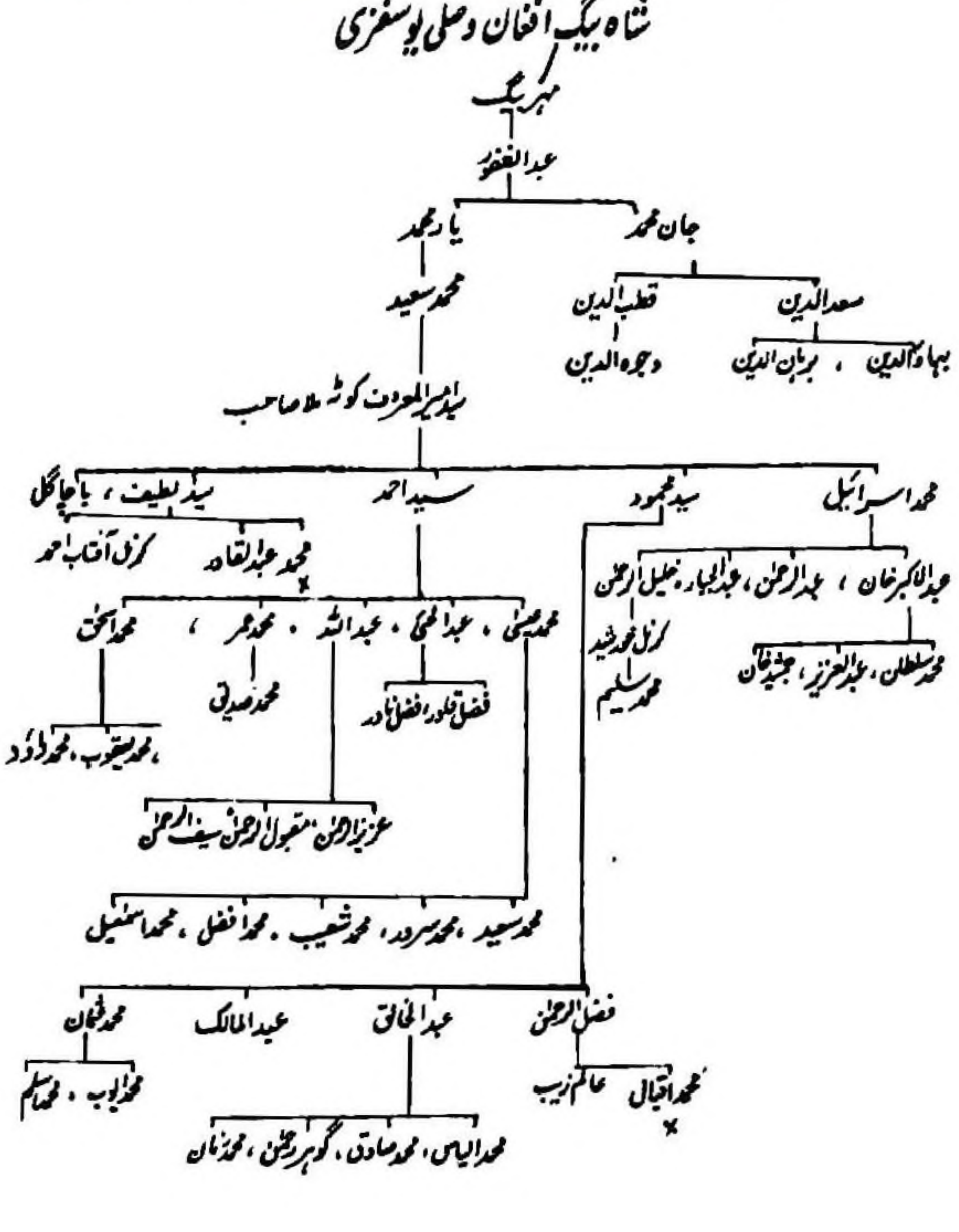

شجرہ نسب گگیانی از مہ

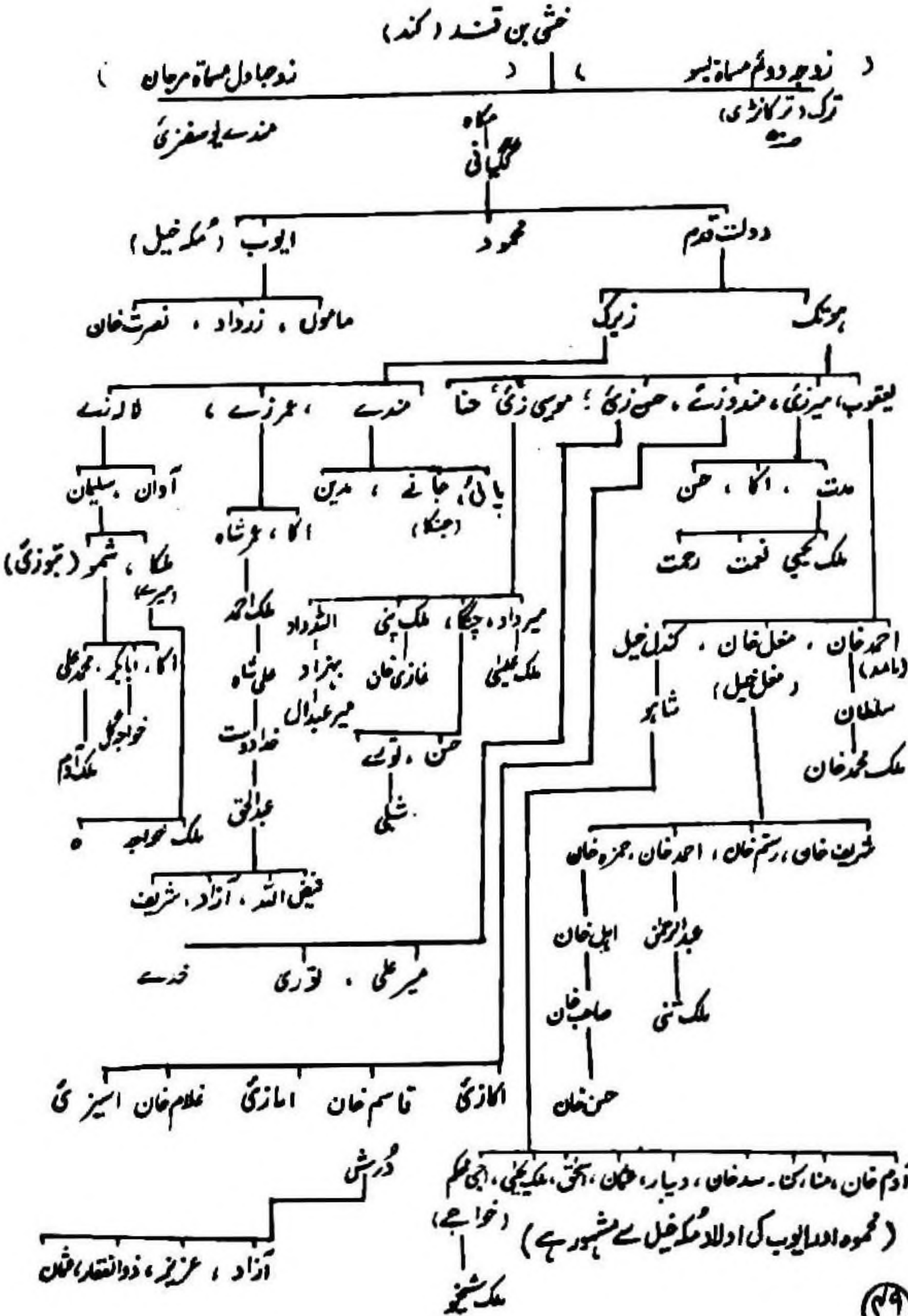

شجرہ نسب ترک (ترکانڑی) بن خرشی بن قند (کند) ازصدا

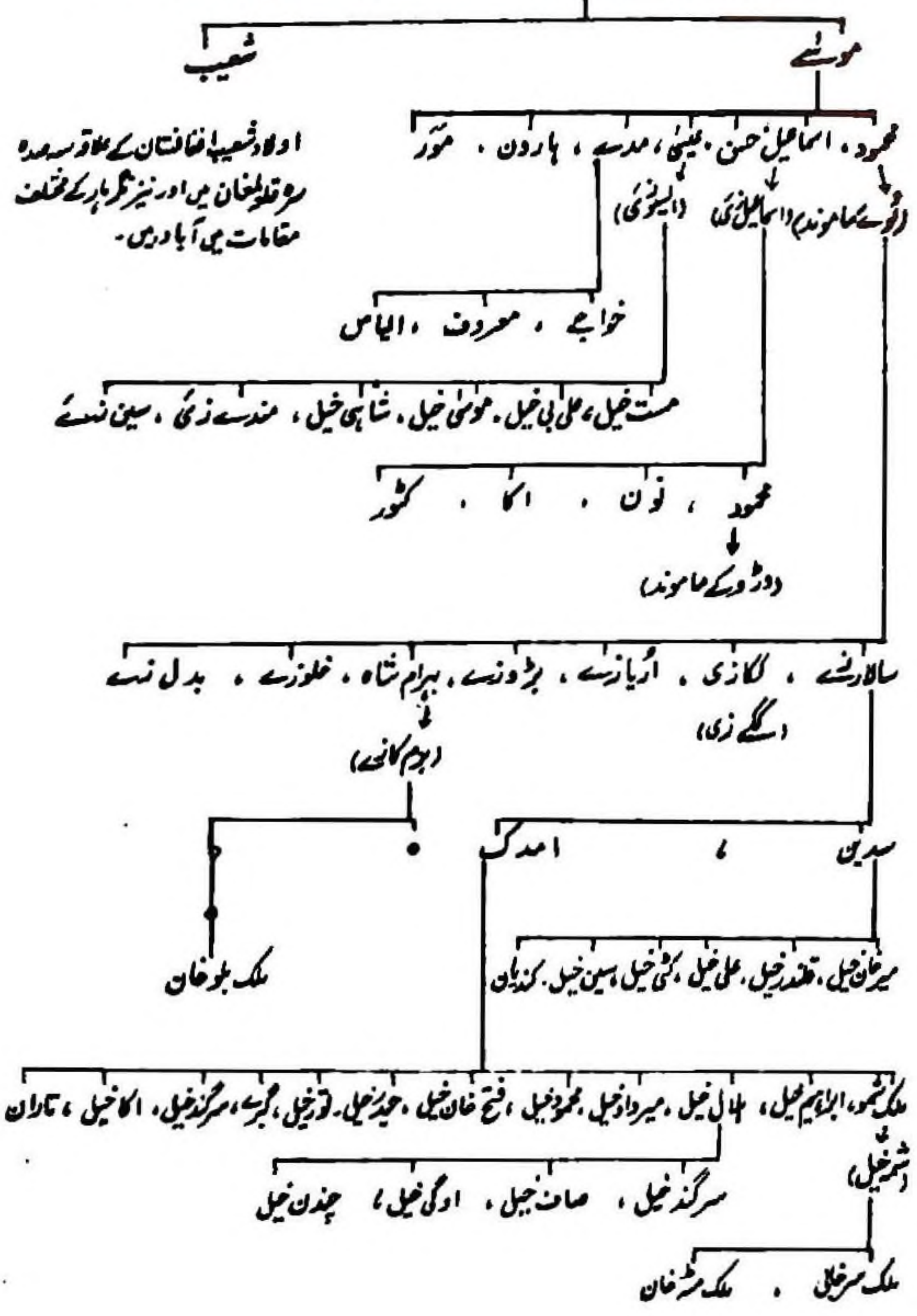

شجرهٔ نسب قبیله محمدزی

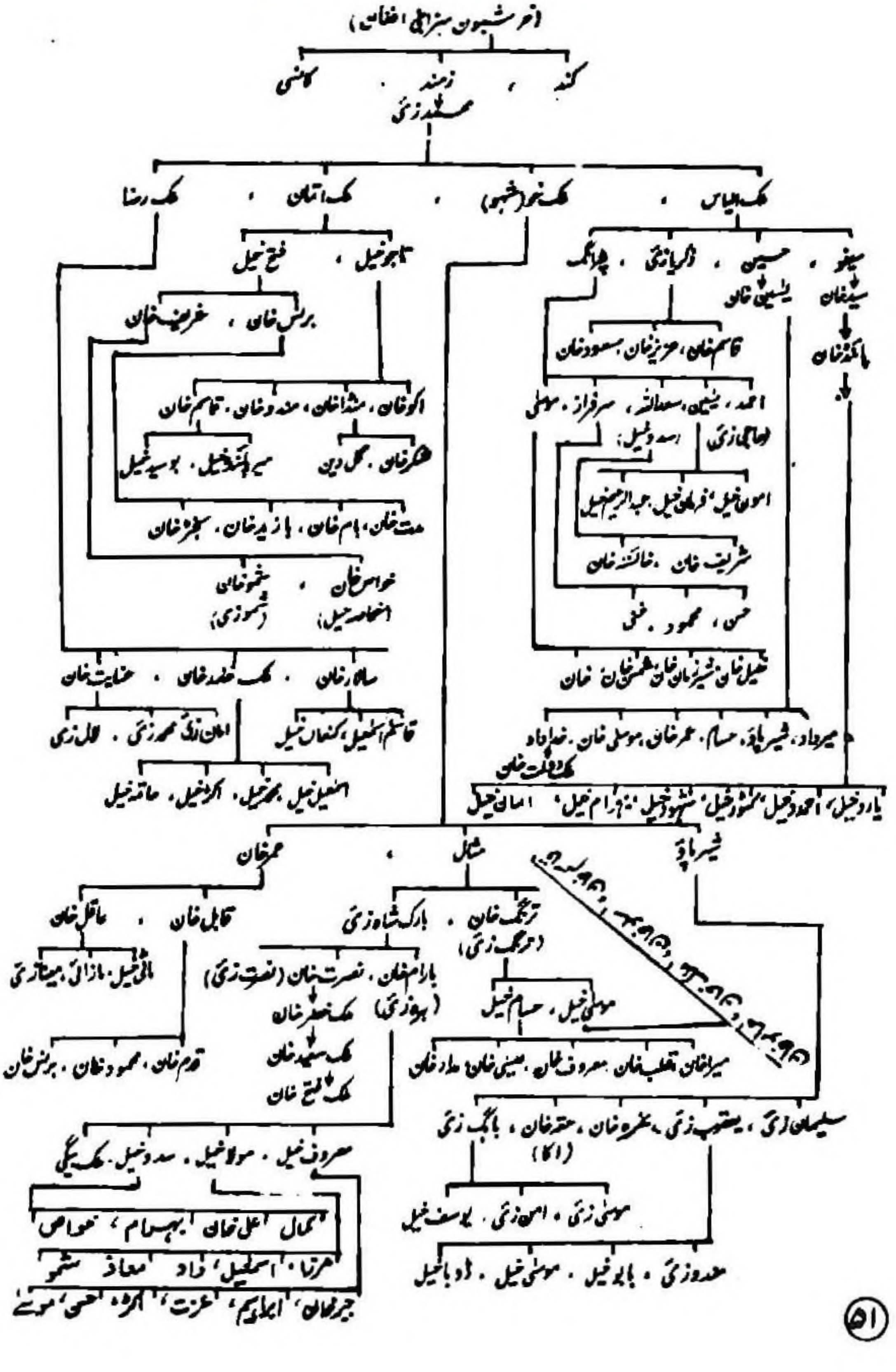

شجرہ قبیلہ گدون (جدون)

اشرف خان (گدون) وصلی یوسف زئی

- سالار
  - ہمت خوازی
    - دولت خان
      - یار محمد، مزید خان
    - طاؤس خان
      - کامل خان، لابی، غازی
    - اریا خان
      - حسن خان، عثمان
    - شیخ علی
      - شیخ گل، منصور
    - عادی خان
      - بیبیلت، ابوجہ خان
  - الوزئے
    - عیسیٰ خیل
      - عبداللہ
    - عبدالرحیم زئے
      - علی شیر خیل، قلندر خیل، علی خیل
        - دولت خیل، اود خیل
    - محمود خیل
      - سوزی خیل، سارنگ خیل، فیض اللہ خان
  - سلیمان زئے
    - احمد خان، اکا خان، جمعت خان، لودھی خان، حسن خان، مدت خان، وکیل خان
- منصور
  - موسیٰ زئے
    - عمر زئے
      - گوار خیل، قمر خیل، یعقوب خیل، عیسیٰ خیل
        - امان خیل، خلیل خیل، جان محمد، بابا بڑ، شاہ باز، ٹمبر
    - بازید خان
      - البردین، خواجہ رستم، الہہ داد خان
    - الدوزئے
      - ولی خیل، شاہی خیل، علی اصغر، باچا خیل
  - دولت زئے
    - یعقوب زئے، حسن زئے، شامان زئے، ہیلول زئے
  - خدوزئے، اسیزئے
    - شیاب زئے، ماما زئے، خلیل زئے، عمران زئے

مشوانی (کرلانی افغان) وصلی یوسف زئی

- لودین، منکانی، سلیمانی، روغانی، تغض، کزبوی، عزیب، خربادکا، یاخن
  - یوسف خیل، موسے خیل، آدم، سنجر

شجرہ نسب باچا صاحب بام خیل تحصیل صوابی یوسفزئی وصلی

مرتضےٰ

محمد غوث ، محمد بشیر شاہ

احمد جی ، عبدالحق (لالاجی)

عبدالمالک ، عبدالواحد

عبدالقیوم (باچا صاحب)

عبدالشکور ، عبدالوارث ، عبدالسمیع ، عبدالحکم ، عبدالشبور ، عبدالرفیع ، عبدالمتین ، عبدالحبیب ، عبدالمعید ، عبدالظاہر

شجرہ نسب سکندر افغان یوسفزی وصلی زروبی تحصیل صوابی

ابوسید ، اخوندسید

خدوخیل ، پائندہ خیل ، محمد خان

بوزرخان خیل ، ملک خان خیل ، بیبائی خان خیل ، قمر دین خیل ، موسیٰ خان خیل

شجرہ نسب قیاش ماما قوم میانہ یوسفزی وصلی سوڈیر تحصیل صوابی

غیاث الدین ، غوث ، میر ، اسرار ، جان خان ، ایاز الدین ، النور ، منبر

شجرہ نسب خویشگی بن زمند از صدا

توریان

دتوزئی ، حسن زئی ، خلف زئی ، حسین زئی

جنوزئی ، شہابن زئی ، عارف زئی ، ابراہیم زئی ، محمد ، انتوزئی

شموزئی ، مسلمی ، بدین

عیسیٰ ، علی زئی ، امان ، دشک ، ہڈا ، موسیٰ

تہدوزئی ، برچہ خیل ، حوازی ، شموزئی ، فاطمہ زئی

شجرہ نسب حافظ رحمت خان حکمران روہیلکھنڈ

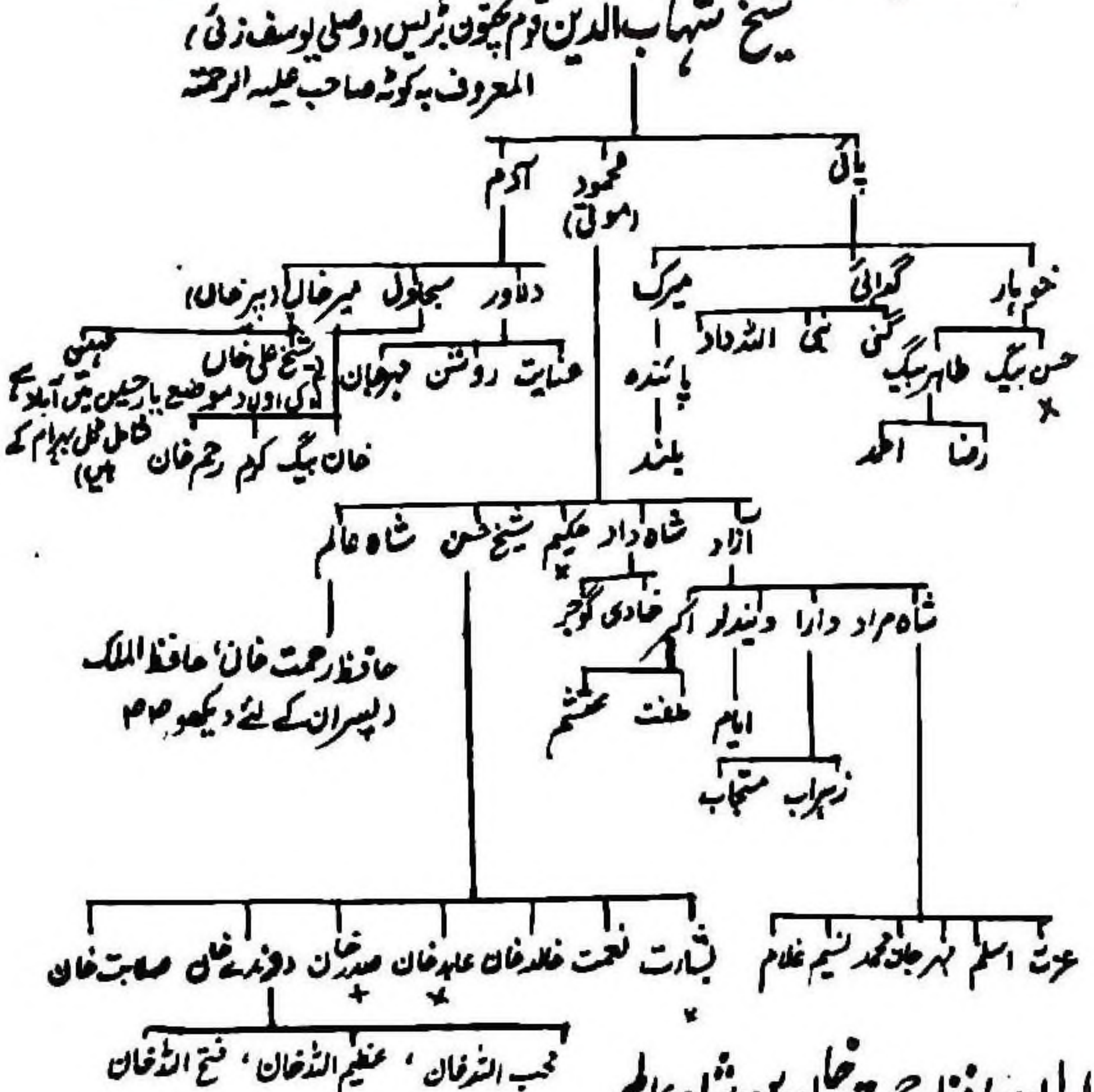

۴۴ پسران حافظ رحمت خان بن شاہ عالم

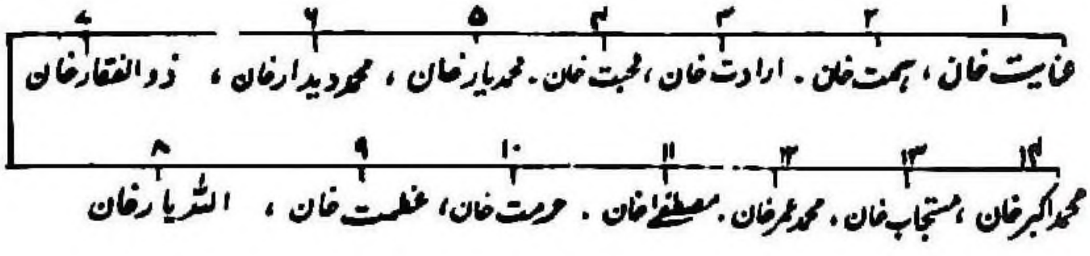

اسمٰعیل خیل علی خیل بوبا خیل ماموزئی
منڈر یوسف زئی از صفحہ ۷۴

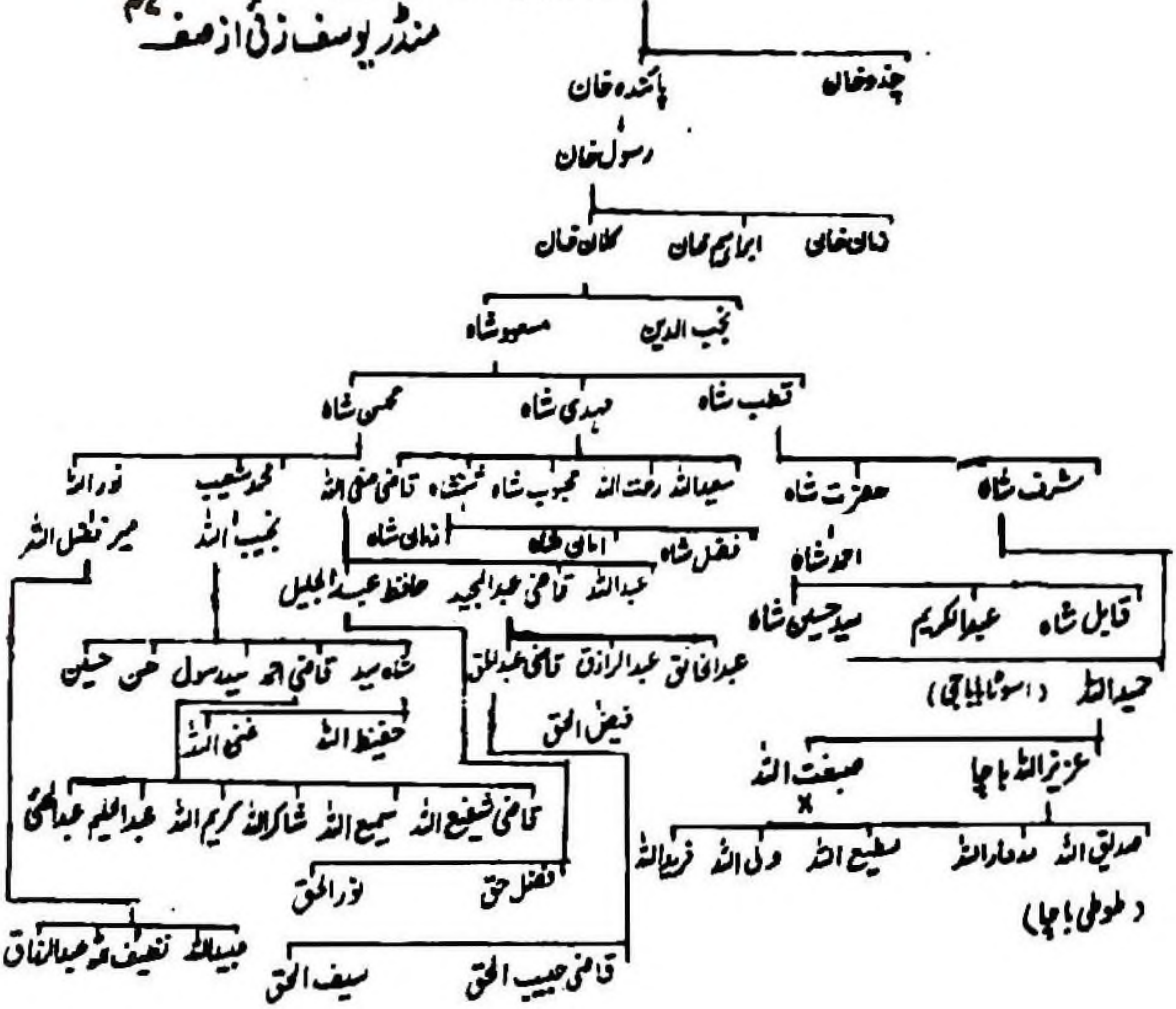

شجرۂ نسب "بارک زئی سرداران"

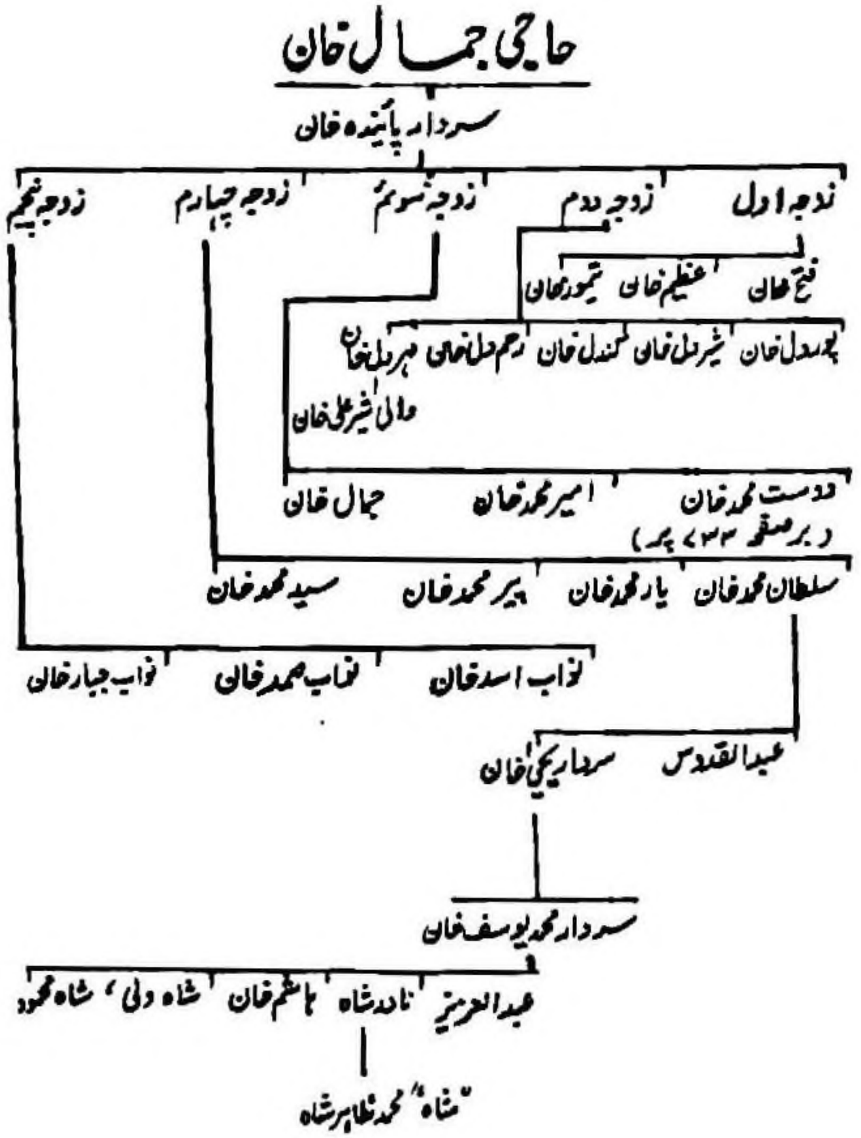

دوست محمد خان ابنِ سردار پائینده خان از صفحہ ۷۰۲

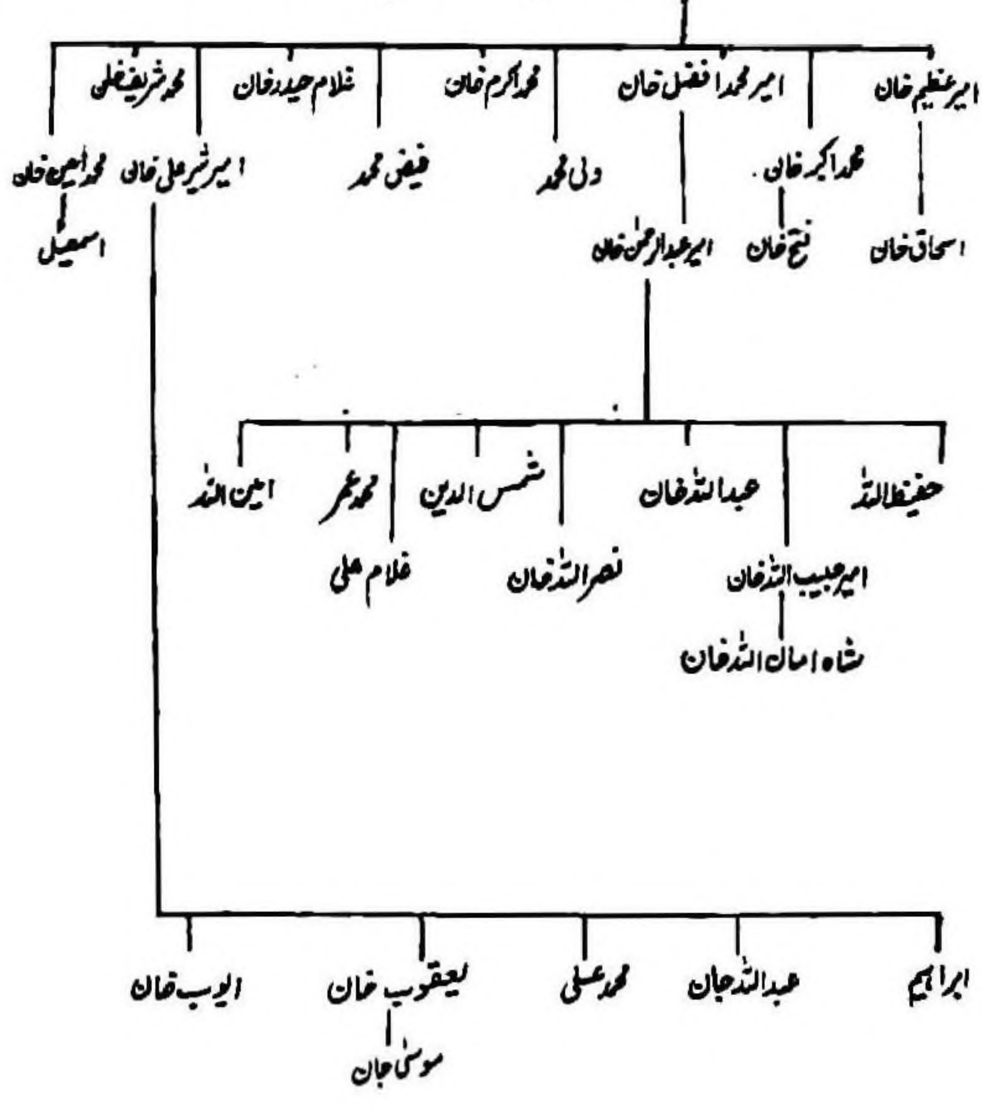

UNIVERSITY OF CALIFORNIA LIBRARY
Los Angeles
This book is DUE on the last date stamped below.

UNIVERSITY OF CALIFORNIA LOS ANGELES
L 007 683 395 3